تفسیر مظہری
جلد چہارم

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ تفسیر

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور — کراچی — پاکستان

نام کتاب	تفسیر مظہری (جلد چہارم)
تالیف	حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ متن	ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	الاستاذ مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ
	مولانا محمد انور مگھالوی
	فضلاء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف
تعداد	ایک ہزار
اشاعت	دسمبر 2002ء (رمضان المبارک 1323 ہجری)
کمپیوٹر کوڈ	1Z348

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔7221953

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔7225085-7247350

فیکس:۔042-7238010

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست

سورۃ الانفال

آیاتہا ۷۵ | سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّۃٌ ۸ | رکوعاتہا ۱۰

سورۂ انفال مدنی سورت ہے، اس میں 76 یا 77 آیات ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ سے سات آیات تک مکی ہیں ان کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ واقعہ اگرچہ مکہ مکرمہ کا ہے مگر آیات کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ (ترجمہ جمال القرآن کے مطابق سورۂ انفال مدنی ہے۔ اس کی 75 آیات اور 10 رکوعات ہیں)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝ كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَیْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝

”دریافت کرتے ہیں آپ سے غنیموں کے متعلق، آپ فرمائیے غنیموں کے مالک اللہ اور رسول ہیں [1] پس ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اور اصلاح کرو اپنے باہمی معاملات کی [2] اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اگر تم ایمان دار ہو [3] صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل [4] اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ کی آیتیں تو یہ بڑھا دیتی ہیں ان کے ایمان کو اور صرف اپنے رب پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں [5] (اور) جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو، نیز اس سے جو ہم نے انہیں دیا ہے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں [6] انہی کے لئے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور باعزت روزی [7] جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے حق کے ساتھ اور بیشک اہل ایمان کا ایک گروہ (اس کو) ناپسند کرنے والا تھا [8]“

[1] ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، نسائی، حاکم، ابن حبان، عبدالرزاق نے معنف میں، عبد بن حمید، ابن عابد، ابن مردویہ اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جب غزوۂ بدر کا دن تھا تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کسی کو قتل کرے گا اس کے لئے اس طرح ہوگا اور جو کسی کو قیدی بنائے گا اس کے لئے اس طرح ہوگا (1) اور ابن مردویہ کی ایک روایت جس کی

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 376 (وزارت تعلیم)

سند میں کلبی ابو صالح کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور عطاء ابن عجلان کے واسطہ سے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ جو کسی کو قتل کرے گا تو مقتول سے چھینا ہوا سامان اسی کے لئے ہوگا۔ پس بوڑھے صحابہ کرام تو جھنڈے کے پاس ہی ڈٹے رہے اور نوجوان میدان کارزار میں اترے اور بڑی تیزی سے کفار کو قتل کیا اور مال غنیمت اکٹھا کیا، پھر بوڑھوں نے نوجوان سے کہا، مال غنیمت میں ہمیں بھی اپنے ساتھ شریک کرو کیونکہ ہم تمہاری پشتوں کی حفاظت کر رہے تھے۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا (یعنی اگر تم میدان سے بھاگنے پر مجبور ہو جاتے) تو بالیقین تم ہماری طرف ہی آتے۔ نتیجۃً ان تمام نے اپنا یہ اختلاف رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا۔ پھر ابوالیسر دو قیدی لیکر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے ہمارے ساتھ یہ وعدہ فرما رکھا ہے۔ اتنے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ نے یہ سب کچھ انہیں عطا فرما دیا تو آپ کے ان قریبی اصحاب کے لئے تو کوئی شی نہیں بچے گی حالانکہ ہم میدان جنگ میں اترنے سے اس لئے تو نہیں رکے کہ ہمیں آخرت کی طلب نہ تھی یا بزدلی کے باعث دشمن سے خوفزدہ تھے یا پھر ہم دنیوی زندگی کے لئے حریص تھے (ایسا ہرگز نہیں) بلکہ ہم وہ سب کچھ کر سکتے تھے جو ہمارے ان بھائیوں نے کیا، لیکن ہم نے تو آپ کو تنہا دیکھا اور یہ پسند نہ کیا کہ آپ ایسے مقام پر تنہا رہیں جہاں نقصان کا شدید اندیشہ ہے۔ لہٰذا ہم آپ کی محافظت و نگہبانی کے لئے اسی مقام پر ٹھہرے رہے تا کہ دشمن کہیں پیچھے کی جانب سے آپ پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ نتیجۃً ان کے مابین شدید اختلاف ہوا تو پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔(1)

یعنی اے محمد ﷺ! یہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ غنیمتیں کن کے لئے ہیں؟ انفال نفل کی جمع ہے اور اس سے مراد مال غنیمت ہے چونکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور اس کی عطاء سے ملتا ہے، اس لئے مال غنیمت کو نفل (مفت مال) کہا جاتا ہے۔ ''قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ'' یعنی اے محمد ﷺ! آپ انہیں فرما دیجئے کہ مال غنیمت اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اس میں تصرف کرنے کا اختیار رسول اللہ ﷺ کے پاس ہے۔ آپ اسے ایسے ہی تقسیم کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ آپ کو حکم ارشاد فرماتا ہے، یعنی مال غنیمت کا معاملہ فقط اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے ساتھ ہی مختص ہے۔ مذکورہ ائمہ حدیث نے اس آیت کے بارے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کا اختیار لوگوں کے ہاتھوں سے لیکر رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیا اور پھر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے درمیان اسے برابر برابر تقسیم کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرنے، اللہ تعالیٰ اور رسول مکرم ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرنے اور آپس کے تعلقات کی اصلاح کا مفہوم یہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

2۔ پس باہمی اختلافات اور جھگڑے برپا کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو" وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ'' اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو، یعنی ایسے اوصاف پیدا کرو جن کے سبب تمہارے مابین مواسات اور باہمی الفت و محبت پیدا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں تم ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم ﷺ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہو۔ زجاج نے کہا ہے کہ ذات بینکم سے مراد یہ ہے کہ تمہارے درمیان حقیقتاً وصل، دوستی اور محبت کے تعلقات ہوں۔ بین سے مراد وصل ہے۔

3۔ غنائم اور دیگر امور کے بارے تمہیں جو حکم دیا جائے اس میں اللہ تعالیٰ اور رسول مکرم ﷺ کی اطاعت کرو اگر تم ایماندار ہو۔

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 293 (العلمیہ)

چونکہ سابقہ کلام جزاء پر دلالت کر رہا ہے اس لئے یہ شرط یہاں جزاء کے ذکر سے مستغنی ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اگر تم کامل ایمان رکھتے ہو تو پھر اس طرح کرو کیونکہ کمال ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ اوامر کی اطاعت کی جائے۔ معاصی سے بچا جائے اور عدل، احسان اور ایثار کے سبب آپس کے باہمی معاملات کی اصلاح کی جائے۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث طیبہ اس طرح ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ وعدہ فرمایا کہ جو کوئی مال غنیمت لائے گا وہ اسی کے لئے ہوگا۔ پس یہ سن کر نوجوان میدان جنگ میں کود پڑے، یہاں تک کہ ستر افراد کو قتل کر دیا اور ستر افراد کو قیدی بنالیا۔ پھر انہوں نے مال غنیمت کا مطالبہ کیا اور وہ مال جو بطور غنیمت حاصل ہوا تھا اس کے مقدار قلیل تھی۔ لہٰذا بوڑھے اور بزرگ صحابہ کرام جو کہ جھنڈے کے پاس ہی ٹھہرے رہے تھے۔ انہوں نے کہا ہم تمہاری پشت پر تھے اور کوئی جماعت اس کی طرف سمت کر آسکتی تھی۔ (اس لئے ہمارا یہ حق ہے کہ مال غنیمت سے ہمیں بھی حصہ دیا جائے) تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان مال غنیمت برابر تقسیم کر دیا۔ پھر علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام وقت اپنے لشکریوں سے جو وعدہ کرے اسے پورا کرنا اس پر لازم نہیں۔ یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔(1)

ابن ابی شیبہ، احمد، عبد بن حمید اور ابن مردویہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب غزوہ بدر برپا ہوا تو میرا بھائی عمر شہید ہوا اور میں نے سعید بن العاص کو قتل کیا اور اس کی تلوار جس کا نام ذوالکتیفہ تھا، خود لے لی۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آج کے دن اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی جانب سے مجھے راحت اور سکون عطا فرمایا ہے اور بطور مال غنیمت یہ تلوار بھی مجھے عطا فرمائی ہے اور آپ ﷺ (میری شجاعت و بہادری کا) حال تو جانتے ہی ہیں، (لہٰذا یہ تلوار میرے پاس ہی رہنے دیجئے)۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تلوار نہ تیری ہے اور نہ ہی میری ہے، پس اسے رکھ دیجئے۔ تو میں نے اسے رکھ دیا پھر واپس لوٹا اور دل میں یہ کہنے لگا شاید آپ ﷺ آج کے دن یہ تلوار ایسے آدمی کو عطا فرمادیں جس کی جرأت و بہادری میری مثل نہ ہو۔ چنانچہ میں پھر لوٹ کر گیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا چلا جا اور اسے مال غنیمت میں جا کر رکھ دے۔ پس میں لوٹ آیا لیکن میرے بھائی کے شہید ہونے اور دشمن کا مسلوبہ مال مجھ سے لئے جانے پر مجھے جو دکھ اور غم ہوا اسے فقط اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ چنانچہ میں اسی کیفیت میں واپس پلٹا اور جب تلوار مال غنیمت میں رکھنے کا ارادہ کیا تو پھر میرے نفس نے میرے ذہن میں کچھ ڈال دیا۔ میں دوبارہ حاضر خدمت ہوا اور عرض کی یہ مجھے ہی عطا فرمادیجئے تو آقائے دو جہاں ﷺ نے بلند آواز سے مجھے ڈانٹا۔ میں واپس آیا لیکن ابھی تھوڑا ہی پیچھے مڑا تھا کہ اتنے میں سورۃ انفال نازل ہوئی تو پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جا اور اپنی تلوار اٹھا لے(2) اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور مجھے فرمایا تو نے مجھ سے تلوار مانگی تھی اس وقت وہ میری نہیں تھی اب وہ میری ہو چکی ہے لہٰذا اب وہ تلوار تیرے لئے ہی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور انصار میں سے ایک آدمی مال غنیمت اٹھانے کے لئے نکلے تو انہیں ایک گری ہوئی تلوار ملی۔ تو وہ دونوں اس پر جھپٹ پڑے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میری ہے اور انصاری نے کہا یہ میری ہے، میں قطعاً نہیں دوں گا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ وہ دونوں آپ ﷺ کی

1۔ تفسیر بیضاوی صفحہ 234 (فراس)

2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 291 (العلمیہ)، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 180 (صادر)

بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ عرض کیا۔ تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے سعد! یہ تلوار نہ تیرے لئے ہے اور نہ ہی انصاری کے لئے۔ تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں، يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ الآیہ پھر یہ آیت اس ارشاد گرامی سے منسوخ ہوگئی وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہم اللہ نے سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ مال غنیمت خالصۃً رسول اللہ ﷺ کے لئے تھا، کسی اور کے لئے اس میں کوئی حصہ نہیں تھا۔ مسلمان دستوں کو جو چیز بھی ہاتھ آتی وہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کر دیتے۔ پس اگر کوئی اس میں سے سوئی یا دھاگہ تک بھی روک لیتا تو وہ خیانت اور چوری تصور کی جاتی۔ چنانچہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی کہ مال غنیمت میں سے کچھ انہیں بھی عطا فرمائیں۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ الآیہ نازل فرمائی کہ آپ ﷺ انہیں فرما دیجئے کہ مال غنیمت میری ملکیت ہے اور میں نے اسے اپنے رسول مکرم کے تصرف میں دے دیا ہے۔ تمہارے لئے اس میں کوئی شئی نہیں ہے(1) پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اپنے معاملات کی اصلاح کرو...... اگر تم ایماندار ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ الآیہ نازل فرمائی۔ پھر مال غنیمت کا پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ، ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں میں تقسیم فرما دیا اور بقیہ 4/5 حصے عام لوگوں کے لئے مقرر فرما دیئے اسی طرح کہ گھوڑ سوار کے لئے مجموعی طور پر تین حصے ہوں گے یعنی دو حصے گھوڑے کے اور ایک حصہ شہسوار کا اور پیدل کے لئے ایک حصہ ہوگا۔(2)

محمد بن یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت مساوی طور پر تقسیم کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تو سعید بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! قوم کے وہ شہسوار جو اس کی حفاظت کرتے ہیں، کیا آپ ﷺ انہیں بھی اتنا مال ہی عطا فرمائیں گے جتنا کمزوروں اور ضعیفوں کو دیں گے؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیری ماں تجھے روئے! کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ کمزوروں اور ضعیفوں کے سبب ہی تمہیں فتح و نصرت عطا کی جاتی ہے؟ پھر آپ ﷺ کے منادی نے اعلان کر دیا جس کسی نے کسی کو قتل کیا ہے اس سے چھینا ہوا مال اسی کے لئے ہے اور جس کسی نے کسی کو قیدی بنایا ہے تو وہ قیدی اسی کے لئے ہے چنانچہ آپ ﷺ مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کو ہی عطا فرمایا کرتے تھے۔(3)

سعید بن منصور، احمد، ابن منذر، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے سنن میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ مسلمانوں کا کفار سے مقابلہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست سے دوچار کر دیا اور وہ بھاگ نکلے۔ مسلمانوں کے ایک گروہ نے دشمن کا تعاقب کیا، ان میں سے بعض کو قیدی بنایا اور بعض کو قتل کیا اور ایک گروہ میدان میں کود پڑا اور وہاں سے مال غنیمت اکٹھا کرنے لگا اور مسلمانوں کا ایک طائفہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لئے آپ ﷺ کے پاس ہی رہا تا کہ کوئی دشمن دھوکہ کر کے آپ ﷺ کو تکلیف نہ پہنچا سکے۔ یہاں تک کہ جب رات ہوگئی اور لوگ واپس آ گئے۔ تو جنہوں نے مال غنیمت اکٹھا کیا تھا انہوں نے یہ کہا چونکہ ہم نے مال اکٹھا کیا ہے اور ہم نے ہی اس کی حفاظت کی ہے لہٰذا یہ ہمارے لئے ہی ہے کسی اور کا اس میں کوئی حصہ نہیں اور جو دشمن کی تلاش میں نکلے تھے انہوں نے کہا تم ہم سے زیادہ مستحق نہیں ہو، ہم نے ہی دشمن سے یہ چھینا ہے اور انہیں میدان جنگ سے بھگایا ہے اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو گھیرا ڈالے رہے انہوں نے کہا تم میں سے کوئی بھی ہم سے زیادہ حق نہیں رکھتا کیونکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 294 (العلمیہ) 2۔ سنن کبریٰ بیہقی، جلد 6 صفحہ 293 (الفکر)

3۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 62، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

پاس رہے ہیں اور آپ ﷺ کی حفاظت کرتے رہے ہیں تا کہ دھوکہ کے ساتھ کوئی دشمن آپ ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچا سکے۔ پس ہم اسی میں مشغول رہے تو اس وقت یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ الآیہ نازل ہوئی۔(1)

2؎ صرف وہی کامل الایمان ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کے سبب ڈر جاتے ہیں اور اس کی ہیبت وعزت کے سبب خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو گناہ کا قصد کرتے ہیں۔ پھر جب انہیں یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت اور عذاب سے خوفزدہ ہو کر اس گناہ کے ارتکاب سے رک جاتے ہیں۔ پس معنی یہ ہوگا کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی وعید کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں لفظ اللہ سے پہلے وعید مضاف محذوف ہوگا۔

3؎ اور جب ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو یہ ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں کیونکہ تلاوت قرآن کے وقت نزول برکات کے سبب دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے اور دلائل کے ظہور کے سبب یقین مزید پختہ اور راسخ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے تمام امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تو کسی سے ڈرتے ہیں اور نہ کوئی امید رکھتے ہیں۔

4؎ اور جو نماز کو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں یعنی وہ اسے پورے حقوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور وہ اسے ادا کرتے وقت اس کی صحت کا ایسے لحاظ رکھتے ہیں جیسے تیر کو سیدھا کرتے، وقت اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ نیز جو (مال) ہم نے انہیں عطا کیا ہے وہ اس سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ جن کے دل اخلاص، خشیت اور توکل جیسے اعمال سے متصف ہیں، جن کے نفس ذکر الٰہی سے مطمئن ہیں اور ان کے بدن نماز اور صدقہ وخیرات جیسے اعمال کے حسن سے مزین ہیں۔ "هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا" سچے مومن ہیں۔ اس آیت میں حقًّا یا تو مصدر محذوف کی صفت ہے، یعنی اصل میں ایمانًا حقًّا ہے۔ یا یہ مصدر ہے اور مفعول مطلق کی حیثیت سے تاکید کے لئے ذکر کیا گیا ہے، یعنی ان کا ایمان اتنا پختہ اور سچا ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ سے ایک آدمی نے یہ سوال کیا کیا آپ مومن ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر تو مجھ سے اللہ تعالیٰ، ملائکہ، کتب، انبیاء ورسول، جنت، دوزخ، یوم البعث اور یوم الحساب پر ایمان کے بارے سوال کر رہا ہے تو میں اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے مومن ہوں اور اگر تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے پوچھ رہا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ الآیہ تو اس کے بارے میں نہیں جانتا کہ آیا میں ان میں سے ہوں یا نہیں۔(2) میں کہتا ہوں کہ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہی ہے کہ کمال ایمان اخلاص، تصفیہ قلب، تزکیہ نفس اور اعضاء بدن کو طاعات اپنانے اور معاصی ترک کرنے سے مزین کرنے کے سبب ہی حاصل ہوتا ہے اور یہ امر نادر ہے، لہٰذا میں نہیں جانتا کہ آیا میرا نفس اس سے متصف ہے یا نہیں اور رہا سوال فقط نفس ایمان کا تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے موجود ہے۔ پس یہ اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ کے قبیلے سے نہیں ہے۔ (اس جملہ میں ایک اختلافی مسئلہ کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ آیا اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ (میں ان شاء اللہ مومن ہوں) کہنا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ اِن حرف شرط شک کے لئے آتا ہے۔ تو اس میں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ایسا کہنا درست نہیں کیونکہ ایمان میں شک اسے زائل کر دیتا ہے، لہٰذا ایمان قطعی ہونا چاہئے اور بعض نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ایسا کہنا جائز ہے کیونکہ اعتبار خاتمے کا ہوتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ خاتمہ بالایمان ہو یا نہ ہو۔ لہٰذا چونکہ اِن حرف شرط ماضی کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے اس لئے اس کا استعمال صحیح ہے۔)

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 324 (صادر)

2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 5 (التجاریہ)

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران ہماری ملاقات کچھ لوگوں سے ہوئی تو ہم نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم تو پکے اور سچے مومن ہیں۔ یہ سن کر اب ہم نہیں جانتے تھے کہ انہیں کیا جواب دیں۔ یہاں تک کہ بعد میں ہماری ملاقات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ تو ہم نے آپ کو ان کے قول کے بارے آگاہ کیا۔ آپ نے ہم سے پوچھا تو پھر تم نے انہیں کیا جواب دیا؟ ہم نے کہا، کہ ہم نے انہیں کوئی جواب بھی نہیں دیا۔ تو آپ نے فرمایا تم نے انہیں کیوں نہیں کہا کہ تم اہل جنت میں سے ہو؟ بیشک سچے مومن تو یقیناً اہل جنت ہیں(1) اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو یہ گمان کرتا ہو کہ میں سچا مومن ہوں یا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ہوں پھر وہ اپنے جنتی ہونے کی شہادت نہ دے تو وہ نصف آیت پر ایمان لایا اور نصف پر نہیں۔(2) اسی قول سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں جن کے نزدیک اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ کہنا جائز ہے۔ ان شاء اللہ کہنے سے مراد یہ ہے کہ خاتمہ بالایمان یقینی نہیں جو کہ اہل جنت میں سے ہونے کا موجب بنتا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہوتا کہ ایمان کی موجودہ حالت میں شک ہے کیونکہ ایمان سے مراد تو اعتقاد جازم ہوتا ہے اور شک اس پختہ اعتقاد کے منافی ہوتا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان شاء اللہ کہنا مکروہ ہے کیونکہ یہ شک کا وہم دلاتا ہے اور شک اعتقاد جازم کے منافی ہوتا ہے اور آپ یہ فرماتے اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا (میں تو سچا اور پکا مومن ہوں) اور اس سے مراد موجودہ حالت میں ایمان کا پختہ اعتقاد ہے نہ کہ اس سے مراد حسن خاتمہ اور خاتمہ بالایمان کا یقین ہے۔ دونوں نظریوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے معنوی نہیں۔ لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف زیادہ محتاط ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے کہا تم اپنے ایمان کے بارے میں ان شاء اللہ کیوں کہتے ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی اتباع کرتے ہوئے وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـٴَـتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (یعنی میں یہ خواہش رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری خطائیں معاف فرمادے)۔ (تو اس میں لفظ طمع عدم یقین پر دلالت کر رہا ہے) تو آپ نے انہیں فرمایا تم اس قول میں ان کی اقتداء کیوں نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا اَوَلَمْ تُؤْمِنْ (کیا تم ایمان نہیں رکھتے) تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب عرض کیا بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ (کیوں نہیں لیکن اطمینان قلب کے لئے مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں)۔ ابراہیم تیمی نے کہا کہو اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا کیونکہ اگر تم اس قول میں سچے ہو تو پھر اس پر ثابت قدم رہو (تمہیں اس پر اجر و ثواب عطا کیا جائے گا اور اگر تم نے جھوٹ بولا تو پھر تمہارا کفر کہیں زیادہ باعث عذاب ہوگا)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو منافق نہیں وہ سچا اور پکا مومن ہے۔

لَهُمْ کے لئے اپنے رب کے پاس عزت و کرامت اور بلند درجات ہیں۔ اسی قول کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (ہم نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دی ہے)۔ عطاء نے کہا ہے کہ اس سے مراد جنت کے درجات ہیں جن پر وہ اپنے اعمال کے سبب فائز ہوں گے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جنت میں سو درجے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے مابین ہے اور جنت کا سب سے بلند درجہ فردوس ہے۔ اسی سے جنت کی چار نہریں نکلتی ہیں اور اس سے اوپر عرش ہے۔ پس جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو جنت الفردوس کا سوال

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 6-6 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 5-6 (التجاریہ)

کراو۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔(1) علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہما نے کہا جنت کے ستر درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک تجربہ کار شہسوار ستر برس تک گھوڑا دوڑاتے ہوئے طے کرتا ہے۔(2) اور جوان سے سستی یا گناہ ہوا اس کی بخشش ہے۔ اور باعزت روزی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت میں ان کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ ان کے بارے کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی دل میں ان کا خیال تک آیا اور یہ نعمتیں ہمیشہ باقی رہیں گی کبھی ختم نہیں ہوں گی۔

۵۔ جس طرح آپ کو آپ کا رب نکال لایا آپ کے اس گھر سے جو مدینہ طیبہ میں تھا حق کے ساتھ یا بیت سے مراد مدینہ طیبہ ہے کیونکہ یہ آپ ﷺ کی ہجرت گاہ اور مسکن ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے ساتھ ایسے ہی مختص تھا جیسے گھر اپنے مالک کے ساتھ مختص ہوتا ہے "بِالْحَقِّ" اَخْرَجَ کے متعلق ہے، یعنی میدان بدر میں کفار کے ساتھ جنگ لڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی خاص حکمت اور مصلحت کے تحت نکالا۔ قول باری تعالیٰ كَمَا اَخْرَجَكَ یا تو مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ مال غنیمت کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہونا، رسول اللہ ﷺ کا مال غنیمت لوگوں کے درمیان برابر تقسیم کرنا اور اس پر جنگجو جوانوں کا اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنا ایسے ہی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو جنگ کے لئے اپنے گھر سے باہر نکالا اور بعض لوگوں نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ یا یہ فعل مقدر کے مصدر کی صفت ہے یعنی مال غنیمت میں اللہ تعالیٰ اور رسول مکرم ﷺ کا حق اسی طرح ثابت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کو آپ کے گھر سے نکالنا ثابت ہے، اگرچہ یہ اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔ مبرد نے اسی طرح کہا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ تقدیر کلام اس طرح ہے کہ آپ مال غنیمت کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لائیں، اگرچہ یہ اسے ناپسند کریں جیسا کہ آپ نے جنگ کے لئے گھر سے نکالنے میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا تھا۔

"واقعہ غزوہ بدر"

مدینہ طیبہ سے حضور نبی کریم ﷺ کے باہر تشریف لانے کا سبب یہ بنا کہ آپ ﷺ نے سفیان بن حرب کے بارے یہ سنا کہ وہ ہزار اونٹوں پر مشتمل قافلہ لیکر شام سے واپس آرہا ہے اور اس قافلہ میں قریش کا انتہائی قیمتی سامان موجود ہے۔ مکہ مکرمہ میں کوئی قریشی مرد یا عورت ایسی نہیں رہی جس کے پاس ایک مثقال یا اس سے کچھ زائد ہو اور پھر اس نے تجارت کے لئے اس قافلہ میں نہ بھیجا ہو۔ پس کہا جاتا ہے کہ اس قافلہ میں پچاس ہزار دینار تھے اور اس میں ستر افراد شامل تھے۔ یہ ابن عقبہ اور ابن عابد نے ذکر کیا ہے۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم، محمد بن اسحاق اور سدی رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے کہ ابوسفیان شام سے واپس آیا تو اس کے ساتھ کبار قریش میں سے چالیس شہسوار تھے جن میں عمرو بن العاص اور مخرمہ بن نوفل زہری بھی تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھ باہر نکلنے کی لوگوں کو دعوت دی اور فرمایا یہ قریش کا قافلہ ہے، اس میں ان کا قیمتی مال ومتاع ہے۔ پس تم نکلو شاید اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے مال غنیمت عطا فرما دے۔ پس لوگوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کر لیا۔ بعض ہتھیاروں کے بغیر چلے اور بعض ہتھیار لے کر چلے اور بہت سے لوگ ساتھ جانے سے پیچھے بھی رہ گئے۔ لیکن انہیں بھی کوئی ملامت نہ کی گئی کیونکہ انہیں یہ گمان بھی نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو جنگ سے واسطہ پڑے گا اور آپ ﷺ نے بھی اس کی کوئی زیادہ

1۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 76 (وزارت تعلیم)

2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 6 (التجاریہ)

پرواہ نہ کی اور آپ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس سواری موجود ہے وہ ہمارے ساتھ سوار ہو کر چلے۔ بعض لوگوں نے آپ ﷺ سے یہ اجازت طلب کی کہ ہماری سواریاں مدینہ طیبہ کے بالائی حصہ میں ہیں (ہم وہ لیکر حاضر ہو جائیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، جس کے پاس سواری حاضر ہے وہ سوار ہو کر چلے۔(1)

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ سے خروج فرمانے سے دس دن قبل طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید کو شام کے راستے کی طرف بھیجا تاکہ وہ قافلے کے بارے معلومات حاصل کریں۔ پس وہ دونوں سرزمین خوار پہنچے اور وہاں کشد بن مالک جہنی کے پاس ٹھہر گئے۔ اس نے ان دونوں کو پناہ دی، اپنے پاس ٹھہرایا اور قافلہ کے گزرنے تک انہیں چھپائے رکھا۔ پھر یہ دونوں وہاں سے نکلے، کشد بھی ان کے ساتھ تھا اور وہ انہیں ذوالمروہ کے مقام تک پہنچا گیا۔ (ذاالمروہ ایک بستی ہے جو مدینہ طیبہ سے آٹھ برید کے فاصلے پر ہے) پھر وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کو خبر دینے کے لئے آئے۔ اتنے میں آپ ﷺ خروج فرما چکے تھے۔ پس جب رسول اللہ ﷺ مقام ینبع پر پہنچے تو آپ نے یہ قطعہ علیحدہ کر کے کشد کے حوالے کر دیا (ینبع مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک بڑا قصبہ ہے)۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں بوڑھا آدمی ہوں، آپ یہ جگہ میرے بھتیجے کے نام کر دیجئے۔ پس آپ ﷺ نے ایسے ہی کر دیا۔ پھر عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ نے اس سے یہ جگہ خرید لی۔ اسے عمر بن شیبہ نے روایت کیا ہے۔ مقام زرقاء پر بنی حزام کا ایک آدمی ابوسفیان سے آملا اور اس نے اسے اطلاع دی کہ رسول اللہ ﷺ قافلے کی واپسی کا انتظار فرما رہے ہیں۔ پس ابوسفیان اور اس کے ساتھی ڈرتے ڈرتے گھات لگانے کے لئے باہر نکلے۔ جب ابوسفیان حجاز کے قریب پہنچا تو وہ آپ ﷺ کے بارے خبریں معلوم کرنے لگا۔ اور جو سوار بھی اسے ملتا وہ اس سے آپ ﷺ کے بارے دریافت کرتا کیونکہ وہ لوگوں کے بارے انتہائی خوفزدہ تھا۔ یہاں تک کہ ایک سوار نے اسے یہ خبر دی کہ محمد ﷺ تیرے قافلہ کی تلاش میں نکل چکے ہیں، اس پر اسے خطرہ لاحق ہو گیا۔ چنانچہ اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو بیس مثقال کے عوض اجرت پر لیا اور اسے مکہ مکرمہ بھیجا اور ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ وہاں پہنچ کر وہ اپنے اونٹ کی ناک کاٹ دے، کجاوہ الٹا کر دے اور اپنی قمیص آگے پیچھے دونوں جانبوں سے پھاڑ دے اور اہل مکہ سے اپنے مالوں کی حفاظت کے لئے باہر نکلنے کی فریاد کرے اور انہیں یہ اطلاع دے کہ محمد (ﷺ) اپنے اصحاب کے ساتھ قافلہ کو لوٹنے کے درپے ہیں۔ پس ضمضم بڑی تیز رفتاری کے ساتھ مکہ کی طرف نکل گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے وہی کچھ کیا جو ابوسفیان نے اسے حکم دیا تھا۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب: ابن اسحاق، حاکم اور بیہقی(2) نے عکرمہ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے عروہ سے اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ضمضم کے قریش کے پاس آنے سے تین دن قبل رات کے وقت ایک خواب دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو عاتکہ اس کے سبب انتہائی پریشان اور غمزدہ ہو گئی۔ چنانچہ اس نے اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلب کو بلا بھیجا اور انہیں کہا اے میرے بھائی! میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے سخت خوفزدہ کر دیا ہے۔ شاید قریش پر کوئی سخت مصیبت اور آزمائش آنے والی ہے۔ تو عباس نے کہا وہ خواب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میں ہرگز تمہیں نہیں بتاؤں گی، یہاں تک کہ تم میرے ساتھ وعدہ کرو کہ اس کا ذکر کسی اور کے سامنے نہیں کرو گے کیونکہ اگر قریش کے اور لوگوں نے یہ سن لیا تو وہ ہمیں اذیت پہنچائیں گے اور ہمارے بارے میں ایسی باتیں کریں گے جنہیں ہم پسند نہیں کریں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 7 (التجاریہ)   2۔ مستدرک حاکم، کتاب المغازی، جلد 3 صفحہ 19، دلائل النبوۃ بیہقی، جلد 3 صفحہ 29-31 (العلمیہ)

گے۔ پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے یہ وعدہ کر لیا۔ پھر اس نے خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا ایک آدمی اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور وادی کے اوپر پہنچ کر اس نے انتہائی بلند آواز سے چیخ کر کہا اے غدارو! تین دن کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں کی جانب چلو۔ اس نے تین بار چلا کر ایسے ہی کہا۔ تو بہت سے لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے۔ پھر وہ مسجد میں داخل ہوا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ پھر اس کا اونٹ وہاں کھڑا ہو گیا اور اس نے کعبہ کے اوپر پہنچ کر تین بار چیخ کر کہا اے غدارو! اپنی قتل گاہوں کی جانب تین دن کے اندر اندر جلدی چلو۔ پھر وہ اپنے اونٹ کو جبل ابی قبیس کے اوپر لیکر آیا اور وہاں اس نے بلند آواز سے کہا اے غدارو! اپنی قتل گاہوں کی طرف تین دن میں جلدی جلدی چلو۔ پھر اس نے بہت بڑا پتھر اٹھایا جسے اس نے وہاں سے اکھیڑا پھر اسے پہاڑ کے اوپر سے نیچے لڑھکا دیا۔ پس وہ پتھر نیچے کی جانب لڑھکنے لگا اس کی لڑکھڑاہٹ انتہائی شدید تھی، یہاں تک کہ جب وہ نیچے پہنچا تو ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور تمہاری قوم کے گھروں اور کمروں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں بچا جس میں اس پتھر کا ٹکڑا داخل نہ ہوا ہو۔ یہ سب سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم بخدا! یہ صرف خواب ہی ہے اسے اپنے پاس ہی چھپائے رکھنا کیونکہ اگر اس کی خبر قریش کو ہو گئی تو وہ ہمیں ضروری تکلیف پہنچائیں گے۔ اس کے بعد عباس رضی اللہ عنہ اس کے پاس سے چلے گئے اور ان کی ملاقات ولید بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس سے ہوئی چونکہ وہ ان کا دوست تھا اس لئے خواب کا ذکر اس سے کر دیا اور ساتھ ہی اسے چھپانے کی تلقین بھی کی۔ پھر ولید نے اس کا ذکر اپنے باپ عتبہ سے کر دیا۔ پھر اس نے اسے عام کر دیا اور سارے مکہ میں اس کی خبر پھیل گئی۔ یہاں تک کہ قریش اس کے بارے آپس میں باتیں کرنے لگے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں صبح کے وقت بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا۔ ابو جہل بن ہشام قریش کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں بیٹھا ہوا تھا اور وہ عاتکہ کے خواب کے بارے ہی گفتگو کر رہے تھے۔ جب ابو جہل نے مجھے دیکھا تو کہا اے ابوالفضل! جب تو اپنے طواف سے فارغ ہو جائے تو ہماری طرف آنا۔ چنانچہ جب میں فارغ ہو کر ان کے پاس پہنچا اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا تو ابو جہل نے مجھے کہا اے بنی عبدالمطلب! یہ نبیہ تم میں کب سے پیدا ہوئی ہے؟ میں نے کہا کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا عاتکہ کا خواب۔ تو میں نے کہا وہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا اے بنی عبدالمطلب! کیا تم اس پر راضی نہیں ہوئے کہ تمہارے مرد نبی ہوئے ہیں حتیٰ کہ اب تمہاری عورتیں بھی نبی بننے لگی ہیں۔ ابن عقبہ کے الفاظ یہ تھے اے بنی ہاشم! کیا تم اس پر راضی نہیں ہوئے کہ تمہارے مرد جھوٹ بولتے ہیں حتیٰ کہ اب تم اپنی عورتوں کا جھوٹ بھی ظاہر کرنے لگے ہو۔ بیشک ہم اور تمہارے آباء مقابلے میں دوڑنے والے دو گھوڑوں کی مثل تھے اور ہم میں سے ہر کوئی سبقت لے جانے کی کوشش میں تھا۔ پس جب دونوں شہسوار ایک جیسے رہے۔ تو تم نے یہ کہہ دیا ہم میں ایک نبی ہے۔ پھر اسی پر تم نے اکتفاء نہیں کیا، یہاں تک کہ اب کہنے لگے ہو ہم میں ایک نبیہ بھی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ پورے خاندان قریش میں سے کوئی مرد یا عورت تم سے زیادہ جھوٹ بولنے والا ہو۔ اس طرح اس نے آپ کو سخت اذیت پہنچائی اور کہا کہ عاتکہ نے خواب میں ایک آدمی کو یہ کہتے دیکھا ہے کہ تین دن میں گھروں سے جلدی جلدی نکلو۔ پس ہم تین دن تک تمہارا انتظار کریں گے جو کچھ وہ کہہ رہی ہے اگر وہ حق ہوا تو وہ واقع ہو جائے گا اور اگر تین دن گزر جانے کے باوجود کچھ بھی نہ ہوا تو ہم تمہارے بارے میں یہ لکھ دیں گے کہ ان کا خاندان سارے عرب میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم بخدا! میرے پاس اس کے کثیر جوابات تھے مگر میں نے کوئی جواب نہ دیا اور سرے سے اس کا انکار کر دیا کہ عاتکہ نے کوئی شئی دیکھی ہے اور ابو عقبہ کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابو جہل سے یہ کہا کیا تو باز نہیں آئے گا حالانکہ تو

جھوٹا ہے اور تیرا خاندان جھوٹ بولنے والا ہے۔ تو وہاں موجود لوگوں نے آپ سے یہ کہا اے ابوالفضل! تم تو جاہل نہ تھے نہ ہی اس طرح احمق تھے۔ ابن عابد کی روایت بھی اسی طرح ہے، بلکہ اس میں ایک تہمت فاحشہ کا مزید ذکر بھی ہے۔ بعد ازاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ملاقات عاتکہ سے ہوئی تو آپ کو اپنی بات اس فاسق آدمی کے افشا کرنے پر شدید دکھ اور رنج تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب شام ہوئی تو خاندان بنی عبدالمطلب کی تمام عورتیں میرے پاس آئیں اور آکر کہا اس خبیث فاسق کو تم نے خود موقع دیا ہے کہ پہلے اس نے تمہارے مردوں کے بارے غلط زبان استعمال کی پھر تمہاری عورتوں کے بارے بدزبانی کرنے لگا ہے اور تم صرف سنتے ہی رہے جو کچھ تم نے سنا ہے اس سے بڑھ کر تمہارے لئے کوئی شئی نہیں ہوگی۔ تو میں نے انہیں جواب دیا قسم بخدا! یہ تو میں نے کر دیا ہے کہ جو کچھ میں نے سنا ہے اس سے بڑھ کر میرے لئے اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ لیکن قسم بخدا! اب میں اس کے درپے رہوں گا اگر اس نے دوبارہ ایسی حرکت کی تو میں تم تمام کی جانب سے اسے کافی ہوں گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے عاتکہ کے خواب کے تیسرے دن صبح کی اس حال میں کہ میرا غصہ شدید اور تازہ تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ مجھ سے ایسا موقع ضائع ہو گیا ہے جسے پانا میں پسند کرتا ہوں۔ چنانچہ میں مسجد میں داخل ہوا اور وہاں ابوجہل کو دیکھ لیا قسم بخدا! میں ان ارادے سے اس کی طرف چل پڑا کہ میں اس سے تعرض کروں تاکہ وہ دوبارہ وہ کچھ کہے جو اس نے پہلے کہا تھا اور پھر میں اس پر جھپٹ پڑوں۔ لیکن ابوجہل بڑا تیز، چالاک، قوی، زبان دراز اور تیز نظر آدمی تھا۔ وہ خوف زدہ ہو کر بڑی تیزی سے مسجد کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا اس پر اللہ کی لعنت ہو اس نے مجھ سے ڈرتے ہوئے ایسا کیا ہے کہ میں بھی اسے گالیاں دوں گا۔ لیکن امر واقعہ یہ تھا کہ اس نے وہ آواز سن لی جو میں نے ابھی تک نہیں سنی تھی کہ ضمضم بن عمر بطن وادی میں اپنے اونٹ پر کھڑے ہو کر چیخ چیخ کر پکار رہا ہے اس حال میں کہ اس نے اونٹ کی ناک کاٹ دی ہے، کجاوے کو الٹا کر دیا ہے اور اپنی قمیص بھی پھاڑ رکھی ہے اور یہ کہہ رہا ہے اے گروہ قریش! اے آل لوی بن غالب! اپنے سامان سے لدے ہوئے اونٹوں تک پہنچو۔ ان کی خبر لو تمہارا مال ابوسفیان کے پاس ہے۔ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی اسے لوٹنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں تو خیال نہیں کرتا کہ تم اسے پالو گے الغوث الغوث (یعنی قافلہ کی مدد کے لئے بلا تاخیر فوراً پہنچو) قسم بخدا! میں نہیں دیکھ رہا کہ تم اسے پالو گے۔ پس یہ آواز سن کر قریش بہت زیادہ خوفزدہ ہو گئے اور عاتکہ کے خواب سے ڈرنے لگے۔ پس حقیقتہً یہ آواز تھی جس نے ابوجہل کو مجھ سے دور بھگا دیا اور پھر میں نے بھی اس کا پیچھا نہیں کیا۔ اس پر عاتکہ نے یہ شعر کہے:

أَلَمْ تَكُنْ رُؤْيَا بِحَقٍّ وَجَاءَكُمْ ۔۔۔ بِتَصْدِيقِهَا فَلٌّ مِنَ الْقَوْمِ هَارِبُ

کیا خواب سچا نہیں تھا اور اس کی تصدیق کے لئے قافلے کا ایک آدمی شکست خوردہ ہو کر بھاگتے ہوئے آگیا ہے۔

فَقُلْتُ وَلَمْ أَكْذِبْ كَذَبْتَ وَإِنَّمَا ۔۔۔ يُكَذِّبُنَا بِالصِّدْقِ مَنْ هُوَ كَاذِبُ

پس میں نے جو کہا اس میں جھوٹ نہیں بولا تو نے مجھے جھوٹا کہا ہے اور خود جھوٹ بولنے والا ہمارے سچ کی تکذیب کرتا ہے۔ پس لوگ بڑی تیزی سے تیار ہونے اور کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) اور آپ کے اصحاب نے اسے بھی ابن حضرمی کا قافلہ گمان کیا ہے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ قسم بخدا! یقیناً وہ اس مرتبہ کوئی اور نتیجہ دیکھیں گے۔ لوگ دو ہی طرح کے تھے کہ یا تو خود نکلنے کے لئے تیار ہو گئے یا اپنی جگہ پر کسی دوسرے کو تیار کر لیا۔ پس اس طرح ان کی تیاری دو، تین دن میں مکمل ہو گئی۔ اور ان میں سے طاقتور لوگوں نے کمزور لوگوں کی معاونت کی اور انہوں نے ایسے تمام لوگوں کو نکلنے پر مجبور کیا، جن کے بارے انہیں یہ گمان تھا کہ یہ محمد (ﷺ) اور آپ کے اصحاب کے دوست

ہیں یا جن کے اسلام لانے کے بارے انہیں معلوم ہوا یا جن کا تعلق خاندان بنی ہاشم سے تھا۔ چنانچہ عباس بن عبدالمطلب، نوفل بن حارث، طالب اور عقیل بن ابی طالب کی معیت میں دوسرے افراد بھی روانہ ہوگئے۔ ابولہب کے سوا قریش میں سے کوئی آدمی بھی پیچھے نہ رہا یا تو خود نکلا یا اپنی جگہ پر کوئی اور آدمی بھیج دیا۔ لیکن ابولہب نے خود جانے اور اپنا نائب بھیجنے سے انکار کر دیا اور یہ روایت بھی ہے کہ اس نے اپنی جگہ پر عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیجا تھا اور اس (عاص) نے بعد میں اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔ ابولہب کی طرف سے عاص بن ہشام پر چار ہزار درہم سودی قرضہ تھا۔ پس اسی قرضے کے عوض اس نے اسے اجرت پر لے لیا تا کہ اسے اپنا نائب بنا کر لوگوں کے ساتھ بھیج دے۔ چنانچہ وہ اس کی جانب سے چلا گیا۔ ابولہب کے پیچھے رہنے کا سبب فقط عاتکہ کا خواب تھا کیونکہ وہ کہا کرتا تھا کہ عاتکہ کے خواب نے ہاتھوں کو پکڑ لیا ہے۔ امیہ بن خلف، عتبہ بن شیبہ، زمعہ بن اسود، عمیر بن وہب اور حکیم بن حزام وغیرہ نے ہبل نامی بت کے پاس جا کر تیروں سے فال نکالی۔ تو فال میں جانے سے روکنے والا تیر نکلا۔ یہ تمام مکہ مکرمہ میں ہی رہنے پر ڈٹ گئے لیکن ابوجہل نے انہیں مجبور کر کے ان کے عزم کو توڑ ڈالا۔ جب امیہ بن خلف نے لوگوں کے ساتھ نہ جانے کا ارادہ کیا۔ یہ انتہائی بھاری بھرکم جسم رکھنے والا بوڑھا آدمی تھا تو یہ عقبہ بن ابی معیط کے پاس آیا، وہ اس وقت اپنی قوم کے افراد کے درمیان مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ سامنے انگیٹھی پڑی تھی۔ اس میں آگ روشن تھی۔ اس نے انگیٹھی اٹھا کر امیہ کے سامنے رکھی اور ساتھ ہی کہا اے ابوعلی! تو تو عورتوں میں سے ہے۔ امیہ نے اسے کہا اللہ تعالیٰ تیرا برا کرے۔ تو نے بہت بری بات کہی ہے۔ پھر وہ بھی تیار ہوا اور لوگوں کے ساتھ نکل پڑا۔

ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے۔ جب یہ تیاری کر چکے اور سفر کے لئے پختہ ارادہ کر لیا اور اپنی طاقتور اور کمزور سواریوں پر سوار ہو گئے اور اپنے ساتھ باندیاں اور طبلے بھی لے لئے۔ تو پھر انہیں یہ خیال آیا کہ بنی بکر بن عبدمناۃ بن کنانہ کے ساتھ تو ان کی عداوت ہے اور یہ خطرہ ہے کہ وہ ہمارے پیچھے ہمارے گھروں پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ پس قریب تھا کہ وہ سفر پر جانے کی رائے بدل دیتے۔ اسی دوران ابلیس سراقہ بن مالک کنانی کی صورت میں، ان کے سامنے آ گیا۔ سراقہ بن مالک بنی کنانہ کے سرداروں میں سے تھا۔ تو اس نے آ کر کہا میں تمہارے لئے ضامن ہوں کہ بنی کنانہ تمہارے پیچھے کوئی ایسی حرکت کریں جو تمہارے لئے ناپسندیدہ اور تکلیف دہ ہو۔ چنانچہ اس کے بعد نو سو پچاس جنگجو افراد پر مشتمل لشکر وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور بعض نے کہا ہے کہ اس لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی۔ ان کے پاس دو سو گھوڑے تھے اور چھ سو زرہیں تھیں۔ اور بنی عدی کے سوا قریش کا کوئی خاندان بھی پیچھے نہیں رہا۔ بنی عدی میں سے کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں نکلا تھا۔ (1)

ابن عقبہ اور ابن عابد نے کہا ہے کہ مشرکین نکلے تو ان کے ساتھ ساتھ ابلیس بھی تھا جو ان سے یہ وعدے کر رہا تھا کہ بنی کنانہ بھی تمہاری امداد کے لئے پیچھے آ رہے ہیں۔ لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہیں آ سکتا، میں تمہارا ضامن ہوں، الامتاع میں ہے کہ جب وہ مرالظہران کے مقام پر اترے تو ابوجہل نے دس اونٹ ذبح کئے اور لشکر کے خیموں میں سے کوئی بھی نہیں بچا تھا جس تک ان کا خون نہ پہنچا ہو۔ ضمضم بن عمرو نے دیکھا کہ مکہ کی وادی اوپر نیچے سے خون کے ساتھ بہہ رہی ہے۔ پھر مقام عسیف پر پہنچ کر امیہ بن خلف نے ان کے لئے نو اونٹ ذبح کئے اور پھر مقام قدید پر پہنچ کر سہیل بن عمرو نے دس اونٹ ذبح کئے۔ انہوں نے آخر میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر وہ مقام قدید سے سمندر کی جانب مقام میاہ کی طرف گئے اور وہاں جا کر قیام کیا۔ تو اس دن عقبہ بن ربیعہ نے دس

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 22 (العلمیہ)

اونٹ ذبح کئے پھر وہ ابواء پہنچے تو ان کے حجاج کے دونوں بیٹوں نبیہ اور منبہ نے دس دس اونٹ ذبح کئے۔ پھر انہوں نے اپنے اونٹوں میں سے کچھ کھائے۔ پس وہ شام کے وقت جحفہ پہنچے تو وہاں پڑاؤ ڈال لیا۔(1)

بیہقی نے ابن شہاب، ابن عقبہ اور عروہ بن زبیر سے نقل کیا ہے کہ جب قریش مقام جحفہ پر اترے تو ان میں ایک آدمی بنی مطلب بن عبد مناۃ میں سے تھا جسے جہیم بن صلت بن مخرمہ کہا جاتا تھا۔ بعد میں اس نے غزوہ حنین کے وقت اسلام قبول کر لیا تھا۔ جہیم وہاں اپنا سر رکھ کر سو گیا۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کیا تم نے اس شہسوار کو دیکھا ہے جو ابھی میرے پاس آیا ہے۔ ساتھیوں نے اسے جواب دیا نہیں تو تو مجنون اور پاگل ہے اس نے کہا ابھی میرے پاس ایک گھوڑا سوار آ کر رکا اور اس نے یہ کہا کہ ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، زمعہ، ابوالبختری اور امیہ بن خلف قتل ہو گئے۔ اس نے ان تمام سرداران قریش کو گنا دیا جو غزوہ بدر میں مقتول ہوئے۔ پھر میں نے اسے دیکھا کہ اس نے اپنے اونٹ کے سینہ پر ضرب لگائی اور اسے لشکر کی طرف بھیج دیا اور لشکر کا کوئی خیمہ بھی ایسا نہیں بچا جس تک اس کا خون نہ پہنچا ہو۔ اس کے ساتھیوں نے اسے کہا شیطان تیرے ساتھ کھیلتا رہا ہے۔ جب یہ بات ابوجہل کے پاس پہنچی تو اس نے کہا تم بنی ہاشم کے جھوٹ کے ساتھ ساتھ بنی مطلب کے جھوٹ میں بھی مبتلا ہونے لگے ہو۔(2)

دوسری جانب حضور نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تو آپ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لئے اپنا نائب مقرر فرمایا اور پھر مقام روحاء سے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں نیابت کے فرائض سرانجام دینے کے لئے واپس بھیج دیا۔ ابن سعد کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بارہ رمضان المبارک بروز ہفتہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ جبکہ ابن ہشام نے آٹھ رمضان المبارک کا ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ سے ایک میل کے فاصلہ پر بئر ابی عتبہ کے پاس پہنچ کر لشکر کا جائزہ لیا اور کم عمر افراد کو وہاں سے واپس لوٹا دیا۔ ان میں عبداللہ بن عمر، اسامہ بن زید، رافع بن خدیج، براء بن عازب، اسید بن حضیر، زید بن ارقم، زید بن ثابت اور عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ عمیر رونے لگے تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت عطا فرما دی اور غزوۂ بدر میں انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اس وقت ان کی عمر سولہ برس تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو ارشاد فرمایا کہ وہ بئر سقیا سے پانی پئیں۔ آپ ﷺ نے خود بھی اس کا پانی نوش فرمایا۔ آپ ﷺ نے سقیا کے گھروں کے پاس نماز ادا فرمائی اور وہاں سے روانہ ہوتے وقت حضرت قیس بن ابی صعصعہ کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کی گنتی کریں۔ چنانچہ انہوں نے بئر ابی عتبہ کے پاس ٹھہر کر لوگوں کو شمار کیا اور پھر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ لشکر میں شامل افراد کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔ تو آپ ﷺ نے اس پر فرحت و مسرت کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا اصحاب طالوت کی تعداد بھی اتنی ہی تھی۔ اس دن آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کے لئے دعا فرمائی۔ اے اللہ! بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے۔ انہوں نے اہل مکہ کے لئے دعا کی اور میں محمد (ﷺ) تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں میں اہل مدینہ کے لئے التجا کر رہا ہوں کہ تو ان کے صاع، مد اور پھلوں میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ! مدینہ طیبہ کو ہمارے لئے محبوب بنا دے، اس میں موجود وباؤں اور بیماریوں کو خم کی طرف بھیج دے (خم جحفہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام ہے) اے اللہ! میں اس کے سیاہ پتھروں کی درمیانی زمین کو اسی طرح حرم قرار دے رہا ہوں جیسے تیرے خلیل ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا تھا۔(3) حبیب بن اساف اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن مال غنیمت لینے کے لئے وہ بھی اپنے قبیلہ بنی

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 22 (العلمیہ) 2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 3 صفحہ 32-33 (العلمیہ)
3۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 23 (العلمیہ)

خزرج کی مدد کے لئے نکل پڑے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہمارے ساتھ وہی جا سکتا ہے جو ہمارے دین پر ہے (یعنی کسی غیر مسلم کو ہمارے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں) چنانچہ یہ سن کر اس نے اسلام قبول کر لیا اور آزمائش کی گھڑی میں انتہائی حسن کردار کا مظاہرہ کیا۔ آپ ﷺ اتوار کی شام سقیا کے گھروں سے روانہ ہوئے اور اس وقت رب کریم کی بارگاہ میں یہ التجا کی "اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمْ حُفَاۃٌ فَاحْمِلْھُمْ وَعُرَاۃٌ فَاکْسُھُمْ وَجِیَاعٌ فَاَشْبِعْھُمْ وَعَالَۃٌ فَاَغْنِھِمْ بِفَضْلِکَ" "اے اللہ! یہ برہنہ پا ہیں انہیں سواری عطا فرما، یہ ننگے بدن ہیں انہیں لباس عطا فرما، یہ بھوکے ہیں، انہیں کھانے سے خوب سیر فرما اور یہ نادار اور مفلس ہیں، انہیں اپنے فضل و مہربانی سے غنا عطا فرما۔ حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام کے پاس صرف ستر اونٹ تھے وہ انہیں پر باری باری سوار ہوتے تھے۔

حضرت امام احمد اور ابن سعد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے وہ فرماتے تھے، کہ ہم غزوہ بدر کے ایام میں تین آدمی ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے اور حضرت علی اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی سواری پر سوار تھے۔ وہ دونوں عرض کرتے یارسول اللہ ﷺ! آپ سوار ہو جائیں، ہم ساتھ ساتھ پیدل چلتے رہیں گے تو آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا تم پیدل چلنے میں مجھ سے زیادہ طاقتور اور قوی نہیں ہو اور نہ میں تمہاری نسبت اجر لینے سے مستغنی ہوں(1) صاحب البدایہ والعیون نے کہا ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ انہیں مقام روحاء سے واپس لوٹائے جانے سے پہلے کا ہے، ورنہ اس کے بعد تو آپ ﷺ کے ساتھ سواری میں حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ عنہما شریک تھے۔ صحابہ کرام کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک حضرت مقداد بن اسود کے پاس تھا اور ایک زبیر بن عوام کے پاس تھا۔ اور ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق صحابہ کرام کے پاس تین گھوڑے تھے اور یہ تیسرا گھوڑا مرثد بن ابی مرثد غنوی کے پاس تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو فرمایا ہرن کی طرف دیکھو تو انہوں نے فوراً تیر چلہ پر چڑھایا اور ساتھ ہی حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی ٹھوڑی مبارک حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ان کے کان اور کندھے کے درمیان رکھی اور حکم فرمایا تیر چلاؤ اور ساتھ دعا فرمائی اے اللہ! اس کے تیر کو صحیح نشانہ پر پہنچا دے۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تیر چلایا اور وہ ہرن کے سینے پر جا لگا۔ آپ ﷺ تبسم کناں ہوئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے اس کے پاس پہنچے۔ ابھی اس میں جان باقی تھی کہ آپ نے اسے ذبح کر دیا اور اٹھا کر لے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اسے تمام کے درمیان تقسیم کرنے کا حکم ارشاد فرما دیا۔ پھر آپ ﷺ مقام ذی بخج میں قیام فرما ہوئے، یہ مقام روحاء کے درمیان ہے، پھر یہاں سے موڑ تک چلے اور وہاں سے مکہ کا راستہ بائیں طرف چھوڑ دیا اور دائیں سمت نازیہ کے راستہ پر بدر کے ارادہ سے گامزن ہو گئے۔ پس آپ ﷺ نازیہ کے کنارے چلتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے نازیہ اور مضیق الصفراء کے درمیان وادی زحفان کو طے کر لیا۔ پھر جب مضیق الصفراء پر پہنچے تو تھوڑا سفر نشیب میں کیا حتی کہ جب الصفراء کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے بنی ساعدہ کے حلیف بسبس بن عمرو جہنی اور بنی نجار کے حلیف عدی بن ابی الزغباء کو ابوسفیان کی خبر معلوم کرنے کے لئے بدر کی طرف بھیجا۔ جب رسول اللہ ﷺ صفراء سے بائیں سمت چلے تو وادی ذفران کی دائیں طرف چلتے رہے۔ جب وادی کو طے کر چکے تو خبر موصول ہوئی کہ قریش اپنے قافلے کی حفاظت کے لئے چل پڑے ہیں۔ تب آپ ﷺ نے لوگوں سے مشورہ طلب فرمایا۔ پہلے مہاجرین نے گفتگو کی اور انتہائی اچھی گفتگو کی۔ آپ ﷺ نے مشورہ طلب فرمایا تو پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور انتہائی حسین انداز میں اپنا مدعا بیان کیا۔ پھر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اٹھے آپ نے بھی انتہائی خوبصورت کلام کیا۔ پھر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ

1۔ مسند احمد، جلد 7 صفحہ 418 (صادر)

عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حکم فرمایا ہے آپ وہ کیجئے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم بخدا ہم وہ نہیں کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے انہیں کہا تھا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (اے موسیٰ! تم اور تمہارا رب جا کر لڑو بیشک ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں) بلکہ ہمارا جواب یہ ہے کہ "اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا مَعَكُمَا مُقَاتِلُوْنَ عَنْ يَمِيْنِكَ وَشِمَالِكَ وَبَيْنَ يَدَيْكَ وَخَلْفِكَ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَوْ سِرْتَ بِنَا بِرْكَ الْغِمَادِ لَجَالَدْنَا مَعَكَ مَنْ دُوْنَهٗ حَتّٰى تَبْلُغَهٗ۔ "تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم تمہارے ساتھ مل کر دائیں، بائیں سامنے اور پیچھے سے جنگ لڑیں گے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں برک الغماد بھی لے چلیں تو ہم آپ کی معیت میں اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک کہ وہاں پہنچ نہ جائیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک اٹھا اور آپ نے انہیں دعائے خیر سے نوازا۔ پھر آپ ﷺ نے تیسری بار مشورہ طلب فرمایا تو اب انصار سمجھے کہ آپ ﷺ کا روئے سخن ہماری طرف ہے کیونکہ ان ہی کی تعداد زیادہ تھی۔ چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! معلوم ہوتا ہے آپ ہم سے استفسار فرما رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں۔ تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ کے ساتھ ایمان لائے، ہم نے آپ کی تصدیق کی اور ہم یہ مشاہدہ کر چکے کہ جو دین آپ لیکر آئے ہیں وہ حق ہے اور ہم آپ سے یہ پختہ وعدہ کر چکے ہیں کہ آپ کا فرمان سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ لہٰذا آپ جو چاہتے ہیں وہ کیجئے۔ یا رسول اللہ ﷺ! شاید آپ یہ خوف محسوس کر رہے ہیں کہ انصار صرف اپنی بستیوں میں ہی آپ کی مدد کریں گے (ایسا ہرگز نہیں) میں تمام انصار کی جانب سے عرض کر رہا ہوں، آپ جہاں چاہیں تشریف لے جائیں، جن سے چاہیں تعلقات مستحکم کر لیں، جن سے چاہیں قطع تعلقی کر لیں، ہمارے مالوں سے جو چاہیں لے لیں اور جو چاہیں ہمیں عطا فرما دیں، ہمارے مال میں سے جو آپ لے لیں گے ہمارے نزدیک اس کی نسبت زیادہ محبوب ہوگا جو آپ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے اور آپ جو حکم دینا چاہیں ارشاد فرمائیں ہم تعمیل ارشاد کریں گے، قسم بخدا! اگر آپ برک الغماد ان یا برک الغماد پہنچنا چاہیں تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔ قسم بخدا! اگر سمندر بھی ہمارے سامنے آیا تو ہم آپ کے ساتھ اس میں داخل ہونے سے گریز نہیں کریں گے۔ ہم میں سے کوئی ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ اگر کل دشمن سے ہماری مڈبھیڑ ہوتی ہے تو ہم سے کوئی بھی انکار نہیں کرے گا ہم جنگی حربوں سے واقف ہیں۔ امید ہے اللہ تعالیٰ ہماری جانب سے آپ کو ایسے کارہائے نمایاں دکھائے گا جن سے آپ کی آنکھیں یقیناً ٹھنڈی ہوں گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ایک کام کے ارادہ سے نکلے۔ پس اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا پیدا کر دے۔ لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کا نام لیکر ہمیں ساتھ لیکر چلیں۔ ہم آپ کے دائیں، بائیں، سامنے اور پیچھے سے آپ کے ساتھ ساتھ رہیں گے اور کبھی بھی موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ بلکہ ہم تو یہ کہیں گے اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا مَعَكُمْ مُتَّبِعُوْنَ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اس تقریر سے حضور نبی کریم ﷺ کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا "سِيْرُوْا عَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ وَاَبْشِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ وَعَدَ اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ وَاللّٰهِ لَكَاَنِّي الْاٰنَ اَنْظُرُ اِلٰى مَصَارِعِ الْقَوْمِ" اللہ تعالیٰ کا نام لیکر چلو اور تمہیں بشارت ہو اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں میں سے ایک کا مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ قسم بخدا! میں اب بھی لوگوں کے (میدان جنگ میں) گرنے کی جگہوں کو دیکھ رہا ہوں۔ ایک گروہ کو دشمن سے جنگ پسند نہ تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ "(1) علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2 صفحہ 6-7 (التجاریہ)، مستدرک حاکم، جلد 3 صفحہ 9 (النصر)

جملہ ترکیب کلام میں اخرجک کی کاف ضمیر سے حال ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے گھر سے نکالا اس حال میں کہ تمہارا نکلنا مومنین کے ایک گروہ کو ناپسند تھا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ جملہ مستانفہ ہے، اسے جملہ حالیہ بنانا جائز نہیں کیونکہ حال اور ذوالحال کے لئے زمانے کا ایک ہونا واجب ہے اور اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ان کے لئے مدینہ منورہ سے خروج ناپسندیدہ تب ہوا جب اتفاقیہ بنی نضیر سے جنگ پڑ گئی ورنہ ابتداءً تو مدینہ طیبہ سے خروج ان کے لئے ناپسندیدہ نہیں تھا کیونکہ اس وقت تو بغیر جنگ کے ایک قافلے سے مال حاصل کرنے کی غرض سے وہ اس کی رغبت رکھتے تھے۔

ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم جب ایک دو دن تک چلتے رہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قوم سے جنگ کے بارے تم کیا رائے رکھتے ہو کیونکہ انہیں تمہارے نکلنے کی خبر ہو چکی ہے۔تو ہم نے عرض کی قسم بخدا! ہم قوم سے جنگ کی طاقت نہیں رکھتے۔ بلکہ ہم تو قافلے کے ارادے سے نکلے ہیں۔آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا کیا تم قوم (قریش) سے جنگ کی رائے رکھتے ہو تو ہم نے دوبارہ بھی وہی پہلے والا جواب دیا۔(1)

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۟ؕ

"جھگڑ رہے تھے آپ سے سچی بات میں[1] اس کے بعد کہ وہ واضح ہو چکی تھی[2] گویا وہ ہانکے جا رہے تھے موت کی طرف درآنحالیکہ وہ (موت کو) دیکھ رہے ہیں[3]"

[1] وہ آپ سے جھگڑ رہے تھے اس لئے کہ آپ تو حق کو غلبہ دینے کے لئے جہاد کو ترجیح دے رہے تھے، جبکہ ان کی پسند فقط قافلے سے ملاقات تھی اور ان کے جھگڑے سے مراد ان کا یہ قول تھا کہ ہم تو قریش سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، ہم تو فقط قافلے کے ارادہ سے نکلے تھے۔

[2] ان کا یہ جھگڑا اس کے باوجود تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ انہیں مطلع فرما چکے تھے کہ ان کی مدد کی جائے گی کیونکہ مقام روحاء پر حضرت جبریل امین علیہ السلام حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں میں سے ایک کے بارے آپ سے (فتح کا) وعدہ فرمایا ہے، ایک (ابوسفیان کا) قافلہ ہے اور دوسرا لشکر قریش ہے۔

[3] اس جملے کا تعلق کارِھُوْنَ کے ساتھ ہے، یعنی وہ جنگ کو ایسے ہی ناپسند کر رہے تھے جیسے وہ شخص جسے موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہو اور وہ اپنی موت کے اسباب کا مشاہدہ کر رہا ہو اور اس ناگواری کا سبب تعداد کی قلت اور جنگ کے لئے کامل تیاری کا نہ ہونا تھا۔ابن زید نے کہا ہے کہ ان سے مراد مشرکین تھے جو حق کے بارے میں آپ سے جھگڑتے تھے کیونکہ ان کے لئے حق کی طرف آنا ایسے ہی تھا جیسے موت کی طرف انہیں لے جایا جا رہا ہو۔(2)

وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۟ۙ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۟ۚ

"اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ نے ایک کا ان دو گروہوں سے کہ وہ تمہارے لئے ہے[1] اور تم پسند کرتے تھے کہ

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 299 (العلمیہ)

2۔ تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 123 (الامیریہ)

نہتہ گروہ تمہارے حصے میں آئے ۲؎ اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو حق کر دے اپنے ارشادات سے اور کاٹ دے کافروں کی جڑ
۳؎ تاکہ ثابت کر دے حق کو اور مٹا دے باطل کو اگرچہ ناپسند کریں (اس کو) عادی مجرم ۴؎ ''

۱؎ یہ ظرف فعل محذوف اذکر کے متعلق ہے۔ یعنی اُذْكُرْ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ الخ دو گروہوں سے مراد ابوسفیان کا قافلہ اور لشکر قریش ہے۔ ترکیب کلام میں کُمْ ضمیر مفعول اول ہے اور اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ دوسرا مفعول ہے اور اَنَّهَا لَكُمْ اِحْدٰى سے بدل اشتمال ہے۔

۲؎ شوکۃ سے مراد شدت، قوت اور تیزی ہے۔ یہ لفظ شوک سے مستعار لیا گیا ہے جس کا معنی کانٹا اور ہتھیار ہے۔ یہاں مراد وہ تجارتی قافلہ ہے جس کے پاس کوئی جنگی ہتھیار اور دفاعی قوت موجود نہ تھی۔ یعنی تم پسند کرتے تھے کہ بغیر جنگ کے کثیر مال و دولت تمہارے ہاتھ لگ جائے۔ ابن جریر اور ابن المنذر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں میں سے ایک کا ان سے وعدہ فرمایا تھا اور وہ قافلے سے ملنا پسند کرتے تھے کیونکہ اہل قافلہ کے پاس زیادہ قوت اور طاقت نہ تھی لیکن جب قافلہ نکل گیا اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ساتھ لیکر قریش سے مقابلے کا ارادہ فرمایا، تو بعض لوگوں نے اسے ناپسند کیا کیونکہ قریش کے پاس تعداد کی کثرت بھی تھی اور سامان حرب کی زیادتی بھی۔ (1)

۳؎ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ حق کو غلبہ عطا فرمائے اور اسے سربلند کر دے اپنے ان کلمات کے ساتھ جو اس حال میں آپ کی طرف وحی فرمائے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں قتال کا جو حکم فرما رہا ہے یا ملائکہ کو تمہاری امداد کا جو حکم فرما رہا ہے وہ حق کو غالب کرنے اور اسے سربلند رکھنے کے لئے ہے۔ بعض کے نزدیک کلمات سے مراد وہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے دین کو غالب کرنے اور اسے اعزاز و اکرام عطا فرمانے کے بارے پہلے فرما رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ کفار کو جڑ سے اکھیڑ دے یہاں تک کہ کفار عرب میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے مگر یہ کہ اسے قتل کر دیا جائے یا وہ اسلام قبول کر لے۔ آیت کا مفہوم کچھ اس طرح بنتا ہے کہ تم یہ چاہتے تھے کہ مال و منال تمہارے ہاتھ آئے اور تمہیں جنگ جیسے تلخ حالات کا سامنا نہ کرنا پڑے، لیکن اللہ تعالیٰ تو دین کی سربلندی اور حق کو غلبہ دینے کا ارادہ رکھتا تھا اور ایسا عمل چاہتا تھا جس سے تمہیں دونوں جہاں میں کامیابی و کامرانی حاصل ہو۔

۴؎ یہ یا تو یقطع کے متعلق ہے یا اس کا تعلق فعل محذوف سے ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے فَعَلَ مَا فَعَلَ لِيُثْبِتَ الْاِسْلَامَ۔ یعنی جو کچھ کیا اس لئے کیا تاکہ اسلام کو (عملاً) ثابت کر دے اور کفر کو باطل کر دے۔ حقیقۃً کلام میں تکرار موجود نہیں کیونکہ پہلی بار لِيُحِقَّ الْحَقَّ مقصد کے مابین تفاوت اور فرق کیا ہے اور دوبارہ ذکر کرنے کی علت یہ ہے کہ وہ سبب واضح کر دیا جائے جس کی بناء پر رسول اللہ ﷺ کو ایک طاقتور لشکر سے مقابلہ کرنے کا حکم فرمایا گیا اور اس کے خلاف مدد کا وعدہ کیا گیا۔ اگرچہ مشرکین اسے ناپسند ہی کریں۔

واقعہ بدر:۔ رسول اللہ ﷺ ذفران سے چلے تو اصافر کی پہاڑیوں کے راستے آگے بڑھتے گئے۔ (اصافر سے مراد وہ پہاڑیاں ہیں جو جحفہ کے قریب مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے راستے کی دائیں جانب واقع ہیں۔) پھر آپ ﷺ شہر دیہ کی طرف نیچے اترے اور حنان کو دائیں طرف چھوڑ دیا۔ حنان بہت بڑے پہاڑ کی مثل ایک بہت بڑا ریت کا ٹیلہ ہے۔ پھر آپ ﷺ بدر کے قریب جا کر فروکش ہو گئے۔ بعد ازاں آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سوار ہو کر ایک بوڑھے عرب کے پاس جا کر پہنچے اور اس سے قریش کے بارے اور محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کے بارے استفسار کیا۔ بوڑھے نے جواب دیا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ محمد ﷺ

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 307 (العلمیہ)

اوران کے ساتھی فلاں فلاں دن چلے ہیں۔ اگر مجھے صحیح خبر دی گئی ہے تو پھر آج وہ فلاں مقام پر ہوں گے۔ اس نے اسی جگہ کا ذکر کیا جس جگہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام قیام فرما تھے اور قریش کے بارے مجھے خبر موصول ہوئی ہے کہ فلاں دن روانہ ہوئے ہیں، اگر یہ خبر درست ہے تو وہ آج فلاں جگہ پر ہوں گے اور اس نے اسی جگہ کا نام لیا جہاں قریش پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ پھر اس بوڑھے سے پوچھا تم دونوں کون ہو؟ تو رسول اللہ ﷺ نے توریۃً ارشاد فرمایا ہم ماء سے ہیں۔ (نَحْنُ مِنْ مَاءٍ۔ آپ کی مراد اس سے ماء دافق ہے لیکن اسے یہ وہم دلایا کہ ہم ماء قبیلہ میں سے ہیں)۔

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام کی طرف واپس لوٹ آئے۔ جب شام ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو صحابہ کرام کی جماعت کے ہمراہ بدر کے چشمہ کی طرف روانہ فرمایا تاکہ وہاں کے حالات کا جائزہ لے کر آئیں۔ چنانچہ انہوں نے قریش کے سقوں (پانی پلانے والے ماشکی) کو پکڑ لیا۔ ان میں ایک بنی حجاج کا غلام اسلم تھا اور دوسرا بنی عاصی بن سعید کا غلام ابو یسار تھا۔ وہ ان دونوں کو ساتھ لے آئے اور ان سے باز پرس کی۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ نماز ادا فرما رہے تھے۔ ان دونوں نے کہا ہم تو قریش کے خادم ہیں، انہوں نے ہمیں پانی لینے کے لئے بھیجا ہے۔ لیکن ان کا یہ جواب مسلمانوں کو پسند نہ آیا کیونکہ انہیں یہ توقع تھی کہ یہ دونوں ابوسفیان کے قافلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے انہیں مارا پیٹا۔ جب خوب ان کی پٹائی کی تو انہوں نے کہہ دیا ہم ابوسفیان کے قافلے کے آدمی ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے انہیں مارنا چھوڑ دیا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز کا رکوع کیا، دو سجدے کئے اور سلام پھیر کر ارشاد فرمایا جب یہ دونوں تم سے سچ کہتے رہے تم انہیں مارتے رہے اور جب انہوں نے جھوٹ بولا تو تم نے انہیں چھوڑ دیا، قسم بخدا انہوں نے سچ کہا تھا کہ ان کا تعلق قریش سے ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا مجھے قریش کے بارے بتاؤ، تو انہوں نے عرض کی کہ قریش اس ٹیلے کے پیچھے ہیں، یعنی وہ ٹیلہ جو عدوہ قصویٰ (بلند مقام) اور کثیب عقنقل سے دکھائی دے رہا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ان کی تعداد کتنی ہے؟ انہوں نے عرض کی وہ کثیر ہیں۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا ان کی تعداد کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی ہم صحیح تعداد نہیں جانتے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا ہر روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ عرض کی ایک دن نو اونٹ اور ایک دن دس اونٹ ذبح کرتے ہیں یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے مابین ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا ان میں سرداران مکہ میں سے کون کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا عتبہ، شیبہ ابن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، ربیعۃ الاسود، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ، سہل بن عمرو اور عمرو بن عبدود۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ مکہ ہے جس نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہاری جانب پھینک دیا ہے۔(1)

ابن عابد نے کہا ہے کہ مسلمان راستے میں ہلکا قیام کرتے چلتے رہے، یہاں تک کہ دس دنوں میں جحفہ پہنچ گئے۔ بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء بدر کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے پانی کے قریب ایک ٹیلے پر اپنے اونٹ بٹھا رکھے تھے۔ پھر مشکیزے اٹھا کر بھرنے گئے کہ وہاں پانی کے پاس مجدی بن عمرو جہنی بھی موجود تھا اور وہاں کے باسیوں کی لونڈیاں وہاں موجود تھیں۔ دو لونڈیوں نے ایک دوسرے کو پکڑ رکھا تھا (اور ایک اپنا حق دوسری سے مانگ رہی تھی) اتنے میں عدی اور بسبس نے دوسری کو یہ جواب دیتے ہوئے

1۔ ماخوذ از سبل الھدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 27-28 (العلمیہ)

منا کل یا پرسوں قافلہ یہاں پہنچ جائے گا۔ میں ان کے لئے کچھ کام کروں گی اور پھر تیرا حق تجھے ادا کر دوں گی۔ اس پر مجدی نے کہا اس نے سچ کہا ہے۔ یہ قول بھی عدی اور بسبس دونوں نے سن لیا۔ یہ دونوں فوراً اپنے اونٹوں پر سوار ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کر دیا۔ (1)

ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ ابوسفیان اپنے قافلے کے ساتھ جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو وہ انتہائی خوفزدہ تھا۔ ضمضم بن عمرو اور نصیر کی واپسی میں بھی تاخیر ہوگئی، لہٰذا وہ انتہائی دہشت زدہ حالت میں بدر میں اترا اور انتہائی محتاط حالت میں وہ قافلہ کے آگے آگے چلتا رہا، یہاں تک کہ پانی کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں مجدی بن عمرو جہنی کو دیکھا تو پوچھا کیا تجھے اس علاقے میں کسی کا احساس ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا میں نے کوئی اجنبی نہیں دیکھا مگر یہ کہ میں نے دو سوار دیکھے ہیں (یعنی بسبس اور عدی) انہوں نے اس ٹیلے کے پاس اپنے اونٹ بٹھائے پھر اپنے مشکیزوں میں پانی لیا اور چلے گئے۔ ابوسفیان اس جگہ پر آیا جہاں انہوں نے اونٹ بٹھائے تھے۔ وہاں سے ایک مینگنی اٹھا کر توڑی تو اس سے گٹھلی برآمد ہوئی۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگا قسم بخدا! یہ تو اہل یثرب کا چارہ ہے۔ وہ فوراً اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا اور بدر کو بائیں جانب چھوڑ کر قافلہ کو ساحل سمندر کے راستہ پر گامزن کر دیا اور تلاش کے خوف سے رات دن تیز رفتاری سے چلتا رہا۔ پس جب ابوسفیان نے دیکھا کہ اس نے قافلے کو محفوظ کر لیا ہے تو اس نے قریش کی طرف قیس بن امرؤالقیس کو بھیجا کہ تم اپنے قافلے کے آدمیوں اور مال کی حفاظت کے لئے نکلے تھے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے سب کو بچا لیا ہے تو تم واپس لوٹ آؤ۔ قریش مقام جحفہ پر تھے کہ قیس یہ خبر لیکر ان کے پاس پہنچ گیا۔ لیکن ابوجہل نے کہا قسم بخدا! ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے، ہم بدر میں ضرور اتریں گے چونکہ عرب کے تہواروں میں سے ایک تہوار ہر سال بدر میں لگتا تھا اور ہر سال یہاں بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا اور یہ دن بھی اس تہوار کے دن ہی تھے۔ اس لئے ابوجہل نے کہا ہم تین دن تک وہاں قیام کریں گے، اونٹ ذبح کریں گے، کھانا تقسیم کریں گے، شراب کے جام لنڈھائیں گے، گانے والیاں آلات موسیقی کے ساتھ اپنے گانے پیش کریں گی۔ اس طرح سارے عرب کو ہماری آمد کا علم ہو جائے گا نتیجتہً اس کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے مرعوب رہیں گے۔ (2) اہل رائے تو بنیادی طور پر مکہ سے نکلنے کے ہی خلاف تھے اور وہ اس مقصد کے لئے ایک دوسرے کے پاس چل کر بھی گئے اور اب بھی جنہوں نے باز رہنے کی تجویز دی ان میں حارث بن عامر، امیہ بن خلف، ربیع کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ، حکیم بن حزام، ابوالبختری، علی بن امیہ بن خلف اور ابوالعاصی تھے حتیٰ کہ ابوجہل نے انہیں بزدلی کی عار دلائی اور جنہوں نے ابوجہل کی رائے سے اتفاق کیا ان میں عقبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث اور حارث بن کلدہ تھے لیکن بالآخر تمام کے تمام آگے جانے پر متفق ہو گئے۔

اخنس بن شریف نے کہا جو کہ بنی زہرہ کا حلیف تھا اے بنی زہرہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے مالوں کو بچا لیا ہے اور تمہارے سردار مخرمہ بن نوفل کو بھی نجات عطا فرما دی ہے اور تم صرف اور صرف اس کی حفاظت اور مال کے بچاؤ کے لئے ہی روانہ ہوئے تھے۔ لہٰذا اب تم واپس مکہ کی طرف لوٹ جاؤ۔ بنی زہرہ کی تعداد تقریباً ایک سو تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد تین سو کے قریب تھی۔ اخنس کی بات سن کر بنی زہرہ مکہ مکرمہ واپس لوٹ گئے صرف دو آدمی جو کہ مسلم بن شہاب زہری کے چچا تھے، وہ واپس نہیں گئے اور حالت کفر میں ہی قتل کر دیئے گئے۔ ابن سعد نے کہا ہے کہ قیس بن امرؤالقیس ابوسفیان سے جا ملا اور اسے قریش کے آنے کی خبر دی۔ تو اس نے کہا

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 28 (العلمیہ)　　2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 28-29 (العلمیہ)

ہائے میری قوم! یہ عمرو بن ہشام یعنی ابوجہل کا عمل ہے۔ اخنس کی رائے کے بعد بنو زہرہ کی حالت قابل رشک ہوگئی (کیونکہ اسی کی رائے پر عمل کرنے کے سبب وہ میدان بدر میں ہونے والے نقصان سے محفوظ رہے تھے)۔ اس لئے وہ ان میں قابل تکریم ہوگیا اور وہ اس کی ہر بات کی طرف کان دھرنے لگے۔ بنو ہاشم نے بھی واپس لوٹنے کا ارادہ کیا مگر ابوجہل نے ان پر سختی کی اور کہا یہ جماعت ہمارے واپس لوٹنے تک ہم سے علیحدہ نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ قریش چلتے رہے یہاں تک کہ بطن وادی اور ریت کے بہت بڑے ٹیلے کے پیچھے ایک اونچے مقام پر اتر پڑے اور نیچے والے کنارے پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا پڑاؤ ڈالا۔ اس ترتیب کے لحاظ سے مشرکین نے پانی پر قبضہ جمالیا اور مسلمان پانی کی قلت کے سبب سخت اضطراب میں پڑ گئے۔ شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ اندازی کی کہ تم تو یہ گمان کرتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کے دوست ہو اور تم میں اللہ تعالیٰ کا رسول بھی ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ مشرکین پانی پر قابض ہیں اور تم جنبی حالت میں نمازیں پڑھ رہے ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسی رات بارش نازل فرمائی اور مشرکین کی جانب تو اتنی موسلا دھار بارش برسی کہ اس نے انہیں پیش قدمی سے روک دیا۔ جبکہ مسلمانوں کی جانب ہلکی ہلکی بارش ہوئی جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پاک بھی فرما دیا، ان سے ناپاکی کو دور فرما دیا اور زمین بھی ان کے لئے ہموار کردی۔ ریت بیٹھ گئی، اس پر پاؤں جمنے لگے اور پڑاؤ کی جگہ بھی انتہائی موزوں ہوگئی۔ دل مضبوط ہوگئے اور ادھر ادھر چلنے کے مانع بھی کوئی چیز نہ رہی۔ وادی پانی سے بھر کر بہنے لگی۔ مومنین نے پانی جی بھر کر پیا، مشکیزے بھر لئے، اونٹوں کو خوب سیراب کیا اور غسل جنابت وغیرہ کرلیا۔ اسی رات اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک ایسی اونگھ طاری کردی کہ سب سو گئے حتیٰ کہ ایک دوسرے کے سامنے آکر کھڑا ہوتا اسے احساس ہی نہ ہوتا کہ وہ پہلو کے بل گر پڑتا(1) ابویعلیٰ اور بیہقی نے دلائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ غزوۂ بدر کے دن حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی بھی گھوڑ سوار نہیں تھا اور میرے سامنے اب تک وہ منظر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سوا ہم میں سے ہر ایک سو رہا تھا۔ صرف آپ ﷺ صبح تک درخت کے نیچے نماز ادا کرتے رہے۔ یہ جمعۃ المبارک کی رات تھی اور دونوں فریقوں کے درمیان ریت کی ایک پہاڑی حائل تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے قریش کی فرودگاہ کا چکر لگایا اور آکر اطلاع دی کہ وہ انتہائی خوفزدہ اور پریشان ہیں اور ان پر بارش خوب برسی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کے وقت ان کی طرف پیش قدمی کی تاکہ پانی پر ان سے پہلے پہنچ جائیں جبکہ انہیں تو وہاں پہنچنے سے بارش نے روک رکھا تھا۔ جب آپ ﷺ بدر کے پہلے ہی چشمے پر پہنچے تو آپ ﷺ وہیں ٹھہر گئے(2) ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ حباب بن منذر بن جموح حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! اس جگہ اترنے کا سبب کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے یہاں اترنے کا حکم فرمایا ہے پھر تو ہم اس سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتے یا یہ ایک رائے اور جنگی چال ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ ایک رائے جنگی چال اور مصلحت ہے تو پھر انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! پھر یہ جگہ موزوں نہیں ہے، آپ ﷺ یہاں سے لوگوں کو اٹھنے کا حکم فرمائیے اور قریش کے قریب ترین پانی تک لے چلئے اور وہاں جاکر پڑاؤ ڈالئے۔ پھر ہم وہاں ایک کنواں کھود یں گے، پھر اس پر حوض بنا کر اسے پانی سے بھرلیں گے۔ ہم اس سے پانی پی سکیں گے لیکن وہ اس پانی سے نہیں پی سکیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے مضبوط رائے سے مشورہ دیا ہے(3) ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4، صفحہ 30-29 (العلمیہ)
2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 3، صفحہ 39-38 (العلمیہ)
3۔ ماخوذ از سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4، صفحہ 30 (العلمیہ)

حاضر ہوئے اور آ کر کہا کہ جو مشورہ حباب نے دیا ہے وہ صائب ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اٹھے اور تقریباً آدھی رات کے وقت قریش کے قریب ترین پانی کے پاس پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ پھر وہاں کنواں کھودنے کا حکم فرمایا کنواں کھود دیا گیا اور پاس ہی ایک حوض تعمیر کر دیا گیا اور اسے پانی سے بھر دیا گیا پھر تمام لوگوں نے اپنے اپنے برتن اس میں ڈال دیئے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم آپ ﷺ کے لئے ایک عریش (سائبان) نہ بنا دیں جس میں آپ ﷺ آرام فرما ہوں گے، ہم قریب ہی آپ ﷺ کے لئے سواریاں بھی تیار رکھیں گے، پھر ہم خود دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمن پر غلبہ عطا فرما دیا تو ہمارا مقصود حاصل ہو جائے گا اور اگر صورت حال دوسری ہوئی تو آپ ﷺ سواری پر سوار ہو کر ان لوگوں کے پاس مدینہ منورہ پہنچ جائیں جنہیں ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ یا نبی اللہ ﷺ! بہت سے ایسے لوگ پیچھے رہ گئے ہیں جن کے دلوں میں آپ ﷺ کی محبت قطعاً ہم سے کم نہیں، اگر انہیں یہ گمان ہوتا کہ آپ ﷺ کو جنگ سے واسطہ پڑ جائے گا تو وہ قطعاً آپ ﷺ سے پیچھے نہ رہتے۔ اللہ تعالیٰ بالیقین ان کی مدد سے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائے گا۔ وہ آپ ﷺ کے لئے خیر خواہ بھی ہوں گے اور آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد بھی کریں گے۔ پس یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد کو کلمات خیر سے نوازا اور اپنی خصوصی دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔ پھر آپ ﷺ کے لئے ایسے بلند مقام پر عریش بنا دیا گیا جہاں سے میدان جنگ بالکل سامنے تھا۔ اس میں آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہوئے۔ کوئی تیسرا پاس موجود نہیں تھا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تلوار حمائل کیئے دروازے پر کھڑے ہوئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ میدان جنگ میں تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک سے اشارے فرما کر بتایا یہ فلاں (کافر) کے گرنے کی جگہ ہے یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اور پھر جنگ میں آپ ﷺ کے اشارے کی جگہ سے معمولی بھی کوئی آگے پیچھے نہیں گرا۔ اسے احمد اور مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔(1)

طبرانی نے رافع بن خدیج سے روایت نقل کی ہے کہ غزوۂ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر اہل اسلام کا کوئی بچہ پیدا ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے لگے، یہاں تک کہ اسی حال میں آخری عمر تک پہنچ جائے پھر بھی تمہاری اس (بدر والی) رات کے مقام کو نہیں پا سکتا اور مزید فرمایا وہ ملائکہ جو غزوۂ بدر میں شامل ہوئے انہیں ان پر فضیلت حاصل ہے جو پیچھے رہ گئے۔ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں، صرف ایک راوی جعفر بن معلاص غیر معروف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صبح بدر میں ہی کی ادھر قریش مکمل سامان حرب کے ساتھ لیس ہو کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم ﷺ کی عداوت و دشمنی میں نکلے تھے وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے بارے میں شدید غصے میں تھے۔ غیظ وغضب سے ان کے جذبات انتہائی بھڑکے ہوئے تھے کیونکہ یہ ان کے قافلے کو لوٹنے اور قافلے میں موجود لوگوں کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، جبکہ ابھی کچھ وقت پہلے عمرو بن حضرمی اور اس کے قافلے پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ ہم نے یہ واقعہ سورۂ بقرہ کی آیت یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ کے تحت ذکر کر دیا ہے۔ پس جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کو دیکھا کہ وہ ریت کے ٹیلے کے پیچھے سے وادی میں اتر رہے ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلے زمعہ بن اسود گھوڑے پر سوار ہو کر سامنے آیا اس کے پیچھے اس کا بیٹا بھی تھا۔ تو اس نے آتے ہی اپنے گھوڑے پر ایک چکر لگایا۔ وہ اپنی قوم کے لئے پڑاؤ کی مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ قریش اپنے تمام تر فخر اور غرور و تکبر کے ساتھ آ گئے اے اللہ! یہ تیرے رسول سے جھگڑتے ہیں اور اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اے اللہ! جس فتح و

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 102 (قدیمی)

نصرت کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے وہ مجھے عطا فرما اور صبح انہیں ہلاک و برباد کر دے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے عتبہ بن ربیعہ کو سرخ اونٹ پر سوار دیکھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر قوم میں سے کسی فرد میں کوئی خیر ہو سکتی تھی تو اس سرخ اونٹ والے میں تھی، اگر وہ اس کی اطاعت کر لیتے تو ہدایت پا جاتے۔ پھر فرمایا یہ عتبہ ہے جو انہیں جنگ سے روک رہا ہے۔ واپس لوٹ جانے کے لئے کہہ رہا ہے اور یہاں تک کہہ رہا ہے اے میری قوم! آج کے دن اس عار کی پٹی میرے سر باندھ دو اور یہ کہو عتبہ بزدل اور نامراد ہو گیا لیکن ابوجہل انکار کرتا رہا (اور جنگ پر اڑا رہا) خفاف بن ایماء بن رحضۃ الغفاری یا اس کے باپ نے اپنے بیٹے کے ہمراہ کچھ اونٹ قریش کی طرف بطور ہدیہ بھیجے (بعد میں یہ تینوں اسلام لے آئے تھے مگر اس وقت کفر پر ہی تھے) اور ساتھ کہلا بھیجا اگر تم پسند کرو تو ہم افراد اور ہتھیار لیکر تمہاری معاونت کے لئے آجائیں مگر قریش نے یہ جواب دیا تمہارے ساتھ ہمارا تعلق مضبوط اور مستحکم ہے، جو آپ پر حق بنتا تھا وہ آپ نے ادا کر دیا۔ اگر ہمارا مقابلہ لوگوں سے ہوگا تو خدا کی قسم ہم کسی طرح ان سے کمزور نہیں ہیں اور اگر ہمارا مقابلہ اللہ تعالیٰ سے ہوگا جیسا کہ محمد ﷺ کا خیال ہے تو پھر کسی میں بھی اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ جب لوگ اتر آئے تو قریش کے چند افراد رسول اللہ ﷺ کے بنائے ہوئے حوض پر آئے، ان میں حکیم بن حزام بھی تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انہیں چھوڑ دو، حکیم بن حزام کے سوا جس کسی نے بھی اس سے پانی پیا وہ مقتول ہوا۔ حکیم بن حزام قتل نہیں ہوئے تھے اور بعد از اں انہیں اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا اور پھر اپنے اسلام پر خوب اچھی طرح کاربند رہے۔ آپ جب کبھی انتہائی مضبوط قسم کھایا کرتے تو اس طرح کہتے قسم ہے اس ذات کی جس نے بدر کے دن مجھے نجات عطا فرمائی۔ جب لوگ مطمئن ہو گئے تو انہوں نے عمیر بن وہب جمحی کو بھیجا۔ انہوں نے بھی بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا کہ جاؤ اور محمد ﷺ کے ساتھیوں کی تعداد معلوم کر کے آؤ۔ چنانچہ اس نے لشکر کے ارد گرد اپنا گھوڑا دوڑایا اور پھر واپس جا کر بتایا کہ صحابہ کرام کی تعداد کم و بیش تین سو ہے۔ لیکن مجھے تھوڑی مزید مہلت دو تا کہ میں یہ غور و فکر کر سکوں کہ کہیں کمک چھپی ہوئی نہ ہو۔ چنانچہ وہ وادی میں دور تک گیا لیکن اسے کچھ دکھائی نہیں دیا۔ اس نے واپس پلٹ کر کہا میں نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ لیکن اے گروہ قریش! اتنا ضرور دیکھ لیا ہے کہ بلائیں موتوں کو اٹھائے ہوئے ہیں، پانی کھینچنے والے اونٹوں پر اہل یثرب سوار ہیں، تلواروں کے سوا ان کے پاس کوئی حفاظتی سامان ہے اور نہ ان کی کوئی پناہ گاہ ہے۔ کیا تم انہیں جانتے نہیں کہ وہ باتیں بڑی ہوشیاری سے کرتے ہیں، سانپوں کی طرح اپنی زبان کو حرکت دیتے ہیں، قسم بخدا! میں یہ خیال کرتا ہوں ان میں سے کوئی آدمی اس وقت تک قتل نہیں ہوگا جب تک تم میں سے ایک کو قتل نہیں کر ڈالے گا اور اگر انہوں نے اپنی تعداد کے برابر افراد بھی تم سے قتل کر دیئے تو اس کے بعد اچھی زندگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ آگے تم خود سوچ لو۔ اس کے بعد انہوں نے ابوسلمہ جشمی کو بھیجا اس نے گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کے گرد چکر لگایا۔ جب لوٹ کر گیا تو کہا قسم بخدا! نہ میں نے چمڑے کا لباس دیکھا، نہ گھوڑے، نہ زرہیں دیکھیں اور نہ دیگر سامان حرب، بلکہ میں نے اس قوم کو اس حال میں دیکھا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس جانے کا خیال بھی نہیں رکھتے، وہ مسلمان قوم ہیں اور موت کے طلب گار ہیں۔ تلواروں کے سوا نہ تو ان کے پاس محافظت کا سامان ہے اور نہ ان کی کوئی پناہ گاہ ہے۔ ڈھالوں کے پیچھے نیلی آنکھوں والے ہیں، گویا وہ چٹانیں ہیں جو غیر متحرک ہیں۔ آگے تم خود سوچ لو۔ جب یہ گفتگو حکیم بن حزام نے سنی تو وہ لوگوں میں سے اٹھ کر عتبہ بن ربیعہ کے پاس آیا تا کہ وہ اس سے لوگوں کو واپس لوٹانے کے بارے گفتگو کرے۔ آ کر کہا اے ابوالولید! تو قریش کا بہت بڑا آدمی ہے، ان کا سردار ہے، تیری بات تسلیم کی جاتی ہے، کیا تو ایک کام کر سکتا ہے جس کے سبب تیرا ذکر خیر آخر زمانہ تک ہوتا رہے گا۔ اس نے پوچھا اے حکیم! وہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ لوگوں کو واپس لوٹا دو اور …

حضرمی کا معاملہ خود اٹھالو۔ تو عتبہ نے جواب دیا اے حکیم تو نے میرے پاس تو ایسا کرلیا۔ بیشک عمرو میرا حلیف ہے، اس کی دیت میں برداشت کرلیتا ہوں، اس کا مالی نقصان بھی اپنے ذمہ ڈال لیتا ہوں، لیکن تم ابن حنظلہ کے پاس بھی تو جاؤ۔ مجھے اس کے سوا کسی سے کوئی خوف نہیں وہی لوگوں پر جادو کردے گا۔ ابن حنظلہ سے مراد ابوجہل ہے۔ بعد ازاں عتبہ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے کہا اے گروہ قریش! تم کیا کررہے ہو، قسم بخدا! اگر تم نے محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کرام پر کچھ غلبہ پا بھی لیا تو تم میں سے ہر آدمی ہمیشہ کے لئے دوسرے کی نظروں میں مبغوض اور قابل نفرت ہو جائے گا کیونکہ ہر آدمی کسی کے چچا کے بیٹے، کسی کے ماموں کے بیٹے یا کسی کے خاندان کے کسی فرد کا قاتل ہوگا۔ اس لئے تم واپس لوٹ جاؤ اور محمد ﷺ کو دوسرے عرب والوں کے لئے چھوڑ دو۔ اگر وہ ان پر غالب آگئے تو تمہاری مراد بھی پوری ہو جائیں گی۔ اور اگر صورت حال اس کے برعکس ہوئی تو کم از کم تم نے تو ان سے کچھ تعرض نہیں کیا ہوگا۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایسی قوم ہے جو موت کی آرزومند ہے اور تم آسانی سے ان پر غلبہ نہیں پا سکتے اے میری قوم! تم آج کے دن اس عار کی پٹی میرے سر باندھ دو اور یہ کہو عتبہ بزدل ہو گیا حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تم میں بزدل نہیں ہوں۔

حکیم کہتے ہیں کہ پھر میں ابوجہل کے پاس چل کر گیا تو میں نے اسے اس حال میں پایا کہ اس نے زرہ کیس سے اپنی زرہ باہر نکال رکھی ہے اور اسے درست کررہا ہے۔ میں نے جا کر کہا اے ابوالحکم! عتبہ نے مجھے اس اس کام کے لئے بھیجا ہے۔ لیکن ابوجہل نے پوری شدت اور قوت کے ساتھ یہ کہا جب سے اس نے محمد (ﷺ) اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھا ہے تب سے وہ یہی کہنے لگا ہے مگر ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، قسم بخدا! اب تو اس وقت تک واپس لوٹ کر نہیں جائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ ہمارے اور محمد (ﷺ) کے مابین فیصلہ نہیں فرما دیتا۔ عتبہ نے جو کہا ہے اس کا سبب صرف یہ ہے کہ اس نے محمد (ﷺ) اور آپ کے گوشت خور ساتھیوں کو دیکھ لیا ہے اور پھر اس کا بیٹا بھی ہے، اسے فقط اس کے قتل ہونے کا خوف ہے۔ بعد ازاں ابوجہل نے عامر حضرمی کو بلا بھیجا اور اسے بتایا قسم بخدا! تمہارا حلیف عتبہ لوگوں کو واپس لے جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تم اٹھو اور قریش سے اپنا وعدہ وفا کرنے اور اپنے بھائی کے خون کا مطالبہ کرو۔ چنانچہ عامر حضرمی اٹھا اس نے اپنی سرین ننگی کردی اور چیخ چیخ کر کہنے لگے واعمراہ، ہائے عمر پس اس کے بعد جنگ بھڑک اٹھی، لوگوں کا معاملہ شدت اختیار کر گیا۔ جنگ کے ارادہ پر وہ پختہ ہو گئے اور عتبہ نے لوگوں کو جو رائے دی تھی وہ ضائع اور برباد ہو گئی۔ جب عتبہ کو ابوجہل کا یہ قول پہنچا کہ اس نے کہا ہے کہ بیٹے کے ڈر کی وجہ سے ایسا کہہ رہا ہے تو اس نے شدید غصے کی حالت میں کہا کہ عنقریب اس زنانہ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں ڈرتا ہوں یا وہ۔ پھر عتبہ نے خود طلب کیا تا کہ اسے اپنے سر پر پہن لے۔ مگر اس نے پورے لشکر میں اتنا بڑا خود کوئی نہیں پایا جو اس کے سر کے لئے کافی ہو۔ جب اس نے یہ کیفیت دیکھی تو چادر ہی اپنے سر کے ارد گرد لپیٹ لی۔ ادھر ابوجہل نے اپنی تلوار سونتی اور اپنے گھوڑے کی پشت پر ضرب لگائی۔ یہ دیکھ کر ایما بن رحضہ نے کہا یہ بہت بری فال ہے۔

محمد بن عمر اسلمی، بلاذری اور صاحب امتاع نے ذکر کیا ہے کہ قریش جب پڑاؤ کر چکے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا تا کہ انہیں یہ کہیں کہ وہ واپس لوٹ جائیں کیونکہ اگر میرے مقابل تمہارے سوا دوسرے لوگ ہوں تو یہ میرے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میرے مقابل تم لوگ ہو۔ یہ سن کر حکیم بن حزام نے کہا پیشکش تو انہوں نے خیر خواہی کی کی ہے پس تم اسے قبول کرلو۔ قسم بخدا! اب جبکہ انہوں نے تمہیں انصاف کی پیشکش کردی ہے، تم ان پر غالب نہیں آسکتے۔ تو ابوجہل نے کہا قسم بخدا! جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان پر اختیار دے دیا ہے تو اب انہیں پامال کئے بغیر ہم واپس نہیں جائیں گے۔

ابن منذر اور ابی حاتم نے ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ غزوہ بدر کے دن ابوجہل نے کہا تھا انہیں مضبوطی سے پکڑ لو اور انہیں رسیوں میں باندھ دو اور ان میں سے کسی کو بھی قتل نہ کرو۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الآیہ۔ یعنی وہ مسلمانوں پر اپنی قدرت ایسے ہی خیال کرنے لگے جیسے باغ والوں کو اپنے باغ پر ہوتی ہے۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو صف بستہ کیا۔ آپ ﷺ تیر کی مثل صفوں کو ہموار اور سیدھا فرما رہے تھے۔ اس دن آپ ﷺ کے دست مبارک میں چھوٹا سا تیر تھا۔ آپ ﷺ اس سے اشارہ کرتے ہوئے کسی کو فرماتے تھوڑا آگے ہو اور کسی کو فرماتے تھوڑا پیچھے ہو۔ یہاں تک کہ صفیں سیدھی ہوگئیں آپ ﷺ نے اسلامی لشکر کا علم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ وہ اس جگہ کی طرف آگے بڑھے جہاں آقاء دو جہاں ﷺ نے علم گاڑنے کا حکم فرمایا تھا۔ آپ ﷺ کھڑے ہو کر صفوں کا مشاہدہ فرمانے لگے آپ ﷺ نے اپنے لشکر کا رخ مغرب کی طرف کیا اور سورج پشت کے پیچھے رکھا۔ سامنے سے مشرکین آئے تو ان کے منہ سورج کی طرف تھے۔ رسول اللہ ﷺ عدوہ شامیہ (شمالی کنارے) پر اترے ہوئے تھے جبکہ مشرکین عدوہ یمانیہ (جنوبی کنارے) پر پڑاؤ کئے ہوئے تھے۔ جب حضور نبی کریم ﷺ صفیں سیدھی فرما رہے تھے تو حضرت سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ صف سے ذرا آگے نکل آئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں پیٹ میں دھکا سا دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اے سواد سیدھے ہو جاؤ۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے مجھے تکلیف دی ہے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے آپ ﷺ مجھے بدلہ دیجئے۔ پس یہ سنتے ہی اس کریم آقا نے اپنا پیٹ ننگا کر دیا اور فرمایا سواد بدلہ لے لو۔ پس حضرت سواد رضی اللہ عنہ یہ کیفیت دیکھ کر پیٹ سے چمٹ گئے اور بوسہ لیا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے سواد! جو کچھ تم نے کیا ہے کس نے تجھے اس پر برانگیختہ کیا ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ کا حکم ظاہر ہو چکا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ دیکھ رہے ہیں اور مجھے یہ توقع ہے کہ میں مارا جاؤں گا۔ اس لئے مجھے یہ آرزو ہوئی کہ میں آخری وقت آپ ﷺ سے چمٹ جاؤں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب وہ تمہارے قریب آ جائیں تو ان پر تیر چلانا اور جب تک وہ تمہارے بالکل قریب نہ آ جائیں ان پر تلوار سے حملہ نہ کرنا۔ اسی طرح ابوداؤد نے ابی اسید سے روایت کیا ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور لوگوں کو دوران جنگ صبر اختیار کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے پر برانگیختہ کیا، اتنے میں قریش بھی جنگ کے لئے تیار ہوگئے اور شیطان بھی ان کے ساتھ ساتھ رہا۔ مسلمان اپنی صفوں پر ہی ثابت قدم رہے۔ سب سے پہلے عامر بن حضرمی حملہ کرتے ہوئے آگے بڑھا تو اس کے مقابلے کے لئے مسلمانوں میں سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام مہجع بن عایش صف سے باہر نکلے لیکن ابن حضرمی نے انہیں شہید کر دیا۔ انصار میں سے سب سے پہلے شہید ہونے والے حضرت حارث بن سراقہ تھے۔ جنہیں حبان بن عرقہ نے شہید کیا تھا۔ بعد ازاں دشمن کی صفوں سے عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کے ہمراہ باہر نکلا اور دعوت مبارزت دی۔ تو ان کے مقابلہ میں اسلامی لشکر میں سے عوذ، معوذ اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم باہر آئے۔ عوذ اور معوذ کے والد کا نام حارث اور ماں کا نام عفراء تھا۔ لیکن انہیں دیکھ کر عتبہ نے کہا ہمارا مقابلہ تو ہمارے ہم کفو سرداروں سے ہے تمہارے ساتھ تو ہماری کوئی غرض نہیں۔ پھر باآواز بلند کہا اے محمد (ﷺ)! ہمارے مقابلے کے لئے ہماری قوم کے سردار بھیجئے۔ تو پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عبیدہ بن حارث اٹھو، اے حمزہ تم اٹھو، اے علی تم اٹھو۔ پس حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے تو شیبہ کو سنبھلنے کی مہلت ہی نہ دی آنِ واحد میں اسے قتل کر دیا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی

مہلت اور تاخیر کے ولید کو واصل بجہنم کر دیا۔ فقط حضرت عبیدہ اور عتبہ کے مابین چند ضربوں کا تبادلہ ہوا۔ دونوں کچھ کچھ زخمی ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں اپنی تلواروں کے ساتھ عتبہ پر پل پڑے اور اس کا کام تمام کر دیا اور اپنے ساتھی کو اٹھا کر لے گئے۔ صحیحین میں ہے کہ ان ہی کے بارے سورۂ حج کی یہ آیت نازل ہوئی ھٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عریش میں تشریف لے گئے، کوئی تیسرا فرد وہاں موجود نہیں تھا اور رسول اللہ ﷺ وہاں اپنے رب کی بارگاہ میں اس فتح کی التجاء کرنے لگے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرما رکھا تھا۔ اسی دوران یہ التجاء بھی کی اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ الْيَوْمَ لَا تُعْبَدْ فِي الْاَرْضِ۔(1) (اے اللہ! اگر تو نے آج کے دن اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی) اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! اپنے رب کی مناجات میں تخفیف کیجئے، اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ آپ سے فرما رکھا ہے اسے ضرور پورا فرمائے گا۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کو ایک مشورہ دینے کا ارادہ رکھتا ہوں، حالانکہ آپ ﷺ کی ذات والا شان اس سے بلند و بالا ہے کہ آپ کو کوئی مشورہ دیا جائے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات والا شان اس سے بزرگ و برتر اور اعظم ہے کہ اسے وعدہ یاد دلایا جائے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن رواحہ! میں اللہ تعالیٰ کو اس کا وعدہ یاد دلاتا رہوں گا، حالانکہ یہ یقین ہے کہ وہ کبھی بھی وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔(2)

ابن سعد اور ابن جریر نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ غزوہ بدر کے دن میں کچھ دیر تک لڑتا رہا پھر دوڑتے ہوئے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پاس آیا تا کہ دیکھوں آپ ﷺ کیا کر رہے ہیں، تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اپنا سر نیاز سجدے میں رکھ کر یہ کہہ رہے ہیں یا حیّ یا قیوم۔ اس سے زائد آپ ﷺ کچھ نہیں کہتے۔ میں واپس میدان کی طرف لوٹ گیا۔ کچھ وقت کے بعد پھر آیا تو میں نے آپ ﷺ کو حالت سجدہ میں وہی کہتے پایا۔ میں پھر میدان کی طرف لوٹ گیا۔ پھر جب واپس آیا تو آپ ﷺ وہی کہہ رہے تھے، اس کے بعد فتح عطا فرما دی گئی(3) بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ مزید یہ بھی بیان کیا ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے رخ زیبا موڑا۔ ایسے محسوس ہوا گویا آپ ﷺ کا چہرہ انور چاند ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا میں شام کے وقت سے ہی قوم کے مقتول ہو کر گرنے کی جگہوں کو دیکھ رہا تھا۔(4)

سعید بن منصور نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے دائیں طرف کھڑے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے حالت نماز میں یہ دعا کی اے اللہ! مجھے رسوا نہ کرنا۔ اے اللہ! میں تجھے وہ وعدہ یاد دلاتا ہوں جو تو نے مجھ سے فرمایا ہے۔(5)

ابن ابی شیبہ، احمد، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ بدر کے دن جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا کہ ان کی تعداد ایک ہزار ہے اور اپنے صحابہ کرام کی طرف دیکھا کہ ان کی تعداد تین

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 10 (التجاریہ) 2۔ معجم کبیر طبرانی، جلد 4 صفحہ 175 (العلوم والحکم)

3۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد 2 صفحہ 26 (صادر) 4۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 3 صفحہ 50 (العلمیہ) 5۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 38 (العلمیہ)

سوانیس ہے۔ تو آپ ﷺ قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور اپنے رب کو پکار پکار کر عرض کرنے لگے اے اللہ! میرے ساتھ جو وعدہ تو نے فرمایا ہے اسے پورا فرما، اے اللہ! جو وعدہ تو نے میرے ساتھ کیا ہے وہ مجھے عطا فرما۔ اے اللہ! اگر اسلام کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین میں تیری عبادت نہیں ہو سکے گی۔ آپ ﷺ مسلسل ہاتھ پھیلا کر اور قبلہ رو ہو کر اپنے رب کو پکارتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دوش مبارک سے چادر گر گئی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے انہوں نے چادر اٹھائی اور آپ ﷺ کے دوش پر ڈال دی۔ پھر پیچھے سے آپ ﷺ کے ساتھ چمٹ گئے اور عرض کی اے اللہ تعالیٰ کے نبی! آپ ﷺ نے اپنے رب کو پکارنے کی حد کر دی آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ سے کیا ہوا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(1)

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُرْدِفِیْنَ ۝

"یاد کرو جب تم فریاد کر رہے تھے اپنے رب سے تو سن لی اس نے تمہاری فریاد[1] (اور فرمایا) یقیناً میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ[2] جو پے در پے آنے والے ہیں[3]"

[1] اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ ترکیب کلام میں اِذْ یَعِدُكُمُ سے بدل ہے یا یہ قول باری تعالیٰ لِیُحِقَّ کے متعلق ہے۔ یا پھر یہ فعل محذوف اُذْكُرُوْا کے متعلق ہے۔ یعنی یاد کرو جب تم اپنے رب کی بارگاہ میں اپنے دشمنوں سے بچنے کی فریاد کر رہے تھے اور مدد طلب کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد کو سن لیا۔

[2] اَنِّیْ اصل میں بِاَنِّیْ تھا۔ حرف جار کو حذف کر دیا گیا اور فعل کو اس پر داخل کر دیا گیا، یعنی یقیناً میں تمہاری طرف بطور امداد اور تمہارے دفاع کے لئے ایک ہزار فرشتے بھیجوں گا۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس، حکیم بن حزام اور ابراہیم تیمی رضی اللہ عنہم سے حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث دعا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عریش میں تھے کہ آپ نے اپنے سر مبارک کو جھکا سا دیا پھر آپ بیدار ہوئے تو فرمایا اے ابوبکر تمہیں بشارت ہو یہ جبرئیل ہیں جو سر پر زرد رنگ کا عمامہ باندھے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے زمین و آسمان کے مابین کھڑے تھے۔ جب وہ زمین پر اترے تو تھوڑی دیر کے لئے میری نظروں سے غیب ہو گئے پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ظاہر ہوئے اور یہ کہہ رہے ہیں جب تم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی التجا کی تو اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے پاس آ گئی۔(2)

ابن اسحاق اور ابن منذر حبان بن واسع سے اور وہ اپنی قوم کے شیوخ سے ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں کہ یہ جبرئیل امین ہیں جو اپنے گھوڑے کو لگام سے پکڑے چاروں ٹانگوں پر چلاتے آ رہے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن فرمایا یہ جبرئیل اپنے گھوڑے کو سر سے پکڑے ہوئے ہیں اور اس پر سامان حرب بھی ہے۔(3)

[3] مُرْدِفِیْنَ کو نافع اور یعقوب نے دال کے فتحہ کے ساتھ مُرْدَفِیْنَ پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو مسلمانوں کا ردیف بنایا اور

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 93 (قدیمی)
2۔ دلائل النبوۃ بیہقی، جلد 3 صفحہ 54 (العلمیہ)
3۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 570 (وزارت تعلیم)، دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 3 صفحہ 54 (العلمیہ)

انہیں ان کے لئے معاون و مددگار بنایا۔ باقیوں نے دال کو مکسور پڑھا ہے، یعنی ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے۔ ابن جریر اور ابن منذر رحمہم اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ہر فرشتے کے پیچھے دوسرا فرشتہ تھا(1) عبد بن حمید اور ابن جریر رحمہم اللہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ پے در پے فرشتوں کے ساتھ پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ (2) مدد فرمائی، پھر تین ہزار کے ساتھ، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد مکمل پانچ ہزار کر دی۔ طبرانی نے رفاعہ بن رافع سے اور ابن جریر، ابن منذر اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ اور مومنین کی ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ مدد فرمائی۔ ایک پہلو پر حضرت جبرئیل امین پانچ سو کو ساتھ لئے ہوئے تھے اور دوسرے پہلو پر حضرت میکائیل علیہ السلام پانچ سو کو اپنے ساتھ لئے ہوئے تھے، الحدیث۔(3)

ابن ابی حاتم نے شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ کرز محاربی مشرکین کی امداد کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ خبر آپ ﷺ پر انتہائی شاق گزری تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُنْزَلِیْنَؕ بَلٰۤىۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُسَوِّمِیْنَ پس جب کرز کو قریش کی شکست کی خبر پہنچی تو وہ واپس لوٹ گیا اور ان کی امداد کے لئے نہ آیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے بھی پانچ ہزار سے مدد نہیں فرمائی بلکہ مسلمانوں کی امداد صرف ایک ہزار فرشتے سے کی گئی۔(4)

ابو یعلی اور حاکم رحمہما اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں بدر کے کنوئیں کے پاس تھا، ایک انتہائی شدید ہوا آئی کہ اس کی مثل میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، پھر دوسری بار اسی طرح ایک شدید ہوا آئی، پھر تیسری بار ایک انتہائی تیز ہوا آئی۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلی بار تیز ہوا حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے آنے کے سبب تھی کہ آپ ایک ہزار ملائکہ کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اترے تھے۔ دوسری بار تیز ہوا حضرت میکائیل علیہ السلام کے اترنے کے سبب آئی کہ وہ ایک ہزار ملائکہ کو ساتھ لیکر رسول اللہ ﷺ کی دائیں جانب اتر کر آئے۔ آپ ﷺ کی دائیں جانب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور تیسری بار تیز ہوا حضرت اسرافیل علیہ السلام کے اترنے کے سبب آئی کہ وہ ایک ہزار ملائکہ کو ساتھ لیکر رسول اللہ ﷺ کی بائیں جانب اترے اور آپ ﷺ کے بائیں جانب میں تھا، الحدیث(5)

احمد، بزار اور حاکم رحمہم اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن مجھ سے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ ہم میں سے ایک کو فرمایا تیرے ساتھ جبرئیل امین ہے اور دوسرے کو فرمایا تمہارے ساتھ میکائیل ہے اور اسرافیل ایک عظیم الشان فرشتہ ہے جو میدان جنگ میں حاضر رہتا ہے لیکن صف میں شامل ہو کر وہ جنگ نہیں کرتا۔(6)

ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم غزوۂ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نماز ادا کر رہے تھے کہ اچانک آپ ﷺ نماز میں تبسم کناں ہوئے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے آپ ﷺ کو تبسم کرتے دیکھا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس سے جبرئیل امین گزر رہے تھے، ان کے پروں پر گرد و غبار کے آثار تھے، اس وقت وہ قوم کے تعاقب سے واپس آ رہے تھے، لہٰذا وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور میں نے ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 127 (الامیریہ) 2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 127 (الامیریہ) 3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 130 (الامیریہ)
4۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 310 (العلمیہ) 5۔ مسند ابو یعلی، جلد 1 صفحہ 234 6۔ مستدرک حاکم، جلد 3 صفحہ 68 (النصر)

کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا۔(1)

ابن سعد اور ابوالشیخ نے عطیہ بن قیس رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بدر کی لڑائی سے فارغ ہوگئے تو جبرئیل امین علیہ السلام سرخ رنگ کی گھوڑی پر سوار ہو کر حاضر خدمت ہوئے، آپ زرہ پہنے ہوئے تھے اور نیزہ پکڑے ہوئے تھے۔ آ کر عرض کی اے محمد ﷺ! مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف بھیجا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ میں آپ ﷺ سے جدا نہ ہوں یہاں تک کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں۔ آپ ﷺ فرمایئے کیا آپ خوش اور راضی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں میں راضی ہوں، چنانچہ پھر وہ واپس چلے گئے۔(2)

فائدہ:۔ بعض فرشتے بعض لوگوں کے سامنے انسانی شکل میں ظاہر ہوئے تھے۔ ابراہیم حرثی ابوسفیان بن حارث سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے بدر کے دن بعض سفید رنگ کے آدمی زمین و آسمان کے مابین چتکبرے گھوڑوں پر سوار دیکھے تھے۔ بیہقی اور ابن عساکر رحمہما اللہ حضرت سہل بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے بدر کے دن زمین و آسمان کے درمیان کچھ سفید رنگ کے آدمی چتکبرے گھوڑوں پر سوار دیکھے جو قتل بھی کر رہے تھے اور قیدی بھی بنا رہے تھے۔(3)

محمد بن عمرو اسلمی اور ابن عساکر رحمہما اللہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے غزوہ بدر کے دن دو آدمی دیکھے، ان میں سے ایک حضور نبی کریم ﷺ کی دائیں جانب تھا اور دوسرا بائیں جانب تھا۔ وہ دونوں سخت ترین قتال کر رہے تھے، پھر ایک تیسرا آدمی آپ ﷺ کے پیچھے آ گیا، پھر آپ ﷺ کے سامنے ایک چوتھا آ گیا۔(4)

محمد بن عمرو اسلمی ابراہیم غفاری سے اور وہ اپنے چچا کے بیٹے سے نقل کرتا ہے کہ بدر کے دن میں اور میرے چچا کا بیٹا بدر کے پانی پر تھے۔ جب ہم نے محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کی قلت اور قریش کی کثرت کو دیکھا تو ہم نے کہا جب یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے مقابل آئیں گے تو ہم سیدھا محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کا قصد کریں گے (یعنی ہم ان پر حملہ آور ہوں گے)۔ پس ہم اٹھ کر آپ کے بائیں بازو کی طرف چلے گئے۔ میسرہ میں صحابہ کرام کی تعداد کو دیکھ کر ہم نے کہا یہ قریش کا چوتھائی ہوں گے ابھی ہم میسرہ میں چل ہی رہے تھے کہ اچانک ایک بادل آیا اور وہ ہم پر چھا گیا۔ پس ہم نے اپنی آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو ہم نے اس سے لوگوں اور ہتھیاروں کی آوازیں سنیں اور ہم نے ایک آدمی کو اپنے گھوڑے کو یہ کہتا سنا اَقْدِمْ حَیْزُوْمُ (۱) (حیزوم آگے بڑھو)۔ پس وہ رسول اللہ ﷺ کے میمنہ پر آ کر اترے۔ پھر اسی طرح ایک دوسری جماعت آئی اور وہ بھی حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہو گئی۔ اسی طرح آپ ﷺ کے صحابہ کرام کی تعداد قریش کے مقابلے میں دوگنا ہو گئی۔ میرے چچا کا بیٹا تو مر گیا لیکن میں جنگ میں محفوظ رہا۔ بالآخر میں نے اسلام قبول کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس واقعہ سے آگاہ کیا(5) اسی طرح کا واقعہ ابن اسحاق اور ابن جریر رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطے سے بنی غفار کے ایک آدمی سے نقل کیا ہے اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سائب

---

(۱) اقدم حیزوم کے لفظ کو اَقْدُمْ، اِقْدَمْ اور اَقْدِمْ تینوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری صورت کو ترجیح دی ہے۔ اس کا معنی ہے جنگ کے لئے آگے بڑھنا، اقدام کرنا یا جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرنا۔ حیزوم حزم سے ماخوذ ہے اور حیزوم کا اطلاق سینے پر بھی ہوتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ اس گھوڑے کا نام حیزوم اس بناء پر ہو کہ وہ ملائکہ کے تمام گھوڑوں کا سرخیل ہو اور ان کے آگے آگے ہو۔ واللہ اعلم۔

1۔ مسند ابو یعلی، جلد 2 صفحہ 291-292 2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 309 (العلمیہ) 3۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 3 صفحہ 57 (العلمیہ)

4۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 40 (العلمیہ) 5۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 39 (العلمیہ)

بن ابی حبیش کا واقعہ نقل کیا ہے، وہ کہتے تھے قسم بخدا! مجھے لوگوں میں سے کسی نے بھی قید نہیں کیا۔ وہ کہتے کہ جب قریش شکست خوردہ ہو کر بھاگے تو میں بھی ان کے ساتھ بھاگ پڑا۔ تو مجھے ایک طویل القامت سفید رنگ کے آدمی نے جو کہ گھوڑے پر سوار تھا اور زمین و آسمان کے مابین معلق تھا، نے پکڑ لیا۔ پھر اس نے مجھے رسی کے ساتھ باندھ دیا۔ اتنے میں عبدالرحمٰن بن عوف ادھر آئے۔ انہوں نے مجھے بندھا ہوا پایا تو انہوں نے لشکر میں آواز لگائی کس نے اسے باندھا ہے لیکن کسی نے بھی مجھے گرفتار کرنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ بالآخر مجھے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں لے گئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تجھے کس نے گرفتار کیا ہے؟ میں نے عرض کی میں اسے نہیں پہچانتا اور جسے میں نے دیکھا تھا اس کے بارے خبر دینا میں نے پسند نہ کیا۔ تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے ملائکہ میں سے ایک فرشتے نے گرفتار کیا ہے۔(1)

امام احمد، ابن سعد اور ابن جریر رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قول نقل کیا ہے کہ ابوالیسر نے عباس کو گرفتار کر لیا تھا حالانکہ ابوالیسر چھوٹے قد کے اور ہلکے بدن کے آدمی تھے، جبکہ عباس لمبے قد کے عظیم الجثہ آدمی تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا اے ابوالیسر! تم نے عباس کو گرفتار کیسے کر لیا۔ تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اس معاملہ میں میری معاونت ایک ایسے آدمی نے کی ہے جس کو میں نے نہ اس سے قبل دیکھا ہے نہ اس کے بعد۔ اس کی ہیئت اس اس طرح تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تحقیق ایک بزرگ فرشتے نے تمہاری مدد کی ہے۔(2)

ابن اسحاق اور اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ نے ابواسید الساعدی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ اپنے نابینا ہو جانے کے بعد کہا کرتے میں اگر آج تمہارے ساتھ بدر میں ہوتا اور میری آنکھیں بھی درست ہوتیں تو میں بالیقین تمہیں اس گھاٹی کے بارے بتاتا جس سے ملائکہ نکل کر آئے تھے اور مجھے اس کے بارے کوئی شک و شبہ نہ تھا۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ بدر کے دن ملائکہ کی خصوصی نشانی ان کے سفید عمامے تھے جن کا ایک حصہ انہوں نے اپنی پشتوں پر لٹکا رکھا تھا اور خیبر کے دن سرخ عمامے تھے(3) ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اس میں صرف اتنا زائد ہے کہ جبرئیل امین علیہ السلام کا عمامہ زرد رنگ کا تھا۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بدر کے دن حضرت جبرائیل امین علیہ السلام حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شکل میں زرد عمامہ باندھے اترے تھے(4) اسی طرح ابن ابی شیبہ، ابن جریر اور ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن زبیر سے نقل کیا ہے۔

طبرانی اور ابن مردویہ رحمہما اللہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع قول نقل کیا ہے کہ قول باری تعالیٰ مُسَوِّمِيْنَ کا معنی معلمین نشان زدہ ہے۔ بدر کے دن ملائکہ کی خصوصی نشانی سیاہ عمامے اور احد کے دن سرخ عمامے تھے(5) ابن سعد نے لکھا ہے کہ بدر کے دن ملائکہ کی نشانی سبز، زرد اور سرخ نورانی عمامے تھے جن کا ایک حصہ انہوں نے اپنے کندھوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا اور انہوں نے اپنے گھوڑوں کی پیشانیوں پر بطور کلغی اون باندھ رکھا تھا اور وہ چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو ارشاد فرمایا کہ ملائکہ نے خصوصی نشانی مقرر کر لی ہے تم بھی اسے ہی نشانی بنا لو۔ پس لوگوں نے بطور کلغی اون

1۔ دلائل النبوۃ بیہقی، جلد 3 صفحہ 60 (العلمیہ) 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 353 (صادر) 3۔ دلائل النبوۃ بیہقی، جلد 3 صفحہ 57 (العلمیہ)
4۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 34 (العلمیہ) 5۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 43 (العلمیہ)

کو اپنے سروں کے بیچ میں اور ٹوپیوں میں باندھ لیا۔(1)

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمَىٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝

''اور نہیں بنایا فرشتوں کے نزول کو اللہ نے مگر ایک خوشخبری [1] اور تا کہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل [2] اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے بیشک اللہ (تعالیٰ) بہت غالب ہے حکمت والا ہے [3] ''

[1] جعلہ میں ہ ضمیر کا مرجع امداد ہے جس پر قول باری تعالیٰ ممدکم دلالت کرتا ہے۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے سبب امداد صرف اور صرف تمہاری خوشی اور بشارت کے لئے عطا فرمائی۔

[2] اور تا کہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں، یعنی تا کہ وہ قلبی اضطراب جو دشمن کی کثرت اور اپنی قلت کو دیکھنے کے سبب پیدا ہوا وہ زائل ہو جائے اور اطمینان قلب کی کیفیت طاری ہو جائے۔

میں کہتا ہوں اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے مدد و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا، آپ ﷺ پر اضطراب قلبی طاری ہونا اور آپ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کو اپنا وعدہ یاد دلا کر مدد کی التجاء کرنا، آپ ﷺ کی یہ حالت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حالت کی مثل ہے۔ جبکہ انہوں نے عرض کی تھی رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ دونوں انبیاء علیہم السلام کی اس حالت کا دارو مدار نزول (1) اتم پر تھا۔ نزول اتم کی تفصیلی بحث ہم سورۂ بقرہ کی آیت رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى کے ضمن پر بیان کر چکے ہیں چونکہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نزول اتم کے اس مقام پر فائز نہیں تھے اسی لئے انہوں نے یہ عرض کی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے اعلیٰ اور بزرگ و برتر ہے کہ اسے وعدہ یاد دلا کر التجاء کی جائے۔ جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم ﷺ کا قرب حاصل تھا اور وہ آپ کے اس مرتبہ سے واقف تھے، اس لئے انہوں نے عبداللہ بن رواحہ کی طرح نہ کہا بلکہ یہ کہا کہ آپ نے اپنے رب کی بارگاہ میں بالواسطہ التجاء کرنے کی حد کر دی۔ حضور نبی کریم ﷺ کا اضطراب اس لئے تھا کہ کیونکہ آپ اشاعت اسلام کے لئے بہت حریص تھے اور کفر کی بنیادوں کو منہدم دیکھنے کے خواہش مند تھے اور آپ ﷺ کی نظر اس پر بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ تو عالمین سے مستغنی ہے اور اسے سارے جہان کی عبادت کی کوئی پرواہ نہیں۔

[3] ملائکہ کی امداد، تعداد کی کثرت اور سامان حرب کی زیادتی عرف و عادت کے مطابق فقط ذرائع اور واسطے ہیں، حقیقۃً ان کی کوئی تاثیر نہیں، واللہ اعلم۔

فائدہ: ۔ جب رسول اللہ ﷺ اپنے رب کی بارگاہ میں التجاء کرنے سے فارغ ہوئے تو پھر بنفس نفیس جنگ میں شریک ہوئے اور خوب جرأت کے ساتھ جنگ لڑی۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی جنگ میں شریک ہوئے۔ اس سے قبل دونوں

---

(1) انبیاء علیہم السلام کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک صعودی اور ایک نزولی یعنی قرب الٰہی اور قرب مخلوق۔ پہلی حالت کا تعلق نبوت سے ہے اور دوسری کا رسالت سے۔ جس کی صعودی حالت اکمل ہوتی ہے اس کی نزولی حالت بھی بدرجہ اتم ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نزول اتم کا مرتبہ حاصل تھا۔ اسی لئے باوجود کمال ایمانی کے حضرت ابراہیم علیہ اسلام نے احیاء موتیٰ کو آنکھوں سے دیکھنے کی درخواست کی تا کہ شہودی طور پر اطمینان قلب پیدا ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ نے شہودی اطمینان کے لئے اور امر ظاہری کے لئے دعا کی۔

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 44 (العلمیہ)

عریش میں تھے، خوب عجز و انکساری کے ساتھ اور خشیت و تضرع کے ساتھ رب کریم کی بارگاہ میں دعا کرتے رہے پھر نیچے اترے اور لوگوں کو جنگ پر خوب برانگیختہ کیا اور خود بھی مختلف مقامات پر جنگ میں شریک ہوئے۔ محمد بن یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں اسی طرح لکھا ہے۔

ابن سعد اور فریابی رحمہما اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن جب جنگ شدید ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے آگے بڑھ کر ہمیں پناہ عطا فرمائی اور ہم نے آپ ﷺ کے سبب اپنے آپ کو بچا لیا۔ اس دن حضور نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ جرأت و بہادری کا مظاہرہ فرمانے والے تھے اور سب سے بڑھ کر آپ ﷺ ہی مشرکین کے قریب تر تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ بدر کے دن کا وہ منظر ہمارے سامنے ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی پناہ لے رہے تھے اور نسائی کے الفاظ یہ ہیں کہ جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھی اور مقابلہ شروع ہوگیا تو ہم رسول اللہ ﷺ کے سبب اپنا بچاؤ کرنے لگے۔(1)

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾

"یاد کرو جب اللہ نے ڈھانپ دیا تمہیں غنودگی سے [1] تاکہ باعث تسکین ہو اس کی طرف سے [2] اور اتارا تم پر آسمان سے پانی تاکہ پاک کردے تمہیں اس سے اور دور کردے تم سے شیطان کی نجاست [3] اور مضبوط کردے تمہارے دلوں کو اور جمادے اس سے تمہارے قدموں کو [4]"

[1] نعاس سے مراد ہلکی سی نیند ہے یعنی اونگھ۔ ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ نے إِذْ يُغَشِّيكُمُ کو إِذْ يَغْشَاكُمُ پڑھا ہے۔ جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ۔ جبکہ نافع نے يُغْشِيكُمُ پڑھا ہے اور اس کے بعد نعاس کو منصوب پڑھا ہے۔ جیسا کہ اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ۔ (یعنی انہوں نے اسے باب افعال سے پڑھا ہے) جبکہ باقی قراء نے اسے باب تفعیل سے پڑھا ہے۔ جیسا کہ اس قول باری تعالیٰ میں ہے فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ ان دونوں قراءتوں کے مطابق فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور یہ ظرف إِذْ يَعِدُكُمُ سے دوسرا بدل ہے جو تیسری نعمت کے اظہار کے لئے ہے یا یہ نصر کے متعلق ہے یا اس فعل کے جو عند اللہ میں فعل کا معنی موجود ہے۔ یا یہ جعل کے متعلق ہے یا پھر فعل محذوف اذکر کے متعلق ہے۔

[2] تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ باعث تسکین ہو۔ أَمَنَةً لفظ کے اعتبار سے مفعول مطلق ہے اور یہ مصدر ہے امنت امنا و امنة و امانا۔ اور معنی کے اعتبار سے یہ مفعول لہٗ ہے کیونکہ قول باری تعالیٰ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ تَنْعَسُونَ وَيَغْشَاكُمُ کے معنی کو متضمن ہے (یعنی تم اونگھتے ہو اور وہ تم پر چھا جاتی ہے) اور امنة اس کے فاعل کا فعل ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکون اور راحت دینے کے لئے تم پر غنودگی طاری کردی) اور یہ بھی جائز ہے کہ ایمان غنودگی طاری کرنے والے کا فعل ہو۔ ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ کی قراءت کے مطابق فعل النعاس کو مجاز پر محمول کیا جائے گا کیونکہ یہ اونگھ آپ ﷺ کے اصحاب کے لئے تھی۔ یا پھر اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں سے تھا کہ وہ ان پر شدید خوف سے غنودگی طاری نہ کرتا تو جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈھانپ لیا تو اس کے سبب انہیں اللہ تعالیٰ کی

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 45-46 (العلمیہ)

جانب سے راحت اور تسکین حاصل ہوئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ان پر غنودگی طاری ہی نہ کرتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میدان جنگ میں اونگھ کا آجانا اللہ تعالیٰ کی جانب سے باعث راحت وسکون ہوتا ہے جبکہ نماز میں اونگھ کا آجانا شیطان کی جانب سے ہوتا ہے۔(1)

عبد بن حمید نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اونگھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے راحت اور سکون ہوتی ہے۔ دو مرتبہ اونگھ کا (نزول ہوا) ایک دفعہ غزوۂ بدر کے دن اور دوسری دفعہ غزوۂ احد کے دن(2) اونگھ کا تفصیلی ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

۳؎ ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ نے یُنَزِّلُ کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقیوں نے تشدید کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر آسمان سے پانی اتارا تاکہ اس کے سبب تمہیں حدث اور جنابت سے پاک کردے اور تم سے شیطانی وساوس کو دور کردے کہ تم تو یہ گمان رکھتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کے دوست ہو اور تم میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔ حالانکہ تمہارے پانی پر مشرکین کا قبضہ ہے اور تم جنبی حالت میں نمازیں پڑھ رہے ہو۔

۴؎ اور تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کردے، یعنی اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم پر وثوق کے سبب دل قوی ہوجائیں اور ان پر راحت وسکون کے نزول کے سبب وہ مضبوط ہوجائیں۔ جب آدمی کا دل قوی اور مضبوط ہوجائے تو کہا جاتا ہے فلانٌ رَابِطُ الْجَاشِ۔ ربط کا اصل معنی باندھنا ہے۔ اور یہ معنی قوت واستحکام کا تقاضا کرتا ہے (یعنی ربط کا مجازی معنی قوت ہے کیونکہ حقیقۃً ربط قوت کا سبب ہے اور مجازاً مسبب کا اطلاق مسبب پر ہوتا ہے) اور بارش کے سبب تمہارے قدموں کو جمادے کیونکہ اس کے سبب ریت جم گئی اور سخت ہوگئی اور اس میں پاؤں دھنسنے سے محفوظ ہوگئے۔ یا پھر اثبات اقدام سے مراد صبر اور دلوں کی قوت اور طاقت ہے (یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب تمہیں قوت صبر عطا فرمائے اور دلوں کو مضبوطی عطا کردے)۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾

"یاد کرو جب وحی فرمائی آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں ۱؎ پس تم ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو ۲؎ میں ڈال دوں گا کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب ۳؎ سو تم مارو (ان کی) گردنوں کے اوپر ۴؎ اور چوٹ لگاؤ ان کے ہر بند پر ۵؎"

۱؎ ملائکہ سے مراد وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی امداد کے لئے بھیجا تھا۔ ترکیب کلام میں یہ یا تو تیسرا بدل ہے یا پھر ظرف یثبت کے متعلق ہے۔ اَنِّیْ مَعَكُمْ سے مراد یہ ہے کہ مومنین کی مدد کرنے اور انہیں ثابت قدم رکھنے میں میری اعانت اور تائید تمہارے ساتھ ہے۔ یہ یُوْحِیْ کا مفعول ہے۔

۲؎ اے ملائکہ تم اہل ایمان کے دشمنوں سے برسر پیکار ہوکر، مومنین کی تعداد میں اضافہ کرکے اور انہیں فتح ونصرت کی بشارتیں سنا کر انہیں ثابت قدم رکھو۔ مقاتل نے کہا ہے کہ فرشتہ انسانی شکل میں صف کے آگے آگے چلتا تھا اور یہ کہتا تھا تمہیں بشارت اور خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ بالیقین تمہیں فتح ونصرت سے نوازے گا۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 11 (التجاریہ) 2۔ الدرالمنثور، جلد 3 صفحہ 310 (العلمیہ)

۳؎ رُعب سے مراد دل کا خوف سے بھر جانا ہے۔ مراد یہ ہے کہ میں کفار کے دلوں کو مومنین کے خوف سے بھر دوں گا۔ ابن عامر اور کسائی رحمہما اللہ نے اس لفظ کو عین کے ضمہ کے ساتھ رُعُب پڑھا ہے، جبکہ باقیوں نے عین کو ساکن پڑھا ہے۔ یہ پورا جملہ اَنِّیْ مَعَكُمْ کی تفسیر کے قائم مقام ہے (یعنی میری مدد کی صورت یہ ہوگی کہ میں کفار کے دلوں میں مسلمانوں کی تعداد کو کئی گنا دکھا کر رعب ڈال دوں گا)۔ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا اباجی! ابوالیسر نے آپ کو کیسے گرفتار کر لیا تھا حالانکہ اگر آپ چاہتے تو اسے اپنی ہتھیلی میں پکڑ سکتے تھے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا بیٹے اس طرح نہ کہو وہ میری آنکھوں کے سامنے خندمہ پہاڑ سے بھی بڑا لگتا تھا۔ میں کہتا ہوں یہی وہ رعب ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔

۴؎ سو تم انہیں ان حصوں میں مارو جو گردنوں سے اوپر ہیں مثلاً حلق اور سر وغیرہ۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد سر ہیں کیونکہ وہی گردنوں سے اوپر ہوتے ہیں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے گردنوں پر مارو۔ کیونکہ یہاں فوق بمعنی علیٰ ہے۔ (1)

۵؎ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ کل بنان سے مراد ہر جوڑ ہے۔ ابن عباس، ابن جریر اور ضحاک رحمہم اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بنان سے مراد اطراف الاعضاء ہیں۔ بنان بنانۃ کی جمع ہے اور ان سے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کے سرے اور اطراف مراد ہیں۔ قاموس میں اس کا معنی انگلیاں اور ان کے سرے ہیں۔ سیاق کلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ آیت میں خطاب ملائکہ کو ہے اور اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ ملائکہ باقاعدہ جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ ابن الانباری نے کہا ہے کہ ملائکہ یہ نہیں جانتے تھے کہ آدمیوں کو قتل کیسے کیا جاتا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھلا دیا۔

بخاری، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ غزوۂ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ عریش (قبہ) میں تھے کہ اپنے رب کی بارگاہ میں التجا کی اے اللہ! میں تجھے تیری ذمہ داری اور وعدہ یاد دلاتا ہوں۔ اے اللہ! اگر آج تیری مشیت یہ ہے کہ مسلمان مغلوب ہو جائیں تو پھر آج کے بعد تیری عبادت نہیں کی جائے گی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑ لیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہی کافی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے رب کے حضور خوب عاجزی و زاری کی۔ پس آپ ﷺ نے دعا ختم کی اور زرہ پہنے اچھلتے ہوئے اپنے قبہ سے باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپ ﷺ کی زبان اقدس پر یہ الفاظ تھے: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ (2) اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۔ مردفین سے مراد پے در پے آنے والے ہیں، بعض بعض کے پیچھے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی طرف یہ وحی فرمائی: اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔

مسلم اور ابن مردویہ رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اس دن ایک مسلمان بڑی تیزی سے ایک

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 77 (العلمیہ)

2۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 409، 404 (وزارت تعلیم)

مشرک کے تعاقب میں دوڑ رہا تھا اور اس کے آگے آگے تھا کہ اچانک مسلمان نے اوپر سے کوڑا مارنے کی آواز سنی اور گھوڑ سوار کی آواز بھی یہ کہتے ہوئے سنی اَقْدِمْ حَیْزُوْمُ (حیزوم آگے بڑھو)۔ کہ اتنے میں اس نے مشرک کو اپنے سامنے چت گرا ہوا پایا اس کی ناک ٹوٹ چکی تھی اور چہرہ پھٹ چکا تھا جیسے اسے کوڑے کی ضرب لگی ہو۔ پس اس مسلمان نے اس جگہ پر تمام کو اکٹھا کر کے یہ منظر دکھایا۔ اتنے میں ایک انصاری حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ بیان کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم نے سچ کہا ہے، وہ قتل تیسرے آسمان کے فرشتوں کی مدد سے ہوا ہے(1) حاکم بیہقی اور ابو نعیم رحمہم اللہ نے سہل بن حنیف سے نقل کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن ہم نے یہ منظر خود دیکھا کہ ہم میں سے بعض ابھی مشرک کے سر کی طرف اپنی تلوار سے اشارہ ہی کرتے کہ اس کا سر تلوار لگنے سے پہلے ہی نیچے جا گرتا(2) بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع بن انس کا قول نقل کیا ہے کہ گردنوں اور پوروں سے آگے سے جلے ہوئے کی طرح نشان دیکھ کر لوگ پہچان لیتے تھے کہ اسے کسی نے قتل کیا ہے(3) ابن سعد نے حویطب بن عبدالعزیٰ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ میں غزوہ بدر میں مشرکین کی جانب سے حاضر ہوا۔ میں نے زمین و آسمان کے درمیان فرشتوں کی جماعت دیکھی جو لوگوں کو قتل کر رہی تھی اور انہیں قیدی بنا رہی تھی(4) محمد بن عمر اسلمی اور بیہقی رحمہما اللہ نے ابو بردہ بن دینار رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں تین سر لیکر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ دو سر ہیں، انہیں تو میں نے قتل کیا ہے اور یہ تیسرا سر ہے کہ میں نے ایک طویل القامت گورے رنگ کے آدمی کو دیکھا، اس نے اسے مارا اور اس کا سر لے لیا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ فلاں فرشتہ ہے (جس نے اسے مارا ہے)(5)، ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے قول نقل کیا ہے کہ اس دن بعض لوگوں کے سر اڑ کر الگ ہو جا رہے تھے لیکن یہ معلوم نہ ہوتا تھا اسے کسی نے مارا ہے اور کسی کا بازو الگ جا کر گرتا لیکن یہ معلوم نہ ہوتا کہ اسے کس نے مارا ہے(6)۔ ابن اسحاق اور بیہقی رحمہما اللہ نے ابو واقد لیثی سے نقل کیا ہے کہ میں غزوہ بدر کے دن ایک مشرک کا پیچھا کر رہا تھا کہ اسے ماروں لیکن میری تلوار اسے لگنے سے پہلے ہی اس کا سر نیچے جا گرا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ اسے میرے سوا کسی نے قتل کر دیا ہے(7)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے خارجہ بن ابراہیم سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل امین سے فرمایا ملائکہ میں سے کون بدر کے دن یہ کہہ رہا تھا اَقْدِمْ حَیْزُوْمُ (حیزوم آگے بڑھو) تو جبرئیل نے جواب دیا میں تمام آسمانوں والوں کو نہیں پہچانتا۔(8)

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابو رافع سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ اسلام ہمارے گھر میں داخل ہو چکا تھا، ام الفضل اور میں اسلام قبول کر چکے تھے اور عباس رضی اللہ عنہ اپنی قوم سے خوفزدہ رہتے تھے، ان کی مخالفت ناپسند کرتے تھے اور وہ اپنے اسلام کو بھی چھپاتے تھے کیونکہ وہ کثیر المال آدمی تھے۔ ان کا مال بہت سے لوگوں میں پھیلا ہوا تھا۔ ابولہب اللہ تعالیٰ کا دشمن تھا وہ خود بدر میں شریک نہ ہوا بلکہ اپنی جگہ پر اس نے عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا۔ پس جب اسے میدان بدر میں اپنے ساتھیوں کی شکست کی خبر پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل و رسوا کر دیا اور ہم اپنے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 93 (قدیمی)
2۔ مستدرک حاکم، جلد 3 صفحہ 409 (النصر)
3۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 3 صفحہ 54 (العلمیہ)
4۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 40
5۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 3 صفحہ 58 (العلمیہ)
6۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد 2 صفحہ 25-26 (صادر)
7۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 3 صفحہ 56 (العلمیہ)
8۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 3 صفحہ 57 (العلمیہ)

اندر اچھی قوت اور طاقت پانے لگے۔ میں ایک کمزور آدمی تھا تیر بنانے کا کام کرتا تھا اور زمزم کے حجرہ میں تیر چھیلتا تھا۔ قسم بخدا! میں ایک دن بیٹھا تیر چھیل رہا تھا۔ ام الفضل میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ اتنے میں ابولہب بھی پاؤں گھسیٹتے ہوئے ادھر آ نکلا اور حجرہ کے باہر آ کر بیٹھ گیا۔ اس کی پشت میری پشت کی طرف تھی۔ پس وہ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ اچانک لوگوں نے کہا یہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آ گیا ہے۔ ابولہب نے کہا بھتیجے آ میرے پاس بیٹھو تمہارے پاس کیا خبر ہے؟ چنانچہ وہ بیٹھ گیا لوگ پاس کھڑے ہو گئے۔ ابولہب نے پوچھا بھتیجے مجھے بتاؤ کیسے واقعہ پیش آیا۔ ابوسفیان نے کہا کچھ نہیں ہوا۔ قسم بخدا! ہمارا ان سے مقابلہ ہوا مگر ہم نے اپنے شانے ان کے حوالے کر دیئے کہ وہ جیسے چاہیں ہمارے ساتھ سلوک کریں چاہیں تو قتل کریں یا پھر گرفتار کر لیں۔ قسم بخدا! اس کے باوجود لوگ کبیدہ خاطر نہیں ہوئے مگر ہمارا مقابلہ ایسے سفید رنگ کے افراد سے ہوا جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور زمین و آسمان کے مابین معلق تھے۔ خدا کی قسم! نہ ان کا کسی چیز سے اندازہ ہوتا تھا اور نہ ان کے سامنے کوئی چیز ٹھہرتی تھی۔ ابورافع کہتے ہیں کہ میں نے حجرے (خیمے) کی ایک طرف اپنے ہاتھ سے اوپر اٹھائی اور کہا قسم بخدا! وہ فرشتے تھے۔ اتنے میں ابولہب نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور ایک زوردار تھپڑ میرے منہ پر دے مارا۔ میں اٹھ کر اس کے قریب ہوا تو اس نے مجھے اٹھا کر زمین پر دے مارا اور پھر میرے اوپر بیٹھ کر مجھے مارنے لگا کیونکہ میں تو ایک کمزور آدمی تھا۔ اتنے میں حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے خیمے کی ایک چوب اٹھائی اور پورے زور سے ابولہب کے سر میں دے ماری جس سے اس کا سر بری طرح پھٹ گیا۔ اور ساتھ کہا اس کا آقا موجود نہیں ہے اس لئے تو نے اسے کمزور مجھ رکھا ہے۔ ابولہب ذلیل و رسوا ہو کر منہ پھیر کر چلا گیا خدا کی قسم! ابھی سات راتیں بھی نہیں گزری تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عدسہ کے مرض میں مبتلا کر کے مار دیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عدسہ ایک پھوڑا ہوتا ہے (جو جسم کے کسی بھی حصے پر نکل آتا ہے اور اکثر آدمی کے لئے جان لیوا ثابت ہوتا ہے) عرب اسے منحوس گمان کرتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ یہ بہت سخت متعدی مرض ہے تو چونکہ ابولہب اس مرض میں مبتلا ہوا تھا۔ اس لئے اس کے مرنے کے بعد بھی تین دن تک اس کی اولاد اس سے دور ہی رہی۔ نہ اس کے جسم کے کوئی قریب گیا اور نہ اسے دفن کرنے کا کسی نے ارادہ کیا۔ پھر جب اسی طرح پڑے رہنے میں لوگوں کے طعن و تشنیع کا زیادہ خوف لاحق ہوا تو ایک گڑھا کھودا اور لاٹھیوں کی مدد سے جسم کو اس گڑھے میں ڈال دیا پھر دور سے پتھر پھینک کر جسم کو گڑھے میں چھپا دیا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یونس بن بکیر کی روایت میں ذکر کیا ہے کہ ابولہب کے لئے گڑھا نہیں کھودا گیا بلکہ ایک دیوار کے ساتھ لاش کو رکھا اور دیوار کی دوسری جانب سے اس پر پتھر پھینک کر اسے پتھروں کے نیچے چھپا دیا گیا۔(1)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

"یہ حکم اس لئے ہے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی لے اور جو مخالفت کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ہے (اے حق کے دشمنو!) یہ سزا ہے پس چکھو اسے سے نیز (یاد رکھو) کافروں کے لئے آتش (جہنم) کا عذاب بھی ہے ہے۔"

لے ذٰلِكَ یہ اشارہ مارنے اور مارنے کے حکم کی طرف ہے اور یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ ترکیب کلام میں یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر

1۔ ماخوذ از سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 67-66 (العلمیہ)

مابعد کلام ہے۔ یعنی ان کے لئے اس مار کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے عناد کیا۔ شَآقُّوا کا مادہ اشتقاق الشق ہے۔ اس کا معنی جانب اور پہلو ہے کیونکہ دو عناد کرنے والوں میں سے ہر ایک کی جانب دوسرے کی جانب کے خلاف ہوتی ہے۔ جیسا کہ معاداۃ عدوۃ سے اور مخاصمۃ خصم سے ماخوذ ہے۔

۲؎ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے شدید ترین سزا دے گا۔ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ سزا دینے کی علت کا اظہار ہے یا یہ اس عذاب سے ڈرایا جارہا ہے جو اس دنیوی عذاب کے بعد آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

۳؎ ذٰلِكُمْ یہ طریقہ التفات کے مطابق کفار کو خطاب ہے۔ اسم اشارہ محل رفع میں ہے، یعنی یہ حکم تمہارے لئے ہے یا یہ سزا واقع ہونے والی ہے (اَلْاَمْرُ ذٰلِكُمْ اَوْ ذٰلِكُمُ الْعِقَابُ وَاقِعٌ) یا یہ محل نصب میں ہے اس فعل کے سبب جس پر قول باری تعالیٰ فَذُوْقُوْهُ دلالت کرتا ہے۔ یعنی دنیا میں اس عذاب کا مزہ چکھو پس اسے چکھو۔ یا اسی کی مثل کسی اور فعل کا مفعول ہے مثلاً بَاشِرُوْا یا عَلَیْكُمْ وغیرہ اس صورت میں فاء عاطفہ ہے۔

۴؎ اور آخرت میں کافروں کے لئے آتش جہنم کا عذاب بھی ہے۔ اس کا عطف ذٰلِكُمْ پر ہے۔ یا واؤ بمعنی مع ہے۔ معنی یہ ہے کہ تم اس سزا کو چکھو جو تمہیں جلدی (دنیا میں) دی گئی ہے اس سزا کے ساتھ ساتھ جو تمہارے لئے آخرت میں تیار کی گئی ہے۔ کلام میں اسم ضمیر (لهم) کی جگہ اسم ظاہر (للكافرين) ذکر کیا گیا ہے تاکہ اس پر دلالت ہو جائے کہ آخرت کے عذاب اور دنیا و آخرت دونوں میں عذاب کے جمع ہونے کا سبب کفر ہے۔ بندۂ مومن پر اگر دنیا میں اپنی بداعمالی کے سبب کوئی مصیبت آ بھی جاتی ہے تو وہ اس کے لئے کفارہ بن جاتی ہے، آخرت میں ان شاء اللہ اسے عذاب نہیں دیا جائے گا۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ قول باری تعالیٰ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ۔ الآیہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں کتاب اللہ کی افضل ترین آیت کے بارے مطلع نہ کروں جو رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان فرمائی تھی، وہ آیت یہ ہے: وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے علی! میں تیرے لئے ابھی اس کی تفسیر بیان کرتا ہوں، یعنی دنیا میں تمہیں جو بیماری، سزا یا مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اعمال کے بدلے آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند اور اعلیٰ ہے کہ وہ آخرت میں اسی عمل کے عوض دوبارہ سزا دے۔ (یعنی وہ دوبارہ سزا نہیں دے گا) اور وہ عمل جس سے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں درگزر فرمالیا تو اللہ تعالیٰ معافی کے بعد دوبارہ سزا کی طرف رجوع کرنے سے بے نیاز ہے، واللہ اعلم۔ ترمذی اور حاکم نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ (ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن کہا ہے) کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کی گئی آپ پر قافلے کا تعاقب ضروری تھا کوئی شئی اس کے سوا لازم نہیں تھی۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اس وقت قیدی تھے بندھے ہوئے تھے، انہوں نے پکار کر کہا ایسا نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیوں؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں میں سے ایک کے بارے وعدہ فرمایا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جو وعدہ فرمایا وہ آپ ﷺ کو عطا کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تو نے سچ کہا ہے۔(1)

1۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 134 (وزارت تعلیم)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾

"اے ایمان والو! جب تم مقابلہ کرو کفاروں کے لشکر جرار سے[1] تو مت پھیرنا ان کی طرف (اپنی) پیٹھیں[2]"

1۔ زَحْفًا لَقِيْتُمْ کے فاعل اور مفعول سے حال ہے یعنی جبکہ تم میں سے بعض آپس میں ایک دوسرے کے قریب ہوں، یعنی مسلمانوں کا اختلاط مشرکین کے ساتھ ہو اور تزاحف سے مراد جنگ میں دونوں لشکروں کا ایک دوسرے کے قریب ہونا ہے، علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میدان جنگ میں لشکروں کے باہمی قرب کو تزاحف کا نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ یہ زَحَفَ الصَّبِيُّ سے ماخوذ ہے۔ بچہ جب سرین کے بل آہستہ آہستہ رینگ کر چلتا ہے تو اس وقت کہا جاتا ہے زَحَفَ الصَّبِيُّ۔ یا پھر یہ زَحَفَ الْبَعِيْرُ سے ماخوذ ہے جبکہ اونٹ خوب تھک جاتا ہے وہ بالکل آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہے اور وہ اپنی لگام کو گھسیٹتے ہوئے چلتا ہے۔ تو چونکہ دشمن کی مزاحمت بھی انہیں تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھنے سے روک دیتی ہے اور وہ بچے کی مثل زمین پر رینگنے لگتے ہیں (اس لئے انہیں تزاحف کہا جاتا ہے) زحفاً مصدر ہے اسی لئے اسے جمع ذکر نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ عربوں کا قول قَوْمٌ عَدْلٌ ہے۔ لیث نے کہا ہے زَحْفٌ سے مراد ایسی جماعت ہے جو دشمن کی طرف بحیثیت جماعت بڑھتی ہے۔ اس کی جمع زُحُوْفٌ آتی ہے۔ قاموس میں ہے کہ زحف سے مراد وہ لشکر ہے جو دشمن کی طرف بڑھتا ہے۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی کو پسند کیا ہے۔ اسی لئے انہوں نے زحفاً کی تفسیر کثیرا کے معنی سے کی ہے۔ پس اس تفسیر کی بنا پر زحفاً یا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے حال ہے۔ یعنی جب تمہارا مقابلہ کفار کی کثیر جماعت سے ہو تب بھی ان کی طرف پیٹھ پھیر کر نہ بھاگنا، چہ جائیکہ وہ تمہاری مثل ہوں یا تعداد میں تم سے تھوڑے ہوں۔

2۔ تو شکست خوردہ ہو کر اپنی پیٹھیں مت پھیرنا، یا پھر زحفاً فاعل اور مفعول دونوں سے حال ہے اور معنی یہ ہوگا جب تمہاری کثیر تعداد کا مقابلہ کفار کی کثیر التعداد جماعت سے ہو تو اس وقت حال کا اجراء حقیقت حال کے اظہار کے لئے ہوگا کیونکہ عموماً میدان جنگ میں کثیر التعداد جماعت کا مقابلہ کثیر التعداد جماعت سے ہوتا ہے۔ یا یہ صرف فاعل سے حال ہے تو اس صورت میں اس حالت پر تنبیہ ہوگی جو عنقریب مستقبل میں ظاہر ہوگی کہ غزوہ حنین میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی لیکن اس کے باوجود پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ میرے نزدیک آیت کی تفسیر میں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی زیادہ اظہر اور واضح ہے کیونکہ وہ عمومیت نہی کا تقاضا کرتا ہے چاہے دونوں فریقوں کا مقابلہ جماعت کی صورت میں ہو یا افراد کی صورت میں کیونکہ جماعت کا مقابلہ جماعت سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ افراد کا مقابلہ افراد سے ہو۔(1)

مسئلہ:۔ اکثر اہل علم کے نزدیک مقابلہ کے وقت میدان جنگ سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ چاروں ائمہ فقہاء نے بھی یہی کہا ہے لیکن تمام نے یہ کہا ہے کہ جب مسلمانوں کی تعداد اپنے دشمن کے مقابلے میں نصف ہو تو ان کے لئے میدان چھوڑ کر بھاگنا جائز نہیں اور اگر تعداد نصف سے کم ہو تو پھر اپنی حفاظت کے لئے پیٹھ پھیر لینا ان کے لئے جائز ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ الآیہ۔ عطاء ابن رباح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ آیت کریمہ لَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ اس ارشاد سے منسوخ ہے اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ۔(2) علاوہ ازیں اس کی ناسخ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک سریہ میں روانہ کیا۔ لیکن لوگ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 13 (التجاریۃ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 14 (التجاریۃ)

شکست خوردہ ہو کر بھاگ گئے اور ہم مدینہ طیبہ میں آکر روپوش ہو گئے اور دل میں کہنے لگے ہم تو ہلاک و برباد ہو گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہم تو راہ فرار اختیار کرنے والے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تم تو دوبارہ تدبیر کے ساتھ حملہ کرنے والے ہو اور میں تمہارے لئے جماعتی مرکز ہوں (1) اسے ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں اسی طرح ہے۔ محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور اس کی اطلاع حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا اگر وہ میری طرف سمٹ آتے تو میں ان کے لئے جماعتی پناہ گاہ ثابت ہوتا اور میں تو ہر مسلمان کے لئے پناہ گاہ ہوں۔ مذکورہ بالا دونوں روایتوں کو اس صورت حال میں محمول کیا گیا ہے جب مسلمانوں کی تعداد کفار کی تعداد کے نصف سے بھی کم ہو۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو تین کے مقابلے سے بھاگ پڑا اس نے فرار اختیار نہیں کیا اور جو دو کے مقابلے سے بھاگ پڑا اس نے فرار اختیار کیا۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ مطلقاً فرار اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں اور انہوں نے استدلال ہماری مذکورہ بالا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ کی احادیث سے کیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنے کی ممانعت اہل بدر کے ساتھ خاص ہے، ان کے لئے بھاگنا جائز نہیں تھا کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ بنفس نفیس وہاں موجود تھے اور اگر وہ بھاگ کر جاتے بھی تو مشرکین کی پناہ میں ہی جاتے، لیکن اس کے بعد مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے لئے پناہ گاہ تھے لہٰذا کوئی بھی بھاگنے والا اپنی پناہ گاہ میں ہی آئے گا۔ اس لئے اس کا فرار گناہ کبیرہ نہیں ہوگا۔ یہی قول حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ نے بھی کیا ہے۔ یزید بن ابی حبیب نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوم بدر کو فرار اختیار کرنے والے کے لئے جہنم کی آگ واجب قرار دی ہے لیکن اس کے بعد غزوۂ احد میں جن لوگوں نے راہ فرار اختیار کی تو ان کے بارے فرمایا: اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ اور غزوۂ حنین سے بھاگنے والے کے بارے فرمایا: ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ۔ (2) میں کہتا ہوں کہ مذکورہ بالا قول اجماع امت کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں جو آیات غزوۂ احد اور غزوۂ حنین سے فرار اختیار کرنے والوں کے بارے نازل ہوئیں وہ ہمارے حق میں حجت ہیں۔ ہمارے خلاف نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ کہ شیطان نے انہیں پھسلا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمائی تو عفو و درگزر پہلے گناہ اور معصیت کے وجود کا تقاضا کرتی ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ يَتُوْبُ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمالے گا) بھی معصیت کے وجود پر دلالت کرتا ہے، واللہ اعلم۔ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنے کو حضور نبی کریم ﷺ نے سات ہلاک کرنے والی چیزوں میں شمار کیا ہے۔ (3) اسے شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور اصحاب سنن نے حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور ہم نے سورۃ النساء کی آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ کے تحت کبائر کا تذکرہ کیا ہے۔

یہ وعید عام ہے، صرف اہل بدر کے ساتھ مختص نہیں جیسا کہ یہ ارشاد گرامی بھی ہے۔

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ

1۔ جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 205 (وزارت تعلیم)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 14 (التجاریہ)
3۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 388 (وزارت تعلیم)

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

"اور جو پھیرے گا ان کی طرف اس روز اپنی پیٹھ بجز اس صورت کے کہ پینترا بدلنے والا ہو لڑائی کے لئے یا پلٹ کر آنے والا ہو اپنی جماعت کی طرف تو وہ مستحق ہو گا اللہ کے غضب کا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے [1]"

[1] جو مقابلے کے دن کفار کی طرف اپنی پیٹھ پھیر دے گا، چاہے جس حال میں بھی ہو، بجز اس صورت کے کہ وہ اپنے آپ کو شکست خوردہ ظاہر کرتے ہوئے واپس مڑتا ہے، لیکن اس سے مقصود دشمن کو دھوکے میں مبتلا کرنا ہے اور دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنا ہے یا پھر تھک ہار کر مسلمانوں کی جماعت میں آ ملے اور مقصود یہ ہو کہ تھکاوٹ اتار کر دوبارہ دشمن پر حملہ آور ہو گا۔ بدر کے قصہ میں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ مسلمان جب جنگ سے فارغ ہو کر لوٹے تو ایک کہنے لگا میں نے فلاں کافر کو قتل کیا ہے، دوسرے نے کہا میں نے فلاں کو قتل کیا ہے تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔(1)

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

"پس تم نے نہیں قتل کیا انہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا انہیں [1] اور (اے محبوب!) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مشت خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی [2] تاکہ احسان فرمائے مومنوں پر اپنی جناب سے بہترین احسان [3] بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے [4] یہ تو ہوا اور بلاشبہ اللہ کمزور کرنے والا ہے کفار کے مکروفریب کو [5]"

[1] پس تم نے انہیں اپنی قوت وطاقت کے سبب قتل نہیں کیا بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے قتل کیا اس طرح کہ اس نے تمہاری مدد فرمائی تمہیں ان پر مسلط فرمایا، ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیا اور فرشتوں کو تمہاری امداد کے لئے نازل فرمایا؛ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ میں فاء محذوف شرط کے جواب پر داخل ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے اگر تم ان کے قتل پر فخر کرتے ہو تو تم نے تو انہیں قتل نہیں کیا بلکہ انہیں تو اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے۔ تو یہ سبب قائم مقام مسبب کے ہے۔ بلکہ اصل تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ اگر تم ان کے قتل پر فخر کرتے ہو تو تم خطا کرتے ہو کیونکہ تم نے تو اپنی قوت سے انہیں قتل ہی نہیں کیا بلکہ خلاف عادت اللہ تعالیٰ نے تمہاری غیر معمولی امداد فرما کر انہیں قتل کیا ہے۔

[2] اے محبوب ﷺ! جب آپ نے مشت خاک دشمنوں کی طرف پھینکی تو فی الحقیقت آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ کیونکہ آپ تو اسے ان تمام کی آنکھوں کی پہنچانے کی قدرت وطاقت نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ ان کنکریوں کو اللہ تعالیٰ نے ان تمام کی آنکھوں تک پہنچایا یہاں تک کہ یہی ان کی شکست کا سبب بنیں۔

ابن عامر، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ نے دونوں مقامات پر لکن کو مخفف پڑھا ہے اور اس کا مابعد مرفوع پڑھا ہے، لیکن باقی قراء نے اسے مشدد پڑھا ہے اور اس کا بعد منصوب پڑھا ہے۔ ابن جریر، ابن المنذر اور بیہقی رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور اموی نے عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر سے یہ نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کی بارگاہ میں التجاء کرتے ہوئے یہ عرض کی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 4 (التجاریہ)

اے اللہ! اگر تم نے اس جماعت کو ہلاک و برباد کر دیا تو پھر ہمیشہ کے لئے اس زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔ تو اس وقت جبریل امین نے حاضر ہو کر عرض کی۔ ایک مٹھی مٹی اٹھا کر ان کی طرف پھینک دیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا تو مشرکین میں سے کوئی بھی ایسا نہ بچا جس کی آنکھوں، ناک اور منہ میں مٹی نہ پڑی ہو، پھر وہ پشت پھیر کر بھاگ گئے(1) تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو فرمایا اب حملہ کرو۔ تو فوراً کفار شکست سے دوچار ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ کو سرداران قریش میں سے جن کا قتل منظور تھا وہ قتل ہو گئے اور جن کا قیدی ہونا منظور تھا وہ قید ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ الآیہ۔ طبرانی اور ابو الشیخ رحمہما اللہ نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا مجھے کنکریوں کی ایک مٹھ اٹھا کر دو۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ نے وہ کنکریاں کفار کے چہروں کی طرف پھینکیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں بچا جس کی آنکھوں میں وہ کنکریاں نہ پڑی ہوں(2) ابو الشیخ، ابو نعیم اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن میں نے آسمان سے کچھ کنکریاں گرنے کی آواز سنی (مجھے یوں معلوم ہوا) گویا وہ کسی طشت میں گری ہوں، پھر جب لوگ صف بستہ ہو گئے تو وہ رسول اللہ ﷺ نے وہ اٹھائیں اور مشرکین کے چہروں کی طرف پھینک دیں۔ نتیجۃً وہ شکست خوردہ ہو گئے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن زید سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین کنکریاں اٹھائیں، ان میں سے ایک مشرکین کے میمنہ کی طرف، ایک میسرہ کی طرف اور ایک ان کے سامنے والے حصے پر پھینکی اور ساتھ فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْهُ۔ نتیجۃً وہ شکست سے دوچار ہو گئے(3) محمد بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کنکریاں پھینکنے کا حکم فرمایا گیا تو آپ ﷺ نے ایک مٹھی کنکریاں لیکر مشرکین کی طرف پھینک دیں اور فرمایا: شَاهَتِ الْوُجُوْهُ اَللّٰهُمَّ اَرْعِبْ قُلُوْبَهُمْ وَ زَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ (چہرے بگڑ گئے۔ اے اللہ! ان کے دلوں میں رعب ڈال دے اور ان کے پاؤں متزلزل کر دے) نتیجۃً اللہ تعالیٰ کے دشمن شکست خوردہ ہو کر بھاگے انہیں کہیں بھی پناہ نہ ملی۔ ان کے قائدین خوفزدہ اور مرعوب ہو گئے۔ مسلمان انہیں قتل کرنے لگے اور قیدی بنانے لگے اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں بچا تھا جس کا چہرہ اور آنکھیں خاک سے نہ بھری ہوں۔ ملائکہ انہیں قتل کر رہے تھے اور وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کہاں کا رخ کریں۔ طبرانی، ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہم اللہ نے سند حسن کے ساتھ حکیم بن حزام کا قول نقل کیا ہے کہ غزوہ بدر کے دن ہم نے آسمان سے زمین کی طرف کوئی چیز گرنے کی آواز سنی اور وہ کنکریوں کی آواز تھی جو کہ طشت میں گری ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے وہی کنکریاں پھینکیں اور فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْهُ تو ہمیں شکست ہو گئی۔

ان آیات کے شان نزول میں دیگر غریب روایات بھی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ حاکم نے حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ احد کے دن ابی بن خلف حضور نبی کریم ﷺ کی طرف آگے بڑھا۔ لوگوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اس کا مقابلہ کیا۔ اس کی زرہ اور خود کے درمیان ایک سوراخ سے اس کی ہنسلی کی ہڈی پر رسول اللہ ﷺ کی نظر پڑ گئی۔ تو آپ ﷺ نے چھوٹا نیزہ اسے مارا جس کے سبب وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ لیکن نیزہ لگنے کی وجہ سے اس کا خون باہر نہ نکلا (یعنی ایسا گہرا زخم نہ لگا جس سے خون بہہ نکلتا) لیکن اس کے باوجود اس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی۔ اس کے ساتھی اسے اٹھا کر لے گئے اور وہ بیل کی طرح آواز نکالنے لگا۔ اس کے ساتھیوں نے کہا کس شئی نے تجھے اتنا عاجز اور کمزور کر دیا

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 3 صفحہ 79 (العلمیہ)
2۔ معجم کبیر طبرانی، جلد 11 صفحہ 285 (العلوم والحکم)
3۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 317 (العلمیہ)

ہے حالانکہ یہ تو معمولی خراش ہے (کوئی کاری زخم نہیں) تو اس نے جوابا انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اُبی کو قتل کروں گا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ اگر یہ زخم تمام ذوالمجاز کے رہنے والوں کو بھی لگ جاتا تو وہ تمام کے تمام مرجاتے۔ (ذوالمجاز عربوں کا ایک میلہ تھا جہاں وہ تمام کے تمام سوق عکاظ کے بعد جمع ہوا کرتے تھے) چنانچہ مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے ہی اُبی مر گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ۔ اس روایت کی اسناد صحیح ہے لیکن غریب ہے۔ ایک روایت ابن جریر نے عبدالرحمٰن بن جبیر رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل کی ہے کہ غزوۂ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے قوس طلب فرمائی اور اس کے ساتھ قلعہ پر ایک تیر پھینکا۔ تیر لڑھکتے ہوئے نیچے آ گرا۔ جس کے سبب نیچے بستر پر پڑا ہوا ابن ابی الحقیق قتل ہو گیا۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ الایہ یہ روایت بھی سند کے اعتبار سے مرسل جید ہے لیکن غریب ہے۔ واللہ اعلم۔

ہے تا کہ اللہ تعالیٰ مومنین پر اپنی جناب خاص سے احسان عظیم فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ محذوف کلام پر معطوف ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا فقط اس لئے تا کہ وہ اپنے دین کو غالب کر دے، اپنے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کر دے اور مومنین کو نعمت عظیمہ سے سرفراز فرمائے۔ پس ان کی مدد فرما کر انہیں فتح و نصرت سے نوازا، مال غنیمت عطا فرمایا مختلف آیات اور نشانیوں کا مشاہدہ کرا کر ان کے ایمان کو تقویت عطا فرمائی۔ جہاد اور شہادت کا اجر عطا فرمایا اور سب پر طرہ یہ کہ انہیں درجات قرب، جنت کے محلات اور اپنی رضا و خوشنودی کی دولت سے مالا مال فرمایا۔

میں کہتا ہوں گویا یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو مومنین کے مجاہدہ اور قتال کے بغیر بھی تمام کفار کو ہلاک کرنے کی قدرت رکھتا تھا، جیسا کہ اس نے بعض کو قتل کیا ہے اور فرشتوں کی امداد کے بغیر بھی وہ ایسا کر سکتا تھا اور یہ بھی کہ ایک ہی فرشتہ تمام کی ہلاکت و بربادی کے لئے کافی ہو سکتا تھا، جیسا کہ پہلی قوموں کے ساتھ کیا گیا جس کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَآ أَنزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِۦ مِنۢ بَعْدِهِۦ مِن جُندٍ مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنزِلِينَ ۝ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَٰحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَٰمِدُونَ تو ایسی صورت حال میں تین ہزار ملائکہ کو بطور امداد بھیجنے، ملائکہ کو جنگ میں شریک کرنے اور اسی نوع کے دیگر امور سر انجام دینے میں کیا فوائد ہیں؟ تو رب کریم اس اعتراض کا ازالہ کرتے ہوئے گویا ارشاد فرما رہے ہیں کہ ہم نے یہ سب کچھ جو کیا ہے فقط اس لئے تا کہ دین کو غلبہ عطا کریں اور انسانوں میں سے اہل ایمان اور ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجر و ثواب عطا ہو۔ فتح و نصرت ان کے قدم چومے اور مال غنیمت ان کا مقدر بنے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمام کفار کو اپنی قدرت قاہرہ کے ساتھ ہلاک کر دیتا یا صرف ایک فرشتے کی چیخ کے ساتھ انہیں تباہ کر دیتا تو پھر مشرکین میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ بچتا جسے دولت ایمان نصیب ہوتی حالانکہ موجودہ صورت حال میں بہت سے کفار کو ایمان قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اور اہل ایمان کو جہاد اور شہادت کا اجر عطا ہوا۔ علاوہ ازیں مال غنیمت اور قرب الٰہی ان کا مقدر بنا اور اس کے ساتھ ساتھ ملائکہ کو بھی بہت سا شرف حاصل ہوا۔

اہل بدر کے فضائل کا بیان

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رفاعہ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں جبرئیل امین حاضر ہوئے اور دریافت کیا تم اپنے میں اہل بدر کو کونسے درجے میں شمار کرتے ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اہل بدر تمام مسلمانوں

سے افضل ہیں۔ یا اسی نوعیت کا کوئی اور کلمہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تو جبرئیل امین نے کہا یہی مقام ان ملائکہ کا ہے جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے(1) احمد اور ابن ماجہ نے رافع بن خدیج رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ آدمی ہرگز جہنم میں داخل نہیں ہوگا جو بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوا(2) ابوداؤد، ابن ماجہ اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سند جید کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے حالات پر مطلع ہے۔ چنانچہ اس نے فرمایا ہے تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت فرمادی ہے(3) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں امید رکھتا ہوں کہ جو کوئی بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوا وہ ان شاء اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ نے یہ بھی نہیں فرمایا وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (کہ تم میں سے کوئی بھی نہیں ہے مگر وہ جہنم میں اترے گا) تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عالیشان نہیں سنا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا۔

مسلم اور ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن حاطب رضی اللہ عنہما اپنے باپ حاطب کی شکایت لیکر حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! حاطب تو ضرور جہنم میں داخل ہو گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تو نے جھوٹ کہا ہے، وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک رہا ہے(4) صحیحین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے خط کا واقعہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی درج ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ! حاطب کی گردن مار دیجئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا یہ بدری صحابہ کرام میں سے نہیں ہے؟ اور اللہ تعالیٰ اہل بدر کے حالات سے واقف ہے تب ہی تو اس نے فرمایا ہے تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت فرمادی ہے(5) اور مزید یہ بھی فرمایا تحقیق تمہارے لئے جنت واجب ہوگئی۔ ہم نے یہ حدیث تفصیلاً سورۂ فتح اور سورۃ الممتحنہ میں ذکر کی ہے۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ بدر میں حضرت حارثہ بن زید رضی اللہ عنہما شہید ہوئے تو ان کی ماں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ تو اس سے واقف ہی ہیں جو حارثہ کا میرے ساتھ محبت کا رشتہ ہے۔ پس اب اگر وہ جنت میں ہے تو پھر میں صبر کروں اور اجر وثواب کی امید رکھوں اور اگر صورت حال دوسری ہو تو پھر جو میں کروں گی وہ آپ دیکھ لیں گے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تیری ہلاکت ہو! کیا کوئی ایک جنت ہے بیشک جنتیں تو کثیر ہیں اور وہ جنت الفردوس میں ہے(6)۔ اور بخاری کے علاوہ دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے کہ حارثہ دور سے دیکھنے والوں میں تھا اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں پہنچ چکا ہے(7) تو ان الفاظ سے اہل بدر کی فضیلت وعظمت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کیونکہ حارثہ تو میدان جنگ کے وسط میں بھی نہ تھے اور نہ جنگ کی بھیڑ میں تھے بلکہ فقط دور سے دیکھ رہے تھے پس اس اثناء میں کہ وہ حوض سے پانی پی رہے تھے کہ دور سے ایک تیر آکر انہیں لگا۔ اس کے باوجود وہ جنت الفردوس میں پہنچ گئے جو جنت کا سب سے

1۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 569 (وزارت تعلیم) 2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 40-639 (وزارت تعلیم) 3۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 285 (صادر)

4۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 302 (قدیمی) 5۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 302 (قدیمی) 6۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 567 (قدیمی)

7۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 147 (وزارت تعلیم)

اعلیٰ اور برتر مقام ہے۔ اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں تو جب یہ حال اور مقام ان کا ہے تو ان کے بارے تمہارا کیا خیال ہے جو دشمن کے سامنے تھے اور ان کا دشمن اپنی عددی اور اسلحہ کی قوت کے اعتبار سے تین گناہ تھا۔

اہل بدر کے بارے حضور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ جو چاہو تم کرو، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لئے ہر عمل مباح ہے حالانکہ یہ ضابطہ شریعت کے خلاف ہے۔ اس لئے بعض علماء نے اس ارشاد کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اس میں گزشتہ زمانے کے گناہوں کی مغفرت کی خبر ہے جیسا کہ غَفَرْتُ لَكُمْ کا صیغہ ماضی اس پر دلالت کرتا ہے لیکن اس قول کو رد کر دیا گیا ہے کیونکہ اگر یہ فقط ماضی کے لئے ہوتا تو پھر حاطب بن ابی بلتعہ کے قصہ میں اس سے استدلال صحیح نہ ہوتا کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کے جواب میں فرمایا تھا جبکہ انہوں نے حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے کچھ کہا تھا اور یہ واقعہ غزوۂ بدر کے چھ برس بعد کا ہے۔ لہٰذا یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس مغفرت سے مراد زمانہ مستقبل کے گناہوں کی مغفرت بھی ہے اور اسے صیغۂ ماضی کی صورت میں صرف اس لئے ذکر کیا گیا ہے تاکہ اس کے تحقق اور قطعیت میں مبالغہ اور یقین کا اظہار ہو اور صحیح یہی ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد "اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ" (جو چاہو کرو) اہل بدر کے شرف اور ان کی تکریم کے لئے ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان سے جو کچھ صادر ہو گا اس پر ان سے مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا اور یہ اعزاز فقط انہی کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہ اس عظیم الشان حالت پر فائز ہو چکے ہیں جو ان کے سابقہ گناہوں کے مٹا دیے جانے کا تقاضا کرتی ہے اور وہ اس اہل ہو چکے ہیں کہ اگر مستقبل میں ان سے کوئی گناہ صادر بھی ہو جائے تو ان کی مغفرت کر دی جائے۔

فائدہ:۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ اہل بدر کو مذکورہ جو بشارت دی گئی ہے اس کا تعلق احکام آخرت کے ساتھ ہے، دنیوی احکام سے نہیں مثلاً دنیا میں ان سے کوئی ایسا فعل صادر ہو جائے جس کے نتیجے میں حد وغیرہ نافذ ہوتی ہو تو ان کا ایسا جرم قابل معافی نہیں تھا، واللہ اعلم۔

۳۶ بیشک اللہ تعالیٰ ان کی فریاد اور دعا کو سننے والا ہے اور ان کی نیتوں اور احوال کو خوب جاننے والا ہے۔

۳۷ ذلِکُمْ یہ اشارہ بلاء حسن (خوبصورت آزمائش) یا قتل یا رمی (کنکریاں پھینکنا) کی طرف ہے۔ ترکیب کلام میں یہ محلاً مرفوع خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے۔ یعنی مقصود یہ تھا یا امر یہ تھا پھر کلام اس طرح ہے ذٰلِكُمُ الْاِبْلَاءُ حَقٌّ یعنی یہ آزمائش حق تھی۔ (اس صورت میں ذلکم مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے) اور وَاَنَّ اللّٰهَ الایه ذٰلِكُمْ پر معطوف ہے۔ یعنی اس سے مقصود مومنین پر احسان فرمانا، کفار کے مکر و فریب کو کمزور کرنا اور ان کے حیلوں کو باطل کرنا تھا۔ (اس صورت میں المقصود مبتدا محذوف ہے اور مابعد سارا کلام اس کی خبر ہے)۔

نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہم اللہ نے مُوْهِنٌ میں واؤ کو مفتوح اور ہاء کو مشدد پڑھا ہے، یعنی مُوَهِّنٌ اور باقیوں نے واؤ کو ساکن اور ہاء کو مخفف پڑھا ہے، یعنی مُوْهِنٌ پھر حفص رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بغیر تنوین کے اضافت کے ساتھ پڑھا ہے اور لفظ کید کو مجرور پڑھا ہے جبکہ باقیوں نے موھن کو تنوین کے ساتھ اور کید کو منصوب پڑھا ہے۔

ابن اسحاق اور احمد رحمہما اللہ نے عبد اللہ بن ثعلبہ بن صعیر عذری سے اور ابن جریر اور ابن منذر رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ (میدان بدر میں) جب لوگ ایک دوسرے کے مقابل آ گئے اور دونوں فریق ایک دوسرے کے قریب ہو

گئے تو ابوجہل نے کہا اے اللہ! جو کوئی زیادہ رشتہ قرابت کو کاٹنے والا ہے اور ایسی ایسی باتیں (اپنے باپ دادا کے خلاف) لانے والا ہے جنہیں ہم نہیں پہچانتے تو کل صبح تو اسے ہلاک کر دے۔ اے اللہ! جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اور تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے تو اس کی مدد فرما۔ گویا ابوجہل نے خود ہی اپنے خلاف فتح کی دعا کی (1) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

"(اے کفار!) اگر تم فیصلہ کے طلب گار تھے تو (لو) آ گیا تمہارے پاس فیصلہ [1] اور اگر تم (اب بھی) باز آ جاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر تم پھر شرارت کرو گے تو ہم پھر سزا دیں گے اور نہ فائدہ پہنچائے گی تمہیں تمہاری جماعت کچھ بھی چاہے اس کی تعداد بہت زیادہ ہو [2] اور یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ ہے [3]"

[1] اگر تم اس آدمی کے لئے فتح و نصرت کی التجاء کر رہے تھے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام لوگوں سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے تو لو تمہارے پاس وہ فیصلہ آ گیا۔ جس کا تم نے مطالبہ کیا۔ نتیجۃً ابوجہل بدر کے دن قتل ہو گیا۔

امام احمد اور شیخین رحمہم اللہ وغیرہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں وہ غزوۂ بدر کے دن صف میں کھڑا تھا کہ میں نے اپنی دائیں اور بائیں جانب دیکھا تو میں نے اپنے آپ کو انصار میں سے دو نئی عمر کے لڑکوں کے درمیان پایا۔ تو میں نے انہیں دیکھ کر یہ آرزو کی کاش میرے دائیں بائیں طاقتور آدمی ہوتے۔ اتنے میں ان میں سے ایک نے مجھے ہاتھ سے ٹٹولا اور اپنے دوسرے ساتھی سے راز رکھتے ہوئے اس نے مجھ سے کہا اے چچا! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے جواب دیا جی ہاں۔ لیکن تمہیں اس سے کیا غرض ہے؟ اے میرے بھتیجے! تو اس نے جواب دیا مجھے خبر ملی ہے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرتا ہے، آپ کو گالیاں دیتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو وہ میری نظر کے سامنے سے نہیں ہٹے گا، یہاں تک کہ ہم میں سے وہ مر جائے گا جس کی موت پہلے آئی ہے۔ اتنے میں دوسرے ساتھی نے بھی اپنے ساتھی سے راز رکھتے ہوئے مجھے ہاتھ سے ٹٹولا اور اسی پہلے کی مثل اس نے بھی گفتگو کی۔ مجھے ان کی باتیں سن کر بہت تعجب ہوا۔ ابھی تھوڑا وقت ہی گزرا تھا کہ میں نے ابوجہل کو لوگوں کے درمیان گھومتے ہوئے دیکھ لیا اور وہ یہ رجز گا رہا تھا: (2)

مَا تَنقِمُ الْحَرْبُ الْعَوَانُ مِنِّىْ ... بَازِلُ عَامَيْنِ حَدِيْثٌ سِنِّىْ

(میری جوانی کے قیمتی دو سال خرچ کرنے کے علاوہ بار بار کی جنگ مجھ سے کوئی انتقام نہ لے سکی)

اور ساتھ کہہ رہا تھا ایسے ہی دن کے لئے میری ماں نے مجھے جنم دیا تھا۔ تو میں نے ان دونوں سے کہا کیا تم دیکھ نہیں رہے۔ یہی وہ شخص ہے جس کے بارے تم دونوں پوچھ رہے تھے۔ پس وہ دونوں بڑی تیزی سے اپنی تلواروں کے ساتھ اس پر جھپٹ پڑے اور اسے مار دیا یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر وہ دونوں لوٹ کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو اسے قتل کرنے کی اطلاع دی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے؟ پھر اس سے چھینے گئے سامان کا فیصلہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے حق میں کیا۔ وہ دونوں بچے معاذ بن عمرو اور معاذ بن عفراء تھے۔

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 431 (صادر) مختصراً

2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 193 (صادر)

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بدر کے دن ارشاد فرمایا کون دیکھ کر آئے گا کہ ابوجہل کو کیا ہوا ہے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ گئے اور اسے اس حال میں پایا کہ عفراء کے دونوں بیٹوں نے اسے مار دیا ہے اور وہ ٹھنڈا پڑا ہے۔ پس انہوں نے اسے ڈاڑھی سے پکڑ کر کہا کیا تو ابوجہل ہے؟ تو اس نے کہا کیا اس سے اوپر بھی کوئی آدمی ہے جسے اس کی قوم نے یا جسے تم نے قتل کر دیا ہے(1) مسند امام احمد میں ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے غزوۂ بدر کے دن ابوجہل کو اس حال میں پایا کہ اس کی ایک ٹانگ تلوار کے سبب لنگڑی ہوگئی تھی وہ لوگوں میں اپنی تلوار کے ساتھ پڑا تھا کہ میں نے اسی کی تلوار پکڑی اور اسے قتل کر دیا پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلوار مجھے ہی عنایت فرما دی۔(2)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح کی روایت کے معارض ہے کیونکہ اس میں تو یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ابوجہل سے چھینا ہوا مال معاذ بن عمرو بن جموح کو عطا فرمایا۔ دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ صرف اس کی وہ تلوار جس سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا، رسول اللہ ﷺ نے وہ آپ کو عطا فرما دی ہو (اور بقیہ اسلحہ اور سامان حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو دے دیا ہو)۔

ابن اسحاق نے حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے مقتولوں میں سے ابوجہل کو تلاش کرنے کا حکم فرمایا اور رب کریم کی بارگاہ میں التجاء کی اے اللہ! وہ تیری گرفت سے نہ بچنے پائے۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ جونہی میں نے آپ ﷺ سے یہ سنا تو میں اس کی تلاش میں آگے نکل گیا اور سیدھا اسی کی طرف گیا اور اسے جا کر اتنی شدید ضرب لگائی کہ نصف پنڈلی سے اس کی ایک ٹانگ کٹ گئی۔ اتنے میں اس کے بیٹے عکرمہ نے میرے کندھے پر شدید ضرب لگائی جس سے میرا بازو کٹ گیا اور صرف جلد کی وساطت سے وہ میرے پہلو کے ساتھ لٹکتا رہا اور جنگ نے مجھے اس سے دور رکھا (یعنی جنگ کی مصروفیت کے سبب میں نے اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہ دی) حتیٰ کہ میں سارا اسے پیچھے رکھ کر لڑتا رہا۔ پھر جب اس نے مجھے اذیت اور تکلیف دی تو میں نے اسے اپنے پاؤں کے نیچے رکھا اور زور سے کھینچ کر اسے الگ کر کے پھینک دیا(3) ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بعد از اں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے۔(4)

قاضی (عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ذکر کیا ہے کہ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت میں یہ زائد کہا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنا بازو لیکر حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب دہن اس پر لگایا تو وہ فوراً جسم کے ساتھ جڑ گیا(5) حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے العیون میں اسی طرح مروی ہے اور آپ ہی نے کتاب الشفاء میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ ابوجہل نے غزوۂ بدر کے دن حضرت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کا بازو کاٹ دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنا بازو اٹھائے حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے اس پر اپنا لعاب دہن لگا کر اسے جسم کے ساتھ جوڑ دیا، پس وہ جڑ گیا۔(6)

اسے ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ابوجہل زمین پر پچھڑا پڑا تھا کہ اس کے پاس سے

1۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 573 (وزارت تعلیم)
2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 444 (صادر)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 16 (التجاریہ)
4۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 50 (العلمیہ)
5۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 50 (العلمیہ)
6۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 50 (العلمیہ)

حضرت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا آپ نے اسے ایک شدید ضرب لگائی، لیکن ابھی تک اس میں زندگی کے آثار باقی تھے۔ حضرت معوذ رضی اللہ عنہ لڑتے رہے، یہاں تک کہ جنگ میں شہید ہو گئے پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا گزر ابوجہل کے پاس سے ہوا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے آخری سانسوں میں پایا اور اسے پہچان لیا پھر میں نے اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھ کر کہا اے اللہ تعالیٰ کے دشمن! کیا اللہ تعالیٰ نے تجھے رسوا کر دیا ہے۔ وہ کہنے لگا کس شی کے سبب اس نے مجھے ذلیل کیا ہے۔ کیا اس آدمی سے بھی بڑھ کر کوئی عزت والا ہے جسے تم نے قتل کر دیا ہے۔ پھر کہنے لگا مجھے یہ بتاؤ انجام کیا ہوا یعنی فتح اور کامیابی کسے حاصل ہوئی؟ تو میں نے اسے بتایا کہ فتح و کامرانی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو حاصل ہوئی ہے۔(1)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوجہل نے مجھے کہا اے بکریاں چرانے والے! تو ایک دشوار گزار مشکل گھاٹی پر چڑھ آیا ہے (چونکہ آپ اس کے سینے پر چڑھے بیٹھے تھے اس لئے اس نے اپنے سینے کو ایک بلند و بالا پہاڑ قرار دیا کہ اس پر چڑھنا تو انتہائی مشکل اور دشوار ہے۔ کیا تو بکریاں چرانے والا بھی اس پر چڑھ آیا ہے)۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر میں نے اس کا سر الگ کیا اور حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں لا کر پیش کر دیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ابوجہل کا سر ہے تو حضور نبی کریم ﷺ نے (از راہِ تعجب) ارشاد فرمایا قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ میں نے بھی عرض کی ہاں قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ پھر میں نے وہ سر رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھ دیا تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی(2) ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سجدے میں گر گئے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے بطور شکرانہ دو رکعت نماز ادا کی۔(3)

ابن عابد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر امت کا ایک فرعون ہوا ہے میری امت کا فرعون ابوجہل ہے۔ اللہ اسے ہلاک و برباد کرے۔ اسے عفراء کے دونوں بیٹوں نے قتل کر دیا اور ملائکہ نے اسے قتل کیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا قصہ تمام کر دیا اور اسے بڑی تیزی سے قتل کیا۔(4)

عکرمہ کا بیان ہے کہ مشرکین نے کہا قسم بخدا! جو کچھ محمد ﷺ لے کر آئے ہیں ہم اسے حق نہیں جانتے۔ اے اللہ! ہمارے اور آپ کے درمیان حق واضح کر دے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ یعنی اگر تم فیصلے کے طلب گار ہو تو لو تمہارے پاس فیصلہ آ گیا(5) سدی اور کلبی رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ جب مشرکین حضور نبی کریم ﷺ کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے غلاف کعبہ کو پکڑ کر یہ دعا کی اے اللہ! دو لشکروں میں سے برتر لشکر، دو گروہوں میں سے معزز گروہ اور دو دینوں میں سے افضل ترین دین کو غلبہ عطا فرما(6) تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ مذکورہ تمام روایات کے مطابق آیت طیبہ میں خطاب کفار مکہ کو ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ یہ خطاب حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ اگر تم مدد کے خواہش گار رہتے تھے تو فتح، نصرت اور کامیابی تمہارے پاس آ گئی(7) علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ قیس بن حباب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم نے حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں شکایت عرض کی درآنحالیکہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 16 (التجاریہ)
2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 51 (العلمیہ)
3۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 51 (العلمیہ)
4۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 51 (العلمیہ)
5۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 16 (التجاریہ)
6۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 16 (التجاریہ)
7۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 16 (التجاریہ)

آپ ﷺ اپنی چادر لیکر کعبہ کے سائے میں آرام فرمارہے تھے، ہم نے عرض کی کیا آپ ﷺ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا نہیں کرتے۔ کیا آپ ﷺ ہمارے لئے فتح و نصرت کی دعا نہیں مانگتے۔ یہ سن کر حضور نبی کریم ﷺ اٹھ بیٹھے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک لال سرخ ہوگیا اور ہمیں ارشاد فرمایا تم سے پہلے ایسے لوگ بھی تھے جن میں سے کسی کو پکڑ لیا جاتا، پھر اس کے لئے گڑھا کھودا جاتا۔ پھر اسے اس میں کھڑا کر کے اس کے سر پر آرا رکھ دیا جاتا، اس طرح اسے چیر کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا لیکن یہ اذیت بھی اسے اپنے دین سے برگشتہ نہ کرسکتی۔ کسی کے گوشت میں لوہے کی کنگھیاں اتاردی جاتیں، اسی طرح اس کے گوشت کو ہڈیوں اور پٹھوں تک نوچا جاتا۔ لیکن ایسی تکلیف بھی اسے اپنے دین سے انحراف پر مجبور نہ کرسکتی۔ اللہ تعالیٰ اس کام کو ضرور پورا فرمائے گا یہاں تک کہ تم میں سے ایک شہسوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا لیکن تم تو بہت جلدی (کے طالب) ہو۔(1)

2۔ اے کفار! اب بھی اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کے نبی مکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے سے باز آجاؤ تو اس میں تمہارے لئے دارین کے منافع اور فوائد ہیں اور اگر تم دوبارہ اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنے اور عداوت اختیار کرنے کی طرف لوٹو گے تو ہم پھر تمہیں ایسی ہی سزا دیں گے جیسے بدر کے دن دی اور تمہاری جماعت تمہیں کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گی اور نہ تم سے کسی اذیت ناک چیز کو دور کرسکے گی، اگرچہ اس کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو۔

3۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ ہے۔ نافع، ابن عامر اور حفص رحمہم اللہ نے اِنَّ کے ہمزہ کو مفتوح پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کا عطف محذوف عبارت پر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے لَنْ تُغْنِیَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَیْئًا لِاَجْلِ شُوْمِ كُفْرِكُمْ وَلِاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (یعنی تمہارے کفر کی نحوست کی وجہ سے تمہاری جماعت تمہیں کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں دے سکے گی اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کے ساتھ ہے)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا عطف اس قول پر ہے ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَیْدِ الْكٰفِرِیْنَ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ باقیوں نے ہمزہ کو مکسور پڑھا ہے اس لئے کہ یہ جملہ مستانفہ ہے اور اس کا عطف لن تغنی پر ہے۔ اگر ارشاد باری تعالیٰ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا کا خطاب مسلمانوں کے لئے ہو تو پھر معنی یہ ہوگا اگر تم فتح و نصرت کے طلب گار ہو تو لو فتح و نصرت تمہارے پاس آگئی، اب اگر تم راہ حق میں جنگ و جدال کرنے میں سستی اور کاہلی سے باز رہو گے اور اس امر میں رغبت رکھو گے جسے رسول اللہ ﷺ ترجیح دیں گے تو یہ تمہارے لئے نفع بخش اور فائدہ مند ہوگا۔ اور اگر تم انکار کی طرف دوبارہ لوٹ گئے تو ہم بھی دوبارہ دشمن کو برانگیختہ کر دیں گے اور اس وقت تمہاری کثرت بھی تمہیں ہرگز فائدہ نہیں پہنچا سکے گی۔ جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت تمہارے شامل حال نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تائید تو کامل اہل ایمان کے ساتھ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ آنے والا ارشاد اسی مفہوم سے مناسبت رکھتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 17 (التجاریہ)

لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نہ روگردانی کرو اس سے حالانکہ تم سن رہے ہو[1] اور نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے[2] بیشک سب جانوروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے (انسان) ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے[3] اور اگر جانتا اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی تو انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر سنا دیتا انہیں (قبول حق کی استعداد کے بغیر) تو وہ پیٹھ پھیر دیتے روگردانی کرتے ہوئے[4]“

1۔ عَنْهُ کی ہٗ ضمیر کا مرجع رسول اللہ ﷺ ہیں، یعنی تم رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری سے اعراض نہ کرو۔ ضمیر مفرد اس لئے ذکر کی گئی ہے کیونکہ آیت سے مقصود رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کا حکم دینا ہے اور اس سے روگردانی کرنے سے منع کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر تو فقط تعارف و تمہید کے لئے ہے اور ساتھ ہی اس پر تنبیہ کرنے کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت دراصل رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں ہی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عَنْهُ کی ہٗ ضمیر کا مرجع جہاد ہے یا وہ حکم اطاعت ہے جس پر فعل اطاعت دلالت کرتا ہے اور تسمعون کا مفعول القرآن اور المواعظ ہے۔ یعنی حالانکہ تم قرآن اور مواعظ حسنہ سن رہے ہو اور اس کی تصدیق بھی کرتے ہو۔

2۔ یعنی تم ان منافقین کی طرح نہ ہو جاؤ جو سماع اور تصدیق کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن وہ نصیحت حاصل کرنے اور اسے قبول کرنے کے ارادے سے کبھی نہیں سنتے۔

3۔ دوّاب سے مراد یا تو زمین پر رینگنے والے تمام جانور ہیں یا ان سے صرف چوپائے ہیں اور بہرے اور گونگے سے مراد وہ انسان ہیں جو حق کو قبول کرنے کے ارادے سے نہیں سنتے اور نہ ہی کلمہ حق زبان سے کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو چوپاؤں میں شمار کیا ہے بلکہ انہیں چوپاؤں سے بدتر قرار دیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے اس وصف اور شرف کو ضائع کر دیا ہے جس کے سبب وہ چوپاؤں سے ممتاز تھے اور جس کی وجہ سے انہیں چوپاؤں پر فضیلت دی گئی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں قبیلہ عبدالدار بن قصی کے افراد کا ذکر ہے وہ یہ کہا کرتے تھے کہ جو کچھ محمد (ﷺ) لیکر آئے ہیں ہم اسے سننے سے بہرے، اس کی تصدیق کرنے سے گونگے اور اسے دیکھنے سے اندھے ہیں۔ وہ تمام کے تمام غزوۂ احد میں مارے گئے لشکر کے علمبردار وہی تھے سوائے دو افراد مصعب بن عمیر اور سویط بن حرملہ کے ان میں سے کسی کو بھی اسلام قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ (1)

4۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں قبول حق کی استعداد کو جانتا اور وہ اہل سعادت میں سے ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے اسم ہادی کا ان پر اثر پڑ سکتا تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور اس طرح سنا دیتا کہ وہ اسے قبول بھی کرتے اور سمجھ بھی جاتے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ان میں کوئی خوبی نہیں لہٰذا اگر وہ انہیں قبول حق کی استعداد کے بغیر سنا بھی دیتا وہ اسے سمجھ کر اس سے نفع بھی حاصل کر لیتے تو وہ ایمان، تصدیق اور نفع کے حصول کے بعد بھی پشت پھیر دیتے اور مرتد ہو جاتے اور ان پر تقدیر غالب آ جاتی اور وہ سرکشی اختیار کرتے ہوئے ظہور حق کے بعد روگردانی کر لیتے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی آدمی اہل جنت کے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنت اور اس آدمی کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر سبقت لے جاتی ہے اور وہ اہل نار کا عمل کر کے اس میں داخل ہو جاتا ہے (2) یہ حدیث متفق علیہ ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 47 (التجاریہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 332 (قدیمی)

بھی کہا گیا ہے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کو کہا کرتے تھے کہ ہمارے لئے قصی کو زندہ کر دو کیونکہ وہ ہمارا انتہائی مبارک اور معزز شیخ تھا اور وہ آ کر آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت دے تو ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ ایمان لے آئیں گے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اگر اللہ تعالیٰ انہیں قصی کا کلام بھی سنا دے تب بھی یہ روگردانی کرتے ہوئے پشت پھیر لیں گے اور ایمان نہیں لائیں گے۔ (1)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۞

"اے ایمان والو! لبیک کہو اللہ اور (اس کے) رسول کی پکار پر جب وہ رسول بلائے تمہیں اس امر کی طرف سے جو زندہ کرتا ہے تمہیں 1 اور خوب جان لو کہ اللہ (کا حکم) حائل ہو جاتا ہے انسان اور اس کے دل (کے ارادوں) کے درمیان بیشک اسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے 2"

1 اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہوئے لبیک کہو جب وہ رسول تمہیں بلائے۔ دعاکُم میں ضمیر مفرد ہے، جبکہ اس کا مرجع اللہ اور رسول دو ہیں تو اس کی تفصیل گزشتہ آیت میں گزر چکی ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دعوت رسول اللہ ﷺ سے ہی سنی جا سکتی ہے۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ زندہ کرنے والے امر سے مراد ایمان ہے کیونکہ کافر تو مردہ ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ اس میں حیات (زندگی) بھی ہے، اسی کے سبب نجات بھی ہے اور دونوں جہان میں عذاب سے بچاؤ بھی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد حق ہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد جہاد ہے اس حیثیت سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے سبب تمہیں ذلت کے بعد عزت اور غلبہ عطا فرمایا ہے۔ قتیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد شہادت ہے کیونکہ شہداء کے بارے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۞ فَرِحِيْنَ

میں کہتا ہوں کہ یہ کہنا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے کہ اس سے مراد ہر وہ امر ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ دعوت دیں اور لِمَا يُحْيِيْكُمْ کی قید محض احترازی نہیں بلکہ یہ مدح اور اطاعت رسول پر برانگیختہ کرنے کے لئے ہے کیونکہ ہر امر میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت دل کو زندگی عطا کرتی ہے اور آپ کی نافرمانی دل کو مردہ بنا دیتی ہے اور حیات قلب سے مراد تمام حجابات کو چاک کرتے ہوئے اور ظلمت و تاریکی کو دور ہٹاتے ہوئے دل سے غفلت کو دور کرنا ہے۔ ترمذی اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور وہ نماز پڑھ رہے تھے تو آپ ﷺ نے انہیں بلایا۔ انہوں نے اپنی نماز جلدی سے مکمل کی، پھر آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا جب میں نے تمہیں بلایا تو کونسی شی تمہارے لئے لبیک کہنے سے مانع تھی؟ انہوں نے عرض کی حضور ﷺ! میں نماز پڑھ رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ، تو پھر انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! بالیقین ایسا کرنا ضروری تھا، آئندہ جب بھی آپ مجھے بلائیں گے تو میں ضرور لبیک کہوں گا، اگرچہ میں حالت نماز میں ہی ہوا۔ (2) یہ حدیث پاک اس امر کی تائید کرتی ہے جو میں نے کہا کہ ہر اس امر کی اطاعت و فرمانبرداری

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 17 (التجاریہ) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 111 (الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ) (وزارت تعلیم)

واجب ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی ہو۔

مسئلہ: بعض علماء نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنا نماز کو نہیں توڑتا اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اگر آپ ﷺ نے ایسے کام کے لئے بلایا ہو جو تاخیر کا متحمل نہ ہو تو نمازی کو چاہئے کہ وہ اس کے لئے نماز کو توڑ دے لیکن ان دونوں میں سے پہلا قول ہی زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے، ورنہ ہر ایسے اہم ترین دینی کام کے لئے نماز کو توڑ نا جائز ہے تاخیر کے سبب جس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً کسی اندھے آدمی کے کنویں میں گرنے کا خدشہ ہو اور آدمی پاس نماز پڑھ رہا ہو کہ اگر وہ اپنی نماز نہ توڑے اور اس کی صحیح راہنمائی نہ کرے تو وہ کنویں میں گر پڑے گا (تو ایسی صورت میں اس کا نماز توڑ کر اس کی جان بچانا لازم ہے۔ لہٰذا اس سے رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت باقی نہیں رہتی۔ اس لئے پہلا قول ہی زیادہ قوی ہے)، واللہ اعلم۔

یعنی خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم انسان اور اس کے دل کے ارادوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اسے مردہ بنا دیتا ہے اور اطاعت الٰہی کے لئے وہ جو فرصت اب پا رہا ہے وہ اس کے لئے باقی نہیں رہے گی، اس لئے تم اس فرصت کو غنیمت سمجھو، اللہ کے لئے اپنے دلوں کو خالص کر دو اور بھلائی اور نیکیوں کی جانب تیزی سے بڑھو۔ یا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کی تمناؤں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ دل تو طویل زندگی کی خواہش کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کے عزائم اور ارادوں کو فسخ کر دیتا ہے۔ اس لئے تم امور دینیہ میں سستی نہ کرو۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے غایت قرب کی تمثیل و تشبیہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ اور اس امر پر تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دل کے سربستہ رازوں پر مطلع اور واقف ہے حالانکہ یہ قریب ہے کہ آدمی خود ان سے غافل ہو۔ اس لئے تم پر اخلاص اختیار کرنا لازم اور ضروری ہے۔ بعض کا موقف یہ ہے کہ یہ بندے کے دل پر اللہ تعالیٰ کے ہر اعتبار سے مالک اور بااختیار ہونے کی ایک تصویر اور تخیل ہے کہ وہ اس کے عزائم اور ارادوں کو فسخ کر سکتا ہے اور اس کے مقاصد کو تبدیل کر سکتا ہے۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کسی کی سعادتمندی کا ارادہ فرمائے تو وہ آدمی اور کفر وعصیان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (اور آدمی برائی کی جانب قطعاً نہیں بڑھ سکتا) اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کی شقاوت اور بدبختی کا ارادہ فرما لے تو پھر آدمی اور ایمان و اطاعت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (اور آدمی قطعاً نیکی کی جانب نہیں بڑھ سکتا)۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی ہمیشہ تضرع اور عاجزی کرتا رہے، اس کی بارگاہ میں سراپا التجاء بنا رہے اور خاتمہ کا خوف اپنے دل میں جمائے رکھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے "یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ۔" (اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت وقائم رکھنا)۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ کے ساتھ اور اس دین کے ساتھ جو آپ لیکر آئے ایمان لے آئے ہیں تو کیا آپ ہمارے بارے میں خوف کھا رہے ہیں (کہ ہم اس دین سے پلٹ جائیں گے) تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمام دل اللہ تعالیٰ کے دست قدرت کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ جیسے چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے[1] اسے ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت ہے کہ تمام بنی آدم کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی مثل ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے اسے پھیر دیتا ہے۔ پھر

1۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 36 (وزارت تعلیم)

رسول اللہ ﷺ نے رب کریم کی بارگاہ میں یہ التجاء کی اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ۔ اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے(1) اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک بچے کو اس طرح دعا کرتے سنا اے اللہ! تو آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے پس تو میرے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جاتا کہ میں کبھی بھی برا کام نہ کر سکوں۔ تو آپ نے یہ سن کر فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے اور اسے دعائے خیر سے نوازا(2) اور بیشک تم اسی کی طرف اٹھائے جاؤ گے اور وہی تمہیں تمہارے اعمال کی جزا عطا فرمائے گا۔

وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

”اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے (جو اگر برپا ہو گیا تو) نہ پہنچے گا صرف انہیں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے [1] اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے [2]“

[1] اس معصیت اور گناہ سے بچو جس کا وبال تم میں سے صرف ان ہی لوگوں تک نہیں پہنچے گا جنہوں نے ظلم کیا۔ لَا تُصِیْبَنَّ کی ضمیر فتنة کی طرف راجع ہے اور فتنہ سے پہلے وبال مضاف محذوف ہے اور لَا تُصِیْبَنَّ فعل نہی مؤکد بانون تاکید ثقیلہ ہے اور یہ فتنة کی صفت ہے (چونکہ صفت کا موصوف پر حمل ہوتا ہے مگر نہی تو انشاء ہے اور انشاء کا حمل نہیں ہو سکتا اس لئے) اس سے پہلے لفظ یقال محذوف نکالا جائے گا۔ یعنی تم اس فتنہ اور معصیت سے اجتناب کرو جس کے بارے یہ کہا جائے گا کہ اس کا وبال صرف ان لوگوں تک نہ پہنچے گا جنہوں نے تم میں سے ظلم کیا بلکہ اس کا وبال ظالم اور غیر ظالم تمام کو شامل ہوگا۔ یا پھر یہ صیغہ نفی ہے جو نہی کے معنی کو متضمن ہے اور اس پر نون تاکید داخل ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ یہ اس فتنہ سے بچنے کا حکم ہے جس کا وبال ان تمام کو شامل ہے جنہوں نے اس کا ارتکاب کیا اور جنہوں نے اس کا ارتکاب نہیں کیا۔ اب علماء کا اس بارے اختلاف ہے کہ وہ فتنہ کیا ہے؟ بعض نے یہ کہا ہے کہ اس فتنہ سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اندر کسی برائی کو پختہ نہ ہونے دیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان پر ایسا عذاب مسلط کر دے گا جو ظالم اور غیر ظالم تمام کو شامل ہوگا(3) اس پر انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، آپ نے فرمایا لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ (اے ایمان والو اتم اپنی ذات کے مکلف ہو اگر تم ہدایت پر ہوئے تو کوئی گمراہ اپنی گمراہی کا ضرر تم کو نہ پہنچا سکے گا) اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب لوگ ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں لیکن اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ان پر کوئی سزا مسلط کر دے(4) اس روایت کو اصحاب سنن اربعہ نے ذکر کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ اس سے پہلے کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اور وہ تمہاری دعا قبول نہ کرے اور اس سے پہلے کہ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور وہ تمہاری مغفرت نہ فرمائے، بیشک امر بالمعروف

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 335 (قدیمی) 2۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 321 (العلمیہ) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 19 (التجاریہ)

4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 39 (وزارت تعلیم)، سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 596 (وزارت تعلیم)

اور نہی عن المنکر نہ تو رزق کو دور کرتا ہے اور نہ موت کے مقررہ وقت کو قریب لے آتا ہے۔ بیشک یہود و نصاریٰ کے علماء نے جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل چھوڑ دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے ان پر لعنت بھیجی اور پھر انہیں عمومی عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اسے اصبہانی نے روایت کیا ہے اور اس کی شاہد حضرت ابن مسعود اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کی حدیثیں بھی ہیں۔

عدی بن عدی کندی نے کہا ہے کہ ہمارے ایک آزاد کردہ غلام نے میرے دادا کو یہ حدیث بیان کرتے سنا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے عمل کے سبب عام عذاب نہیں بھیجتا۔ مگر جب وہ اپنے سامنے برائی ہوتی دیکھیں اور وہ اسے روکنے کی قدرت بھی رکھتے ہوں لیکن وہ اسے نہ روکیں۔ پس جب وہ ایسا کرتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ عام و خاص تمام پر عذاب مسلط کر دیتا ہے(1)۔ اسے علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ اور معالم میں ذکر کیا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود کے بارے سستی کرنے والے اور ان میں واقع ہونے والوں کی مثال اس قوم کی طرح ہے جو قرعہ اندازی کے ذریعے ایک جہاز میں سوار ہوئی۔ ان میں سے بعض نیچے والے حصے میں سوار ہوئے اور بعض اوپر والے حصے میں۔ اب نیچے والے حصے میں رہنے والوں کو پانی لینے کے لئے بالائی منزل کی طرف جانا پڑتا تھا جس سے انہیں اذیت اور تکلیف پہنچتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ایک کلہاڑا لیا اور جہاز کے پیندے میں سوراخ کرنا شروع کر دیا۔ پس بالائی منزل والے آئے پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہماری وجہ سے تمہیں تکلیف ہوتی تھی اور پانی تو بہر حال ہماری ضرورت تھا۔ اب اگر انہوں نے ان کا ہاتھ سوراخ کرنے سے پکڑ لیا (اور سوراخ کرنے کی انہیں اجازت نہ دی) تو انہوں نے انہیں بھی اور اپنے آپ کو بھی ہلاک ہونے سے بچا لیا اور اگر انہوں نے انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا (یعنی سوراخ کرنے سے انہیں نہ روکا) تو انہوں نے انہیں ہی اور اپنے آپ کو بھی ہلاک و برباد کر دیا (کیونکہ جب جہاز پانی کے سبب ڈوبنے لگے گا تو بالائی منزل والے بھی اسی طرح ڈوب جائیں گے جیسے زیریں منزل والے) اسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(2)۔ میں کہتا ہوں کہ مذکورہ بالا احادیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ان احادیث کا مقتضیٰ یہ ہے کہ کسی آدمی کے گناہ کے سبب دوسرے کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ مگر جبکہ وہ آدمی گناہ کا ارتکاب لوگوں کے سامنے کرے اور وہ لوگ اسے روکنے کی قدرت رکھتے ہوں لیکن وہ اسے نہ روکیں تو اس وقت اس گناہ کا عذاب عام ہو جاتا ہے گناہ کرنے والے کو بھی ہوتا ہے اور نہ کرنے والے کو بھی۔ بلکہ اسے بھی یہ عذاب ترک نہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ گناہ سے روکنا بھی فرض ہے، لہٰذا اسے ترک کرنے والا بھی ظالم ہے اور اس معصیت کے سبب اسے پہنچنے والا عذاب ایک ظالم کو ہونے والا عذاب ہے۔ ایسا عذاب نہیں جو ظالم اور غیر ظالم دونوں کو شامل ہو۔

کیا تم نے اس بستی (یعنی ایلیا) کے رہنے والوں کا قصہ نہیں سنا جو ساحل سمندر پر آباد تھے اور وہ ہفتے دن کی حرمت کو قائم رکھنے میں اپنی حدود سے تجاوز کرنے لگے، یعنی ان میں سے ایک گروہ تو برائی کا ارتکاب کرتا تھا (یعنی وہ حیلے اور تدبیر سے مچھلیاں تالاب میں بند کر لیتے تھے) دوسرا گروہ اس برائی سے انہیں روکنے والا تھا۔ اور تیسرا گروہ وہ تھا جس نے برائی کا ارتکاب تو نہیں کیا لیکن انہیں برائی سے منع بھی نہیں کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے ارشاد فرمایا اَنۡجَیۡنَا الَّذِیۡنَ یَنۡهَوۡنَ عَنِ السُّوۡٓءِ وَ اَخَذۡنَا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا بِعَذَابٍ (پس

1۔ مصابیح السنہ، جلد 2 صفحہ 302 (العلمیہ)

2۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 369 (وزارت تعلیم)

ہم نے انہیں بچالیا جو برائی سے روکتے رہے ہیں اور انہیں عذاب کے ساتھ پکڑ لیا ہے جنہوں نے ظلم کیا ہے) تو یہ آیت صراحۃً اس پر دلالت کر رہی ہے کہ برائی سے نہ روکنے کا وبال غیر ظالم پر نہیں پڑا (صرف ان ہی پر پڑا ہے جنہوں نے اس کا ارتکاب کیا ہے) اور آیت زیر تفسیر تو ایسے فتنہ اور معصیت پر دلالت کر رہی ہے جس کا وبال ظالم اور غیر ظالم دونوں کو پہنچے گا۔ (اس لئے مذکورہ تشریح محل نظر ہے)۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ فتنہ سے مراد بغاوت اور زمین میں فساد برپا کرنا ہے کیونکہ اس کا وبال دنیا میں ایسے لوگوں پر بھی پڑتا ہے جو بے قصور ہوں مجرم نہ ہوں۔ ایسے لوگ قتل کر دیئے جاتے ہیں ان کا ساز و سامان لوٹ لیا جاتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس آیت کے بارے فرماتے ہیں قسم بخدا! جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام میں سے صاحب فہم و فراست یہ سمجھ گئے کہ عنقریب فتنے برپا ہوں گے۔ اسی وجہ سے ابن زید نے کہا ہے کہ یہاں فتنہ سے مراد کلام کا افتراق اور آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت ہے (1) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرات علی، عمار، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے نازل ہوئی۔ مطرف سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا اے ابا عبداللہ! تم نے خود خلیفہ کی مدد نہیں کی یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے گئے پھر تم خود ہی ان کے خون کا قصاص طلب کرنے آگئے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم ایک زمانہ تک یہ آیت پڑھتے رہے اور ہم یہ نہ سمجھ سکے کہ اس کا مصداق کون ہیں؟ آخر ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اس آیت کا مصداق ہم ہی ہیں اور اس سے آپ کا اشارہ جنگ جمل کی طرف تھا کہ جس دن آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی۔ سدی، ضحاک اور قتادہ رحمہم اللہ نے اسی طرح کہا ہے۔ (2)

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک مذکورہ فتنہ سے مراد ترک جہاد ہے بالخصوص ایسے حالات میں جبکہ امام وقت نے اس میں شامل ہونے کا اعلان عام کر رکھا ہو اور اس سے مراد میدان جہاد سے جنگ کے وقت پیٹھ پھیرنا بھی ہے اس معنی پر قرینہ سیاق کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ۝ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ (بیشک مومنین میں سے ایک گروہ جنگ کو ناپسند کر رہا تھا اور وہ حق کے معاملہ میں آپ سے جھگڑ رہا تھا) دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ۝ (اے ایمان والو! جب کافروں کے لشکر جرار سے تم مقابلہ کرو تو مت پھیرنا ان کی طرف (اپنی پیٹھیں)۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جب وہ رسول تمہیں بلائے)۔ ظالم اور غیر ظالم کو وبال پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی تکلیف اور مصیبت تمام کو پہنچے گی مثلاً جہاد چھوڑ دینا کفار کے غلبے کو ثابت کرتا ہے نتیجۃً مسلمان قتل ہوں گے اور ان سے ساز و سامان چھین لیا جائے گا، چاہے یہ چھوٹے ہوں یا بڑے، مرد ہوں یا عورتیں۔ اسی طرح میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنا، میدان میں ڈٹ جانے والے مجاہدین کے قتل کا سبب بنتا ہے۔ کیا آپ جانتے نہیں کہ جب میدان احد میں شیطان نے مسلمانوں کے پاؤں پھسلا دیئے تھے تو اس کا وبال تمام مسلمانوں پر پڑا تھا حتیٰ کہ اس کی اذیت حضور نبی کریم کو بھی پہنچی کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا اور دندان مبارک شہید ہو گئے، واللہ اعلم۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لَا تُصِيبَنَّ فعل نہی ہو اور اس کے سبب گناہ سے بچنے کا حکم دینے کے بعد فتنہ کا ارتکاب کرنے سے منع کیا گیا ہو اور معنی یہ ہو کہ تم ہر قسم کے گناہ اور معصیت سے بچو اور نہ تم میں سے کوئی کسی فتنہ کا ارتکاب کرے کیونکہ اس کا وبال ظالم تک بالخصوص

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 19 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 19 (التجاریہ)

پہنچتا ہے اور اسی کی طرف اس کا انجام بدلوتا ہے۔ لہٰذا تم میں سے ظالم دوسروں کی نسبت قبیح ترین ہو جائے گا۔ (اس لئے تم اس کے ارتکاب سے بچو) اس معنی کی تائید علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ لَا تُصِيبَنَّ محض جزا نہیں۔ اگر محض جزاء ہوتی تو اس پر نون تاکید داخل نہ ہوتا۔ لیکن یہ صیغہ نہی ہے جس میں جزاء کی ایک طرف ایک پہلو موجود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ۔ (اے چیونٹیو! اپنی بلوں میں داخل ہو جاؤ کہیں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالیں)۔ (یعنی اگر تم بلوں میں داخل نہیں ہو گی تو سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تمہیں روند ڈالے گے) زیر تفسیر آیت میں تقدیر عبارت اس طرح ہو گی وَاتَّقُوْا فِتْنَةً اِنْ لَّمْ تَتَّقُوْهَا اَصَابَتْكُمْ خَاصَّةً[1] فَلَا تُصِيبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً۔ (کہ تم معصیت سے بچو اگر تم اس سے نہیں بچو گے اس کا وبال صرف تم کو پہنچے گا پس وہ تم میں سے صرف ظالموں کو نہیں پہنچے گا) اسی طرح یہ ہے اُدْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ اِنْ لَّمْ تَدْخُلُوْهَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ (کہ تم اپنی بلوں میں داخل ہو جاؤ اگر تم ان میں داخل نہیں ہو گی تو سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تمہیں روند ڈالے گا) واللہ اعلم۔

قول باری تعالیٰ لَا تُصِيبَنَّ جواب امر نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہو جاتا ہے کہ فتنہ سے بچو، اگر تم اس سے بچو گے تو اس کا وبال تم میں سے صرف ظالموں کو نہیں پہنچے گا حالانکہ معنی اس طرح نہیں کہ اگر تم فتنہ سے بچو گے تو اس کا وبال تمہیں نہیں پہنچے گا کیونکہ مقید کی نفی قید کی نفی ہوتی ہے۔ (مطلق کی نفی نہیں ہوتی بلکہ مطلق کے لئے حکم کا ثبوت باقی رہتا ہے)۔ پس معنی یہ بن جائے گا کہ اس کا وبال تمہیں بھی اور دوسروں کو بھی شامل ہوگا۔ (یعنی نزول عذاب کی خصوصیت زائل ہو جائے گی اور عموم باقی رہے گا) اور اس معنی کا فاسد ہونا بالکل ظاہر ہے۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ جواب امر ہے اور معنی یہ ہے کہ اگر وہ فتنہ تم تک پہنچے گا تو وہ تم میں سے صرف ظالموں کو ہی نہیں پہنچے گا[2]۔ میں کہتا ہوں کہ جواب امر میں ایک ایسی شرط کا مقدر ماننا ضروری ہے جو امر سے بنائی گئی ہو۔ جیسا کہ کہنے والے کے اس قول میں ہے: اَسْلِمْ تَدْخُلِ الْجَنَّةَ (تو اسلام لا جنت میں داخل ہو جائے گا) یعنی اِنْ تُسْلِمْ تَدْخُلِ الْجَنَّةَ (اگر تو اسلام لائے گا تو جنت میں داخل ہو جائے گا)۔ اسی طرح قول باری تعالیٰ ہے: اُدْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ۔ یعنی اِنْ تَدْخُلُوْا لَا يَحْطِمَنَّكُمْ (کہ اگر تم بلوں میں داخل ہو جاؤ گی تو سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تمہیں نہیں روندے گا) مگر زیر تفسیر آیت میں جواب امر بنانے کی صورت میں اِنْ اَصَابَتْكُمْ شرط مقدر تصور نہیں کیا جا سکتا بلکہ شرط محذوف اور جزاء مذکور جملہ شرطیہ ہو کر فتنہ کی صفت ہوگا اور پھر اس کا معنی وہی ہوگا جو ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ اور یہ بھی جائز نہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ لَا تُصِيبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا محذوف قسم کا جواب ہو اور تقدیر کلام اس طرح ہو اتَّقُوْا فِتْنَةً وَاللّٰهِ لَا يُصِيبَنَّ الْفِتْنَةُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً بَلْ يَعُمُّكُمْ (کہ تم فتنہ سے بچو قسم بخدا اس فتنہ کا وبال تم میں سے صرف ظالموں کو ہی نہیں پہنچے گا بلکہ تم تمام کو شامل ہوگا) اور اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ وہ فتنہ جس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے وہ نکرہ حالت میں ذکر کیا گیا ہے اور قول باری تعالیٰ لَا تُصِيبَنَّ میں موجود ضمیر اسی نکرہ کی طرف راجع ہے جس کے سبب وہ بھی عام ہو گئی، لہٰذا اس سے لازم یہ آئے گا کہ بالعموم ہر معصیت کا وبال ظالم اور غیر ظالم دونوں پر پڑے گا۔ لیکن اس معنی کا فاسد ہونا بالکل ظاہر اور واضح ہے کیونکہ یہ مفہوم اجماع کے خلاف بھی ہے اور رب کریم کے اس ارشاد کے بھی وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ (کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) لامحالہ یہی کہا جائے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 19 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 238 (فراس)

گا کہ فتنہ سے مراد وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے، یعنی جہاد چھوڑ دینا اور میدان جہاد سے راہ فرار اختیار کرنا۔ یہی سیاق کلام سے ثابت ہے اور اس کا وبال پہنچنے سے مراد دنیا میں اس کے وبال کا پہنچنا ہے، واللہ اعلم۔

2۔ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے، لہٰذا تم فتنہ سے اجتناب کرتے ہوئے اس کی سزا سے بچو۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٦﴾

"اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے کمزور اور بے بس سمجھے جاتے تھے ملک میں (ہر وقت) ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں اچک نہ لے جائیں تمہیں لوگ، پھر اللہ نے پناہ دی تمہیں اور طاقت بخشی تمہیں اپنی نصرت سے اور عطا کیں تمہیں پاکیزہ چیزیں تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ1"

1۔ اور یاد کرو اے مہاجرین! جب تم تعداد میں تھوڑے تھے اور سرزمین مکہ میں تم کمزور اور بے بس سمجھے جاتے تھے، ہر وقت ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں کفار قریش تمہیں اچک نہ لے جائیں۔ ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! الناس سے مراد کون لوگ ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اہل فارس (1) پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں مدینہ طیبہ میں پناہ دی اور غزوۂ بدر کے دن کفار کے خلاف اپنی نصرت سے تمہیں طاقت عطا فرمائی اور تمہیں مال غنیمت جیسی پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں جو کہ تم سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں تھا تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس آیت میں خطاب تمام اہل عرب کو ہے کیونکہ وہ تمام کے تمام فارس و روم کے مقابلے میں ذلیل و رسوا تھے۔ وہ اگرچہ آپس میں ایک دوسرے سے عداوت رکھتے تھے لیکن عربوں کے دونوں ہی مخالف تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے عرب کے باسیوں کو اپنے محبوب ﷺ کے جوار میں ایک مضبوط پناہ گاہ عطا فرما دی جس کے سبب یہ اپنے دشمنوں سے محفوظ ہو گئے اور تمام اہل ادیان کے خلاف اپنی خصوصی نصرت سے انہیں قوت و طاقت عطا فرمائی، واللہ اعلم۔

سعید بن منصور وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اسے علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اکیس راتوں تک بنی قریظہ کا محاصرہ کئے رکھا۔ تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صلح کی درخواست کی کہ آپ نے جن شرائط پر ان کے بھائیوں بنی نضیر سے صلح کی ہے ہم سے بھی ان ہی شرائط پر صلح فرما لیں اور وہ بھی سرزمین شام میں اذرعات اور اریحا کی جانب اپنے ان بھائیوں کے پاس چلے جائیں گے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس طرح ان سے صلح کرنے سے انکار کر دیا اور ارشاد فرمایا اگر تم سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم تسلیم کرنے پر رضامند ہو تو اپنے قلعوں سے نیچے اتر آؤ۔ لیکن انہوں نے اس سے انکار کر دیا اور کہا کہ آپ ﷺ ہماری طرف ابولبابہ بن عبدالمنذر کو بھیجیں۔ چونکہ ان کا مال اور دیگر اہل و عیال ان ہی کی بستی میں تھے اس لئے آپ ان کے خیر خواہ تھے۔ پس حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا۔ جب وہ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے پوچھا اے ابولبابہ! آپ کیا رائے رکھتے ہیں کیا ہم سعد بن معاذ کی ثالثی کو قبول کرتے ہوئے نیچے اتر آئیں؟ تو حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر دیا مراد یہ تھی کہ تم ذبح کر دیئے جاؤ گے لہٰذا تم ان کی ثالثی کو قبول نہ کرو۔ (2)

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 322 (العلمیہ)　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 20 (التجاریہ)

سبیل الرشاد میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا جونہی یہودیوں نے آپ کو دیکھا تو مرد آپ کے احترام کے لئے کھڑے ہو گئے اور عورتوں، بچوں نے ان کے سامنے رونا پیٹنا شروع کر دیا، پس یہ منظر دیکھ کر آپ کا دل ان کے لئے نرم ہو گیا۔ پھر کعب بن اسد نے کہا اے ابالبابہ! ہم نے کسی غیر کے مقابلے میں آپ کو چنا ہے۔ محمد (ﷺ) نے ہماری شرائط قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور اس بات پر مصر ہیں کہ ہم ان ہی کے فیصلے کے مطابق اپنے قلعوں سے نیچے اتر آئیں، اب آپ کیا رائے دیتے ہیں، آیا ہم ان کے حکم کے مطابق نیچے اتر آئیں؟ تو حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے زبان سے تو کہا جی ہاں (نیچے اتر آؤ) لیکن ساتھ ہی اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر دیا جس سے مراد یہ تھی کہ تم ذبح کر دیے جاؤ گے (1) حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قسم بخدا! میرے قدم ابھی اپنی جگہ سے ہلے بھی نہ تھے کہ مجھے یہ یقین ہو گیا میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم ﷺ کے ساتھ خیانت اور دھوکہ کیا ہے۔ چنانچہ میں اپنے عمل پر بہت نادم ہوا اور زبان سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا اور میری ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ لوگ میری واپسی کا انتظار کر رہے تھے لیکن میں نے قلعے کے پیچھے سے دوسرا راستہ اختیار کیا اور سیدھا مسجد میں چلا آیا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بھی حاضر نہ ہوا اور مسجد میں پہنچ کر اپنے آپ کو اس پچھلے ستون سے باندھ دیا جسے اب اسطوانہ توبہ کہا جاتا ہے اور میں نے اپنے دل میں یہ عہد کیا کہ میں اسی جگہ پڑا رہوں گا یہاں تک کہ میں مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرما لے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو ان کی یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ میرے پاس آ جاتا تو میں اس کے لئے استغفار کرتا۔ لیکن جب اس نے اپنی مرضی سے وہ کام کر لیا ہے تو اب میں اسے نہیں کھولوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لے پس وہ سات دن تک بغیر کچھ کھائے پیے اسی حال میں پڑے رہے یہاں تک کہ غش کھا کر گر پڑے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی (2)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ سبیل الرشاد میں ہے کہ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ چھ راتوں تک بندھے رہے ہر نماز کے وقت ان کی زوجہ محترمہ آتیں اور انہیں کھول دیتیں یہاں تک کہ آپ وضو کر تے، نماز پڑھتے اور پھر بندھ جاتے (3)۔ ابن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ وہ تقریباً بیس راتوں تک بندھے رہے اور البدایہ میں ہے کہ یہی زیادہ صحیح قول ہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے پچیس راتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے مالک کے واسطہ سے عبداللہ بن ابی بکر سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ دس راتوں سے کچھ زائد بکری باندھنے کی رسی سے بندھے رہے، یہاں تک کہ ان کی قوت سماعت اور قوت بصارت ختم ہونے کے قریب ہو گئی تھی جب نماز کا وقت ہوتا یا وہ قضائے حاجت کے لئے جانے کا ارادہ کرتے تو ان کی بیٹی آتی اور انہیں کھول دیتی۔ جب وہ فارغ ہو جاتے تو وہ دوبارہ انہیں باندھ دیتی اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں کھولنے کا کام کبھی ان کی بیوی کرتی تھی اور کبھی ان کی بیٹی اس کے لئے آیا کرتی تھی (4)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ مجھے یزید بن عبداللہ بن قسیط نے حدیث بیان کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی قبولیت توبہ کے بارے حکم نازل ہوا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 20 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 20 (التجاریہ)
3۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 8 (العلمیہ)
4۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 9 (العلمیہ)

میں نے سحری کے وقت رسول اللہ ﷺ کو مسکراتے سنا تو میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ مسکراتا رکھے، آپ (اس وقت) کیوں مسکرا رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ابولبابہ کی توبہ قبول کرلی گئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کیا میں انہیں اس کی بشارت نہ دے دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں اگر تم چاہو۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑی ہوگئیں" اور یہ واقعہ پردے کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا ہے" اور پکار کر کہا اے ابولبابہ! تجھے بشارت ہو اللہ تعالیٰ نے تیری توبہ قبول فرمالی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سنتے ہی لوگ انہیں کھولنے کے لئے دوڑتے چلے آئے۔ لیکن ابولبابہ نے کہا ہرگز نہیں قسم بخدا! رسول اللہ ﷺ خود تشریف لائیں گے اور اپنے دست مبارک سے مجھے کھولیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب نماز صبح کے لیے جاتے وقت ان کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے انہیں کھول دیا(1)۔ سہیلی نے لکھا ہے کہ حماد بن سلمہ نے علی بن زید بن جدعان سے اور انہوں نے علی بن حسین رضی اللہ عنہما (یعنی امام زین العابدین) سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ابولبابہ کو کھولنے کے لئے تشریف لائیں۔ تو ابولبابہ نے کہا میں قسم کھا چکا ہوں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی نہیں کھولے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا فاطمہ تو میرا ہی جزء ہے (یعنی اس کا کھولنا میرا کھولنا ہے) اس روایت کی سند میں علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے اور پھر علی بن حسین رضی اللہ عنہما کی یہ روایت مرسل ہے(2)۔ پھر ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا میری توبہ کی تکمیل اس وقت ہوگی جب میں اپنا وہ گھر چھوڑ دوں گا جس میں مجھ سے گناہ سرزد ہوا اور میں اپنے تمام مال سے دستبردار ہو جاؤں تو حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا اگر تم اپنا مال صدقہ کرنا چاہتے ہو تو تہائی مال کا صدقہ تمہارے لئے جائز ہے۔ پھر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔(3)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

"اے ایمان والو! نہ خیانت کرو اللہ اور رسول سے اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں میں ل اس حال میں کہ تم جانتے ہو ۲"

ل خون کا اصلی معنی کمی کرنا ہے جیسا کہ وفا کا اصلی معنی پورا کرنا اور مکمل کرنا ہے اور اس کا استعمال امانت کے خلاف ہوتا ہے کیونکہ خیانت میں کمی کا معنی پایا جاتا ہے اور تم آپس کی امانتوں کے درمیان خیانت نہ کرو۔ چونکہ لَا تَخُوْنُوْا کا عطف پہلے لَا تَخُوْنُوْا پر ہے اس لئے یہ بھی مجزوم ہے یا پھر یہ واؤ معیت ہے اس کے بعد اَنْ مقدر ہے اور لَا تَخُوْنُوْا منصوب ہے۔ لیکن ان میں سے پہلا قول زیادہ واضح اور اولیٰ ہے کیونکہ دوسری صورت میں جمعیت کا معنی شرط ہو جاتا ہے (یعنی تم لوگوں کی امانتوں کے ساتھ ملا کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو یعنی دونوں خیانتوں کا مجموعہ نہ کرو) حالانکہ دونوں خیانتوں میں سے ہر ایک مکمل طور پر حرام ہے۔ فقط اجتماع حرام نہیں۔ جیسا کہ اس قول میں ہے لَا تَاْكُلِ السَّمَكَ وَتَشْرَبَ اللَّبَنَ (مچھلی نہ کھاؤ اس کے ساتھ کہ دودھ بھی پیو)۔ (یعنی ایک وقت میں مچھلی بھی کھاؤ اور دودھ بھی پیو ایسا مت کرو مگر دونوں کام مختلف اوقات میں کرنے ممنوع نہیں)۔ (تو گویا اس میں تو اجتماعی طور پر دونوں کام ممنوع ہیں، لیکن انفرادی طور پر ممنوع نہیں حالانکہ آیت طیبہ میں یہ مفہوم مراد نہیں ہوسکتا کہ لوگوں کی امانتوں کے ساتھ تو اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت کرنا حرام ہو لیکن لوگوں کی امانتوں کے بغیر حرام نہ ہو ایسا ہرگز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلا معنی مراد

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 9 (العلمیہ)
2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 9 (العلمیہ)
3۔ تفسیر البغوی، جلد 3 صفحہ 20 (التجاریہ)

لینا ہی زیادہ اولیٰ اور ارجح ہے، مترجم)

یا اس حال میں کہ تم یہ جانتے ہو کہ یہ امانت ہے اس میں خیانت نہ کرو یا مطلب یہ ہے کہ تم یہ جانتے ہو کہ تمہارا اخلق کی طرف اشارہ کرنا ایک خیانت ہے تو پھر اس کا ارتکاب نہ کرو۔ یا معنی یہ ہے کہ تم خود جانتے ہو اور حسن و قبح میں تمیز کر سکتے ہو (تو پھر ایسی حالت میں خیانت نہ کرو)۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب انہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کی تو یقیناً انہوں نے آپس کی امانتوں میں خیانت کا ارتکاب کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم فرائض ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت نہ کرو، سنت چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ سے خیانت کے مرتکب نہ ہو اور اپنی امانتوں میں خیانت کا ارتکاب نہ کرو۔ ان امنت سے مراد اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وہ فرائض اور اعمال ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رکھے ہیں، لیکن اپنے بندوں کو ان پر امین بنایا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے یقین کر لو بیشک اللہ تعالیٰ کا دین ایک امانت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرائض اور حدود میں سے جو امانت تمہارے سپرد کی ہے اسے ادا کرو اور جس کے پاس کوئی امانت ہو تو اسے چاہئے کہ جس پر اسے امین بنایا گیا ہے وہ صاحب امانت کو ادا کر دے (1)۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کا سبب نزول اگرچہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا فعل ہے لیکن اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے سبب خاص کا نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے چاہے وہ فرائض ہوں یا حدود کلی طور پر خیانت کرنا حرام ہے اور جو کچھ ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کیا وہ بھی اسی کا ایک حصہ تھا، واللہ اعلم۔ اگر کہا جائے کہ حدیث صحیح ہے "اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ (2) (جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ اس میں امین ہوتا ہے لہٰذا اسے مشورہ دینے میں خیانت کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے)" اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع نقل کیا ہے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کیا تھا۔ اگر ابولبابہ رضی اللہ عنہ ایسا نہ کرتے جو انہوں نے کیا تو وہ مشورہ اپنے میں خیانت کے مرتکب ہوتے (اور یہ گناہ ان کے ذمے ہوتا) پھر ان کے لئے صحیح مشورہ کے بعد اس خیانت سے بچاؤ کیسے ممکن تھا؟ میں کہتا ہوں کہ خاموش رہ کر ان کے لئے اس خیانت سے بچنا ممکن تھا اور یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ میں تمہیں مشورہ نہیں دے سکتا کیونکہ میرے اور تمہارے درمیان اس وقت تک کے لئے عداوت و بغض قائم ہو چکا ہے جب تک تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم ﷺ کے ساتھ ایمان نہیں لے آتے، واللہ اعلم۔ ابن جریر نے سدی سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام حضور نبی کریم ﷺ سے کوئی بات سنتے تھے تو اسے آپس میں پھیلاتے اور عام کرتے تھے حتیٰ کہ وہ بات مشرکین تک بھی پہنچ جاتی تو اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ابوسفیان (مدینہ طیبہ پر چڑھائی کرنے کے لئے) مکہ مکرمہ سے نکلا۔ تو جبرئیل امین حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آ کر بتایا کہ ابوسفیان فلاں فلاں مقام پر ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا، ابوسفیان فلاں فلاں جگہ پر ہے، تم بھی اس کے مقابلے کے لئے نکلو لیکن اپنے اس راز کو مخفی رکھو۔ لیکن منافقین میں سے کسی آدمی نے ابوسفیان کو یہ لکھ بھیجا کہ محمد (ﷺ) تمہارے ارادے سے آ رہے ہیں، اپنی احتیاط رکھنا۔ تو اس وقت

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 20 (التجاریہ)
2۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 105 (وزارت تعلیم)، سنن ابن ماجہ صفحہ 274 (وزارت تعلیم)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 20 (التجاریہ)

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی(1) مگر یہ روایت اپنی سند کے اعتبار سے انتہائی غریب ہے اور اس کا سیاق بھی محل نظر ہے۔

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

''اور خوب جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد (سب) آزمائش ہے [1] اور بیشک اللہ اسی کے پاس اجر عظیم ہے [2]''

[1] فتن کا اصل معنی سونے کو آگ میں ڈالنا ہے تا کہ اس کی اصلیت اور چمک ظاہر ہو جائے۔ اسی وجہ سے یہ لفظ اختبار اور امتحان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے (کیونکہ امتحان میں کھرے کھوٹے اور لائق و نالائق کے درمیان تمیز ہو جاتی ہے) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً۔ یہ لفظ عذاب کے معنی میں بھی مستعمل ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ (وہ آگ پر عذاب دیے جائیں گے) علاوہ ازیں یہ لفظ کفر، معصیت، فساد اور ہر اس عمل کے لئے استعمال ہوتا ہے جو عذاب تک پہنچا دینے والا ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاتَّقُوْا فِتْنَةً (معصیت سے اجتناب کرو) مزید فرمایا اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا اور وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ مال و اولاد کو بھی فتنہ کہا گیا ہے کیونکہ یہ بھی گناہ اور عذاب میں واقع ہونے کا سبب بنتے ہیں۔ یا اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان ہوتا ہے، لہٰذا ان کی محبت تمہیں خیانت پر برانگیختہ نہ کرے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت بھی حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے نازل ہوئی کیونکہ ان کا مال و متاع اور اہل و عیال بنی قریظہ میں تھے، لہٰذا انہوں نے جو کچھ کہا وہ ان کے خوف کے سبب کیا (یعنی انہیں ان پر خطرہ لاحق ہوا تو انہوں نے وہ عمل کیا)۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بچہ لایا گیا آپ ﷺ نے اسے بوسہ دیا اور فرمایا بیشک یہ بچے بخیل اور بزدل بنا دینے والے ہیں (یعنی یہ بخل اور بزدلی کا سبب بننے والے ہیں) اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی ہیں۔ اسے بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے(2)۔ ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید سے روایت نقل کی ہے کہ اولاد دل کا سکون بھی ہے اور بزدلی، کنجوسی اور غم کا سبب بھی اور حکیم نے خولہ بنت حکیم سے نقل کیا ہے کہ بچے جنت کے پھول ہیں۔

[2] بیشک جو آدمی اللہ اور اس کے رسول کے لئے مخلص ہو، اپنی امانت ادا کرتا ہو، اللہ تعالیٰ کی حدود کی پاسداری کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کو اولاد کی محبت پر ترجیح دیتا ہو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

''اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کر دے گا تم میں حق و باطل میں تمیز کی قوت [1] اور ڈھانپ دے گا تم سے تمہارے گناہ اور بخش دے گا تمہیں [2] اور اللہ بڑے فضل (و کرم) والا ہے [3]''

[1] اے اہل ایمان! اگر تم اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرنے اور گناہ و معصیت کو ترک کرنے کے سبب اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے دلوں میں ایسی بصیرت عطا فرما دے گا جس کے سبب تم حق اور باطل کے مابین تفریق کر سکو گے اور حضور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا بھی یہی معنی ہے اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ (3) (تم مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 323 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 21 (التجاریہ) 3۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 140 (وزارت تعلیم)

کے نور سے دیکھتا ہے)۔ یعنی وہ خداداد بصیرت وقوت سے دیکھتا ہے۔ اسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں نقل کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے، طبرانی اور ابن عدی رحمہما اللہ نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے اپنے دل سے فتویٰ طلب کر اگرچہ مفتی تجھے فتویٰ دے چکا ہو۔ اسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں سند حسن کے ساتھ وابصہ سے نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب دل کی نفسانیت فنا ہو چکی ہو اور نفس تمام قسم کی رذالتوں اور برائیوں سے پاک ہو چکا ہو تب حقیقت تقویٰ کا اظہار ہوتا ہے اور اسی کا نام صوفیہ کی اصطلاح میں کشف ہے۔ اور فرقان سے مراد وہ نصرت ہے جس کے سبب اہل حق اور اہل باطل کے درمیان فرق ہو جاتا ہے، اہل ایمان کو عزت عطا کی جاتی ہے اور اہل کفر کو ذلیل ورسوا کر دیا جاتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت میں ان خطرات سے نکلنے کی راہ پیدا کر دے گا جن سے وہ ڈرتے ہیں (1)۔ مقاتل بن حیان نے اس کے بارے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے دین کے معاملے میں شبہات سے نکلنے کی راہ پیدا کر دے گا۔ یہ معنی پہلے معنی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے (جس میں فرقان سے مراد بصیرت قلبی مراد لی گئی ہے)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرقان کا معنی نجات کیا ہے جس کے سبب تمہارے اور اس شئی کے درمیان فرق کیا جائے گا جس سے تم ڈرتے ہو۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی ثبات کیا ہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کر دے گا جس کے سبب تمہارے لئے حق کو ظاہر کر دے گا اور تمہارے مخالفین کے بطلان کو بجھا دے گا (2)۔ فرقان اصلاً مصدر ہے جیسے رجحان اور نقصان وغیرہ۔

؎ یعنی اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے گناہ مٹا ڈالے گا اور تمہارے گزشتہ گناہوں پر پردہ ڈال دے گا اور تمہیں اپنی نعمتیں بخش دے گا۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ابن آدم کے لئے تین رجسٹر ظاہر کئے جائیں گے ایک رجسٹر میں نیک اعمال درج ہوں گے۔ ایک رجسٹر میں اس کے گناہ درج ہوں گے اور ایک رجسٹر میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونے والی نعمتوں کا اندراج ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ نعمتوں کے دیوان میں سے سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا تو اس کے اعمال صالحہ میں سے اپنے مقابلے کا کوئی عمل لے لے۔ تو وہ نعمت تمام اعمال صالحہ کو گھیر لے گی اور وہ نعمت عرض کرے گی تیری عزت کی قسم! میں نے تو ان تمام کو اپنے مقابل پورا نہیں پایا۔ اب صرف گناہ اور دوسری نعمتیں باقی ہیں اور اعمال صالحہ تمام کے تمام ختم ہو گئے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر رحم کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو فرمائے گا اے میرے بندے! میں نے تیری نیکیوں کو تیرے لئے کئی گنا کر دیا، تیرے گناہوں کو معاف کر دیا اور اپنی نعمتیں تجھے عطا فرما دیں۔ (اس سے معلوم ہوا کہ بخشش کا انحصار اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی پر ہے نہ کہ اپنے اعمال پر)۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے واصلہ بن اسقع سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک ایسے آدمی کو قبر سے اٹھائے گا جس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے ارشاد فرمائے گا تیرے لئے دو امر ہیں جو تجھے زیادہ پسندیدہ ہو میں وہ کئے دیتا ہوں ایک یہ کہ میں تجھے تیرے اعمال کے مطابق جزا دوں یا پھر دوسرا یہ کہ میں تجھے اپنے انعام سے سرفراز فرماؤں۔ وہ عرض کرے گا اے میرے رب! تو تو جانتا ہے کہ میں نے تیری کوئی نافرمانی نہیں کی (اس لئے تو میرے اعمال کے مطابق مجھے جزاء عطا

1۔ تفسیر خازن، جلد 3 صفحہ 21 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 21 (التجاریہ)

فرما) رب کریم فرمائے گا میرے بندے کو پکڑ لو اور اس کے اعمال کو میری نعمتوں میں سے ہر نعمت کے مقابل رکھو۔ نتیجۃً کوئی نیکی باقی نہیں رہے گی مگر اس کے مقابل اسے دنیا میں نعمت عطا ہو چکی ہو گی۔ پھر وہ بندہ عرض کرے گا اپنے احسان اور رحمت کے ساتھ ہی مجھے سرفراز فرما (1)۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کو اس کا نیک عمل نجات نہیں دلا سکے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کی آپ کو بھی نہیں یارسول اللہ ﷺ! تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و فضل سے مجھے ڈھانپ لے (2)۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ صحیحین میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سیدھی راہ اختیار کرو اور اس کے قریب ہو جاؤ اور خوش ہو جاؤ کیونکہ کسی کا عمل اسے جنت میں نہیں لے جائے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کی آپ کو بھی نہیں یارسول اللہ ﷺ! تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لے (3) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ کیا ہے: وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

ے یعنی میں نے تمہارے تقویٰ اختیار کرنے کی بناء پر تمہیں جو اجر دینے کا وعدہ کیا ہے وہ اس بناء پر نہیں کہ تمہارا تقویٰ نے وہ اجر ہم پر لازم کر رکھا ہے بلکہ وہ تو ہماری طرف سے محض فضل اور احسان ہے۔ (کہ ہم نے نیک اعمال کو نجات کا ذریعہ بنا دیا ہے ورنہ نیک اعمال تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے دنیوی احسانات کا بدل بننے کے قابل بھی نہیں)۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی آقا اپنے غلام کے لئے ایسے عمل پر انعام مقرر کر دے جو اس پر کرنا واجب ہو، اگرچہ آقا اس کے لئے انعام مقرر نہ بھی کرے۔ (تو یہ محض آقا کا اس غلام پر احسان ہو گا ورنہ کام تو اس کے ذمہ ویسے بھی لازم ہے)۔ بعض نے کہا ہے کہ یُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ کا معنی ہے کہ وہ تمہارے صغیرہ گناہوں کو مٹا دے گا اور یَغْفِرْ لَکُمْ کا معنی ہے کہ وہ تمہارے کبیرہ گناہوں پر پردہ ڈال دے گا۔

وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَؕ وَ یَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُؕ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ۝۳۰

"اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا لے تاکہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں ۲ے وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا ۳ے اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے ۴ے"

لے اس ارشاد کا عطف قول باری تعالیٰ اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ پر ہے۔ یعنی یاد کرو جب تم تعداد میں قلیل تھے اور یاد کرو جبکہ کفار تمہارے خلاف خفیہ تدبیریں کر رہے تھے۔ ان کی یہ تدبیریں اور قول مکہ مکرمہ میں ہوئے جبکہ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ ابن اسحاق، عبدالرزاق، احمد، ابن جریر، ابونعیم، ابن منذر اور طبرانی رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، عبدالرزاق اور عبد بن حمید رحمہم اللہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ جب انصار نے اسلام قبول کیا تو قریش کو یہ گمان ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ دوسرے شہروں میں ہو گئے اور وہاں ان کی ایک جماعت بن چکی ہے اور پھر انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ آپ ﷺ کے اصحاب ہجرت کر کے ان کی طرف جا رہے ہیں، وہ ان کے گھروں میں جا کر اترتے ہیں اور وہاں انہیں اچھے پڑوسی اور حمایت کرنے والے لوگ ملے

1۔ معجم کبیر طبرانی، جلد 22 صفحہ 59 (العلوم والحکم) 2۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 957 (وزارت تعلیم) 3۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 957 (ر۔ت)

ہیں۔ چنانچہ انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کی طرف نکل جائیں گے اور ساتھ ہی یہ بھی یقین ہو گیا کہ آپ انہیں ہمارے خلاف جنگ کرنے کے لئے جمع کریں گے۔ چنانچہ وہ تمام اس بارے مشاورت کے لئے دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ دارالندوہ قصی بن کلاب کا گھر تھا جو کہ قریش کا جد اعلیٰ تھا۔ قریش اپنے کسی بھی معاملے کے فیصلے کے لئے اسی دارالندوہ میں مشاورت کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اس بار بھی سب دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ ان کے اسی اجتماع کے دن کو یوم الزحمۃ بھی کہا جاتا ہے۔ انتہائی بوڑھے شخص کی صورت میں چادر اوڑھے ابلیس ان کے سامنے آیا اور گھر کے دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ جب انہوں نے اسے دروازے پر کھڑے ہوئے دیکھا تو کہا یہ بوڑھا کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا یہ بوڑھا نجد کا رہنے والا ہے، اس نے سنا ہے کہ تم ایک اہم مشاورت کے لئے یہاں جمع ہوئے ہو وہ بھی تمہارے پاس حاضر ہوا ہے تاکہ وہ بھی تمہاری باتیں سنے۔ امید ہے تم اس سے اچھی رائے اور خیر خواہی ہی پاؤ گے۔ تو قریش نے یہ سن کر کہا بہت اچھا اندر آ جاؤ۔ پس وہ بھی ان کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ وہاں قریش کے بڑے بڑے سردار جمع تھے جن میں ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ، طعمہ بن عدی، نضر بن حارث بن کلدہ، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، ابوجہل بن ہشام، حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ، امیہ بن خلف، ابوسفیان بن حرب، جبیر بن مطعم اور حکیم بن حزام شامل تھے۔ آخری تینوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے علاوہ بھی قریش میں سے اور بعض دیگر قبائل سے بھی لوگ شامل تھے۔ وہاں موجود لوگوں میں سے ایک نے کہا اس آدمی کے معاملات تمہارے سامنے ہیں قسم بخدا! میں تو یہ خیال کر رہا ہوں کہ اس کے وہ متبعین جو ہم میں سے نہیں ہیں یہ انہیں ساتھ لیکر ہم پر حملہ آور ہو جائے۔ اس سے یہ قطعاً بعید نہیں اس لئے تم اس کے بارے ایک رائے پر اتفاق کر لو اور باہم مشاورت کر لو۔ ان میں سے ایک اور بولا۔ سہیلی نے عبدالسلام سے نقل کیا ہے کہ وہ ابوالبختری بن ہشام تھا کہ تم اسے زنجیروں میں جکڑ کر ایک گھر میں بند کر دو اور اس پر دروازہ مقفل کر دو پھر تم انتظار کرو کہ اسے بھی ان شعراء کی مثل موت آئے جو اس سے پہلے تھے مثلاً زہیر اور نابغہ وغیرہ کہ اسے بھی ان کی طرح قید خانہ میں ہی موت آ جائے۔ یہ سن کر شیخ نجدی لعنۃ اللہ علیہ نے کہا قسم بخدا! تمہاری یہ رائے مضبوط رائے نہیں ہے کیونکہ اگر تم اسے ایک گھر میں قید کر دو تو اس کا حکم اس کے اصحاب تک اس دروازے کے پیچھے سے بھی پہنچ سکتا ہے جو تم نے بند کر رکھا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے ساتھی تم پر حملہ کر دیں اور تمہارے ساتھ جنگ کر کے اسے تمہارے قبضے سے چھین لے جائیں۔ تمام نے کہا شیخ نے درست کہا ہے۔ ان میں سے ایک اور بولا۔ سہیلی نے اس کے بارے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ابوالاسود ربیعہ بن عمر بنی عامر بن لوی کا بھائی تھا۔ اس نے کہا کہ ہم اسے اپنے درمیان سے باہر نکال دیں پس وہ ہمیں ضرر نہیں دے گا باہر وہ جو چاہے کرے اور جہاں چاہے رہے جب وہ ہم سے دور ہو گا تو ہم اس سے فارغ ہوں گے، اپنے معاملات کی اصلاح کریں گے اور اپنے افتراق کو اتحاد میں بدلنے کی کوشش کریں گے۔ شیخ نجدی لعنۃ اللہ علیہ نے یہ تجویز سن کر بھی کہا کہ یہ رائے درست رائے نہیں ہے۔ کیا تم جانتے نہیں کہ اس کی گفتگو کتنی اچھی ہوتی ہے، اس کے کلام میں کتنی حلاوت ہے اور جو چیز وہ پیش کرتا ہے لوگوں کے دلوں میں وہ کیسے راسخ ہو جاتی ہے۔ قسم بخدا! اگر تم نے ایسا کیا تو وہ چلا جائے گا لیکن لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لے گا پھر وہ انہیں ہی ساتھ ملا کر تمہیں روند ڈالے گا۔ تمہارے قبضے سے معاملات لے لے گا (یعنی تمہارے ہاتھوں سے اقتدار چھین لے گا) پھر وہ جو چاہے گا تمہارے ساتھ سلوک کرے گا۔ لہٰذا تم اس کے علاوہ کوئی دوسری رائے قائم کرو۔ اس کے بعد ابوجہل نے کہا قسم بخدا! اس کے بارے میں بھی ایک رائے رکھتا ہو جس سے تم ابھی تک واقف نہیں۔ لوگوں نے پوچھا اے ابوالحکم! وہ کونسی رائے

ہے؟ تو اس نے جواب دیا میری رائے یہ ہے کہ ہم ہر قبیلہ سے ایک شریف النفس بہادر نوجوان لے لیں۔ پھر ہر نوجوان کے ہاتھ میں ایک تیز دھار تلوار دے دیں پھر وہ سب مل کر یکبارگی اس پر ٹوٹ پڑیں اور ایک آدمی کے حملے کی طرح تمام ضربیں اس پر بیک وقت لگیں۔ اس طرح اسے قتل کر کے ہم اس سے راحت اور سکون حاصل کر لیں گے۔ جب انہوں نے ایسا کر لیا تو اس کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہو جائے گا اور بنی عبد مناف اپنی تمام قوم سے تو جنگ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے، لامحالہ وہ دیت لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم وہ دیت انہیں ادا کر دیں گے۔ یہ رائے سن کر شیخ نجدی لعنۃ اللہ علیہ بھی بولا بات یہ ہے جو اس آدمی نے کہی ہے، اس کے علاوہ کوئی اور رائے نہیں ہونی چاہئے۔ پھر اس نے یہ دو شعر بھی پڑھے:

اَلرَّأْیُ رَأْیَانِ رَأْیٌ لَیْسَ یَعْرِفُهٗ ... هَادٍ وَرَأْیٌ کَنَصْلِ السَّیْفِ مَعْرُوْفٌ

یَکُوْنُ اَوَّلُهٗ عِزٌّ وَّ مَکْرُمَةٌ ... یَوْمًا وَّ آخِرُهٗ حَمْدٌ وَّ تَشْرِیْفٌ

(رائے دو طرح کی ہوتی ہے ایک وہ رائے جسے کوئی راہنما بھی نہیں جانتا (یعنی وہ اسے غیر معروف اور ناپسندیدہ ہوتی ہے) اور ایک وہ رائے جو ایسے معروف ہوتی ہے جیسے تلوار کا پھل چمکدار اور روشن ہوتا ہے۔ اس کی ابتداء میں عزت و تکریم ہوتی ہے اور آخر میں تعریف و تعظیم ہوتی ہے)۔

پس وہ تمام اسی رائے پر اتفاق کر کے مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر حضرت جبرئیل امین علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور کہا آج رات آپ ﷺ اپنے پہلے بستر پر آرام فرما نہیں ہوں گے، قوم کی خفیہ تدبیر سے بھی آپ ﷺ کو آگاہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ چھوڑ دینے کی اجازت عطا فرما دی ہے۔ پس جب رات کی تاریکی چھا گئی تو قریش آپ ﷺ کے دروازے پر جمع ہو کر آپ ﷺ کے سونے کا انتظار کرنے لگے کہ پھر وہ آپ پر حملہ آور ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کی موجودگی کو دیکھ لیا۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا آج تم میرے بستر پر سو رہو اور میری سبز حضرمی چادر اپنے اوپر لے کر سو جاؤ، ان کی جانب سے ہرگز تمہیں کوئی تکلیف وہ امر نہیں پہنچے گا۔ رسول اللہ ﷺ جب آرام فرما ہوتے تو آپ اسی چادر میں سویا کرتے تھے۔ پس جب باہر تمام جمع ہو چکے تو ابوجہل نے کہا بیشک محمد (ﷺ) یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر تم ان کے معاملہ میں ان کی اتباع کر لو تو تم عرب و عجم کے بادشاہ ہو گے پھر جب مرنے کے بعد تمہیں اٹھایا جائے گا تو تمہارے لئے اردن (سرزمین شام میں بیت المقدس کے قریب ایک معروف مقام ہے) کے باغوں کی مثل باغات ہوں گے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہیں ان کی جانب سے قتل کر دیا جائے گا پھر جب مرنے کے بعد تمہیں اٹھایا جائے گا تو تمہارے لئے جہنم کی آگ ہو گی جس میں تمہیں جلا دیا جائے گا۔ ادھر حضور نبی کریم ﷺ ایک مٹھی مٹی لیکر باہر تشریف لائے اور فرمایا ہاں! میں ایسے ہی کہتا ہوں اور تو ان قتل ہونے والوں میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کی قوتِ بصارت کو سلب کر لیا۔ پس وہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ ہی نہ سکے۔ چنانچہ آپ ﷺ ان کے سروں پر مٹی ڈالتے گئے اور ساتھ ہی یہ آیات تلاوت کرتے گئے یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ سے لیکر فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ تک۔ ان میں سے کوئی آدمی بھی ایسا باقی نہ رہا جس کے سر پر رسول اللہ ﷺ نے خاک نہ ڈالی ہو اور جدھر جانے کا آپ ﷺ ارادہ رکھتے تھے آپ ادھر تشریف لے گئے۔ پھر قریش کے پاس ایک آدمی آیا جو ان کے پاس پہلے موجود نہیں تھا۔ اس نے آ کر پوچھا تو یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا محمد (ﷺ) کا۔ تو اس نے انہیں بتایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ناکام کر دیا ہے قسم بخدا! محمد ﷺ تو تمہارے پاس سے نکل گئے ہیں اور

پھرانہوں نے تم میں سے کوئی آدمی بھی نہیں چھوڑا مگراس کے سر پر خاک ڈالی ہے وہ اپنی حاجت اور کام کو جا چکے ہیں۔ اب تم نے سوچنا ہے کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے۔ ان میں سے ہرآدمی نے اپنا ہاتھ سر پر رکھا تو اس پر مٹی کو پایا۔ پھر وہ اندر جھانکنے لگے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے بستر پر آپ ﷺ کی چادر اوڑھے آرام فرما ہیں۔ تو وہ دیکھ کر کہنے لگے قسم بخدا! یہ محمد (ﷺ) ہی ہیں اپنی چادر لئے سو رہے ہیں۔ پس وہ انتظار ہی کرتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بستر مبارک سے اٹھے۔ پھر انہوں نے کہا اس آدمی نے جو بات ہمیں بتائی تھی وہ سچ کہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ وہاں سے غار ثور کی طرف تشریف لے گئے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ہجرت کا بقیہ واقعہ سورۃ توبہ میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اور حضور نبی کریم ﷺ کی چادر مبارک اوڑھ کر آپ ﷺ کی جگہ آرام فرما ہوئے۔ مشرکین حضور نبی کریم ﷺ کو تاک رہے تھے حالانکہ آپ ﷺ کی جگہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے اور وہ آپ کو ہی نبی مکرم ﷺ تصور کر رہے تھے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کروٹ بدلی تو انہوں نے دیکھ لیا کہ یہ تو علی ہیں۔ کہنے لگے تو تو بڑا کمینہ ہے تو کروٹ بدلتا ہے حالانکہ تیرا ساتھی تو کروٹ نہیں بدلتا تھا۔ ہم تو تیرے ہوتے ہوئے اسے پہچان ہی نہیں سکے۔

حاکم نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے قول نقل کیا ہے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی چاہنے کے لئے سب سے پہلے اپنی جان فروخت کی وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور اسی بارے میں یہ اشعار بھی فرمائے:

وَقَيْتُ بِنَفْسِيْ خَيْرَ مَنْ وَطِئَ الْحَصٰى   وَمَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ وَبِالْحَجَرِ

میں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے ان سب سے اعلیٰ اور برتر ذات کو بچایا جنہوں نے (بطحاء کے) سنگریزوں کو روندا اور حجر اسود اور کعبۃ اللہ کا طواف کیا۔

رَسُوْلُ اِلٰهٍ اَخَافُ اَنْ يَّمْكُرُوْا بِهٖ   فَنَجَّاهُ ذُوالطَّوْلِ الْاِلٰهُ مِنَ الْمَكْرِ

وہ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے، مجھے یہ اندیشہ تھا کہ مشرکین ان کے بارے کوئی خفیہ تدبیر اپنائیں۔ پس صاحب قدرت اللہ نے انہیں ان کی تدبیر سے محفوظ رکھ لیا۔

وَبَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِي الْغَارِ اٰمِنًا   مُوَقًّى وَّفِيْ حِفْظِ الْاِلٰهِ وَفِيْ سِتْرٍ

رسول اللہ ﷺ نے غار میں پر امن رات بسر کی اس حال میں کہ وہ محفوظ تھے، اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان میں تھے اور مشرکین کی نظروں سے چھپے ہوئے تھے۔

وَبِتُّ اُرَاعِيْهِمْ وَمَا يَتَّهِمُوْنَهٗ   وَقَدْ وَطَّنْتُ نَفْسِيْ عَلَى الْقَتْلِ وَالْاَسْرِ

اور میں نے رات بسر کی کہ میں مشرکین کو تاکتا رہا اور ان کی اس سازش کو دیکھتا رہا جو وہ آپ ﷺ کے بارے کر رہے تھے اور اپنے آپ کو قتل یا قید ہونے کے لئے برقرار رکھا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مشرکین کے اسی دن کے اجتماع کے بارے یہ ارشاد باری نازل ہوا وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ تا کہ وہ آپ کو قید کر لیں اور باندھ دیں جیسا کہ ابوالبختری نے کہا تھا یا آپ کو قتل کر دیں جیسا کہ ابوجہل کی تجویز تھی اور ابلیس لعین بھی

اس پر راضی تھا۔یا وہ آپ کو جلاوطن کردیں جیسا کہ بنی عامر کے بھائی کی رائے تھی۔

ے مکر کا معنی ہے صَرْفُ الْغَیْرِ عَمَّا یَقْصُدُہٗ بِحِیْلَۃٍ مکر سے مراد اپنی خاص تدبیر سے کسی غیر کو مقصد اصلی سے پھیر دینا ہے پھر اس کی دو قسمیں ہیں:۔

1۔مکر محمود: اس سے مراد ایسی تدبیر ہے جس سے حسین وجمیل فعل مقصود و مطلوب ہو۔

2۔مکر مذموم: اس سے مراد ایسی تدبیر ہے جس سے برا فعل مقصود و مطلوب ہو۔(گویا مکر کی اچھائی یا برائی کا انحصار مقصد کی اچھائی برائی پر ہے) لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نسبت بالیقین اچھے مقصد کے لئے ہی ہوسکتی ہے۔ابتداءً مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں ذم اور قبح کا وہم وگمان ہوسکتا ہے۔البتہ دوسروں کے مکر کے مقابلے میں اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا درست اور صحیح ہے(کیونکہ اس صورت میں برائی کا وہم وگمان نہیں ہوسکتا)۔آیت طیبہ کا مفہوم یہی ہے کہ قریش نے حضور نبی کریم ﷺ کے امر کو باطل کرنے کے لئے حیلے اور تدبیریں کی اور اللہ تعالیٰ کے اس نور کو بجھانے کی کوشش کی۔لیکن ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ تدبیر فرمائی کہ اس کا کام پایہ تکمیل تک پہنچے۔اس کا نور ہر سو پھیلے اور اس کے دشمن تباہ و برباد ہوں۔

ے اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر عمل سراپا خیر اور پیکر حسن وجمال ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ مکر اللہ سے مراد مشرکین کی تدبیروں کو ناکام بنا دینا ہے۔بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد مشرکین کو ان کے مکر کی جزاء دینا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ مکر اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو مہلت دینا اور دنیوی ساز و سامان پر اسے قدرت دینا ہے۔اسی لئے امیر المومنین (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے فرمایا وہ آدمی جسے دنیوی خوشحالی اور وسعت عطا کی گئی اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک تدبیر نہ سمجھے تو وہ اپنی عقل سے فریب کھا رہا ہے۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عبید بن عمیر کی سند سے مطلب بن وداعہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوطالب نے حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ تمہاری قوم تمہارے بارے کیا مشورہ کررہی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ مجھے قید کرنے یا شہید کرنے یا جلاوطن کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔انہوں نے پوچھا تمہیں یہ کس نے بتایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میرے رب نے۔تو انہوں نے کہا تمہارا رب بہت اچھا ہے تم اس کے خیر خواہ رہو تو آپ ﷺ نے فرمایا میں اس کے لئے خیر خواہ رہوں گا وہ تو میرے لئے خیر خواہی کرتا ہے۔تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا الایۃ(1)۔علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس روایت میں ابوطالب کا ذکر غریب ہے بلکہ منکر ہے کیونکہ یہ واقعہ ہجرت کی رات کا ہے جو کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے وصال کے تین سال بعد پیش آیا(2)۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر میں عقبہ بن ابی معیط، طعمہ بن عدی اور نضر بن حارث کو گرفتار کرنے کے بعد قتل کردینے کا حکم ارشاد فرمایا نضر بن حارث کو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے اسے قتل کردینے کا حکم فرمایا تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو میرا قیدی تھا۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کتاب اللہ کے بارے میں ایسا ایسے کہا کرتا تھا (اس لئے اس کا قتل ضروری ہے) چنانچہ اس کے متعلق آیت ذیل نازل ہوئی۔(3)

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤۙ اِنْ هٰذَاۤ

1۔الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 326 (العلمیہ) 2۔تفسیر ابن کثیر، جلد 2 صفحہ 341 (دار الفکر) 3۔الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 327 (العلمیہ)

اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۱﴾

"اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتے ہیں لے (ابی رہنے دو) سن لیا ہم نے، اگر ہم چاہیں تو کہہ لیں ایسی آیتیں ۲۔ نہیں ہیں یہ مگر کہانیاں اگلے لوگوں کی ۳۔"

لے اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں یعنی نضر بن حارث کہتا ہے۔ اس کے قول کی نسبت ان تمام کی طرف اس لئے کر دی گئی ہے کیونکہ وہ تمام اس کے قول پر راضی اور خوش تھے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو کونچیں کاٹنے کی نسبت تمام قوم ثمود کی طرف کی گئی ہے حالانکہ کاٹنے والا بد بخت اور شقی انسان تو صرف قدار بن سالف تھا۔ (مگر چونکہ وہ تمام اس کے فعل پر راضی تھے اس لئے اس کی نسبت تمام قوم کی طرف کر دی گئی)۔

۲ ابھی رہنے دو ہم نے قرآن سن لیا ہے اگر ہم چاہیں تو ایسی آیتیں کہہ لیں۔ ان کا یہ قول حد درجہ غرور و نخوت اور انتہائی زیادہ عناد پر مبنی تھا کیونکہ اگر وہ ایسا کرنے کی طاقت رکھتے تھے تو پھر ایسے کرنے سے انہیں کس نے روکا۔ جبکہ دس سال تک قرآن کریم انہیں مقابلے کی دعوت دیتا رہا اور چیلنج کرتا رہا۔ وہ بالیقین یہ ناپسند کرتے تھے اور اس سے نفرت کرتے تھے کہ وہ مغلوب ہو جائیں بالخصوص (فصاحت و بلاغت) کے بیان میں تو پھر ان کے لئے کوئی بھی مانع نہ تھی کہ وہ ایک چھوٹی سی سورت بھی پیش کرنے سے عاجز رہے۔

۳ یہ قرآن نہیں ہے مگر پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیاں اور قصے ہے۔ یعنی یہ قرآن تو امم ماضیہ کی خبریں ہیں جنہیں پہلے لوگوں نے لکھا ہے۔ اساطیر اسطورۃ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے لکھی ہوئی شئی۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ نضر بن حارث ملک فارس اور حیرہ میں تجارت کی غرض سے جایا کرتا تھا اور وہاں سے رستم و اسفندیار کے قصے اور دیگر عجمیوں کی کہانیاں سنا کرتا تھا اور جب اس کا گزر یہود و نصاریٰ کے پاس سے ہوتا تو وہ انہیں بھی تورات و انجیل پڑھتے دیکھتا اور کبھی رکوع و سجود کرتے دیکھتا۔ پھر جب وہ مکہ مکرمہ میں آیا تو اس نے حضور نبی کریم ﷺ کو بھی نماز ادا کرتے اور قرآن کریم پڑھتے ہوئے پایا تو نضر نے یہ سب دیکھ کر کہہ دیا ہم نے ایسی بہت سی باتیں سنی ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کی مثل آیتیں کہہ سکتے ہیں۔(1)

وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۲﴾

"اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر ہو یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لے آ ہم پر دردناک عذاب لے۔"

لے اے اللہ! اگر یہی قرآن تیری طرف سے سچ ہو تو ہم پر آسمان سے ایسے ہی پتھر برسا جیسے تو نے اصحاب فیل (ہاتھی والوں یعنی لشکر ابرہہ) اور قوم لوط پر برسائے تھے یا پھر ہماری جانب سے قرآن کا انکار کرنے کی پاداش میں ہم پر کوئی اور دردناک اور اذیت رساں عذاب بھیج دے۔ انہوں نے تو محض استہزاء ایسا کہا تھا اور یہ وہم دلانے کے لئے ایسا کہا تھا کہ وہ علی وجہ البصیرۃ پورے وثوق اور یقین کے ساتھ قرآن کا انکار کر رہے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ آیت نضر بن حارث کے بارے نازل ہوئی ہے(2) کیونکہ وہی یہ بات کہا کرتا تھا۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 23 (التجاریہ)　　2۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 238 (العلمیہ)

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے امم ماضیہ کے حالات بیان فرمائے تو نضر نے سن کر کہا اگر میں چاہوں تو ایسی باتیں بیان کر سکتا ہوں یہ قرآن نہیں ہے مگر وہ کہانیاں ہیں جو پہلے لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اسے کہا اللہ تعالیٰ سے ڈر کیونکہ محمد ﷺ تو حق بات کہہ رہے ہیں۔ اس نے جواب دیا میں بھی سچ کہہ رہا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ تو فرماتے ہیں لا الہ الا اللہ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں) اس نے کہا میں بھی کہتا ہوں لا الہ الا اللہ لیکن یہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ پھر اس نے یہ کہا اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ الخ۔ اسی نضر بن حارث کے بارے میں آیت سَأَلَ سَائِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ نازل ہوئی تھی(1)۔ معنی یہ ہے کہ اگر یہ قرآن حق ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تو اس کا انکار کرنے کی سزا کے طور پر ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب بھیج دے۔ اور اس سے اس کی مراد قرآن کریم کے ساتھ استہزاء اور اس کے باطل ہونے کے بارے اپنے یقین کا اظہار تھا۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ نضر کے بارے دس سے کچھ زائد آیات نازل ہوئیں اور بدر کے دن اسے اسی عذاب نے گھیر لیا تھا جس کا وہ مطالبہ کرتا رہتا تھا۔

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَ هُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَا كَانُوْۤا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

”اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں حالانکہ آپ تشریف فرما ہیں ان میں اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا انہیں حالانکہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں، (مکہ سے آپ کی ہجرت کے بعد) اب کیا وجہ ہے ان کے لئے کہ نہ عذاب دے انہیں اللہ حالانکہ وہ روکتے ہیں (مسلمانوں کو) مسجد حرام سے[1] اور نہیں ہیں وہ اس کے متولی۔ اس کے متولی تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں[2] لیکن ان کی اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتی ہے[3]“

[1] علماء کا اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے۔ محمد بن اسحاق نے کہا ہے یہ مشرکین کے اس قول کی حکایت ہے جو انہوں نے کہا اور یہ پہلی آیت کے ساتھ ہی متصل ہے۔ اس طرح کہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب نہیں دے گا حالانکہ ہم اس سے استغفار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی امت کو عذاب نہیں دیتا جبکہ اس کا نبی اس کے ساتھ ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت، دھوکہ کھانے اور اپنے نفسوں کے خلاف ہی بددعا کرنے کا ذکر اپنے نبی کے سامنے کیا(2) اور ان کے نظریہ کا رد کرتے ہوئے فرمایا اگرچہ آپ ان کے درمیان موجود ہیں اور یہ لوگ استغفار بھی کرتے ہیں۔ لیکن یہ چیزیں ان کے لئے عذاب سے مانع نہیں ہو سکتیں جب کہ یہ لوگ مسجد حرام سے مسلمانوں کو روکتے ہیں۔ بعض دوسروں کا خیال ہے کہ یہ نیا کلام ہے(3)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ابوجہل بن ہشام نے کہا اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيْهِمْ۔(4) اس کی تاویل میں علماء کا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 23 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 24-23 (التجاریہ)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 24 (التجاریہ)
4۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 669/670 (وزارت تعلیم)

اختلاف ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ، ایک جماعت اور اسی طرح ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابزیٰ سے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے۔ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ انہیں عذاب دے حالانکہ آپ ان میں تشریف فرما ہیں۔ گویا آپ ﷺ کا ان میں موجود ہونا ان سے عذاب کے مؤخر ہونے اور ان کے دعا کے موقوف ہونے کا سبب ہے۔ لِيُعَذِّبَهُمْ پر لام نفی کی تاکید کے لئے ہے اور اس پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عادت مبارکہ نہیں کہ نبی ان کے درمیان موجود ہو اور اللہ تعالیٰ انہیں ایسا عذاب دے جو انہیں بالکل تباہ و برباد کر کے رکھ دے، بالخصوص اس حال میں کہ آپ ﷺ ان میں موجود ہیں اور آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جب آپ ﷺ ان سے ہجرت فرما ہو جائیں گے تو پھر انہیں عذاب کا بھی انتظار کرنا چاہئے۔ علمائے مفسرین نے لکھا کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ ابھی حضور نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ پھر آپ وہاں سے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور کچھ مسلمان مکہ مکرمہ میں باقی رہ گئے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہتے تھے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔(1) یعنی جب ان میں وہ مسلمان موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کر رہے ہیں تو ان کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دینے والا نہیں۔ پھر جب وہ بھی وہاں سے ہجرت کر کے چلے گئے تو انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مکہ مکرمہ فتح کرنے کی اجازت عطا فرما دی۔ اور یہی وہ عذاب الیم ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ مؤمنین کا ان میں موجود ہونا اور ان کا استغفار کرنا ان پر عذاب نازل ہونے کے مانع ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے: وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ سے لیکر لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔ تک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بستی پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں کیا جب تک اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنے نبی علیہ السلام اور مسلمانوں کو نکال کر اپنی منشاء کے مطابق خاص مقام پر پہنچا نہیں دیا۔ پس ارشاد فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ جب وہ تمام ہجرت فرما ہو گئے وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ۔(2) یعنی اب کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے جبکہ عذاب سے مانع سبب ہی زائل ہو چکا ہے۔ اب انہیں کیسے عذاب نہیں دیا جائے گا حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور جنہیں یعنی رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو انہوں نے روکا انہیں ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا پس اللہ تعالیٰ نے انہیں بدر کے دن عذاب میں مبتلا کر دیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں عذاب سے بچنے کے لئے دو امانیں موجود ہیں ایک وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ اور دوسری وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ پس جب حضور نبی کریم ﷺ رحلت فرما ہو جائیں گے تو استغفار تم میں قیامت تک باقی رہے گا۔(3) ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ضعیف روایت حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کو عذاب سے محفوظ رکھنے کے لئے مجھ پر دو آیتیں نازل فرمائیں ہیں ایک وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ اور دوسری وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ پس جب میں دنیا سے رحلت کر جاؤں گا تو تم میں قیامت تک کے لئے استغفار چھوڑ جاؤں گا(4)۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ استغفار سے مراد مشرکین کا استغفار کرنا ہے(5)۔ (یعنی يَسْتَغْفِرُوْنَ کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے)۔ ابن ابی حاتم

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 24 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 24 (التجاریہ) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 24 (التجاریہ)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 134 (وزارت تعلیم) 5۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 24 (التجاریہ)

رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مشرکین کعبہ شریف کا طواف کرتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے: غُفْرَانَکَ غُفْرَانَکَ (ہم تجھ سے مغفرت طلب کرتے ہیں، ہم مغفرت طلب کرتے ہیں)۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ الایہ (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن رومان سے روایت نقل کی ہے کہ قریش نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ ہم میں سے محمد (ﷺ) نے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی ہے۔ اے اللہ! اگر تیری طرف سے یہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نازل فرما۔ پھر جب شام ہوئی تو وہ اپنے کہے پر نادم ہوئے تو کہنے لگے غُفْرَانَکَ اللّٰهُمَّ تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ سے لیکر لَا يَعْلَمُوْنَ تک۔(2) قتادہ اور سدی رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ معنی یہ ہے کہ اگر وہ استغفار کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دیتا لیکن انہوں نے استغفار نہیں کیا۔ اگر وہ گناہ کا اقرار کر لیتے اور وہ استغفار کر لیتے تو وہ مومن ہو جاتے(3) اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ (یعنی اس میں بھی نفی تقدیری ہے) مفہوم یہ ہے کہ اگر ظالم بستیوں والے مصلح ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک نہ کرتا (لیکن وہ اصلاح پسند نہ تھے اگر مصلح ہوتے تو ظلم نہ کرتے عادل ہو جاتے)۔ بعض نے کہا ہے آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کلام کے ذریعے اسلام، مصاحبت رسول اللہ ﷺ اور استغفار کی طرف دعوت دے رہا ہے جیسا کہ کوئی آدمی کسی دوسرے کو کہے کہ اگر تو میری اطاعت و فرمانبرداری کرے گا تو میں تجھے کوئی سزا نہیں دوں گا۔

مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ يَسْتَغْفِرُوْنَ کا معنی ہے يُسْلِمُوْنَ۔ اگر وہ اسلام لے آتے تو انہیں عذاب نہ دیا جاتا(4)۔ والبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی یہ امر طے کر دیا گیا تھا کہ ان میں سے بعض ایمان لے آئیں گے اور استغفار کریں گے مثلاً ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمر اور حکیم بن حزام وغیرہم(5)۔ عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ کا معنی یہ ہے کہ ان کی صلبوں سے وہ لوگ پیدا ہوں گے جو استغفار کریں گے(6)۔ بعض نے کہا ہے کہ قول باری تعالیٰ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ میں عذاب سے مراد بالکل تباہ و برباد اور جڑ کاٹ دینے والا عذاب ہے اور قول باری تعالیٰ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ میں عذاب سے مراد عذاب قتل ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عذاب کی نفی سے مراد دنیا میں عذاب استیصال (بالکل نیست و نابود کر دینے والا عذاب) ہے اور وقوع عذاب سے عذاب آخرت ہے۔

ج حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مشرکین یہ کہا کرتے تھے کہ ہم مسجد حرام (بیت المقدس شریف) کے متولی ہیں(7) لہٰذا ہم جسے چاہیں گے روک دیں گے اور جسے چاہیں گے اندر آنے کی اجازت دیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول کے ساتھ ان کے نظریہ کی تردید کی اور فرمایا وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ کا ضمیر مرجع بیت اللہ شریف ہے۔ یعنی وہ بیت اللہ شریف کے متولی نہیں بلکہ بیت اللہ شریف کے متولی وہ لوگ ہیں جو شرک سے بچتے ہیں اور اس میں غیر اللہ کی عبادت و پرستش نہیں کرتے اور بعض نے کہا ہے کہ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دوست صرف متقی لوگ ہیں۔

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 328 (العلمیۃ)
2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 328 (العلمیۃ)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 24 (التجاریۃ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 24 (التجاریۃ)
5۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 24 (التجاریۃ)
6۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 24 (التجاریۃ)
7۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 25 (التجاریۃ)

سے لیکن ان کی اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتی کہ انہیں بیت اللہ شریف پر کوئی ولایت حاصل نہیں یہاں اکثر کا لفظ ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس حقیقت کو جانتے ہیں محض سرکشی اختیار کرتے ہوئے ایسا کہتے ہیں یا پھر اکثر سے مراد کل ہے جیسا کہ کبھی قلت سے مراد عدم(1) محض لیا جاتا ہے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً ۚ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٥﴾

"اور نہیں تھی ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس بجز سیٹی اور تالی بجانے کے [1] سو چکھو اب عذاب بوجہ اس کے کہ تم کفر کیا کرتے تھے [2]۔"

[1] صلوٰۃ سے مراد یا تو ان کی دعا ہے۔ یا وہ عبادت مقصود ہے جسے وہ صلوٰۃ کہا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس اور حسن رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ مُكَاءً کا معنی سیٹی ہے۔ لغوی اعتبار سے یہ ایک سفید رنگ کے پرندے کا نام ہے جو حجاز میں پایا جاتا ہے اور وہ سیٹی کی شکل آواز نکالتا ہے۔ گویا آیت طیبہ میں مُكَاءً سے مراد مُكَاءً کی آواز ہوگی(1)۔ اور تَصْدِيَةً کا معنی تالی بجانا ہے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قریش ننگے بدن بیت اللہ شریف کا طواف کرتے تھے اور اس دوران وہ سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرتے تھے(2)۔ اسی طرح واحدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا ہے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ قبیلہ عبدالدار کے کچھ لوگ طواف کے دوران حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے آ جاتے، آپ ﷺ سے استہزاء کرتے اور اپنی انگلیاں مونہوں میں ڈال کر سیٹیاں بجایا کرتے تھے۔ اس قول کے مطابق مكاءً کا معنی انگلیوں کا باچھوں میں داخل کرنا اور تصدیہ کا معنی سیٹی بجانا ہے۔ اسی مادہ سے وہ صدائے بازگشت بھی ہے جو پہاڑ میں آواز لگانے والے کو سنائی دیتی ہے(3) اور لغت میں صداء سے مراد وہ آواز ہے جو کسی بھی مقام پر ہر جانب سے لوٹ کر آتی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے سعید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے طواف کے دوران قریش سامنے آ جاتے تھے۔ آپ ﷺ سے استہزاء کرتے، سیٹیاں مارتے اور تالیاں بجاتے تھے تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی(4)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ جعفر بن ربیعہ نے کہا کہ میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے ارشاد باری تعالیٰ مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً کے بارے پوچھا تو انہوں نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو جوڑا، پھر ان میں پھونک ماری تو اس سے سیٹی جیسی آواز پیدا ہوئی۔ اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضور نبی کریم

---

(1) حضرت رفاعہ بن رافع سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو فرمایا اپنی قوم کو جمع کرو۔ پس آپ نے ان تمام کو جمع کیا۔ جب تمام لوگ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی میری قوم حاضر خدمت ہو چکی ہے۔ جب یہ خبر انصار تک پہنچی تو انہوں نے کہا یالیقین قریش کے بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ سننے اور دیکھنے کے لئے وہ بھی آ گئے کہ انہیں کیا کہا جائے گا۔ حضور نبی کریم ﷺ تشریف لائے وہ ان کے سامنے قیام فرما ہوئے اور فرمایا کیا تم میں تمہارے علاوہ بھی کوئی ہے؟ تو انہوں (مہاجرین) نے عرض کی جی ہاں! ہمارے حلیف، ہمارے بھانجے اور ہمارے رشتے دار (یعنی انصار) ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہمارے حلیف ہم میں سے ہیں، ہمارے بھانجے ہم ہی میں سے ہیں اور ہمارے رشتے دار بھی ہم میں سے ہیں اور تم قرآن کریم میں سنتے ہو اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ پس اگر تم وہ متقی ہو تو فبہا۔ بصورت دیگر یہ جان لو کہ لوگ قیامت کے دن اچھے اعمال لیکر آئیں گے اور تم گناہوں کا بوجھ لیکر آؤ گے، لہٰذا تم سے اعراض کر لیا جائے گا۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 25 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 25 (التجاریہ)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 25 (التجاریہ)
4۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 332 (العلمیہ)

ﷺ جب مسجد میں نماز ادا فرماتے تو بنی عبدالدار کے دو آدمی آپ ﷺ کی دائیں جانب کھڑے ہو جاتے اور سیٹیاں بجانے لگتے اور دو آدمی بائیں جانب کھڑے ہو کر تالیاں بجانے لگتے تاکہ حضور نبی کریم ﷺ کی نماز میں خلل واقع ہو۔ اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ تصدیہ سے مراد ان کا مومنین کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے، دین سے اور نماز سے روکنا ہے(1)۔ اس صورت میں تصدیۃ الصدّ سے مشتق ہوگا پھر اس میں دوسرے دال کو یاء سے بدل دیا گیا ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر قول باری تعالیٰ ما کان صلوتھم سے مراد ان کی وہ حرکات ہیں جنہیں انہوں نے نماز کے قائم مقام بنا رکھا تھا کیونکہ انہیں مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن انہوں نے اس کی جگہ طرح طرح کی حرکات شروع کر دیں۔

ہے اپنے اعتقاداً اور عملاً کفر کرنے کے سبب سو اب عذاب چکھو۔ عذاب سے مراد غزوہ بدر میں ان کا قتل ہو جانا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ عذاب سے مراد آخرت کا عذاب ہے اور اس پر الف لام یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ عہدی ہو اور اس میں معہود وہ عذاب ہو جو ان کے قول ائتنا بعذاب الیم سے مطلوب ہے۔ یہ آیت ماقبل آیت سے متصل ہے اور اس امر کو پختہ کرنے کے لئے ہے کہ وہ بالیقین عذاب کے مستحق ہیں اور انہیں مسجد حرام (بیت اللہ شریف) پر کوئی ولایت حاصل نہیں کیونکہ جن کی صفات مذکورہ بالا ہوں وہ اس قابل نہیں ہو سکتے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾

"بیشک کافر خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے [1] اور یہ آئندہ بھی (اسی طرح) خرچ کریں گے پھر ہو جائے گا یہ خرچ کرنا ان کے لئے باعث حسرت و افسوس پھر وہ مغلوب کر دیئے جائیں گے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ دوزخ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے [2] تاکہ الگ کر دے اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے [3] اور رکھ دے سب ناپاکوں کو ایک دوسرے کے اوپر پھر اکٹھا کر دے ان سب کو پھر ڈال دے اس مجموعہ کو جہنم میں یہی لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں [4]"

[1] بیشک کافر اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے پھیر دیں۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے نازل ہوئی جو کہ جنگ بدر کے دنوں میں اپنے لشکر کو کھانا کھلاتے تھے اور وہ بارہ افراد تھے، یعنی ابوجہل بن ہشام، عتبہ، شیبہ، ربیعہ بن عبد شمس کے دونوں بیٹے، حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ، ابوالبختری بن ہشام، نضر بن حارث، حکیم بن حزام، ابی بن خلف، زمعہ بن اسود، حارث بن عامر بن نوفل اور عباس بن عبدالمطلب۔ یہ تمام کے تمام قریشی تھے۔ ان میں سے ہر شخص ہر روز دس اونٹ لوگوں کے لئے ذبح کیا کرتا تھا۔(2)

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ زہری، محمد بن یحییٰ بن حبان، عاصم بن عمر بن قتادہ اور حصین بن عبدالرحمٰن نے مجھ سے بیان

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 25 (التجاریہ)　2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 26 (التجاریہ)

کیا ہے کہ جب غزوہ بدر میں قریش شکست خوردہ ہو کر مکہ واپس لوٹے تو عبداللہ بن ابی، عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور قریش کے وہ افراد جن کے باپ یا بیٹے میدان بدر میں قتل ہو گئے تھے وہ سب مل کر ابوسفیان اور ان لوگوں کے پاس گئے جن کا قریش کے اس تجارتی قافلہ میں حصہ تھا اور انہیں جا کر کہا اے گروہ قریش! محمد (ﷺ) نے تمہاری قوت وطاقت کو کمزور کر دیا ہے تمہارے سرکردہ افراد کو قتل کر دیا ہے اب تم اپنے مال سے جنگ کے لئے ہماری مدد کرو، شاید ہم ان سے کچھ انتقام لے سکیں۔ پس انہوں نے ان کے اس مطالبے کو قبول کر لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ سے لیکر يُحْشَرُوْنَ تک آیت کریمہ انہی لوگوں کے بارے میں نازل فرمائی(1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حکم بن عتبہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوسفیان کے بارے نازل ہوئی کیونکہ اس نے مشرکین کے لئے چالیس اوقیہ سونا خرچ کیا تھا(2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابزی اور سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوسفیان کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ اس نے جنگ احد میں دو ہزار احابیش (۱) کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ لڑنے کے لئے اجرت پر لیا تھا(3)۔ میں کہتا ہوں کہ یہ الفاظ عام ہیں اور ان لوگوں کو اور ان جیسے دیگر افراد کو بھی ان کا حکم شامل ہے۔

۲۔ پھر اس مال کا خرچ کرنا ان کے لئے دنیا میں باعث ندامت وغم بن جائے گا کیونکہ مال خرچ ہو جائے گا لیکن اس سے مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ مال کا خرچ کرنا باعث حسرت ہے اور اس خرچ کرنے کا انجام اور نتیجہ حسرت ہے لیکن باعث حسرت کو بھی حسرت کہہ دیا گیا ہے تو یہ اظہار مبالغہ کے لئے کیا گیا ہے۔ پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے، اگرچہ اس سے قبل جنگ میں اتار چڑھاؤ رہے گا (لیکن انجام کار انہیں شکست کا سامنا ہوگا اور وہ مغلوب ہو جائیں گے) اور ان میں سے وہ لوگ جو کفر پر ڈٹے رہے، جبکہ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا تو انہیں جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا۔

۳۔ اس آیت طیبہ میں خبیث سے مراد کافر اور طیب سے مراد مومن ہے یا خبیث سے مراد فساد برپا کرنے والا اور طیب سے مراد اصلاح کرنے والا ہے (یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ کافر کو مومن سے یا فسادی کو مصلح سے الگ کر دے)۔ لِيَمِيْزَ میں لام یا تو يُحْشَرُوْنَ سے متعلق ہے یا اس کا تعلق يُغْلَبُوْنَ سے ہے۔ یا پھر خبیث سے مراد وہ مال ہے جو مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کی عداوت میں خرچ کیا اور طیب سے مراد وہ مال ہے جو مسلمانوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی مدد ونصرت میں خرچ کیا۔ اس صورت میں لام کا تعلق قول باری تعالیٰ ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً سے ہوگا۔ حمزہ، کسائی اور یعقوب رحمہم اللہ نے لیمیز کو باب تفعیل سے مشدد پڑھا ہے اور اس میں میز کی نسبت مبالغہ زیادہ ہے۔

۴۔ فَيَرْكُمَهٗ کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب ناپاکوں کو جمع کر دے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ ملا دے (رَكَمَ کا معنی جمع کرنا اور باہم ملانا ہے) وہ بادل جو تہہ در تہہ اوپر نیچے جمع ہوں۔ اسے سحاب مرکوم کہا جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان تمام کو جہنم میں ڈال دے۔ اس میں اُولٰٓئِكَ کا اشارہ خبیث کی طرف ہے کیونکہ یہاں مقدر وہی ناپاک گروہ ہے یا اس کا اشارہ منافقین کی طرف ہے۔ یہی لوگ مکمل طور پر خسارہ اٹھانے والے ہیں کیونکہ انہوں نے مال دے کر عذاب آخرت کو خریدا ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَ اِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ

(۱) احابیش قارہ کے کچھ قبائل تھے جو جنگ میں مدد کرنے کے لئے بنی لیث کے ساتھ مل گئے تھے۔ تحبش کا معنی ہوتا ہے جمع ہونا، مل جانا۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ مختلف قبائل کے کچھ افراد تھے جنہوں نے جبل حبش کے پاس قریش سے جنگ میں ساتھ دینے کا معاہدہ کیا تھا۔

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 333 (العلمیہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 334 (العلمیہ) 3۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 334 (العلمیہ)

مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

"فرما دیجئے کافروں کو کہ اگر وہ (اب بھی) باز آجائیں تو بخش دیا جائے گا انہیں جو ہو چکا[1] اور اگر وہ (پہلے کرتوت) دہرائیں تو گزر چکا ہے (ہمارا) طریقہ پہلے (نافرمانوں) کے ساتھ[2]"

[1] فرما دیجئے کافروں کو کہ اگر وہ اب بھی کفر، عداوتِ رسول اور آپ ﷺ سے جنگ کرنے سے باز آجائیں تو ان کے سابقہ کفر، فساد اور سرزد ہونے والے گناہوں کو بخش دیا جائے گا۔ بالآخر ان میں سے ایک کثیر جماعت نے اسلام قبول کر لیا۔ ان میں ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، عمرو بن عاص اور دیگر بہت سے افراد تھے۔ بدر کے قیدیوں میں سے عباس بن عبدالمطلب، عقیل بن ابی طالب، نوفل بن حارث، ابوالعاص بن ربیع، ابوعزیز بن عمیر عبدری، صائب بن ابی جیش، خالد بن ہشام مخزومی، عبداللہ بن ابی السائب، مطلب بن حنطب، ابووداعہ سہمی، عبداللہ بن ابی خلف، وہب بن عمیر جمحی، سہیل بن عمر عامری، ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ بن زمعہ، قیس بن سائب، امیہ بن خلف کے آزاد کردہ غلام نسطاس مشرف باسلام ہو گئے۔ سائب بن عبید غزوۂ بدر کے دن اپنا فدیہ ادا کرنے کے بعد اسلام لے آئے اور عدی بن خیار فتح مکہ کے دن دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ ولید بن ولید بن مغیرہ کو ہشام اور خالد نے گرفتار کر لیا۔ جب اپنا فدیہ ادا کر چکے تو بعد میں قبولیت اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ لوگوں نے آپ کے اس رویہ پر آپ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا (اور کہا کہ اگر یہی کچھ کرنا تھا تو پھر فدیہ ادا کرنے کی ضرورت کیا تھی حالت قید میں ہی اسلام قبول کر لیتے اور ساتھ ہی آزاد ہو جاتے) تو انہوں نے جواب دیا میں یہ بات ناپسند کرتا ہوں کہ میرے بارے یہ گمان کیا جائے کہ میں قید سے گھبرا گیا (بلکہ میں تو اپنی دلپسندی اور خوشی سے اسلام قبول کرنا چاہتا تھا)۔ جب آپ نے اسلام قبول کر لیا تو پھر ننھیال نے آپ کو قید کر لیا۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنی قنوت میں ان کے لئے خصوصی دعا فرمایا کرتے تھے پھر وہ قید سے رہا ہوئے تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے سالِ وصال میں آپ سے جا ملے۔ مسلم شریف میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ میں حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اپنا دست مبارک آگے کیجئے میں آپ ﷺ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ پس جب آپ ﷺ نے دست مبارک آگے بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا اے عمرو! تجھے کیا ہوا ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک شرط عائد کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا بتاؤ تمہاری شرط کیا ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! (میری شرط یہی ہے) کہ میری مغفرت کر دی جائے (مجھے سابقہ گناہوں سے پاک کر دیا جائے) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عمرو! کیا تو جانتا نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے گناہوں کو ساقط کر دیتا ہے، ہجرت سابقہ گناہوں کو مٹا ڈالتی ہے اور حج گزشتہ گناہوں کو گرا دیتا ہے۔(1)

[2] اور اگر وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ لڑنے کے لئے دوبارہ تیار ہو جائیں گے تو پہلے نافرمانوں کے ساتھ ہمارا یہ طریقہ قائم ہو چکا ہے کہ جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی عداوت و دشمنی مول لی انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ جیسا کہ میدان بدر میں کفار کے ساتھ کیا گیا پس انہیں چاہئے کہ یہ ان لوگوں کی روش اختیار نہ کریں اور اس قانون کی گرفت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

1۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 76 (قدیمی)

بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

"اور (اے مسلمانو!) لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ باقی نہ رہے کوئی فساد اور ہو جائے دین پورے کا پورا اللہ کے لئے[1] تو پھر اگر وہ باز آ جائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے خوب دیکھنے والا ہے[2] اور اگر وہ روگردانی کریں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے۔ وہ کیا ہی بہترین کارساز ہے اور کتنا بہترین مددگار ہے[3]"

[1] اے اہل ایمان! کفار سے لڑتے رہو یہاں تک کہ زمین میں فساد باقی نہ رہے، یعنی یا وہ اسلام قبول کر لیں یا پھر ذلیل و رسوا ہو کر جزیہ ادا کرنے لگیں اور دین پورے کا پورا اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے۔ یہاں دین سے مراد ملت اسلام اور اس کا نظام عبادات نہیں، ورنہ اس آیت میں اور دوسری آیت حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ میں تعارض لازم آئے گا۔ (کیونکہ اس آیت میں حکم ہے کہ اس وقت تک ان سے لڑتے رہو جب تک سب مسلمان نہ ہو جائیں جبکہ آیت جزیہ میں حکم یہ ہے کہ جب وہ مسلمانوں کے اقتدار کو تسلیم کر کے جزیہ ادا کرنے لگیں تو پھر ان سے نہ لڑو)۔ اس لئے یہاں دین سے مراد غلبہ، بالادستی، قوت، اقتدار، ملکیت اور حکومت ہے۔ دین کے یہ تمام معانی قاموس میں مذکور ہیں۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ سطح زمین پر کوئی مکان یا خیمہ باقی نہیں رہے گا مگر اللہ تعالیٰ اس میں کلمہ اسلام داخل فرمائے گا یا تو عزت والے کو عزت عطا فرما کر یا پھر ذلیل کو ذلت و رسوائی دے کر یا تو اللہ تعالیٰ وہاں کے باسیوں کو عزت عطا فرمائے گا اور وہ اسلام کو قبول کر کے اہل اسلام ہو جائیں گے یا انہیں ذلیل و رسوا کر دے گا (یعنی وہ اسلام قبول نہیں کریں گے) لیکن وہ کلمہ اسلام کے زیر نگیں ہو جائیں گے۔ پس اس طرح سارے کا سارا دین اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے گا(1)۔ اسے احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد گرامی فَیُدِیْنُوْنَ لَهَا کا معنی یہ ہے کہ وہ اسلامی احکام کے تابع فرمان ہو جائیں گے اور اہل ذمہ میں سے ہو جائیں گے۔

[2] تو پھر اگر وہ کفر سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کے مطابق جزا عطا فرمائے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں یہاں تک کہ وہ یہ شہادت دینے لگیں لا اله الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه (کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں)۔ وہ نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ پس جب وہ ایسا کر لیں گے تو ان کے خون اور مال حق اسلام کے سوا میری طرف سے محفوظ ہو جائیں گے۔ اور ان کا (باطنی) حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے(2)۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے مگر مسلم میں بحق الاسلام کے الفاظ مذکور نہیں اور صحاح ستہ میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ یا پھر آیت کا معنی یہ ہے اگر یہ جنگ سے باز آ جائیں چاہے اسلام قبول کر کے یا جزیہ دے کر تو یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ یعنی تم ان سے قتال نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اسلام اور کفر کے بدلے اور ان کے نیک و بد اعمال کے بدلے جزاء دے گا۔ یعقوب نے مومنین کو خطاب ہونے کی بناء پر یَعْمَلُوْنَ کی بجائے تَعْمَلُوْنَ پڑھا ہے، یعنی اے اہل ایمان! تم ان سے معاملات ایسے ہی کرو جیسے مومنین سے کرتے ہو اور تم ان

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 4 (صادر)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 37 (قدیمی)

کے ساتھ ظلم وزیادتی نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزاء عطا فرمائے گا۔ صفوان بن سلیم نے متعدد صحابہ کرام کے بیٹوں سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے اپنے آباء کے واسطہ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بیان فرمایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا خبردار! (خوب سن لو) جس کسی نے اپنے معاہد (ذمی) پر ظلم کیا، اس کی حق تلفی کی یا اس کی طاقت سے بڑھ کر اس پر بوجھ ڈالا یا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لی تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے جھگڑا کروں گا(1)۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت کا یہ مفہوم دونوں صورتوں میں صحیح ہے چاہے انتہاء سے مراد اسلام قبول کرنے کے سبب کفر سے باز رہنا ہو یا انتہاء سے مراد اسلام قبول کرنے یا جزیہ دینے کے سبب جنگ سے رکنا ہو۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یعقوب کی قرأت کے مطابق مفہوم یہ ہے۔ اے اہل ایمان! تم جو جہاد کرتے ہو، اسلام کی طرف دعوت دیتے ہو اور کفر کی ظلمتوں سے نکال کر نور ایمان کی طرف نکالنے کی کوشش کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے اس عمل کو دیکھ رہا ہے وہ تمہیں اس کی جزاء عطا فرمائے گا اور انتہاء کے ساتھ اس کا تعلق اس معنی پر دلالت ہو جائے گا کہ جس طرح یہ عمل بلا سبب انہیں ثواب دینے کا تقاضا کرتا ہے(2) اسی طرح ان کا جہاد اپنے سبب سے انہیں ثواب دیئے جانے کا تقاضا کرتا ہے۔ اور یہ مفہوم اس صورت کے ساتھ مختص ہے جبکہ انتہاء کا معنی کفر سے باز رہنا ہو اور یہ تخصیص بعید از حقیقت ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ بما تعملون تمام نیک و بد اعمال کے لئے عام ہے، واللہ اعلم۔

۳؎ اور اگر وہ اسلام سے روگردانی کرلیں اور کفر سے نہ رکیں یا وہ اطاعت وفرمانبرداری اختیار کرنے سے پھر جائیں اور جنگ وجدال سے باز نہ رہیں تو جان لو اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے تم اسی پر اعتماد رکھو اور کافروں سے جنگ لڑو اور قطعاً ان کی عداوت ودشمنی کی پرواہ نہ کرو، اگرچہ وہ تعداد میں کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کیا ہی بہترین کارساز ہے جو اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ضائع نہیں کرتا۔ جس کی وہ مدد فرماتا ہے وہ قطعاً مغلوب نہیں ہوتا۔

دسواں پارہ

وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾

”اور جان لو کہ جو کوئی چیز تم غنیمت میں حاصل کرو ۱؎ تو اللہ کے لئے ہے اس کا پانچواں حصہ اور رسول کے لئے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے ۲؎ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس پر جسے ہم نے اتارا اپنے (محبوب) بندہ پر فیصلہ کے دن جس روز آمنے سامنے ہوئے تھے دونوں لشکر اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۳؎“

۱؎ اَنَّمَا میں مَا بمعنی الَّذِی اسم موصول ہے اور غَنِمْتُمْ اس کا صلہ ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے اصل عبارت اس طرح ہے الذی غَنِمْتُمُوْهُ۔ (یعنی وہ چیز جو تم غنیمت میں حاصل کرو) اور مَا موصولہ کو اَنَّ کے ساتھ ملا کر لکھنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ مَا کافہ ہو جاتا ہے۔ غنیمت سے مراد کسی حربی کافر کا وہ سامان ہے جو اس سے بالجبر اور اس پر غلبہ پا کر حاصل کیا جائے (چونکہ یہ خطاب مسلمانوں کی جماعت کو ہے) اسی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ایک یا دو مسلمان امام وقت کی اجازت کے

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 433 (وزارت تعلیم)

2۔ تفسیر بیضاوی صفحہ 240 (فراس)

بغیر دارالحرب میں غارت گری کرنے کے لئے داخل ہوئے اور وہ اہل حرب سے کچھ مال چھین کر لے آئے تو اس میں خمس (پانچواں حصہ) واجب نہیں ہوگا اور اگر چار افراد وہاں گئے اور وہ کچھ مال لے آئے تو اس میں خمس واجب ہوگا۔ المحیط میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول منقول ہے کہ ایسی جماعت جس کے ساتھ حفاظتی قوت نہ ہو اس کی مقدار سات افراد ہیں اور جس کے ساتھ حفاظتی قوت موجود ہو اس کی مقدار دس افراد ہے۔ امام شافعی، امام مالک اور اہل علم کا موقف یہ ہے کہ وہ سامان جو ایک آدمی بھی چرا کر لے آئے گا اس سے بھی خمس نکالا جائے گا کیونکہ وہ حربی کا سامان ہے جو کہ اس سے جبراً حاصل کیا گیا ہے۔ لہٰذا وہ مال غنیمت ہے اور مال غنیمت سے خمس کا لیا جانا نص سے ثابت ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ نے ایک روایت میں یہ فرمایا ہے کہ ایسا مال مال غنیمت نہیں کیونکہ اسے غلبہ پا کر حاصل نہیں کیا گیا بلکہ وہ تو چھینا گیا ہے اور چوری کیا گیا ہے اور چوری کرنے والا حیلہ کے ساتھ مال حاصل کرتا ہے اور اس طرح اس کا مال حاصل کرنا دیگر مباحات کی طرح ہے جیسا کہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اکٹھی کرنا اور شکار کرنا وغیرہ۔ جبکہ خمس کا محل تو مال غنیمت ہے۔ ہاں اگر ایک یا دو آدمی امام وقت کی اجازت کے ساتھ دارالحرب میں داخل ہوئے تو وہ بالاتفاق مال غنیمت ہوگا کیونکہ اجازت کی صورت میں امام وقت پر ان کی امداد کرنا بھی لازم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اس جماعت کی امداد امام وقت کی ذمہ داری ہوتی ہے جس کے ساتھ حفاظتی قوت موجود ہو چاہے اس کی تعداد چار افراد ہوں یا دس۔ اگرچہ وہ بغیر اجازت کے دارالحرب میں داخل ہو جائے کیونکہ مسلمانوں اور دین کو توہین اور ذلت سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ لہٰذا وہ امام وقت کی امداد اور نصرت کے سبب چور متصور نہیں ہوں گے، واللہ اعلم۔

مِنْ شَيْءٍ ما کا بیان ہے اور اس سے مقصود عمومیت کا اظہار ہے، یعنی اتنا مال ہو جس پر شی کا اطلاق کیا جا سکتا ہو اگرچہ وہ صرف دھاگہ اور سوئی ہی ہو۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ (مال غنیمت کا) دھاگہ اور سوئی بھی ادا کر دو اور مال غنیمت میں خیانت کے ارتکاب سے بچو کیونکہ قیامت کے دن یہ مال خیانت کرنے والے کے لئے باعث عار ہوگا[1]۔ اسے دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن شعیب سے اور انہوں نے اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے نقل کیا ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن شعیب سے مذکورہ سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ ایک آدمی کھڑا ہوا جس کے ہاتھ میں بالوں کا گچھا تھا اور عرض کی میں نے یہ اپنے گھوڑے کی زین مرمت کرنے کے لئے لیا تھا تو حضور نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا وہ حصہ جو میرا اور بنی عبدالمطلب کا ہے وہ سب تیرے لئے ہے۔

فَاَنَّ پر فاء اس لئے لائی گئی ہے کیونکہ ما میں شرط کے معنی موجود ہیں اور اس کا مابعد کلام محل رفع میں ہے چاہے یہ مبتدا ہو اور اس کی خبر محذوف ہو، یعنی فحق ان للہ خمسہ یا یہ خبر ہو اور اس کا مبتدا محذوف ہو یعنی فَالْحُكْمُ اَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ۔ چونکہ ابتداء سے ہی مال غنیمت کا خمس اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت میں رکھا ہے اور اسے غانمین کی ملکیت میں دیا ہی نہیں۔ اسی لئے احناف نے کہا ہے کہ مال غنیمت کا خمس ایک ایسا حق ہے جو قائم بنفسہٖ ہے یہ غانمین کے ذمہ ادا کرنا واجب نہیں جبکہ اس کے برعکس زکوٰۃ صاحب نصاب لوگوں کے ذمہ واجب ہوتی ہے اور انہیں وہ ادا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اسی بناء پر زکوٰۃ کو لوگوں کے مال کی میل کچیل قرار دیا گیا اور وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل پاک کے لئے عظمت و شرف کے سبب حلال نہیں۔ جبکہ خمس ان کے لئے حلال ہے پھر اللہ تعالیٰ نے خالص

1۔ سنن دارمی، جلد 2 صفحہ 148 (المکاسن)

اپنے حق کے مصارف کا بیان فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے اور آپ ﷺ کے اقارب و رشتہ داروں کے لئے ہے۔ اب اقارب کی تفصیل میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ اقارب سے مراد تمام قریش ہیں(1)۔ مجاہد اور علی بن حسین رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ ان سے مراد بنو ہاشم ہیں(2)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اقارب سے مراد عبد مناف کے دونوں بیٹوں ہاشم اور مطلب کی اولاد ہے۔ عبد شمس اور نوفل کی اولاد ان میں شامل نہیں اگر چہ یہ دونوں بھی عبد مناف کے بیٹے تھے(3)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ رواۃ کے واسطہ سے ابن ابی شہاب سے انہوں نے ابن المسیب سے اور انہوں نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالقربیٰ کا حصہ ہاشم اور مطلب کی اولاد میں تقسیم کیا اور عبد شمس اور نوفل کی اولاد میں سے کسی کو کوئی شی نہیں دی(4)۔ اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے اپنی صحیح میں روایت نقل کی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی آپ ہی سے ایک روایت اس طرح ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ذوالقربیٰ میں سے بنی ہاشم اور بنی مطلب میں مال تقسیم کیا تو میں اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ ہمارے بھائی بنی ہاشم ہیں ہمیں ان کی فضیلت کا تو انکار نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان میں پیدا فرمایا ہے۔ لیکن بنی مطلب کی قرابت اور ہماری قرابت تو ایک اور یکساں ہے پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے انہیں عطا فرمایا ہے اور ہمیں نہیں دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل فرما کر جال بنتے ہوئے ارشاد فرمایا بنو ہاشم اور بنو مطلب تو اس طرح ایک شی ہیں(5)۔ ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ برقانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ روایت مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔ اس حدیث میں اس معاہدہ کی طرف اشارہ ہے جو قریش نے بنو ہاشم سے قطع تعلق کے لئے لکھا تھا کہ تم بنو ہاشم کی مجالست اختیار نہیں کرو گے، ان کے ساتھ خرید و فروخت نہیں کرو گے اور ان سے نکاح کے رشتے قائم نہیں کرو گے۔ وہ ایک سال تک اس معاہدے پر برقرار رہے اس دوران بنی مطلب بھی اپنے گھروں میں داخل نہیں ہوئے بلکہ بنی ہاشم کا ساتھ دیتے ہوئے شعب ابی طالب کی طرف نکل گئے (اگر چہ اس معاہدہ میں ان کا ذکر نہیں تھا) سنن اور مغازی میں اسی طرح مذکور ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن اور دلائل میں اسے نقل کیا ہے۔ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یحییٰ بن معین اس طرح روایت کرتے ہیں کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب دونوں ایک دوسرے کے مثل ہیں یعنی برابر ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بنی مطلب کو بنی ہاشم کے ساتھ ملا دیا ہے اور زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں دونوں خاندان کی ایک دوسرے کے ساتھ کامل موافقت اور معاونت کے سبب انہیں ایک ہی شمار کیا ہے ورنہ صرف رشتہ میں تو بنی عبد شمس اور بنی نوفل بھی انہی کی مثل تھی۔ (مگر یہاں محض نسبی قرابت کا اظہار مقصود نہیں تھا)۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں مراد قرب نصرت ہے قرب قرابت نہیں(6) (یعنی چونکہ بنی مطلب بنی ہاشم کے مددگار تھے اس لئے وہ ذوی القربیٰ میں شامل ہیں اور بنی عبد شمس اور بنی نوفل مددگار نہیں تھے اس لئے وہ ذوی القربیٰ میں شامل نہیں)۔ لیکن اس قول کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اگر قرب نصرت مراد ہوتا تو پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی نسبت زیادہ اولیٰ اور مستحق تھے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابتدائے اسلام میں مشرف با سلام ہوئے

1۔ تفسیر خازن، جلد 3 صفحہ 27 (التجاریہ)
2۔ تفسیر خازن، جلد 3 صفحہ 27 (التجاریہ)
3۔ تفسیر خازن، جلد 3 صفحہ 27 (التجاریہ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 28 (التجاریہ)
5۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 417 (وزارت تعلیم)
6۔ ہدایہ اخیرین، جلد 2 صفحہ 397 (نور محمد)

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے بعد مسلمان ہوئے بلکہ مہاجرین وانصار میں سے وہ افراد جو حضور نبی کریم ﷺ کے رشتہ دار نہیں تھے وہ بھی اس حصے کے مستحق ہوتے۔

یَتٰمٰی یتیم کی جمع ہے اور اس سے مراد ایسا چھوٹا بچہ ہے جس کا باپ نہ ہو (یعنی باپ فوت ہو جائے) اور قاموس میں ہے کہ یتیم کا معنی ہے باپ کا فوت ہو جانا۔ ہم نے یتیم کے معنی میں صغیر (چھوٹا ہونا) کی قید اس لئے ذکر کی ہے کہ کیونکہ ابو داؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں ذکر کیا ہے کہ بالغ ہونے کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی (1)۔ اس روایت کو عقیلی، عبدالحق، ابن قطان اور منذری رحمہم اللہ وغیرہ نے معلل قرار دیا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن کہا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند سے نقل کیا ہے۔ ابو داؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔ اسی موضوع کی ایک حدیث طلحہ بن حذیفہ نے اپنے دادا سے نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں کوئی حرج نہیں۔ یہ حدیث طبرانی کبیر وغیرہ میں بھی ہے۔ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حزام بن عثمان کے عنوان کے تحت نقل کیا ہے لیکن یہ راوی متروک ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔

مَسٰكِيْن مسکین کی جمع ہے ہم عنقریب اس کی تحقیق سورۂ توبہ میں مصارف صدقات کے بیان میں ذکر کریں گے۔ اور ابن سبیل سے مراد ایسا مسافر ہے جو اپنے گھر سے دور ہو۔ مسافر کی نسبت راستے کی طرف اس لئے کی گئی ہے کیونکہ وہ اکثر راستے پر چلتا رہتا ہے۔ تمام ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ مذکورہ تینوں اصناف کا یہ استحقاق اپنے افلاس اور حاجت کے باعث ہے۔ لہٰذا یتامی اور ابن سبیل میں سے اغنیاء کو یہ حصہ نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح بعض لوگوں نے ذوی القربی کے بارے بھی کہا ہے کہ وہ اپنے فقر اور حاجت مند ہونے کے سبب اس کا استحقاق رکھتے ہیں۔ لیکن یہ قول مردود ہے کیونکہ ذوی القربی کا لفظ قطعاً فقر وافلاس کا احساس نہیں دلاتا جبکہ اس کے برعکس لفظ یتیم اور ابن سبیل حاجت مند ہونے کا احساس دلاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا کرتے تھے حالانکہ آپ کثیر مال و دولت کے مالک تھے۔ ائمہ کرام کا اجماع ہے اور رواۃ اس پر متفق ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ مال غنیمت پانچ حصوں میں تقسیم کرتے تھے 4/5 حصے آپ غانمین کو عطا فرمایا کرتے تھے اور 1/5 حصے کو آپ ﷺ پھر پانچ حصوں میں تقسیم کرتے۔ ان میں سے ایک حصہ آپ ﷺ اپنے لئے مختص فرماتے۔ اس سے آپ اپنی ذات اور اہل وعیال پر خرچ کرتے، اسی سے اپنے گھر والوں کو سال بھر کا خرچہ مہیا کرتے اور اس سے جو کچھ بچ جاتا اس سے کچھ مال کے عوض جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہتھیار اور گھوڑے خرید لیتے اور کچھ مسلمانوں کی مصالح اور رفاہ عامہ کے لئے خرچ فرما دیتے۔ دوسرا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب میں تقسیم فرما دیتے اور ان میں سے ہر غنی اور فقیر اور ہر مرد وعورت کو عطا فرماتے تھے اور بقیہ تین حصے یتیموں، مساکین اور ابن سبیل میں تقسیم فرما دیتے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ مصارف خمس کے طور پر جن پانچ اقسام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ کیا ان میں سے ہر قسم اپنے حصے کی مستحق ہے کہ اس کا حصہ اسے نہ دینا اور کسی دوسری صنف کی طرف پھیر دینا جائز نہیں۔ یا پھر مذکورہ پانچوں اصناف مطلقاً خمس کا مصرف ہیں اور امام وقت کے لئے یہ جائز ہے کہ چاہے تو سارے کا سارا ان میں سے صرف ایک ہی صنف کو دے دے یا ایک صنف کے صرف ایک ہی شخص کے حوالے کر دے۔ لیکن ان پانچ اصناف کے علاوہ کسی اور

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 397 (وزارت تعلیم)

کو دینا اس کے لئے جائز نہیں۔ مذکورہ بالا میں سے دوسرا موقف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تحفہ میں مذکور ہے کہ آخری تینوں اصناف یعنی یتامی، مساکین اور ابن سبیل ہمارے خمس کے مصارف ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک بالوجوب اس کا مستحق نہیں بلکہ اگر ان میں سے ایک ہی صنف کو وہ دے دیا گیا تو پھر بھی جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور متقدمین و متاخرین کی ایک جماعت نے پہلے موقف کا اظہار کیا ہے۔ یعنی امام وقت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ خمس صرف ایک یا دو قسموں پر خرچ کرے بلکہ تمام اصناف پر خرچ کرنا اس پر واجب ہے اور اگر ہر قسم میں سے ایک معین جماعت ہو تو اس میں سے کسی فرد کو محروم کرنا جائز نہیں بلکہ تمام کے درمیان مساوی تقسیم کرے، جیسا کہ بقیہ چار حصص کو غانمین کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے اور بالاجماع ان میں سے کسی کو محروم کرنا جائز نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ذوی القربیٰ کے حصے کو تقسیم میں میراث کی مثل قرار دیا ہے جس کا استحقاق قرابت کی بناء پر ہوتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ خمس میں سے ہر قریبی اور بعیدی رشتہ دار کو حصہ دیا جاتا ہے (جبکہ میراث قریبی کی موجودگی میں بعیدی کو نہیں ملتی) لیکن میراث کی طرح خمس کی تقسیم میں بھی مرد کو عورت پر فضیلت دی جاتی ہے، یعنی مرد کو دو حصے دیئے جاتے ہیں اور عورت کو ایک حصہ۔ اور اگر جماعت کی تعداد غیر محصور ہو اور ان کا شمار ممکن نہ ہو تو پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر قسم میں سے تین افراد کو دینا لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لِذِی الْقُرْبٰی میں لام اختصاص کے لئے ذکر کیا ہے اور یہ لام ملکیت یا استحقاق ملکیت کا تقاضا کرتا ہے اور ہر قسم کا ذکر لفظ جمع کے ساتھ کیا ہے اور جمع کے کم سے کم افراد تین ہیں۔ (اس لئے اس صورت میں ہر قسم کے تین افراد کو حصہ دیا جائے گا)۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور آپ کے ہم خیال افراد نے کہا ہے کہ لام مطلق اختصاص کے لئے ہے (یعنی ملکیت یا استحقاق ملکیت کے لئے نہیں) اور اختصاص کی صورت میں ایک صنف سے دیگر اصناف کی طرف تجاوز کرنا جائز نہیں اور یہ لام استغراق کے لئے نہیں بلکہ جنس کے لئے ہے اور لام جنسی جمعیت کے معنی کو باطل کر دیتا ہے (لہٰذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مذکورہ اقسام میں سے ہر قسم کو دیا جائے یا ایک قسم کے ہر فرد کو دیا جائے) اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ تمام اقسام ایک دوسرے میں داخل ہیں، کیونکہ رشتے داروں میں سے کوئی یتیم، مسکین اور مسافر بھی ہو سکتا ہے۔ یتیموں میں سے کوئی رشتہ دار، مسکین اور مسافر ہو سکتا ہے اور مساکین میں سے کوئی رشتہ دار، یتیم اور مسافر بھی ہو سکتا ہے (بلکہ یہ تمام اوصاف ایک فرد میں بھی جمع ہو سکتے ہیں) اگر ہر قسم کے لئے حصہ مختص ہوتا تو پھر ایک قسم کا حصہ دوسری قسم کی طرف پھیرنا جائز نہ ہوتا اور ہر قسم کا ذکر اس طرح کرنا لازم ہوتا کہ ایک قسم کا صدق دوسری قسم پر نہ ہو سکتا اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اگر ایک شخص کا تعلق تمام اقسام سے ہو تو پھر اسے ہر قسم کی طرف سے ایک ایک حصہ دیا جائے جیسا کہ جب خاوند بیوی کے چچا کا بیٹا ہو تو میراث میں سے اس کی دو مختلف حیثیتوں کے اعتبار سے دو حصے دیئے جاتے ہیں۔ ایک خاوند ہونے کی حیثیت سے اور دوسرا عصبہ ہونے کی حیثیت سے۔ صحیحین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں تا کہ چکی پیسنے کے سبب ہاتھ میں چھالے پڑنے کی شکایت کریں کیونکہ آپ کو یہ خبر ملی تھی کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہ میں کچھ باندیاں غلام آئے ہیں (اور آپ چاہتی تھیں کہ ان میں سے کوئی خدمت کے لئے مل جائے) لیکن آپ ﷺ سے ان کی ملاقات نہ ہو سکی۔ تو انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اپنی آمد کا مدعیٰ ذکر کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو ام المومنین نے آپ کو عرض کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ

حضور نبی کریم ﷺ یہ خبر پاکر ہمارے گھر تشریف لائے، اس وقت ہم اپنے بستروں پر آرام کے لئے جاچکے تھے ہم نے آپ ﷺ کو دیکھ کر اٹھنا چاہا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا اپنی جگہ پر پڑے رہو۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے اور حضرت فاطمۃ الزہراء کے درمیان بیٹھ گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا قدم مبارک میرے پیٹ سے لگا اور میں نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم دونوں کی راہنمائی اس سے بہتر اور اعلیٰ چیز پر نہ کروں جس کا تم نے مطالبہ کیا ہے؟ کہ جب تم اپنے بستروں میں چلے جاؤ تو تم دونوں تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو اور یہ تم دونوں کے لئے خادم سے بہتر ہے (1) اور مسلم کی روایت میں ہے (حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا) کیا میں تمہاری راہنمائی ایسی چیز پر نہ کردوں جو خادم سے بہتر اور افضل ہے کہ تم ہر نماز کے وقت اور اپنے آرام کے وقت تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو۔(2)

طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی روایت اسی طرح نقل کی ہے کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے کہا اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کو وسعت عطا فرمادی ہے اور ان کے پاس کچھ باندیاں اور غلام آگئے ہیں تم بھی آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر خدمت کے لئے کسی کا مطالبہ کرو۔ چنانچہ آپ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں اور اپنا مدعیٰ عرض کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا قسم بخدا! یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تمہیں خادم عطا کردوں اور اہل صفہ کو چھوڑ دوں حالانکہ وہ بھوک سے نڈھال ہورہے ہیں اور میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جو ان پر خرچ کروں لہٰذا میں ان غلاموں کو بیچ کر ان پر خرچ کروں گا۔ کیا میں تمہاری راہنمائی ایسی چیز پر نہ کردوں جو اس سے بہتر ہے جس کا تم نے مطالبہ کیا ہے۔ فرمایا وہ چیز مجھے جبرئیل امین نے بتائی ہے کہ ہر نماز کے بعد اور آرام کے لئے بستر پر جاتے وقت دس مرتبہ سبحان اللہ، دس مرتبہ الحمد للہ اور دس مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو (3)۔ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فضل بن حسن ابن عمر بن حکم سے روایت نقل کی ہے کہ ان کی ماں نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ اپنی والدہ کے ساتھ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ پھر تمام مل کر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے تھے اور آپ کے ساتھ کچھ باندیاں اور غلام بھی تھے تو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے ایک خادم کا مطالبہ کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا شہداء بدر کے یتیم تم سے زیادہ حق رکھتے ہیں (4)۔ مذکورہ تمام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بعض اصناف کو عطا فرماتے تھے، اور بعض کو عطا نہیں فرماتے تھے ورنہ آپ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے ان کا حق نہ روکتے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق اہل صفہ کے فقراء اور شہداء بدر کے یتیموں کی طرف نہ پھیرتے کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو ذوی القربیٰ کا حصہ فقراء اور یتامیٰ کی طرف پھیرنا جائز نہیں بلکہ ان کے نزدیک ذوی القربیٰ کے حصے کے علاوہ دونوں قسموں کے لئے خمس میں سے علیحدہ علیحدہ حصہ ہے اور جو کچھ میں نے کہا ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں نقل کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ اشعث بن سوار نے ابو الزبیر کے واسطہ سے جابر بن عبد اللہ سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خمس میں سے مجاہدین کے لئے سواریاں خریدتے تھے اور عام قوم کی حاجات اور تکالیف کے ازالہ کے لئے بھی اس سے عطا فرماتے تھے۔ پھر جب مال کی مقدار بڑھ گئی تو آپ ﷺ اس

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 351 (قدیمی) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 351 (قدیمی)

3۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 128 (امدادیہ) 4۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 128 (امدادیہ)

سے یتیموں، مساکین اور مسافروں کو بھی دیئے گئے۔(1)

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک آیت کا معنی یہ ہے کہ خمس صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے یعنی اس نے اسے اپنی ملکیت میں ہی باقی رکھا ہے اور کسی غیر کو یہ ملکیت عطا نہیں فرمائی اور اس میں تصرف کرنے کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمایا۔ لہٰذا استحقاق تصرف کے اعتبار سے یہ خمس رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے۔ آپ ﷺ جیسے چاہیں اس میں سے اپنی ذات پر خرچ کر سکتے ہیں اور دیگر مصارف پر بھی۔ اور چونکہ اس کا مصرف ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور ابن سبیل ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے یہ خمس ان چاروں کے لئے ہے اور یہی وجہ ہے کہ آخری دونوں قسموں کا ذوی القربیٰ پر بغیر لام کے عطف کیا ہے اور چاروں قسموں کا ایک لام کے ساتھ ذکر کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تمام مصرف ہونے کے اختصاص کے سبب ایک ہی جنس سے مختص ہیں اور رسول پر اس کا عطف نہیں فرمایا جیسا کہ آخری دونوں قسموں کا عطف کیا ہے اور لام لفظ رسول پر بھی ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کا عطف لفظ اللہ پر نہیں کیا کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا اختصاص ایک علیحدہ قسم ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا اختصاص ملکیت کے لئے ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اختصاص ملکیت کے لئے نہیں کیونکہ یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کے پہلو سے ایک بال پکڑا پھر فرمایا تمہارے غنیمت کے مال میں سے خمس کے علاوہ اس بال کے برابر بھی میرے لئے حلال نہیں اور خمس بھی تمہاری طرف ہی لوٹا دیا جاتا ہے(2)۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن عنبسہ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح عمرو بن شعیب نے اپنے باپ کے واسطہ سے اپنے دادا سے ان الفاظ میں اسے نقل کیا ہے کہ اس مال غنیمت میں سے سوائے خمس کے میرے لئے کوئی شی نہیں ہے اور نہ ہی یعنی اونٹ کا بال میرے لئے ہے اور خمس بھی تمہاری طرف ہی لوٹا دیا جاتا ہے اور آپ ﷺ نے اس میں سوائے خمس کے خمس کا (الا خمس الخمس) ارشاد نہیں فرمایا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ کو مکمل خمس تقسیم کرنے کا اختیار تھا)۔ پس اختصاص کی مذکورہ تینوں انواع پر لام اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اختصاص مشترک ہے جس کے تین معانی ہیں۔ (یعنی لفظ اللہ پر لام ملکیت کے لئے ہے۔ لفظ رسول پر لام اختیار تصرف کے لئے ہے اور ذوی القربیٰ پر لام مقام صرف کے بیان کے لئے ہے)۔ یا پھر یہ حقیقت و مجاز کی مثل ہے (یعنی پہلے معنی میں حقیقت ہے اور دوسرے دونوں معنوں کے لئے مجاز ہے) اور مشترک کے متعدد معانی کو جمع کرنا یا حقیقت و مجاز کو جمع کرنا قطعاً جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لام کو تین مرتبہ ذکر کیا گیا ہے، واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے حصے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ آج کل آپ ﷺ کا حصہ مسلمانوں کی مصالح اور ان کاموں میں خرچ کیا جائے گا جو اسلام کے لئے باعث تقویت ہوں(3) کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ باقی مال سے ہتھیار اور سواریاں خرید لیا کرتے تھے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اعمش نے ابراہیم سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا حصہ گھوڑوں اور ہتھیاروں کی خریداری میں خرچ کرتے تھے(4)۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہا ہے کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کا حصہ خلیفہ وقت کے لئے ہوگا(5) کیونکہ آپ ﷺ اپنی حاکمیت اور امامت کے سبب ہی اس کے مستحق تھے (لہٰذا آپ کے بعد جسے حاکمیت و امامت حاصل ہوگی وہی اس کا حقدار ہوگا)۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا حصہ آپ کے وصال کے

1۔ کتاب الخراج صفحہ 23 (السلفیہ)
2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 379 (وزارت تعلیم)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 28 (التجاریہ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 28 (التجاریہ)
5۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 28 (التجاریہ)

ساتھ ہی ساقط ہو چکا ہے اور آپ ﷺ کا یہ استحقاق حاکمیت و امامت کے سبب نہیں تھا بلکہ آپ اپنی رسالت کے سبب اس کے مستحق تھے کیونکہ جب کسی حکم کو صیغہ مشتق کے ساتھ معلق کیا جائے تو یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا ماخذ اس حکم کی علت ہے (مثلاً خمس کا حکم یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے اور رسول صیغہ صفت ہے اور اس کا ماخذ رسالت ہے۔ لہٰذا یہی وصف رسالت استحقاق خمس کی علت ہے)۔ اسی طرح اسی وصف کی بناء پر رسول اللہ ﷺ کو مال غنیمت میں سے اپنی پسند کی شی چن لینے کا حق حاصل تھا لہٰذا غزوۂ بدر میں منبہ بن حجاج کی تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا آپ ﷺ نے اپنے لئے پسند فرمائی اور خیبر کے قیدیوں میں سے حیی بن اخطب یہودی کی بیٹی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ نے اپنے لئے منتخب فرمائی(1) اسے ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور حاکم نے بھی آپ سے ہی اسے نقل کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے اور اس پر اجماع امت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد انتخاب اور چناؤ کا یہ حق کسی امام وقت کو حاصل نہیں۔ پس جس طرح اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے لئے حکم آپ کے بعد آنے والے امام اور خلیفہ کے حکم کے خلاف ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے وصال کے بعد کوئی امام یا خلیفہ مال غنیمت کے خمس کا مستحق نہیں ہو سکتا (لہٰذا اس کے لئے حکم آپ ﷺ کے حکم کے خلاف ہی ہوگا)۔

مسئلہ: حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد ذوی القربیٰ کے حصے کے بارے بھی علماء کے مختلف نظریات ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذوی القربیٰ کا حصہ بھی آپ ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی ساقط ہو گیا ہے۔ احناف نے اس کے سقوط کی متعدد وجوہ ذکر کی ہیں۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ذوی القربیٰ کو یہ حصہ ان کی مدد و نصرت کی وجہ سے عطا فرمایا کرتے تھے جیسا کہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بنی مطلب کو یہ حصہ عطا فرمایا لیکن بنی نوفل اور بنی عبد شمس کو عطا نہیں کیا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا (بنی مطلب کو اس لئے دے رہا ہوں) کہ یہ بنی ہاشم کے ساتھ زمانہ جاہلیت اور اسلام میں اس طرح رہے اور دست مبارک کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل فرما کر جال بناتے ہوئے فرمایا یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نص میں قرب سے مراد قرب نصرت ہے قرب قرابت نہیں(2) اور جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا تو یہ امداد اور نصرت باقی نہ رہی۔ (لہٰذا ان کا حصہ بھی باقی نہ رہا) لیکن یہ توجیہ ضعیف اور کمزور ہے اور ہم اس کے ضعف کی علت پہلے بیان کر چکے ہیں۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے وجہ سقوط بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ حصہ بعض قرابت داروں کو عطا فرمایا جیسے بنی مطلب اور بنی ہاشم اور بعض کو اس سے محروم رکھا جیسے بنی نوفل اور بنی عبد شمس۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے تمام قرابتداروں کے لئے ذوی القربیٰ کا حصہ مقرر نہیں فرمایا بلکہ یہ خاص افراد کے لئے ہے اور تخصیص کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو تفویض فرمایا کہ آپ ﷺ ان میں سے جسے چاہیں حصہ عطا فرمائیں۔ لیکن جب آپ ﷺ کا وصال ہو گیا تو آپ کی رائے کو جاننا اور معلوم کرنا بھی منقطع ہو گیا لہٰذا ساتھ ہی ذوی القربیٰ کا حصہ بھی ساقط ہو گیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول مکرم ﷺ کو مال غنیمت میں سے انتخاب کا حق عطا فرمایا تھا کہ آپ ﷺ اس میں سے اپنے لئے جو چاہتے چن سکتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کے لئے یہ اختیار آپ کی حیات ظاہرہ تک تھا اور جب آپ ﷺ کا وصال ہو گیا تو ساتھ ہی یہ اختیار بھی منقطع ہو گیا(3)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ذوی القربیٰ میں تو رسول اللہ ﷺ کے تمام قرابتداروں کا ذکر کیا ہے ان میں سے بعض کی تخصیص نہیں فرمائی۔ پھر تقسیم کرتے وقت

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 421 (وزارت تعلیم) 2۔ الہدایہ، جلد 2 صفحہ 577 (نورمحمد) 3۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 129 (امدادیہ)

آپ ﷺ نے یہ حصہ صرف بنی ہاشم اور بنی مطلب کو عطا فرمایا اور بنی امیہ اور بنی نوفل کو اس سے محروم رکھا۔ حالانکہ ان کی تعداد بھی معین اور محصور تھی اور جنہیں عطا فرمایا ان میں سے بعض خوشحال اور بعض فقیر تھے اور جنہیں نہیں عطا فرمایا ان میں سے بھی بعض خوشحال اور بعض مفلس تھے۔ آپ ﷺ کے اس طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حصہ حضور نبی کریم ﷺ کے لئے تھا اور آپ اپنے قرابتداروں میں سے جسے چاہتے عطا فرماتے تھے۔ لہٰذا اس کا حکم بھی ایسے ہی ہے جیسے آپ ﷺ کو مال غنیمت میں سے چناؤ اور انتخاب کا اختیار تھا۔ تو جس طرح یہ حصہ آپ ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی ختم ہو گی اور آپ ﷺ کے بعد کسی کے لئے بھی یہ واجب نہیں رہا(1) اسی طرح ذوی القربیٰ کا حصہ بھی آپ ﷺ کے وصال کے ساتھ ساقط ہو گیا اور ان میں سے بعض کی تعیین کر کے کسی کے لئے بھی یہ حصہ واجب نہیں رہا۔ یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ دونوں توجیہیں بھی کمزور اور ضعیف ہیں کیونکہ ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بنی مطلب کو اس لئے حصہ عطا فرمایا کیونکہ وہ تمام معاملات میں بنی ہاشم کے معاون و مددگار تھے، لہٰذا آپ ﷺ نے ان کی معاونت و موانست کے سبب انہیں بنی ہاشم میں سے ہی شمار کیا (صرف اس لئے نہیں کہ وہ عبد مناف کی اولاد ہیں) جیسا کہ جب صدقہ کا مال بنی ہاشم کے لئے حرام قرار دیا تو ان کے موالی بنی مطلب پر بھی حرام قرار دیا صرف اس لئے کہ یہ بنی ہاشم کے معاون و مددگار تھے۔ اس لئے نہیں کہ یہ عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ عبد مطلب کی قرابت حضور نبی کریم ﷺ سے ایسی ہی تھی جیسے بنی ہاشم کی تھی یہ درست نہیں کیونکہ آپ ﷺ سے بنی ہاشم کی قرابت دوسروں کی نسبت زیادہ اقرب اور اولیٰ تھی۔ اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ذوی القربیٰ کا ذکر فرما کر ان میں سے بعض کا ارادہ کیا ہے تمام کا نہیں لیکن ان بعض کی تعیین نہیں فرمائی۔ تو پھر یہی کہا جائے گا کہ ذوی القربیٰ کا لفظ مجمل تھا اور جب رسول اللہ ﷺ نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو عطا فرما کر اور بنی امیہ اور بنی نوفل کو نہ دے کر اس کی وضاحت فرما دی تو اس سے اجمال ختم ہو گیا اور اجمال ہر بار اور ہمیشہ بیان و وضاحت کا تقاضا نہیں کرتا۔ (لہٰذا یہ لفظ مجمل نہیں رہا) پھر اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تقسیم کا اختیار رسول اللہ ﷺ کی رائے کے سپرد کیا تھا اور جب آپ ﷺ کا وصال ہو گیا تو آپ کی رائے بھی منقطع ہو گی تو یہ کہنا بھی ممنوع ہے کیونکہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد اسی رائے کا اختیار آپ کے خلفاء کو حاصل ہو جائے گا جیسا کہ مال غنیمت میں سے مساکین، یتامیٰ اور ابن سبیل کے حصے کے بارے اور صدقات وغیرہ کے بارے اختیار انہیں حاصل ہوا حالانکہ ان میں سے بعض کی تخصیص کا اختیار اصلاً حضور نبی کریم ﷺ کو حاصل تھا۔ پھر ذوی القربیٰ میں سے بعض کی تخصیص و تعیین کا اختیار آپ ﷺ کے سپرد ہونا اس کا متقاضی نہیں کہ یہ حصہ ہی آپ ﷺ کی ملکیت ہے کیونکہ مساکین، یتامیٰ اور ابن سبیل میں سے بھی بعض کی تعیین و تخصیص کا اختیار آپ ﷺ کو تفویض کیا گیا لیکن بالاجماع ان کا حصہ آپ ﷺ کی ملکیت نہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کے وصال کے ساتھ اس میں سے کوئی شئی بھی ساقط نہیں ہوئی پس اسی طرح ذوی القربیٰ کے حصہ میں سے بھی کوئی شئی ساقط نہیں ہونی چاہئے۔ واللہ اعلم

دونوں فریقوں نے اپنے اپنے موقف کے حق میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل سے استدلال کیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے مال غنیمت کا خمس تین حصوں میں اسی طرح تقسیم کیا ہے جیسے ہم نے بیان کیا ہے اور اقتداء کے لئے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا تعامل ہی کافی ہے(2)۔ صاحب ہدایہ نے یہ بھی کہا ہے کہ صحابہ کرام

1۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 131 (امدادیہ)
2۔ الہدایہ، جلد 2 صفحہ 576 (نورمحمد)

رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد اس وقت موجود تھی لیکن ان میں سے کسی نے بھی جاننے کے باوجود اس کا انکار نہیں کیا۔ لہٰذا یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ اور علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین ذوی القربیٰ کو ان کا حصہ دیا کرتے تھے اور فقیر و امیر کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتتے تھے کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو حصہ دیا کرتے تھے حالانکہ وہ بہت مالدار تھے (1)۔ پس خلفاء کے علم کے بارے گفتگو ضروری ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ کلبی محمد بن سائب کہتے ہیں کہ میرے سامنے ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خمس پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا ایک حصہ اللہ تعالیٰ اور رسول مکرم ﷺ کے لئے، ایک حصہ ذوی القربیٰ کے لئے اور تین حصے یتامیٰ، مساکین اور ابن سبیل کے لئے۔ پھر حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق اعظم اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم نے اسے تین حصوں میں تقسیم فرمایا اور اس سے رسول اللہ ﷺ اور ذوی القربیٰ کے دو حصے ساقط کر دیئے اور اس کے تینوں حصوں کو بقیہ افراد پر تقسیم کر دیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی خمس کو اسی طرح تین حصوں میں تقسیم کیا جیسے حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق اعظم اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم نے کیا تھا۔(2)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے محمد بن اسحاق نے زہری سے یہ واقعہ مجھے بیان کیا ہے کہ نجدہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف لکھا اور دریافت کیا کہ ذوالقربیٰ کا حصہ کس کو دیا جائے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی طرف لکھا کہ تم نے میری طرف یہ پوچھنے کے لئے خط لکھا ہے کہ ذوی القربیٰ کا حصہ کسے دیا جائے تو اس کے بارے میں یہ کہتا ہوں کہ وہ حصہ ہمارا ہے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس طرف دعوت دی کہ وہ (یہ حصہ ہمیں دینے کی بجائے) اس سے ہمارے ناکتخداؤں کی شادی کریں گے، ہمارے مقروضوں کا اس سے قرض ادا کریں گے اور ہمارے نادار مفلس لوگوں کے لئے اس سے خدمتگار (لونڈیاں اور غلام) مہیا کریں گے لیکن ہم نے ان کی اس پیشکش کا انکار کر دیا(3) اور یہی کہا کہ ہمارا حصہ ہمیں دیا جائے تو آپ نے وہ ہمیں دینے سے انکار کر دیا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قیس بن مسلم نے حسن بن محمد بن حنفیہ سے یہ بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد دو حصوں کے بارے لوگوں کے مابین اختلاف ہو گیا۔ ان میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کا حصہ تھا اور دوسرا ذوی القربیٰ کا۔ تو ایک گروہ نے یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا حصہ تو آپ کے بعد خلیفہ وقت کے لئے ہے اور دوسروں نے یہ کہا کہ ذوی القربیٰ کا حصہ حضور نبی کریم ﷺ کے قرابتداروں کے لئے ہی ہو گا اور اس کے برعکس ایک گروہ نے یہ نظریہ پیش کیا کہ ذوی القربیٰ کا حصہ آپ ﷺ کے بعد خلیفہ کے قرابتداروں کو دیا جائے لیکن پھر تمام کا اتفاق اس بات پر ہوا کہ ان دونوں حصوں کو (جہاد کے لئے) گھوڑوں اور ہتھیاروں کی خریداری میں صرف کیا جائے(4)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ قیس بن مسلم کے واسطے سے حسن بن محمد ابن حنفیہ سے اسی طرح نقل کیا ہے اور اس میں یہ زائد ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا ہے(5)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن خزیمہ سے یوسف بن عدی اور عبداللہ بن مبارک کے واسطہ سے محمد بن اسحاق کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے ابو جعفر سے پوچھا کہ تمہارا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 28 (التجاریہ)　2۔ کتاب الخراج صفحہ 23 (السلفیہ)　3۔ کتاب الخراج صفحہ 24 (السلفیہ)
4۔ کتاب الخراج صفحہ 24 (السلفیہ)　5۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 129 (امدادیہ)

کے بارے کیا خیال ہے کہ جب وہ عراق کے والی بنے اور لوگوں کے معاملات ان کے اختیار میں آ گئے تو انہوں نے ذوی القربیٰ کے حصے کے بارے کیا کیا؟ تو ابوجعفر نے جواب میں کہا قسم بخدا! وہ اس معاملہ میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے طریقہ پر ہی چلے۔ میں نے کہا تو پھر اس قول کی حقیقت کیا ہے جو تم کہا کرتے ہو (کہ ذوی القربیٰ کا حصہ ہمارا حق ہے) تو ابوجعفر نے جواب دیا قسم بخدا! اہل عراق تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق ہی عمل کرتے تھے۔ پھر میں نے پوچھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے کونسی چیز رکاوٹ تھی (کہ انہوں نے آپ کو وہ حق نہیں دیا) تو ابوجعفر نے جواباً یہ کہا کہ آپ اس چیز کو ناپسند کرتے تھے کہ آپ کی طرف حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی مخالفت کرنے کی نسبت کی جائے۔(1)

میں کہتا ہوں کہ اگر مذکورہ بالا اقوال صحابہ ثابت ہیں تو پھر ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین نے خمس کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور انہوں نے ذوی القربیٰ کو ان کا حصہ نہیں دیا۔ اور ہم پہلے یہ ذکر کر چکے ہیں کہ امام وقت کے لئے خمس مذکورہ اصناف میں سے صرف ایک صنف میں بھی خرچ کرنا جائز ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ لہٰذا خلفائے راشدین کے ذوی القربیٰ کو ان کا حصہ نہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا حصہ ساقط ہو چکا ہے تو پھر یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ انہیں دینا جائز نہیں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے واسطہ سے ان کے باپ سے یہ نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو خمس میں سے ہمارے (ذوی القربیٰ کے) حق کا اختیار مجھے سونپ دیں کہ آپ کی حیات طیبہ میں میں اسے ذوی القربیٰ میں تقسیم کیا کروں تاکہ آپ کے بعد ہم سے اس بارے میں کوئی جھگڑا نہ کرے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے میری عرضداشت کے مطابق ہی کر دیا اور اس کی تقسیم کا اختیار میرے سپرد کر دیا چنانچہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں میں ہی ذوی القربیٰ کا حصہ تقسیم کرتا رہا پھر آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اس تقسیم کا اختیار میرے سپرد کر دیا اور میں ان کی حیات میں بھی یہ حصہ تقسیم کرتا رہا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی مجھے ہی اس تقسیم کا والی بنایا اور میں آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یہ حصہ تقسیم کرتا رہا۔ یہاں تک کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری سال تھا تو آپ رضی اللہ عنہ کے پاس بہت زیادہ مال آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ہمارا حصہ علیحدہ کر دیا اور پھر مجھے بلا بھیجا اور فرمایا یہ مال لے لو اور اسے ذوی القربیٰ میں تقسیم کر دو۔ تو میں نے کہا اے امیر المؤمنین! اس سال تو ہمیں اس مال کی ضرورت نہیں اور دوسرے مسلمان اس کے زیادہ ضرورت مند ہیں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا اس سال یہ حصہ انہی میں تقسیم کر دیجئے اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد کسی نے بھی اس حصے کی تقسیم کے لئے دعوت نہیں دی۔ پھر جب میں وہاں سے اٹھا تو وہاں سے نکلنے کے بعد میری ملاقات حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو انہوں نے کہا اے علی! تم نے آج ہمیں ایسی چیز (ذوی القربیٰ کے حصہ) سے محروم کر دیا ہے جو پھر کبھی بھی ہماری طرف نہیں لوٹائی جائے گی(2)۔ اسی طرح ابوداؤد نے بھی یہ حدیث آپ سے نقل کی ہے۔

پس یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ذوی القربیٰ کو ایسے ہی یہ حصہ عطا فرمایا کرتے تھے جیسے رسول اللہ ﷺ انہیں عطا فرماتے تھے اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت کے آخری سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اشارہ پر ذوی القربیٰ سے یہ حصہ روک لیا۔ شاید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دو قول جواو پر

1۔ شرح معانی الآثار، جلد 2، صفحہ 128 (امدادیہ)   2۔ کتاب الخراج صفحہ 24 (السلفیہ)

گزر چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ کہا کہ وہ ذوی القربیٰ کے حصہ سے ہمارے ناکتخداؤں کے نکاح کریں گے، ہمارے مقروضوں کے قرض ادا کریں گے اور ہمارے ناداروں کو خادم مہیا کریں گے۔ لیکن ہم نے اس کا انکار کرتے ہوئے یہ کہا کہ ہمارا حصہ ہمارے ہی سپرد کر دیا جائے تو انہوں نے یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا(1)۔ یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بعد کا ہے جبکہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ کہہ دیا تھا کہ اس سال ہمیں اس مال کی ضرورت نہیں بلکہ دوسرے مسلمان زیادہ حاجت مند ہیں۔ دونوں قولوں کے درمیان تطبیق کرنے کی یہی صورت ہو سکتی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوی القربیٰ کا حصہ ساقط نہیں ہوا اور یہ ان کے فقراء اور اغنیاء دونوں کو دینا جائز ہے۔ لیکن امام وقت کے لئے یہ جائز ہے کہ اگر ذوی القربیٰ کو اس کی ضرورت نہ ہو اور ان کی نسبت دوسرے لوگ زیادہ حاجت مند ہوں تو وہ ان کا حصہ دوسرے لوگوں میں تقسیم کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے دور خلافت میں اسی طریقہ کار پر عمل پیرا رہے۔ چونکہ اسی میں آپ کو مصلحت نظر آئی لہٰذا آپ نے سابقہ خلفاء کی مخالفت کو ناپسند کیا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عطاء ابن سائب نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور ذوی القربیٰ کے حصص بنی ہاشم کی طرف بھیج دیئے(2)۔ میں کہتا ہوں کہ شاید اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے بنی ہاشم میں اس کی زیادہ ضرورت محسوس کی ہو لہٰذا آپ نے دونوں حصے ان کی طرف بھیج دیئے، واللہ اعلم۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی عبد شمس اور بنی نوفل کو خمس میں سے کوئی حصہ عطا نہیں فرمایا جیسا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو حصہ عطا فرمایا پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح خمس کی تقسیم کرتے تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے تقسیم فرمایا مگر آپ رسول اللہ ﷺ کے قرابتداروں کو نہیں دیتے تھے جبکہ حضور نبی کریم ﷺ انہیں عطا فرماتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد خلفاء بھی انہیں حصہ دیا کرتے تھے(3)۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ خلفاء راشدین کبھی ذوی القربیٰ کو حصہ نہیں دیتے تھے اور کبھی دیا کرتے تھے۔ لہٰذا یہ روایات ہمارے قول کی ہی تائید کرتی ہے، واللہ اعلم۔

فصل:۔ جاننا چاہئے کہ آیت کریمہ کی عبارت صراحۃً اس پر دلالت کر رہی ہے کہ مال غنیمت کا خمس خالصۃً اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو اس کی راہ میں مذکورہ قسموں میں ہی خرچ کیا جائے گا لیکن اشارۃً اس پر بھی دلالت کر رہی ہے کہ پانچ میں سے بقیہ چار حصے غانمین کے لئے ہے۔ اگرچہ آیت طیبہ پانچ میں سے چار حصے غانمین کے لئے ہونے کے بارے خاموش ہے لیکن یہ منطوق کے حکم میں ہے۔ جیسا کہ اس قول باری تعالیٰ میں ہے: فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ۔ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ باپ کے لئے دو ثلث ہیں اگرچہ آیت اس بارے میں خاموش ہے لیکن یہ حکم منطوق کے حکم میں ہے (یعنی جب آیت صراحۃً اس پر دلالت کر رہی ہے کہ میراث میں سے ماں کا حصہ 1/3 ہے تو جب باپ کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں تو پھر بالیقین باپ کا حصہ 2/3 ہوگا) اس اعتبار سے یہ آیت اس ارشاد گرامی کے لئے ناسخ ہوگی، يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ ۚ کیونکہ اس میں تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی غیر کے لئے کوئی چیز مقرر ہی نہیں فرمائی (جبکہ زیر تفسیر آیت میں رسول اللہ ﷺ کے لئے خمس مقرر فرمایا

1۔ کتاب الخراج صفحہ 24 (السلفیہ)
2۔ کتاب الخراج صفحہ 25 (السلفیہ)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 416 (نور محمد)

اوراس کے تفصیلی مصارف بیان فرمادیئے اوراشارۃً چار حصے مجاہدین کے لئے مقرر فرمائے) جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت غزوۂ بدر کے بعد غزوۂ بنی قینقاع کے وقت نازل ہوئی اور یہ غزوہ غزوۂ بدر کے ایک مہینہ بعد ہجرت کے بیسویں ماہ پندرہ شوال کو وقوع پذیر ہوا تھا(1)۔اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں ابن اسحاق عن ابیہ عن سعید بن کعب اور سعید بن المسیب کی سند سے نقل کیا ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت غزوۂ بدر کے موقع پر یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ کے بعد نازل ہوئی، واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ اس مسئلہ پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ مال غنیمت کے بقیہ 4/5 حصے غانمین (مجاہدین) کو دیئے جائیں گے، امام وقت کے لئے ان میں سے کسی کو اپنے حصے سے روکنا جائز نہیں۔ البتہ مقتول سے چھینے گئے سامان کے بارے علماء کے مابین اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ نے یہ کہا ہے کہ مقتول سے لیا گیا ساز وسامان صرف قاتل کے لئے ہوگا اور یہ اس میں خمس واجب نہیں ہوگا۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ قاتل بھی مقتول کے مقابلے میں اپنے آپ کو ایسے مقام پر پیش کرے جہاں اسے قتل کرنے میں مقتول کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہو اور اگر کسی نے دور سے تیر پھینکا اور اس نے مشرکین کی صف میں سے کسی آدمی کو قتل کر دیا تو ایسے مقتول کا سامان قاتل کو نہیں دیا جائے گا اور پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاتل کا مجاہدین میں سے ہونا بھی شرط ہے۔ جبکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے اگرچہ قاتل کوئی بیرونی آدمی ہو (باقاعدہ مجاہدین کے گروہ میں شامل نہ ہو) تب بھی اسے مقتول کا سامان دے دیا جائے گا۔ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کی ایک روایت اس طرح ہے کہ قاتل مقتول کے سامان کا اس وقت تک مستحق نہیں بنتا جب تک امام وقت اس کی شرط ذکر نہ کر دے۔ (لہٰذا اگر امام نے اس کی شرط ذکر نہ کی) تو عام حالات میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقتول کا سامان بقیہ مال غنیمت کے چار حصوں میں شمار کیا جائے گا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا شمار خمس میں سے ہوگا۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم غزوۂ حنین کے سال حضور نبی کریم ﷺ کی معیت میں جہاد کے لئے نکلے پس جب ہمارا مقابلہ دشمن سے ہوا تو ابتداً مسلمان بھاگ نکلے۔ میں نے ایک مشرک کو دیکھا کہ وہ ایک مسلمان کے اوپر سوار ہے۔ تو میں نے پیچھے سے اس کے کندھے اور گردن کے جوڑ پر زور سے تلوار کی ضرب لگائی اور اس کی زرہ کاٹ دی۔ پس وہ میری طرف آیا اور مجھ سے چمٹ گیا (اور اس کا یہ عمل اتنا شدید تھا) کہ میں اس سے موت کا خطرہ محسوس کرنے لگا پھر (زخم کے سبب) اسے موت نے آلیا تو اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ پھر میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے جاملا اور ان سے کہا آج لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا امر ایسے ہی ہے۔ پھر جب لوگ واپس لوٹ آئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے پاس تشریف فرما ہو کر ارشاد فرمایا جس نے کسی مشرک کو قتل کیا ہو اور اس پر اس کے پاس گواہ موجود ہو تو پھر مقتول کا سامان اسی کے لئے ہوگا۔ چنانچہ میں نے کھڑے ہو کر کہا کون ہے جو میری شہادت دے گا؟ یہ کہہ کر میں بیٹھ گیا۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے پہلے کی مثل ارشاد فرمایا تو میں نے پھر کھڑے ہو کر کہا میرے لئے کون شہادت دے سکتا ہے؟ میں پھر بیٹھ گیا اور آقا ودوجہاں ﷺ نے تیسری بار پھر پہلے کی طرح ارشاد فرمایا میں بھی پھر کھڑا ہوا تو حضور نبی کریم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا اے ابوقتادہ! تجھے کیا ہوا ہے؟ تو میں نے سارا واقعہ آپ ﷺ کے گوش گزار کر دیا۔ تو پھر ایک آدمی نے اٹھ کر کہا ابوقتادہ نے سچ کہا ہے اور مقتول کا سامان میرے

1۔ دلائل النبوۃ، جلد 3 صفحہ 173 (العلمیہ)

پاس سے لہٰذا اسے میری طرف سے راضی کر دیجئے۔ (اور یہ سامان میرے پاس ہی رہنے دیجئے) یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں! قسم بخدا ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک شیر اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی طرف سے جنگ لڑتا ہے اور پھر مقتول کا سامان تجھے دے دے۔ یہ سن کر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ابوبکر نے سچ کہا ہے پس تو سامان اسے دے دے چنانچہ اس آدمی نے وہ سامان مجھے دے دیا اور میں نے اس سے قبیلہ بنی سلمہ میں کھجوروں کا ایک باغیچہ خریدا۔ پس یہی وہ پہلا مال تھا جو میں نے حالت اسلام میں حاصل کیا تھا(1)۔ یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں میں ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اس طرح نقل کی ہے کہ انہوں نے مشرکین میں سے ایک آدمی کو قتل کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا سامان اور زرہ وغیرہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادی جسے انہوں نے پانچ اوقیہ کے عوض فروخت کر دیا(2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے غزوۂ حنین کے دن ارشاد فرمایا جس نے کسی مشرک کو قتل کیا تو اس سے چھینا ہوا سامان اسے ہی دیا جائے گا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس دن بیس مشرکوں کو قتل کیا اور ان سے چھینا ہوا سامان لے لیا(3)۔ اسے دارمی، طحاوی اور ابوداؤد رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی معیت میں بنی ہوازن سے جنگ لڑی تو میں نے ایک آدمی کو قتل کیا پھر میں اس کے اونٹ کو (مہار سے) پکڑ کر لے آیا جس پر مقتول کا سب سامان اور ہتھیار وغیرہ تھے۔ پس سامنے سے حضور سید عالم ﷺ لوگوں کی معیت میں تشریف لائے۔ تو آپ ﷺ نے لوگوں سے دریافت کیا فلاں آدمی کو کس نے قتل کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی ابن اکوع نے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس سے چھینا ہوا تمام سامان ابن اکوع کے لئے ہے۔(4) اسے طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ مشرکین کا ایک جاسوس حضور نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور صحابہ کرام کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتا رہا پھر وہاں سے آنکھ چرا کر کھسک گیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے حکم فرمایا اسے تلاش کرو اور قتل کر دو۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے اسے تلاش کر کے قتل کر دیا اور اس سے سامان لے لیا تو رسول اللہ ﷺ نے وہ سامان مجھے ہی عطا فرما دیا(5)۔ اسے بھی طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سند سے جس میں واقدی بھی ہے یہ بیان کیا ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مرحب کی پنڈلیوں پر ضرب لگا کر انہیں کاٹ دیا۔ لیکن مکمل طور پر اسے قتل نہیں کیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے پاس سے گزرے تو آپ نے اس کی گردن ماردی اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے چھینا ہوا مال حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، لیکن اس بارے میں صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی مرحب کو قتل کیا تھا۔ صحیح مسلم کی روایت سے یہی ثابت ہے۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کے لئے ہی قرار دیا(6)۔ اسے طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت عوف بن مالک اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما دونوں سے یہی حکم مروی ہے۔ امام احمد، ابوداؤد اور طبرانی رحمہم اللہ نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عوف بن مالک اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما سے روایت نقل

1۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 618 (وزارت تعلیم)، صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 87-86 (قدیمی)
2۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 124 (امدادیہ)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 373 (و۔ت)، شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 124 (امدادیہ)
4۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 124 (امدادیہ)
5۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 124 (امدادیہ)
6۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 124 (امدادیہ)

کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مقتول سے چھینے گئے سامان کو پانچ حصوں میں تقسیم نہیں کرتے تھے(1)۔ ابوداؤد، ابن حبان اور طبرانی نے یہی روایت ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے مقتول سے چھینے گئے سامان کا فیصلہ قاتل کے حق میں فرمایا اور اسے پانچ حصوں میں تقسیم نہیں کیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ جس نے کسی (مشرک) کو قتل کیا تو مقتول سے چھینا ہوا سامان اسی کے لئے ہوگا(2)۔ اس روایت کی سند میں کوئی عیب نہیں۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ مشرکین میں سے ایک آدمی نے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی تو حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مقابلے کا حکم فرمایا۔ پس آپ میدان میں نکلے اور اسے قتل کر دیا تو آپ ﷺ نے اس مقتول کا سامان حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا۔(3)

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے جس نے کسی (مشرک) کو قتل کیا اس سے چھینا ہوا سامان اسی کے لئے ہوگا۔ البتہ کلام اس بارے میں ہے کہ آیا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا یہ ارشاد قانون شرعی ہے جس پر تمام اوقات و احوال میں بالعموم عمل ضروری ہے یا یہ جذبات میں انگیخت پیدا کرنے کے لئے محض ترغیبی فرمان تھا جو آپ ﷺ نے اس واقعہ میں ارشاد فرمایا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ فرمان قانون شرعی ہے اور آپ کے ارشاد کے بارے اصل (حکم) یہی ہے کیونکہ آپ ﷺ احکام شرعیہ کے نفاذ کے لئے ہی مبعوث ہوئے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا سیاق صراحۃً اس پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد قتل سے پہلے بطور عنایت نہیں تھا بلکہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے مشرک کو قتل کرنے کے بعد آپ ﷺ نے یہ حکم ارشاد فرمایا اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی طرح ہے۔ اور حدیث طیبہ میں جو یہ موجود ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے چھینے ہوئے سامان کو پانچ حصوں میں تقسیم نہیں فرمایا(4) تو یہ امام شافعی اور امام احمد کی امام مالک رحمہم اللہ کے خلاف دلیل ہے کیونکہ وہ تو چھینے گئے سامان کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنے کے قائل ہیں۔

فائدہ:۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ان کے بھائی براء بن مالک نے فارس کے ایک مرزبان کو دعوت مبارزت دی اور پھر زور سے نیزے کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا۔ نتیجۃً زین کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا، وہ زخمی ہوگیا اور پھر اسی زخم کی تاب نہ لا کر مر گیا۔ انہوں نے اس سے سارا سامان چھین لیا اور جب اسے شمار کیا تو وہ قیمت کے اعتبار سے تیس ہزار تک پہنچ گیا۔ جب ہم صبح کی نماز پڑھ چکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا پہلے تو ہم مقتول سے چھینے ہوئے سامان کو پانچ حصوں میں تقسیم نہیں کرتے تھے۔ لیکن براء نے جو مال حاصل کیا ہے وہ اپنی قدر کے اعتبار سے انتہائی کثیر مال ہے اس لئے ہم نے یہ خیال کیا ہے کہ اسے پانچ حصوں میں تقسیم کر دیں پس ہم نے اس کی قیمت کا اندازہ تیس ہزار لگایا اور اس میں سے چھ ہزار کے برابر سامان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا(5)۔ (اور بقیہ چوبیس ہزار کے برابر کا سامان حضرت براء رضی اللہ عنہ کے پاس رہا)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے ان الفاظ میں بھی بیان کیا ہے کہ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے فارس کے سرداروں میں سے ایک کو مقابلے کی دعوت دی اور اسے قتل کر دیا اور پھر

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 373 (وزارت تعلیم) 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 12 (صادر) 3۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 124 (امدادیہ)
4۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 373 (وزارت تعلیم) 5۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 126 (امدادیہ)

حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس سے سامان بھی چھین لیا۔ پھر اس کے بارے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تحریری اطلاع دی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر لشکر کی طرف یہ لکھ بھیجا کہ اس مال کا خمس اپنے پاس رکھ لو اور بقیہ سامان براء کے حوالے کر دو۔ پس امیر لشکر نے اس کا پانچواں حصہ اپنے قبضے میں لے لیا(1)۔ میں کہتا ہوں کہ مذکورہ دونوں قول اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کا ہے اسے پانچ حصوں میں تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر مال کی مقدار بہت زیادہ ہو تو پھر امام وقت کے لئے اسے پانچ حصوں میں تقسیم کرنا جائز ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہا ہے کہ مقتول سے چھینا ہوا مال صرف قاتل کے لئے نہیں مگر جب امام وقت نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دینے اور ان کے جذبات میں برانگیخت پیدا کرنے کے لئے ایسا حکم دیا ہو (تو پھر مقتول کا سامان قاتل کے لئے ہی ہوگا) جیسا کہ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط اور کبیر میں یہ نقل کیا ہے کہ حبیب بن سلمہ کو یہ خبر موصول ہوئی کہ والی قبرص آذربیجان کے راستہ پر چلنے کے ارادہ سے نکلا ہے اور اس کے پاس کثیر مقدار میں زمرد، یاقوت اور دیگر موتی وغیرہ ہیں تو یہ اس کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور اسے جا کر قتل کر دیا اور اس کے ساتھ جو سامان بھی تھا وہ لے آئے۔ پس سالار اعظم حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس مال سے خمس لینے کا ارادہ فرمایا۔ لیکن حبیب نے انہیں یہ عرض کی کہ آپ مجھے اس رزق سے محروم نہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کے لئے قرار دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا اے حبیب! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جو امام وقت اسے خوشی اور رضامندی سے عطا کر دے۔ یہ روایت معلول اور مجروح ہے کیونکہ اس میں ایک راوی عمرو بن واقد ہے۔ اسے ہی اسحاق بن راہویہ نے اپنی سند سے جنادہ بن امیہ سے روایت کیا ہے اور اس طرح بیان کیا ہے کہ حبیب بن سلمہ کو والی قبرص کی اطلاع موصول ہوئی اور یہ اس کی طرف گئے .... یہاں تک کہ اس سے چھینا ہوا مال جس میں ریشم، یاقوت اور زبرجد وغیرہ شامل تھے، کو پانچ خچروں پر لاد کر لا ئے حبیب یہ چاہتے تھے کہ وہ سارے کا سارا مال لیں اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اس کا بعض حصہ لیں۔ پس حبیب نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے کسی کو قتل کیا اس سے چھینا ہوا سامان اسی کے لئے ہوگا۔ تو اس کے جواب میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد ہمیشہ کے لئے نہیں فرمایا (بلکہ یہ تو مخصوص حالات کے پیش نظر فرمایا) جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو وہ ان کے پاس آ گئے۔ اس وقت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور حبیب رضی اللہ عنہ دونوں جھگڑ رہے تھے۔ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حبیب سے کہا کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا کہ تو وہ کچھ لے لے جو دینے پر تمہارا امام وحاکم خوش ہے۔ بیشک تمہارا حق وہی ہے جو تمہارا امام بطیب خاطر تمہیں عطا کر دے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس سے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ارشاد بھی بیان فرمایا پس وہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے پر متفق ہو گئے۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے مال کا خمس لیکر بقیہ چار حصے حبیب کے حوالے کر دیئے اور حبیب نے انہیں چار ہزار دینار کے عوض فروخت کر دیا۔ اس روایت کی سند میں بھی ایک راوی مجہول ہے۔

صحیحین میں غزوۂ بدر میں ابوجہل کے قتل کے بارے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس کے متعلق حضور نبی کریم ﷺ نے معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفراء کی تلواریں دیکھنے کے بعد دونوں کو فرمایا تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے پھر

1۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 126 (امدادیہ)

آپ ﷺ نے اس سے چھینے ہوئے سامان کا فیصلہ صرف معاذ بن عمرو بن جموح کے حق میں کیا۔ اگر یہ سامان مطلقاً قاتل کو دینا ہی لازم ہوتا تو آپ ﷺ اس کا سامان دونوں کو عطا فرماتے(1)۔ اسی طرح ایک روایت مسلم اور ابوداؤد رحمہما اللہ نے حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں غزوۂ موتہ میں شامل ہوا اور اس دوران اہل یمن میں سے ایک شخص مددی بھی میرے ساتھ تھا۔ رومی لشکر سے ہمارا آمنا سامنا ہوا۔ ان میں ایک آدمی اشقر گھوڑے پر سوار تھا۔ گھوڑے کی زین سنہری رنگ کی تھی اور اس آدمی کے ہتھیار بھی سنہری رنگ کے تھے۔ وہ لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے اکسا رہا تھا۔ چنانچہ مددی اس کی تاک میں ایک چٹان کے پیچھے بیٹھ گیا۔ پس جونہی رومی اس کے پاس سے گزرا تو مددی اس پر جھپٹ پڑا اس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور رومی پر سوار ہو کر اسے قتل کر دیا اور پھر اس کے گھوڑے اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و کامرانی سے بہرہ ور فرمایا تو سالار لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے پاس بلا بھیجا اور مددی سے چھینے مال کا کچھ حصہ (خمس) وصول کر کے بقیہ مال اس کے حوالے کر دیا۔ عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور آ کر عرض کی اے خالد! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کے لئے قرار دیا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کیوں نہیں، لیکن میرے خیال میں یہ مال کثیر تھا۔ (اس لئے میں نے اس سے کچھ مال لے لیا ہے) پھر میں نے کہا کہ آپ وہ سامان واپس لوٹا دیں ورنہ میں رسول اللہ ﷺ کو تم دونوں کے واقعہ سے مطلع کروں گا۔ لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے وہ سامان دینے سے انکار کر دیا۔ عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس اکٹھے ہوئے تو میں نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں مددی کا واقعہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس سے جو سلوک کیا وہ سب بیان کر دیا۔ سارا واقعہ سماعت فرمانے کے بعد حضور نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا اے خالد! تم نے اس کا جو سامان لیا ہے وہ اسے واپس لوٹا دو۔ عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ فیصلہ سن کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے کہا لو خالد! کیا میں نے آپ کو پوری بات بتا نہیں دی تھی۔ تو پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے؟ تو میں نے آپ ﷺ کو مکمل واقعہ سے آگاہ کر دیا۔ عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میری بات سن کر رسول اللہ ﷺ پر غصے اور ناراضگی کے آثار ظاہر ہو گئے اور فرمایا اے خالد! اسے کچھ بھی واپس نہ کرنا۔ کیا تم میرے لئے (میرے مقرر کردہ) امراء کو چھوڑ نہیں سکتے (یعنی تم ان کے معاملات میرے سپرد کر دو میں جانوں اور یہ جانیں تمہارے ذمہ فقط ان کے حکم کی تعمیل ہے)۔ بیشک ان کے حکم کی بھلائی اور اچھائی تمہارے لئے ہوگی اور اس کی برائی ان پر پڑے گی(2)۔ مذکورہ واقعہ میں وجہ استدلال یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پہلے مال واپس کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور پھر واپس کرنے سے روک دیا۔ لہٰذا اگر شرعاً یہ مال دینا لازم ہوتا تو آپ ﷺ مستحق کو مال ادا کرنے سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قطعاً منع نہ کرتے۔ خطابی نے اس ممانعت کی علت یہ بیان کی ہے کہ عوف کو زجر و توبیخ اور تنبیہ فرمانے کے لئے حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خالد بن ولید کو مال واپس کرنے سے منع فرما دیا تا کہ لوگوں کو اپنے امراء کے خلاف بولنے کی جرأت نہ ہو اور چونکہ حضرت خالد بن ولید نے یہ فیصلہ اپنے اجتہاد سے کیا تھا۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے ہی برقرار رکھا اور کثیر منافع کے لئے تھوڑا سا ضرر اور نقصان قابل برداشت ہوتا ہے۔ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ خطابی کا

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 88 (قدیمی)

2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 73-372 (وزارت تعلیم)

مذکور قول غلط ہے اس لئے کہ حضرت خالد بن ولید کے خلاف بولنے اور ان کے حکم کی مخالفت کرنے کی جرأت تو عوف نے کی تھی اور چھینا ہوا سامان عوف کا نہیں تھا بلکہ مددی کے لئے تھا اور ایک آدمی کے جرم کی سزا دوسرے کو نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ کوئی بھی دوسرے کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اس میں اصل وجہ یہ تھی کہ پہلے حضور نبی کریم ﷺ نے یہ پسند فرمایا کہ آپ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یہ سفارش فرمائیں کہ مددی کو پورا مال دے دیں۔ پھر جب آپ ﷺ غصے اور ناراض ہوئے تو آپ نے اپنی سفارش واپس لے لی اور پورا مال دینے سے منع فرمادیا۔ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے غصے کے سبب زجر و توبیخ کرتے ہوئے ایسے آدمی کا حق روک لیا ہے جس سے کوئی جرم سرزد ہی نہیں ہوا۔ پس یہ واقعہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ مقتول کا سارے کا سارا سامان قاتل کو ملنا شرعاً لازم اور ضروری نہیں (بلکہ اس کا انحصار امام وقت کی صوابدید پر ہے)۔

میں کہتا ہوں کہ حبیب کے واقعہ والی حدیث معلل اور ضعیف ہے اور اگر صحیح ثابت بھی ہو جائے تو پھر بھی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام وقت مقتول سے لئے گئے مال کا پانچواں حصہ وصول کرسکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خمس لینے کا ارادہ ظاہر کیا اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قاتل کے لئے مقتول کے سامان میں کوئی حق نہیں بلکہ وہ عام مال غنیمت کی مثل ہے اور ابوجہل سے چھینے گئے مال والی حدیث منسوخ ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کی اس نص قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ سے ثابت ہے کہ غزوۂ بدر سے حاصل ہونے والا مال غنیمت حضور نبی کریم ﷺ کے لئے تھا آپ جسے چاہیں اس میں سے عطا فرمادیں چنانچہ آپ ﷺ نے وہ مال غنیمت اس جماعت کو بھی عطا فرمایا جو میدان بدر میں حاضر نہیں تھی۔ پھر غزوۂ بدر کے بعد مال غنیمت کے بارے آیت وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ الآیہ نازل ہوئی۔ تو حضور نبی مکرم ﷺ نے مقتول سے چھینا ہوا سامان قاتل کے لئے قرار دیا اور پھر یہی حکم پختہ اور منضبط ہوگیا۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ کا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے یہ کہنا کہ کیا آپ جانتے نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول سے چھینا ہوا سامان قاتل کے لئے مقرر کردیا ہے اور اس کے جواب میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بلیٰ کہہ کر اس کا اقرار کرنا اور پھر حضور نبی کریم ﷺ کا اسے تسلیم کرنا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم ارشاد فرمانا کہ ان سے حاصل کردہ سامان انہیں واپس کردو یہ سب اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ایک عمومی شرعی قانون اور ضابطہ تھا۔ پھر اگرچہ اپنے امیر کے خلاف جرأت کا اظہار مددی نے بذات خود نہیں کیا تھا بلکہ اس کی جانب سے اس جرأت کا اظہار حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے کیا تھا لیکن چونکہ مددی اس سارے عمل پر راضی تھا اس لئے وہ اس کا مستحق تھا کہ اسے ڈانٹ ڈپٹ کی جائے۔ لہٰذا آپ ﷺ اس سے لیا گیا سامان واپس کرنے سے منع فرمادیا اور حضور نبی مکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ کیا تم میرے لئے مقرر کردہ امراء کو چھوڑ نہیں سکتے ان کے حکم اور معاملے کی بھلائی اور نیکی تمہارے لئے ہے اور ان کے حکم کی کدورت ان پر پڑے گی۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ امام وقت اگرچہ کسی پر ظلم کرے اور کسی کا حق روک لے تو اس کے اس سلوک کی برائی اور کدورت اسی پر پڑے گی، وہ خود ہی اس کا ضامن ہوگا لیکن لوگوں پر اس کی اطاعت و فرمانبرداری واجب اور لازم ہے۔

مسئلہ:۔ بالاجماع یہ جائز ہے کہ امام وقت کسی بھی مجاہد کو اس کے حصے سے زیادہ مال دے سکتا ہے۔ بشرطیکہ امیر نے دوران جنگ مال کے حصول سے پہلے اس کا اعلان کردیا ہو کیونکہ یہ جنگ پر ابھارنے اور برانگیختہ کرنے کی ایک صورت ہے اور امام وقت کو جہاد پر برانگیختہ کرنے کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ (مومنین کو جہاد پر برانگیختہ کرو)۔ لہٰذا امام کے

لئے یہ کہنا جائز اور درست ہے جو کوئی کسی کو قتل کرے گا اس کے لئے اس درا ہم ہوں گے یا جو کوئی اس قلعہ میں داخل ہوگا اس کے لئے اتنا سامان ہوگا۔ یا وہ کسی بھی فوجی دستہ کے لئے یہ کہہ دے کہ میں نے مال غنیمت سے خمس نکالنے کے بعد باقی مال سے نصف یا چوتھائی تمہارے لئے مقرر کر دیا ہے۔ یا یہ کہے جو کوئی کسی عورت کو پکڑ لائے گا وہ اسی کے پاس (بطور لونڈی) رہے گی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب جنگ کی غرض سے اپنی جماعتیں باہر بھیجا کرتے تو آپ ﷺ عام لشکریوں میں مال تقسیم کرنے کے علاوہ کچھ زائد سامان بطور انعام انہیں عطا فرما دیتے(1) یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے۔ لیکن امام وقت کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ جو کوئی جتنا مال حاصل کرے گا وہ اسی کے لئے ہوگا۔ کیونکہ اس سے تو خمس کا بطلان لازم آتا ہے جبکہ خمس کا حکم کتاب اللہ سے ثابت ہے۔ ان حصوں کا باطل ہونا لازم آتا ہے جو کہ پیدل اور شہسوار کے لئے احادیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور ساتھ ہی ان مجاہدین کا حق باطل ہوتا ہے (جو جنگ میں شریک تو ہوئے) لیکن سامان میں سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہ آیا۔ احناف کی بعض روایات میں یہ موجود ہے کہ اگر امام وقت مصلحت دیکھے تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ سارے کا سارا مال غنیمت (کسی ایک فرد یا جماعت) کے حوالے کر دے۔ حاکم نے مکحول سے ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے ابوامامہ کے واسطہ سے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا ہے کہ میدان بدر میں جب دونوں لشکر برسر پیکار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا جو مال غنیمت جس کسی کے ہاتھ لگے گا وہ اسی کے لئے ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ آیت خمس اس حکم کے بعد نازل ہوئی، اس لئے اس کے سبب یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

مسئلہ:۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مال غنیمت دارالاسلام میں محفوظ کرنے سے پہلے خمس نکالنے کے بعد بقیہ چار حصوں میں سے بطور انعام کسی کو اضافی مال دیا جا سکتا ہے مگر دارالاسلام میں مال محفوظ کرنے کے بعد صرف خمس میں سے بطور انعام دینا جائز ہے دوسرے حصص سے دینا صحیح نہیں۔

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر حال میں خمس میں سے ہی یہ انعام دیا جائے گا کیونکہ خمس کو استعمال کرنے کا اختیار امام وقت کو سونپ دیا گیا ہے۔ جبکہ باقی مال تو غانمین کا حق ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالزیاد کے واسطہ سے حضرت سعید بن مسیب سے یہ نقل کیا ہے کہ لوگ (صحابہ کرام) صرف خمس میں سے ہی تنفیل کیا کرتے تھے(2) اور ابن ابی شیبہ نے بھی حضرت سعید بن مسیب سے یہی قول نقل کیا ہے کہ وہ تنفیل صرف خمس میں سے ہی کرتے تھے(3)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خمس میں سے ہمارے حصے کے علاوہ کچھ زائد مال ہمیں عطا فرمایا تو ایک بوڑھا اونٹ میرے حصہ میں آیا(4)۔ یہ روایت متفق علیہ ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ مذکورہ تمام آثار کو مال غنیمت دارالاسلام میں منتقل کرنے کے بعد کی حالت پر محمول کرتے ہیں۔ دارالاسلام میں مال منتقل کرنے سے پہلے بہرحال انعام مجاہدین کے چار حصوں میں سے ہی دیا جائے گا۔ کیونکہ جنہیں وہ دیا جائے گا وہ مجاہدین میں سے ہی ہوں گے۔ مساکین، یتامیٰ اور ابن سبیل تو نہیں ہوں گے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انعام خمس میں سے رسول اللہ ﷺ کے حصہ سے دیا جائے گا۔ حضرت سعید بن مسیب کا قول بھی یہی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے اور حضور نبی مکرم ﷺ کے اس ارشاد کا معنی بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو مال غنیمت عطا

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 86 (قدیمی)
2۔ موطا امام مالک، جلد 2 صفحہ 456 (التراث العربی)
3۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 6 صفحہ 500 (الزمان)
4۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 86 (قدیمی)

فرمایا ہے اس میں سے میرے لئے خمس کے سوا اور کچھ نہیں اور پھر خمس بھی تمہاری طرف ہی لوٹا دیا جاتا ہے (1)۔ میں یہ کہتا ہوں کہ حضور نبی کریم ﷺ کا کسی کو مال غنیمت کے خمس کے پانچویں حصے سے بطور انعام مال دینا یہ آپ ﷺ کی جانب سے ہبہ ہے۔ لہٰذا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مجاہدین کے بقیہ چار حصوں میں سے بطور تنفیل مال دینا جائز ہی نہیں۔ ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے: أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَّلَ فِي الْبَدْأَةِ الرُّبُعَ وَفِي الرَّجْعَةِ الثُّلُثَ (2)۔ اسی طرح یہ روایت ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حبیب بن سلمہ فہری سے بھی نقل کی ہے۔ خطابی نے اس حدیث کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے کہ جب کوئی دستہ پہلی بار جنگ کے ارادہ سے سفر پر نکلتا تو اس کے لئے بطور تنفیل رسول اللہ ﷺ مال غنیمت کا 1/4 (چوتھائی حصہ) مقرر فرماتے اور جب وہ لوگ لوٹ کر آتے اور پھر دوبارہ دشمن کے مقابلے کے لئے چلے جاتے تو دوبارہ ان کے لئے مال غنیمت کا تیسرا حصہ بطور انعام مقرر کیا جاتا کیونکہ ان کے ایک بار سفر سے واپس آ جانے کے بعد فوراً دوبارہ سفر پر جانا ان کے لئے زیادہ تکلیف دہ ہوتا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث تو ان لوگوں کے قول کا رد کرتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تنفیل فقط مال غنیمت کے پانچویں حصے یا پانچویں کے پانچویں سے کرنا جائز ہے کیونکہ یہاں تو چوتھائی اور تہائی مال خمس میں سے دیئے جانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ انعام تو کل مال غنیمت سے دیا جائے گا جیسے بعض نے کہا ہے یا پھر خمس نکالنے کے بعد بقیہ چار حصوں سے دیا جائے گا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حدیث طیبہ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں پہلی مرتبہ بطور تنفیل خمس میں سے چوتھائی اور دوسری بار لوٹنے کی صورت میں خمس میں سے تہائی مقرر کیا جاتا تھا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے (3)۔ تو اس کے بارے میں ہم یہ کہیں گے کہ حدیث طیبہ خمس کی تقیید پر دلالت نہیں کرتی۔ یہ قید فقط حدیث کو اپنے مدعٰی کے مطابق بنانے کے لئے لگائی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بذات خود حبیب بن سلمہ کی حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے: اَلرُّبُعَ بَعْدَ الْخُمُسِ وَالثُّلُثَ بَعْدَ الْخُمُسِ۔ (کہ مال غنیمت سے خمس نکالنے کے بعد باقی چار حصوں سے چوتھائی یا تہائی حصہ بطور انعام مقرر کیا کرتے تھے) اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ الفاظ نقل کیے ہیں اور علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سے یہ استدلال کیا ہے کہ خمس نکالنے کے بعد باقی چار حصوں سے بطور انعام مال دینا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ امیر لشکر اگر کسی مجاہد کی سعی و کوشش اور جرأت و بہادری دوسروں کی نسبت زائد اور اعلیٰ گمان کرے تو جنگ ختم ہونے کے بعد پیشگی شرط کے بغیر اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اسے مقررہ حصے سے زائد مال بطور انعام دے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہیں جنگ ختم ہونے کے بعد صرف اور صرف خمس سے انعام دینا جائز ہے کیونکہ جنگ ختم ہونے کے بعد اہل لشکر کا اس مال میں حق ثابت ہو چکا ہے اور ان کے حق کو باطل کرنا (یا کم کرنا) جائز نہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کے خلاف حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث بطور حجت بیان کی گئی ہے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے غلام رباح کے ہمراہ اپنے کچھ اونٹ روانہ کیے اور میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ جب صبح ہوئی تو عبدالرحمن فزاری نے رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں پر حملہ کر دیا اور وہ لوٹ لئے۔ پس میں بھی ایک پہاڑی پر چڑھ کر کھڑا ہوا اور مدینہ طیبہ کی طرف منہ کر کے تین مرتبہ یہ آواز لگائی یا صباحاہ۔ (مقصود یہ تھا کہ اونٹوں پر حملہ کر دیا گیا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 29 (التجاریہ)   2۔ جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 189 (وزارت تعلیم)   3۔ شرح معانی الآثار جلد 2 صفحہ 131 (امدادیہ)

ہے)۔ پھر نیچے آ کر ان لوگوں کے تعاقب میں چل پڑا میں ان پر تیر پھینکتا اور ساتھ رجز پڑھتے ہوئے یہ کہتا "اَنَا ابْنُ الْاَکْوَعِ وَالْیَوْمُ یَوْمُ الرُّضَّعِ" (میں ابن اکوع ہوں اور آج کا دن منحوس دن ہے) میں ان پر مسلسل تیر برساتا رہا اور انہیں زخمی کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے تمام اونٹوں کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا (یعنی میں نے ان سے آپ ﷺ کے تمام اونٹ آزاد کرا لئے) لیکن اس کے باوجود میں ان کے پیچھے چلتا رہا اور ان پر تیر برساتا رہا یہاں تک کہ انہوں نے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے تیس سے زائد چادریں اور تیس نیزے پھینک دیئے۔ وہ جو چیز بھی پھینکتے تھے میں اس پر پتھر اکٹھے کر کے رکھ دیتا تاکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام ان کی پہچان کر لیں۔ (میں ان کا پیچھا کرتا رہا) یہاں تک کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آنے والے شہسوار نظر آ گئے۔ پس دیکھتے ہی دیکھتے رسول اللہ ﷺ کے شہسوار حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن کو پیچھے سے جا ملے اور اسے قتل کر دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج کے دن ہمارا بہترین شہسوار ابوقتادہ ہے اور سب سے اچھا پیدل مجاہد سلمہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھے دو حصے عطا فرمائے۔ ایک حصہ شہسوار کا اور ایک حصہ پیدل کا۔ پس آپ ﷺ نے دو حصے اکٹھے مجھے عطا فرمائے۔ پھر حضور نبی رحمت ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف لوٹتے وقت اپنی عضباء اونٹنی پر اپنے پیچھے مجھے سوار کر لیا۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(1)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو ابن حبان نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس غزوہ میں حضرت سلمہ بن اکوع پیدل تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خمس میں انہیں اضافی حصہ بطور انعام دیا تھا۔ مسلمانوں کے حصے میں سے نہیں دیا تھا۔ اسی حدیث کو قاسم بن سلام نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ابن مہدی نے یہ بیان کیا ہے کہ میں نے اس حدیث کا تذکرہ سفیان سے کیا تو انہوں نے یہ کہا کہ یہ حضور نبی کریم ﷺ کی خصوصیت ہے (کہ آپ جسے جو چاہیں عطا فرما دیں) قاسم کہتے ہیں کہ میرے نزدیک حدیث کو اس معنی پر محمول کرنا یہ کہنے سے زیادہ بہتر ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنے حصہ سے عطا فرمایا۔ بصورت دیگر اسے نفل (اضافی انعام) کی بجائے ہبہ کہنا چاہئے تھا۔ میں کہتا ہوں کہ حدیث کی مذکورہ دونوں تاویلوں (یعنی اسے حضور کی خصوصیت قرار دینا یا یہ کہنا کہ آپ نے اپنے خمس سے دیا) کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ہم عنقریب حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری حدیث ذکر کریں گے جس میں انہوں نے یہ کہا ہے کہ ہم نے بنی فزارہ کے خلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں جہاد کیا اور یہ روایت اس بیان میں ہے کہ مسلمان قیدیوں کا مشرک قیدیوں کے ساتھ تبادلہ جائز ہے تو اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو ایک (قیدی) عورت انعام میں دی۔ بعض علماء نے حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ اس حدیث: اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَفَلَ فِی بِدَاْتِهِ الرُّبُعَ وَفِی رَجْعَتِهِ الثُّلُثَ(2) کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جنگ کی ابتداء میں بطور تنفیل چوتھائی مال مقرر فرمایا تھا لیکن جنگ سے واپس لوٹنے کے بعد تہائی مال عطا فرمایا تو حضور نبی کریم ﷺ نے جنگ سے واپس لوٹنے کے بعد ایک تہائی مال کا اضافہ اس مال سے کیا جس سے تنفیل جائز تھی اور وہ مال مال غنیمت کا خمس ہے۔ (یعنی آپ ﷺ نے خمس میں سے ایک تہائی مال کا بطور انعام اضافہ کیا) امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اس مذکورہ معنی پر محمول کیا ہے تاکہ یہ حدیث ان کے اپنے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 15-114 (قدیمی)

2۔ جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 198 (وزارت تعلیم)

اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق ہو جائے، واللہ اعلم۔

جنگ میں شریک بعض مجاہدین کو مال غنیمت میں سے ان کے مقررہ حصہ سے زائد مال بطور انعام دینا صحابہ کرام میں یہ عمل معروف و مشہور تھا۔ البتہ اس بارے میں اختلاف تھا کہ اس کا محل کیا ہے (اور اس کا اہل کون ہے) امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اسناد سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ ایک غزوہ میں عبید اللہ بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ جنگ کے نتیجہ میں کچھ قیدی ہمارے ہاتھ لگے۔ عبید اللہ نے یہ چاہا کہ وہ تقسیم سے پہلے قیدیوں میں سے ایک حضرت انس رضی اللہ عنہ کو عطا کر دے۔ لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ایسا نہ کرو بلکہ پہلے انہیں تقسیم کرو اور پھر خمس میں سے ایک مجھے دے دو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ میں کل مال غنیمت میں سے ہی دوں گا لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس صورت میں قبول کرنے سے انکار کر دیا(1) اور عبید اللہ نے خمس میں سے کوئی چیز دینے سے انکار کر دیا۔ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے سلیمان بن یسار سے روایت نقل کی ہے کہ ہم افریقہ کے جہاد میں معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ تو انہوں نے لوگوں کو کچھ زائد مال بطور انعام دیا اور ہمارے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام بھی شریک جہاد تھے لیکن جبلہ بن عمرو کے سوا کسی نے بھی (ان کے اس عمل کا) انکار نہیں کیا(2)۔ خالد بن ابی عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سلیمان بن یسار سے جنگ (میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کے مقررہ حصے سے) زائد مال کے بارے پوچھا۔ تو انہوں نے کہا ہم نے ابن خدیج کے سوا کسی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا کہ انہوں نے افریقہ کے جہاد میں مال غنیمت کا خمس نکالنے کے بعد باقی مال کا نصف حصہ ہمیں دے دیا تھا اور اس وقت حضور نبی رحمت ﷺ کے صحابہ کرام میں سے اولین مہاجرین کی کثیر تعداد ہمارے ساتھ موجود تھی (لیکن کسی نے بھی لینے سے انکار نہیں کیا) صرف جبلہ نے کوئی چیز لینے سے انکار کر دیا(3)۔

مسئلہ:۔ مال غنیمت میں سے خمس نکالنے کے بعد بقیہ چار حصوں کی تقسیم غانمین کے مابین اس طرح کی جائے گی کہ پیدل کے لئے ایک حصہ ہو گا اور گھوڑا سوار کے لئے تین حصے ہوں گے ان میں سے ایک حصہ شہسوار کا ہو گا اور دو حصے اس کے گھوڑے کیلئے ہوں گے۔

قاضی عبد الوہاب نے کہا ہے کہ صحابہ کرام میں سے حضرت عمر بن خطاب اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے ایسے ہی فرمایا ہے اور صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی ان سے مخالفت نہیں کی۔ تابعین میں سے حضرت عمر بن عبد العزیز اور ابن سیرین رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کہا ہے۔ فقہاء عظام میں سے امام مالک، امام اوزاعی، لیث بن سعد، سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، ابو ثور، امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی موقف اختیار کیا ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کسی نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا ہے۔ صرف انہوں نے یہ کہا ہے کہ گھوڑ سوار کیلئے دو حصے ہوں گے اور پیدل کیلئے ایک حصہ ہو گا۔

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ خالد الحذاء نے کہا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ سے یہ مروی ہے کہ گھوڑ سوار کے لئے تین حصے ہوں گے۔ جمہور نے متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں منذر بن زبیر بن عوام اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک حصہ دیا اور ان کے گھوڑے کے لئے دو حصے عطا فرمائے(4)۔ اسے احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح دار قطنی نے حضرت عبید اللہ بن زبیر

1۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 133 (امدادیہ)
2۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 133 (امدادیہ)
3۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 133 (امدادیہ)
4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 166 (صادر)

رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے۔علاوہ ازیں دار قطنی نے اسی کی مثل روایات حضرت جابر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت سہل بن حثمہ رضی اللہ عنہم سے بھی نقل کی ہیں۔ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے عبداللہ بن ابی ابکر بن عمرو بن حزم سے حدیث منقول ہے کہ غزوہ بنی قریظہ کے وقت حضور نبی کریم ﷺ نے گھوڑ سوار کے لئے تین حصے مقرر فرمائے ایک حصہ شہسوار کے لئے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لئے۔اسی بیان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے گھوڑے کے لئے دو حصے مقرر فرمائے اور اس کے سوار کے لئے ایک حصہ مقرر فرمایا(1)۔اس حدیث کو امام بخاری اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔اور مسلم شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مقررہ حصے سے زائد مال بطور انعام تقسیم کرتے وقت گھوڑے کے لئے دو حصے اور پیدل کے لئے ایک حصہ مقرر فرمایا(2) اور دوسری روایت میں نفل کا لفظ موجود نہیں (یعنی اس میں زائد مال کا ذکر نہیں کیا گیا) اور ایک اور روایت میں ہے آدمی اور اس کے گھوڑے کے لئے تین حصے ہوں گے، ایک حصہ آدمی کے لئے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لئے۔اسحاق بن راہویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی اسی طرح نقل کی ہے۔اسی کی مثل روایت ابوداؤد نے ابن ابی عمرۃ کے واسطے سے ان کے باپ سے نقل کی ہے اور بزار نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے ایسے ہی روایت نقل کی ہے۔ابو کبشہ انماری کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال ارشاد فرمایا میں نے گھوڑے کے لئے دو حصے اور اس کے سوار کے لئے ایک حصہ مقرر کر دیا ہے۔سو جس نے اس میں کمی کی اللہ تعالیٰ اسے کم کر دے گا۔اسے دار قطنی اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے(3)۔علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد ابن عمران القیسی ہے جسے اکثر لوگوں نے ضعیف کہا ہے۔ابو وہم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ایک غزوہ میں شریک ہوئے اور ہمارے پاس دو گھوڑے تھے تو آپ ﷺ نے ہمیں چھ حصے عطا فرمائے، چار حصے ہمارے گھوڑوں کے لئے اور دو حصے ہمارے لئے۔اسے دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں اپنی سند کے ساتھ ابو حازم سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا میں اور میرا بھائی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے اور ہمارے پاس دو گھوڑے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں چھ حصے عطا فرمائے، چار حصے ہمارے گھوڑوں کے لئے اور دو حصے ہمارے لئے۔ہم نے وہیں اپنے چھ حصے دو جوان اونٹوں کے عوض فروخت کر دیئے(4)۔امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مجمع بن جاریہ انصاری کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ خیبر سے حاصل ہونے والا مال اہل حدیبیہ پر تقسیم کیا گیا۔رسول اللہ ﷺ نے اس مال کو اٹھارہ حصوں میں تقسیم کیا جبکہ لشکر کی کل تعداد پندرہ سو تھی اور ان میں تین سو گھوڑ سوار تھے۔تو آپ ﷺ نے ہر شہسوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ عطا فرمایا(5)۔اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور ابوداؤد نے کہا ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے۔حقیقتاً اس لشکر میں دو سو گھوڑ سوار تھے اور آپ ﷺ نے گھوڑے کے لئے دو حصے اور اس کے سوار کے لئے ایک حصہ عطا فرمایا۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔میں کہتا ہوں کہ ہم نے بھی سورۂ فتح کی تفسیر میں خیبر کے مال غنیمت کے بارے میں یہی کچھ بیان کیا ہے۔حضرت مقداد بن عمر

1۔صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 401 (وزارت تعلیم)   2۔صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 92 (قدیمی)   3۔معجم کبیر طبرانی، جلد 22 صفحہ 342 (ابن تیمیہ)
4۔کتاب الخراج صفحہ 22 (السلفیہ)   5۔سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 375 (وزارت تعلیم)

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں اپنے گھوڑے پر سوار تھے جسے سبحہ کہا جاتا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں دو حصے عطا فرمائے ایک اپنے لئے اور ایک آپ کے گھوڑے کے لئے۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی سند میں واقدی ضعیف راوی ہے۔

واقدی نے ہی مغازی میں جعفر بن خارجہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں غزوۂ بنی قریظہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر شریک ہوا تو حضور نبی کریم ﷺ نے ایک حصہ مجھے اور ایک حصہ میرے گھوڑے کے لئے عطا فرمایا۔

ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس سند کے ساتھ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان نقل کیا ہے: حدثنا محمد بن محمد السری حدثنا المنذر بن محمد حدثنی ای حدثنا یحییٰ بن محمد بن ھانی عن مجھد بن اسحاق حدثنا محمد بن جعفر عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بنی مصطلق کے کچھ قیدی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ آئے تو آپ ﷺ نے ان سے خمس نکالا پھر باقی کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا گھوڑ سوار کو دو حصے عطا فرمائے اور پیدل کو ایک حصہ۔ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اور دار قطنی نے انہی کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ابو اسامہ اور ابن نمیر نے بیان کیا کہ عبید اللہ نے نافع کے واسطہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑ سوار کے لئے دو حصے اور پیدل کے لئے ایک حصہ مقرر فرمایا ہے(1)۔ دار قطنی نے اس روایت کے ساتھ یہ بھی کہا کہ ابو بکر نیشاپوری کہتے تھے کہ میرے نزدیک یہ ابن ابی شیبہ کا وہم ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور عبد الرحمٰن بن بشیر وغیرہ نے ابن نمیر سے ہی اس کے خلاف سابقہ مفہوم کے مطابق حدیث بیان کی ہے، یعنی گھوڑ سوار کے لئے تین حصے ہوں گے پھر دار قطنی نے نعیم سے اس سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ابن ابی شیبہ کی حدیث کی مثل حدیث نقل کی ہے۔ سند اس طرح ہے: "عن نعیم حدثنا ابن المبارک عن عبیداللّٰہ ابن عمر عن نافع عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنھم۔" علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس روایت میں وہم نعیم کو ہو سکتا ہے کیونکہ ابن مبارک تو لوگوں کی نسبت زیادہ مضبوط اور قوی الحفظ تھے۔ لیکن ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ نعیم ثقہ راوی ہے۔ دار قطنی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ یونس بن عبد الاعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ابن وہب نے عبید اللہ بن عمر اور نافع کے واسطہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے اور سوار کے لئے دو حصے اور پیدل کے لئے ایک حصہ مقرر فرماتے تھے۔ ابن ابی مریم اور خالد بن عبد الرحمٰن نے عبد اللہ بن عمر العمری سے روایت نقل کر کے ان کی متابعت کی ہے۔ قعنبی نے یہی روایت العمری سے اس شک کے ساتھ نقل کی ہے کہ آیا اس میں فارس (شہسوار) یا فرس (گھوڑا) کا لفظ ہے۔ پھر حجاج بن منہال سے اس سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے ہے۔ حدثنا حماد بن سلمہ حدثنا عبیداللّٰہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما۔ کہ حضور نبی کریم ﷺ نے گھوڑ سوار کے لئے دو حصے اور پیدل کے لئے ایک حصہ مقرر کیا۔ نصر بن محمد بن حماد نے اس کی مخالفت کی ہے۔ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جنہوں نے عبید اللہ کی حدیث کو تعارض کے ساتھ ذکر کیا ہے ان میں سے ایک علامہ کرخی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں لیکن جو روایت بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عبید اللہ سے نقل کی ہے وہ زیادہ مضبوط اور پختہ ہے۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عبید اللہ بن عمر ضعیف راوی ہے۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے عبد الرحمٰن بن امین کے واسطہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ

1۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 6 صفحہ 488 (الزمان)

روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ گھوڑ سوار کے لئے دو حصے اور پیدل کے لئے ایک حصہ تقسیم کیا کرتے تھے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے حسن بن عمارہ سے اور انہوں نے حکم بن عیینہ اور مقسم کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کا مال غنیمت اس طرح تقسیم فرمایا کہ گھوڑ سوار کو دو حصے عطا فرمائے اور پیدل کو ایک حصہ (1)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ فقیہ اعظم حضرت امام ابوحنیفہ (اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کا سایہ رکھے) فرمایا کرتے تھے کہ پیدل کے لئے بھی ایک حصہ ہوگا اور سوار (گھوڑے) کے لئے بھی ایک ہی حصہ ہوگا۔ (شاید اس عبارت میں فارس سے مراد فرس یعنی گھوڑا ہے) آپ فرماتے ہیں کسی چوپائے کو مسلمان آدمی پر فضیلت نہیں دوں گا اور آپ استدلال اس روایت سے کرتے تھے جو آپ نے ہمیں زکریا بن حارث کے واسطہ سے منذر بن ابی حمصہ ہمدانی سے بیان فرمائی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ایک غلام جو کہ شام کے کسی جہاد میں سالار لشکر تھا۔ اس نے مال غنیمت کی تقسیم اس طرح کی کہ گھوڑے کے لئے بھی ایک حصہ نکالا اور آدمی کے لئے بھی ایک حصہ۔ جب یہ مسئلہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس کی اجازت دے دی۔ (یعنی اس تقسیم کو برقرار رکھا) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی بناء پر کہا کرتے تھے کہ گھوڑے کے لئے بھی ایک حصہ ہے اور پیدل کے لئے بھی ایک۔ لیکن وہ آثار اور احادیث جن میں یہ مذکور ہے کہ گھوڑے کے لئے دو حصے ہیں اور آدمی کے لئے ایک حصہ وہ تعداد میں کثیر ہیں، اس اثر کی نسبت زیادہ قابل اعتماد اور مضبوط ہیں اور جمہور کا عمل بھی اسی پر ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ اس میں گھوڑے کی آدمی پر فضیلت لازم آتی ہے تو یہاں ایسی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ پھر تو گھوڑے کا ایک حصہ بھی نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس صورت میں بھی ایک چوپائے کی مسلمان آدمی کے ساتھ مساوات اور برابری لازم آتی ہے۔ بلکہ یہاں مقصود یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر جہاد کی تیاری کریں اور لوگوں کو جہاد کے لئے گھوڑے تیار کرنے کی رغبت دلائی جائے۔ کیا آپ جانتے نہیں کہ گھوڑے کا حصہ بھی اس کے مالک کو ہی دیا جاتا ہے۔ گھوڑے کو تو اس سے کچھ بھی نہیں ملتا۔ اس تقسیم میں رضا کار اور رجسٹرڈ سپاہی برابر ہیں (2)۔ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب روایات کے مابین تعارض آجائے تو پھر اصل ہونے کی بناء پر نفی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لہٰذا تین حصوں والی روایت کو تنفیل پر محمول کیا جائے گا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اس جیسی دیگر روایات میں جو یہ وارد ہے کہ آپ ﷺ نے ہم میں سے سواروں کو تین حصے عطا فرمائے۔ تو الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کوئی مستقل حکم نہیں تھا ورنہ یہ کہا جاتا کہ آپ ﷺ ہمارے سواروں کو تین حصے دیا کرتے تھے یا آپ ﷺ نے تین حصے دینے کا فیصلہ فرما دیا تھا اور رہی ابو کبشہ کی حدیث جس میں یہ ہے کہ میں نے گھوڑے کے لئے دو حصے مقرر کئے ہیں اور اس کے سوار کے لئے ایک۔ پس جس نے اس میں کمی کی اللہ تعالیٰ اسے نقصان پہنچائے گا (3)۔ تو یہ حدیث صحیح نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی آدمی دو گھوڑے ساتھ لیکر جنگ میں شریک ہو تو امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے صرف ایک گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں بیان کیا ہے کہ میں نے مال کی تقسیم میں صرف ایک گھوڑے کا حصہ ہی سنا ہے (4)۔ امام ابو یوسف اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ دونوں گھوڑوں کا حصہ نکالا جائے گا۔ لیکن بالاجماع دو سے زائد گھوڑوں کا حصہ نہیں دیا جائے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو دار قطنی نے بشیر بن عمر بن

1۔ کتاب الخراج صفحہ 21 (السلفیہ)

2۔ کتاب الخراج صفحہ 22 (السلفیہ)

2۔ معجم کبیر طبرانی، جلد 11 صفحہ 342 (ابن تیمیہ)

4۔ موطا امام مالک، جلد 2 صفحہ 457 (التراث العربی)

مخفّف سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے دو گھوڑوں کے لئے چار حصے اور میرے لئے ایک حصہ عطا فرمایا اور میں نے پورے پانچ حصے حاصل کئے۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ابراہیم بن یحیٰی سلمی نے مکحول سے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر میں دو گھوڑے لیکر حاضر ہوئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں پانچ حصے عطا فرمائے۔ یہ روایت منقطع ہے۔ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے مغازی میں بیان کیا ہے کہ عبدالملک بن یحیٰی نے عیسٰی بن عمر کا قول بیان کیا ہے کہ غزوۂ خیبر میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس دو گھوڑے تھے۔ تو حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں پانچ حصے عطا فرمائے۔ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ یعقوب بن محمد نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی صعصعہ سے اور انہوں نے حارث بن عبداللہ بن کعب سے روایت بیان کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ غزوۂ خیبر میں تین گھوڑوں لزاز، ضرب اور سکب کے ہمراہ شریک ہوئے، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کئی گھوڑے لیکر آئے، حراش بن صمت دو گھوڑوں کے ساتھ شریک ہوئے، براء بن اوس دو گھوڑے لیکر آئے اور ابو عمرہ انصاری کے پاس بھی دو گھوڑے تھے تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ان تمام افراد کو جن کے پاس دو دو گھوڑے تھے انہیں چار حصے عطا فرمائے اور ایک ایک حصہ انہیں اپنے لئے عطا فرمایا (اسی طرح مجموعی طور پر انہیں پانچ پانچ حصے دیئے گئے) اور جتنے گھوڑے دو سے زائد تھے ان کا کوئی حصہ بھی نہیں دیا گیا۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن منصور اور ابن عیاش کے واسطے سے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑوں کا حصہ دیا کرتے تھے لیکن کسی آدمی کو دو سے زائد گھوڑوں کا حصہ عطا نہیں فرماتے تھے، اگرچہ اس کے ساتھ دس گھوڑے ہی کیوں نہ ہوں اور مزید یہ روایت بیان کی کہ سعید بن منصور نے فرج بن فضالہ سے انہوں نے محمد بن ولید سے اور انہوں نے زہری سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ ایک گھوڑے کے دو حصے دیجئے، دو گھوڑوں کے چار حصے اور دونوں کے مالک کو ایک ایک حصہ دیجئے۔ پس اس طرح وہ آدمی جو دو گھوڑوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوگا اس کے لئے مجموعی طور پر پانچ حصے ہوں گے اور جو گھوڑے دو سے زائد ہیں وہ کوتل ہیں (ان کا حصہ نہ دو)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ ابن یحیٰی بن سعید نے ہم سے ایسے آدمی کے بارے میں حسن کا قول نقل کیا ہے جو کسی جنگ میں شریک ہوتا ہے اور اس کے ساتھ کئی گھوڑے ہوں تو اسے دو سے زیادہ گھوڑوں کا حصہ مال غنیمت میں سے نہیں دیا جائے گا(1) اور مجھ سے محمد بن اسحاق نے یزید بن یزید بن جابر کے واسطہ سے مکحول کا یہ قول بھی بیان کیا ہے کہ مال غنیمت میں سے دو سے زائد گھوڑوں کا حصہ نہیں دیا جائے گا(2)۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جتنی روایات امام ابو یوسف اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے موقف کی تائید میں بیان کی گئی ہے۔ ان تمام کو تنفیل پر محمول کیا جائے گا (ان میں مقرر شدہ حصہ مراد نہیں) جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو دو حصے عطا فرمائے حالانکہ وہ پیدل تھے(3)۔ میں کہتا ہوں کہ جو کچھ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ ایک گھوڑے کے لئے دو حصے دینا اور دو گھوڑوں کے لئے چار حصے دینے کو تنفیل پر محمول کیا جائے گا اس کے صحیح ہونے کا تصور تب کیا جا سکتا ہے جب یہ کہا جائے کہ امام وقت کے لئے جنگ ختم ہونے کے بعد بعض لشکریوں کو (ان کی جرأت و بہادری کی قدر افزائی کے طور پر) کسی پیشگی شرط کے بغیر مقررہ حصے سے زائد مال (بطور انعام) دینا جائز ہے۔ مگر جو احادیث یہاں ذکر کی گئی ہیں کسی میں بھی یہ مروی نہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جنگ سے قبل

1۔ کتاب الخراج صفحہ 22-23 (السلفیۃ)　2۔ کتاب الخراج صفحہ 23 (السلفیۃ)　3۔ الہدایۃ، جلد 2 صفحہ 574 (نوتیمہ)

ایسی شرط کا ذکر فرمایا ہو (لامحالہ صاحب ہدایہ کی مذکورہ تاویل درست نہیں)۔

مسئلہ:۔ جنگ ختم ہونے کے بعد مال غنیمت دارالاسلام منتقل کرنے سے پہلے جب دارالحرب میں اسلامی لشکر کی امداد کے لئے کمک پہنچ جائے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک انہیں مال غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا جائے گا۔ لیکن امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انہیں بھی حصہ دیا جائے گا۔ ائمہ ثلاثہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جو ابن ابی شیبہ اور طحاوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے طارق بن شہاب الاخمسی سے نقل کی ہے کہ اہل بصرہ نے نہاوند میں جنگ لڑی تو اہل کوفہ ان کی امداد کو پہنچے۔ ان کے امیر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تھے۔ لیکن اہل بصرہ (ان کے پہنچنے سے قبل) غلبہ پا چکے تھے۔ اہل بصرہ نے چاہا کہ وہ اہل کوفہ کو مال میں سے کچھ حصہ نہ دیں تو بنی تمیم میں سے ایک آدمی اور طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بنی عطارد میں سے ایک آدمی نے کہا اے کان کٹے غلام کیا تم تو ہمارے ساتھ مال غنیمت میں شریک ہونا چاہتے ہو؟ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا ایک کان رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جنگ لڑتے ہوئے کٹ گیا تھا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا بہترین کان وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کام آ گیا۔ پھر آپ نے سارا واقعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف لکھ بھیجا۔ تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف لکھا کہ مال غنیمت انہی کا حق ہے جو جنگ میں عملاً شریک ہوئے (1) طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوع اور موقوف روایت نقل کی ہے کہ مال غنیمت انہی کے لئے ہے جو جنگ میں شریک ہوئے۔ اور ساتھ کہا ہے کہ موقوف روایت صحیح ہے۔ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے بختری بن مختار کی سند سے عبدالرحمٰن بن مسعود کے واسطہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اسے نقل کیا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن عبداللہ بن قسیط کی سند سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت پانچ سو مسلمانوں پر مشتمل لشکر زیاد بن لبید کی مدد کے لئے بھیجا اس واقعہ کے آخر میں یہ موجود ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ساتھ یہ لکھ بھیجا کہ مال غنیمت انہی کے لئے ہے جو جنگ میں حاضر ہوئے۔ لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ کے ساتھ نجد کی طرف بھیجا۔ وہ فتح خیبر کے بعد وہاں سے واپس آئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے خیبر کے مال غنیمت میں سے انہیں کوئی حصہ نہیں دیا (2)۔ اسے ابوداؤد اور ابو نعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں تعلیقاً نقل کیا ہے۔ احناف کی طرف سے اس حدیث کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ خیبر فتح کے بعد دارالاسلام بن گیا تھا پس وہاں سے حاصل ہونے والا مال غنیمت خیبر میں موجود ہوتے ہوئے بھی دارالاسلام میں پہنچ کر محفوظ ہو گیا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایسی کمک جو اس وقت پہنچے جبکہ مال غنیمت دارالاسلام میں پہنچ کر محفوظ ہو چکا ہو تو اس کے لئے مال غنیمت میں سے کوئی حصہ نہیں ہوگا کیونکہ جنگ میں شریک ہونے والے افراد کمک پہنچنے سے پہلے ہی مال غنیمت کے دارالاسلام میں محفوظ ہونے کے سبب اس کے مالک بن چکے ہوتے ہیں۔ صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ خیبر فتح ہو جانے کے بعد ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے اس کے مال میں سے ہمیں بھی حصہ فرمایا اور ہماری کشتی والوں کے علاوہ کسی ایسے شخص کو حصہ عطا نہیں فرمایا جو اس جنگ میں شریک نہیں تھا (3)۔ تو اس روایت کی وضاحت کرتے ہوئے ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حضور

1۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 134-135 (امدادیہ)
2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 373 (مختصراً) (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 608 (وزارت تعلیم)

نبی کریم ﷺ نے انہیں خمس کے خمس میں سے (یعنی اپنے حصے سے) یہ مال عطا فرمایا (مجاہدین کے 4/5 حصوں سے انہیں نہیں دیا)، واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ مال غنیمت میں سے لشکر کے ساتھ جانے والے تاجروں اور گھوڑوں کی تربیت وخدمت کرنے والے لوگوں کے لئے کوئی حصہ نہیں نکالا جائے گا مگر جب وہ جنگ وجدال میں شریک ہوں (تو پھر انہیں بھی حصہ دیا جائے گا) یہ موقف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان یہ ہے کہ انہیں بھی مال غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا۔ جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان پہلے گزر چکا ہے "اِنَّ الْغَنِیْمَةَ لِمَنْ شَهِدَ الْوَقْعَةَ" (کہ مال غنیمت ان کے لئے ہے جو جنگ میں حاضر تھے) اور یہ لوگ بھی جنگ کے وقت موجود اور حاضر ہوتے ہیں (اس لئے ان کے لئے بھی مال غنیمت میں سے حصہ ہوگا)۔ لیکن یہ استدلال درست نہیں ایک تو اس وجہ سے کہ مذکورہ روایت کا مرفوع ہونا صحیح نہیں بلکہ اس کا موقوف ہونا صحیح ہے۔ (تو اس اعتبار سے یہ فرمان رسول نہیں بلکہ صحابی کا قول ہے) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا معنی اور مفہوم یہ ہے جو جنگ کے ارادے سے موقع پر حاضر ہوا اور اس میں شریک ہو۔ اس کے لئے مال میں سے حصہ ہوگا۔ (مطلق موجود ہونا حصہ دار بننے کے لئے کافی نہیں) اور ارادۂ جنگ کی پہچان دو امروں میں سے ایک ہوگی یا تو وہ پہلے جنگ کے لئے تیاری کرے اور پھر جہاد کے لئے نکلنے کا اظہار کرے۔ یا پھر حقیقۃً جنگ میں شریک ہو اور اگر اس ارشاد کو مطلقاً اپنے عموم پر رکھا جائے (کہ جو بھی وہاں موجود ہوگا اسے مال میں سے حصہ دیا جائے گا) تو پھر عورتوں، بچوں اور غلاموں کو بھی حصہ دینا لازم آئے گا اور اس پر تمام کا اجماع ہے کہ مذکورہ افراد کے لئے مال غنیمت میں کوئی حصہ نہیں۔ مسلم اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ان سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا عورتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ میں حاضر ہوتی تھیں اور کیا ان کے لئے بھی مال غنیمت میں سے حصہ مقرر کیا جاتا تھا۔ تو آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا عورتیں جنگ میں حاضر ہوتی تھیں لیکن ان کے لئے مال غنیمت میں کوئی حصہ مقرر نہیں کیا جاتا تھا(1)۔ ابوداؤد کی روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ انہیں باقاعدہ حصہ مقرر کئے بغیر مال میں سے کچھ عطا فرما دیا کرتے تھے(2)۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ روایت حشرج بن زیاد کی روایت کے معارض ہے کہ انہوں نے اپنی دادی سے یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے ایسے ہی حصہ مقرر کیا جیسے مردوں کے لئے حصہ مقرر فرمایا(3)۔ اسے ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ تو اس کے بارے ہمارا کہنا یہ ہے کہ حشرج مجہول راوی ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی بچہ جنگ کی طاقت رکھتا ہو اور امام وقت اسے جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دے دے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مال غنیمت میں سے اسے مکمل حصہ دیا جائے گا لیکن اس کے برعکس جمہور کا موقف یہ ہے کہ اسے مکمل حصہ نہیں دیا جائے گا بلکہ کچھ مال دیا جائے گا۔ اگرچہ ابوداؤد نے مکحول کی سند سے حضور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے عورتوں، بچوں اور گھوڑوں کا حصہ بھی عطا فرمایا۔ لیکن یہ روایت مرسل ہے اور اگر صحیح بھی ہو (تو چونکہ اس کا عام احادیث سے تعارض لازم آتا ہے) اس لئے اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں کچھ مال عطا فرمایا نہ کہ باقاعدہ حصہ مقرر کر کے دیا)۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 116 (قدیمی)
2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 374 (امدادیہ)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 374 (امدادیہ)

مسئلہ:۔ اس مسئلہ میں ائمہ کے مابین اختلاف ہے کہ اگر دشمن کا علاقہ مسلمان بزور شمشیر فتح کریں تو کیا اس کی زمین غانمین میں تقسیم کی جائے گی یا نہیں؟ تو اس بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ امام وقت کے ذمہ یہ لازم ہے کہ وہ خمس نکالنے کے بعد باقی غیر منقولہ جائیداد منقولہ سامان کی طرح غانمین کے مابین تقسیم کر دے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمین تقسیم فرما دی تھی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت اسی طرح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت طیبہ میں مَا غَنِمْتُمْ کے الفاظ عام ہیں (ان میں منقولہ یا غیر منقولہ کی کوئی قید مذکور نہیں) ہاں اگر غانمین اپنی رضامندی اور خوشی سے اپنا حصہ چھوڑ کر اپنے حقوق سے دستبردار ہو جائیں تو اس وقت امام کو چاہئے کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے اسے وقف کر دے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سرزمین عراق کے بارے کیا تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے کہ امام وقت کے لئے غانمین کے مابین اس زمین کو تقسیم کرنا جائز نہیں بلکہ وہ زمین تو اس وقت بذات خود وقف ہو جاتی ہے جب اس پر غلبہ پا لیا جاتا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت اس قول کے مطابق ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی روایت ہے کہ امام وقت کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو خمس نکالنے کے بعد غانمین کے درمیان اسے تقسیم کر دے یا پھر تمام مسلمانوں کے لئے اسے وقف کر دے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ امام وقت کو یہ اختیار ہے کہ اگر چاہے تو خمس نکالنے کے بعد غانمین کے درمیان اسے تقسیم کر دے، یا خراج لیکر اس سرزمین کے باسیوں کو ہی اس پر برقرار رکھے یا پھر ان سے وہ زمین لیکر دوسرے لوگوں کو دے دے اور ان پر خراج مقرر کر دے لیکن امام کے لئے اس زمین کو وقف کرنا جائز نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موقف کے حق میں بطور حجت یہ احادیث پیش کی ہیں کہ حضرت سہل بن حثمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی سرزمین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ایک حصہ اپنی حاجات وضروریات کے لئے اور دوسرا حصہ مسلمانوں کے لئے۔ پھر اس حصے کو اٹھارہ حصوں میں ان کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اسے ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کا علاقہ نصف پیداوار کی شرط پر انہیں دے دیا پھر حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہوں نے جا کر اہل خیبر سے پیداوار کو تقسیم کرایا(1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ وہاں سے حاصل ہونے والی پیداوار کے نصف کی شرط پر معاملہ کیا(2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خیبر کو جو زمین اور باغات وغیرہ عطا فرمائے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح وہاں کے باسیوں کو ان پر برقرار رکھا جیسے وہ پہلے تھے اور یہ معاملہ کیا کہ حاصل ہونے والی پیداوار نصف نصف ہو گی۔ پھر پیداوار وصول کرنے کے لئے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بطور نگران بنا کر بھیج دیا(3)۔ اس کے بعد امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سارا خیبر تقسیم نہیں کیا تھا بلکہ اس کا ایک حصہ تقسیم کیا اور ایک چھوڑ دیا اسے تقسیم نہیں کیا۔(4)

میں کہتا ہوں کہ ہم نے سورۂ فتح میں فتح خیبر کے واقعہ میں ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا ہے کہ خیبر کے مال کی تقسیم ان تین صورتوں پر ہوئی۔ شق، نطاۃ اور کتیبہ۔ کتیبہ سے مراد وہ حصے ہیں جن میں خمس کو تقسیم کیا گیا اور شق اور نطاۃ سے مراد وہ اٹھارہ حصص ہیں جو بقیہ چار حصوں سے مجاہدین کے لئے بنائے گئے۔ ان میں سے پانچ حصے نطاۃ تھے اور تیرہ شق تھے۔ وطیح اور سلالیم مسلمانوں کی حاجات و

1۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 135 (امدادیہ)
2۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 135 (امدادیہ)
3۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 135 (امدادیہ)
4۔ شرح معانی الآثار، جلد 2 صفحہ 135 (امدادیہ)

ضروریات کے لئے تھے آپ ﷺ نے ان کے بارے وہاں کے یہودیوں سے نصف پیداوار کی شرط پر معاملہ طے کرلیا اور پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہر سال ان کے پاس آتے تھے اور پیداوار تقسیم کرالیا کرتے تھے۔ پھر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں جلاوطن کر دیا کیونکہ حضور نبی مکرم ﷺ نے ان سے یہی فرمایا تھا ہم جب تک چاہیں گے تمہیں اس پر برقرار رکھیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب عراق فتح ہوا تو اس کی تقسیم میں صحابہ کرام کی آراء مختلف ہوگئیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ مدینہ طیبہ کے کئی علماء نے میرے سامنے بیان کیا ہے کہ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی جانب سے عراق کا لشکر واپس آیا۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس زمین کی تقسیم کے بارے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے شام وعراق کی زمین میں سے مسلمانوں کو عطا فرمائی تھی۔ تو دوران گفتگو ایک گروہ نے یہ کہا کہ مجاہدین کو ان کے حقوق دیئے جائیں لہٰذا جو کچھ انہوں نے فتح کیا ہے وہ سب انہی میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اس زمین اور اس کے غیر مسلم باسیوں کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے اور پھر ان کی اولادوں کو اپنے آباء کا وارث بنا دیا جائے اور یہ زمین ان کے لئے ہی محفوظ کر دی جائے تو پھر وہ مسلمان جو بعد میں آئیں گے ان کا حال کیا ہوگا وہ اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے زمین کہاں پائیں گے؟ اس لئے میری رائے یہ نہیں ہو سکتی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا زمین اور اس کے باسیوں کی تقسیم کے بارے وہی رائے ہونی چاہئے جو اس مال کے متعلق ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا بات تو وہی ہے جو آپ کہہ رہے ہیں۔ لیکن میں یہ رائے نہیں رکھتا کیونکہ قسم بخدا! میرے بعد کوئی ایسا شہر فتح نہیں ہوگا جس سے کوئی بہت زیادہ ساز وسامان حاصل ہو بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں پر بوجھ ہی ثابت ہو۔ پس جب میں عراق کی سرزمین اور اس کے باشندے، اور شام کی سرزمین اپنے باشندوں سمیت مجاہدین میں تقسیم کر دوں تو پھر کونسا مال ہوگا جس سے سرحدوں کی حفاظت کا انتظام کیا جائے گا اور کونسا مال ہوگا جس سے اس ملک اور دوسرے ملکوں کے غریبوں اور ناداروں کی اعانت اور دیکھ بھال کی جائے گی؟ شام وعراق کے جہاد میں حصہ لینے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو گئے اور کہنے لگے وہ مال اور علاقہ جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہماری شمشیر زنی کے سبب عطا فرمایا ہے وہ آپ ایسے لوگوں کے لئے وقف کرنا چاہتے ہیں جو جنگ کے وقت نہ حاضر تھے نہ اس میں شریک تھے اور ایسے لوگوں کے بیٹوں اور پوتوں کے لئے وقف کرنا چاہتے ہیں جن کی اولادیں جنگ میں شریک تک نہیں ہوئیں مگر آپ نے ان لوگوں کے جواب میں صرف اتنا کہا کہ یہ میری رائے ہے۔ اس پر انہوں نے کہا پھر آپ مشاورت کر لیجئے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے مشاورت کے لئے مہاجرین اولین کو بلایا۔ تو ان کی آراء مختلف ہوگئیں۔ پس حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجاہدین کو ان کے حقوق دیئے جانے چاہئے (یعنی حاصل ہونے والی زمین اور اس کے غیر مسلم باسی ان میں تقسیم کر دیئے جائیں) حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کی رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق تھی۔ چنانچہ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے انصار میں سے دس افراد کو بلا بھیجا ان میں پانچ قبیلہ اوس کے سردار اور معززین تھے اور پانچ خزرج میں سے تھے۔ پس جب وہ تمام جمع ہو چکے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اور پھر فرمایا میں نے تمہیں صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ تمہارے معاملات کے بارے جو بوجھ میں نے اٹھا رکھا ہے (وہ تمہاری جانب سے مجھ پر ایک امانت ہے) اور میں چاہتا ہوں کہ اس امانت کو اٹھانے میں تم میرے ساتھ شریک رہو

کیونکہ میں تنہا اور اکیلا تم میں سے ایک فرد کی طرح (کمزور اور ناتواں) ہوں۔ آج کے دن تم حق کو پختہ اور مضبوط کر سکتے ہو۔ سو جسے میری رائے سے اختلاف ہو وہ اختلاف کرے اور جسے اتفاق ہو وہ اتفاق کرے۔ میں قطعاً یہ نہیں چاہتا کہ تم میری رائے کی ہی اتباع اور پیروی کرو۔ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے جو ہمیشہ حق بولتی اور سکھاتی ہے۔ قسم بخدا! میں جب بھی کسی امر کے ارادہ سے بولتا ہوں تو اس سے مقصود صرف اظہار حق ہوتا ہے (اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہوتا) یہ سن کر تمام حاضرین نے کہا امیر المومنین! آپ ارشاد فرمایئے ہم آپ کی بات سنیں گے۔ تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا آپ لوگوں نے ان لوگوں کی گفتگو سنی جن کا خیال یہ ہے کہ میں ان کے حقوق کے بارے میں ان سے زیادتی کر رہا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں کسی کی حق تلفی کروں اور حقوق کے بارے کسی سے ظلم و زیادتی کروں۔ اگر میں کسی کی حق تلفی کرتے ہوئے ان کی چیز نہ دوں بلکہ ایسے لوگوں کو دے دوں جو اس کے مستحق نہیں تو یہ میری انتہائی بدبختی اور شقاوت ہے۔ لیکن میں نے یہ دیکھا ہے کہ سرزمین کسریٰ کے بعد کوئی ایسا ملک باقی نہیں رہا جسے فتح کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے ان کا مال و متاع، زمینیں اور ان کے غیر مسلم باشندے مال غنیمت کے طور پر ہمیں عطا فرما دیئے ہیں۔ میں نے مال غنیمت کا خمس نکالنے کے بعد بقیہ مال کو مجاہدین میں اس طرح تقسیم کر دیا ہے جس طرح وہ اس کے مستحق تھے اور خمس کو بھی اس کے صحیح مصرف میں خرچ کر رہا ہوں لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ زمین اور غیر مسلم باشندوں کو روک لوں اور انہی لوگوں کو ان زمینوں پر برقرار رکھ کر زمین پر ایسے ہی خراج عائد کر دوں جیسے ان کی ذاتوں پر جزیہ کی ادائیگی لازم ہے۔ نتیجۃً وہ دونوں قسم کی ٹیکس ادا کریں گے جس سے مسلمان مجاہدین، ان کی اولادوں اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے کچھ نہ کچھ بن جائے گا۔ کیا تم ان سرحدوں کو دیکھ نہیں رہے ان کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لئے ایسے افراد کا ہونا ضروری ہے جو وہیں قیام پذیر رہیں۔ کیا تم ان بڑے بڑے شہروں شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ اور مصر کو دیکھ نہیں رہے ان کی حفاظت کے لئے یہ ضروری ہے کہ فوج میں لوگوں کو بھرتی کیا جائے اور پھر ایسے تمام محافظین کے لئے تنخواہ اور مالی اعانت کا انتظام ازبس ضروری ہے۔ اگر میں یہ زمینیں اور غیر مسلم باشندے سب مجاہدین میں تقسیم کر دوں۔ تو پھر ان لوگوں کے اخراجات کہاں سے ادا کئے جائیں گے؟ یہ سن کر تمام حاضرین نے بالاتفاق کہا آپ کی رائے ہی درست ہے۔ آپ نے جو کہا اور خیال کیا وہ خوب اور بہت اچھا ہے۔ بیشک اگر ان سرحدوں اور ان شہروں کی حفاظت کے لئے بھرتی نہ کی جائے اور ان کا مشاہرہ مقرر نہ کیا جائے جس کے سبب وہ طاقتور ہو جائیں تو اہل کفر اپنے اپنے شہروں کی طرف واپس لوٹ آئیں گے۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے لئے حقیقت واضح ہو گئی۔ پس اب ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو انتہائی دانشمند اور ذی عقل ہو، ہر قسم کی زمین کو اپنے مقام پر رکھ سکتا ہو اور غیر مسلم باشندوں پر اتنا خراج مقرر کرے جسے وہ برداشت کر سکتے ہوں۔ تو تمام حاضرین نے بالاتفاق حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی پیش کیا اور کہا اگر آپ اس سے بھی اہم ترین کام ان کے سپرد کریں گے (تو یہ بالیقین اس میں کامیاب ہوں گے) یہ انتہائی اہل بصیرت، ذی عقل اور تجربہ کار آدمی تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انتہائی جلد انہیں بلا بھیجا اور سرزمین عراق کی پیمائش اور سروے کا کام ان کے سپرد کر دیا۔ نتیجۃً حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے وصال سے ایک سال پہلے تک صرف کوفہ کی زمین کا لگان ایک کروڑ درہم تک پہنچ گیا تھا اور اس وقت درہم کا وزن ایک مثقال (2/1=4 ماشے) تھا(1)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے محمد بن اسحاق نے زہری سے نقل کر کے میرے

1۔ کتاب الخراج صفحہ 31-29 (السلفیہ)

سامنے بیان کیا ہے کہ جب عراق فتح ہوا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کی زمین کی تقسیم کے بارے لوگوں سے مشورہ طلب کیا۔ تو اس میں عام لوگوں کی رائے یہ تھی کہ یہ زمینیں غانمین میں تقسیم کردی جائیں اور بلال بن ابی رباح رضی اللہ عنہ اس بارے میں انتہائی شدید جذبات میں تھے جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اس زمین کو بغیر تقسیم کے ہی چھوڑ دیا جائے۔ (جب معاملہ سخت ہوا اور شدت پکڑ گیا) تو اس وقت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بارگاہ خداوندی میں یہ التجاء کی "اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِلَالًا" اے اللہ! بلال کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ الغرض دو یا تین یا اس سے کم وبیش دن اسی طرح گزر گئے پھر جب عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اپنے موقف کے حق میں ایک مضبوط دلیل پالی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ذیشان میں فرماتا ہے: وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ الی قوله وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔ یہ آیات سورۂ حشر کی ہیں۔ ان کا حکم ان تمام لوگوں کے لئے بھی عام ہے جو بعد میں آئیں گے۔ لہٰذا حاصل ہونے والا یہ مال ان تمام لوگوں کے لئے بھی ہے۔ پس کیسے (ان زمینوں کو) صرف ان مجاہدین کے لئے تقسیم کیا جا سکتا ہے کہ ان کے پیچھے آنے والے لوگوں کو بغیر حصہ دیئے چھوڑ دیا جائے۔ پس تمام حاضرین نے زمین کو تقسیم کے بغیر چھوڑنے اور اس پر خراج لگانے پر اتفاق کرلیا(1)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مجھ سے لیث بن سعد نے حبیب بن ابی ثابت کے حوالہ سے یہ بیان کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام اور جمہور مسلمانوں نے یہ چاہا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کی زمین اسی طرح تقسیم کردیں جیسے رسول اللہ ﷺ نے سرزمین خیبر کو تقسیم فرمایا تھا اور اس رائے میں تمام لوگوں سے مضبوط اور جذباتی حضرت زبیر بن عوام اور بلال بن رباح رضی اللہ عنہما تھے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ فرمایا تب میں تمہارے بعد آنے والے مسلمانوں کو (بغیر حصہ کے ہی) چھوڑ دوں۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ التجا کی اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِلَالًا وَّاَصْحَابَهٗ۔ اے اللہ! بلال اور اس کے ساتھیوں کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ عام مسلمانوں کی رائے یہ ہے کہ شام والوں پر طاعون عمواس کی جو بیماری پڑی وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بددعا کا نتیجہ تھا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان زمینوں کو ذمیوں کے پاس ہی رہنے دیا اور وہ مسلمانوں کو ان کا خراج ادا کرتے رہے(2)۔ میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ زمین کو اس کے باسیوں کے پاس چھوڑ دینا اس شرط پر جائز ہے کہ وہ اس کا خراج ادا کرتے رہیں گے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آیت طیبہ کا نسخ اجماع سے کیسے جائز ہو سکتا ہے جبکہ اجماع نہ ناسخ ہو سکتا ہے نہ منسوخ؟ اور پھر قول باری تعالیٰ: مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جو استدلال کیا ہے وہ بھی درست نہیں کیونکہ آیت میں اس مال کا ذکر ہے جس کے حصول کے لئے مسلمانوں نے گھوڑوں، اونٹوں اور دیگر ساز وسامان کے ساتھ دشمن پر لشکر کشی نہ کی ہو (اور بغیر جنگ کے وہ مال حاصل کرلیا ہو) جبکہ ہمارے موضوع بحث مسئلہ میں ایسے مال کا ذکر ہے جس کے لئے لشکر کشی کی گئی ہو (اور جنگ کے ساتھ وہ مال مسلمانوں کے ہاتھ آیا ہو)۔ تو مذکورہ شبہ کے بارے ہمارا قول یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی امت کبھی بھی گمراہی اور ضلالت پر جمع نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس مسئلہ میں ساری امت کا اجماع اس پر دلالت کرتا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ مَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ اپنے عموم پر باقی نہیں (بلکہ یہ عام مخصوص عنہ البعض ہے) اور یہ اپنے عموم پر کیسے ہو سکتا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کے لئے مال غنیمت میں اپنے لئے مال چننے اور انتخاب کرنے کا اختیار تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے

1۔ کتاب الخراج صفحہ 32-31 (السلفیۃ)

2۔ کتاب الخراج صفحہ 31 (السلفیۃ)

مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کے لئے مخصوص کر دیا تھا اور اس مال سے خمس بھی نہیں لیا جاتا تھا اور اہل لشکر کے لئے یہ بھی جائز تھا کہ وہ مال غنیمت میں سے دارالحرب میں اپنے جانوروں کو چارہ ڈال سکتے تھے اور کھانے پینے کی جو چیزیں وہ پاتے انہیں کھا پی سکتے تھے (کھانے کی ان چیزوں کا خمس نکالا جاتا تھا اور نہ وہاں ان چیزوں کی تقسیم مساوی ہوا کرتی تھی)۔ محمد بن ابی مجالد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کھانے (غلہ، پھل اور تیار کھانے وغیرہ) سے خمس نکالا کرتے تھے تو انہوں نے جواباً فرمایا غزوہ خیبر کے دن کچھ کھانا ہمارے ہاتھ آیا تھا پس جو آدمی بھی آتا وہ اپنی ضرورت کے مطابق اس سے لیتا اور واپس چلا جاتا(1)۔ (یعنی اس سے خمس نہیں نکالا گیا تھا)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک لشکر کو کچھ کھانا اور شہد مال غنیمت میں ملا۔ تو ان سے خمس نہیں لیا گیا(2)۔ عبدالرحمٰن کے آزاد کردہ غلام قاسم بعض صحابہ کرام سے یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ہم جہاد کے دوران اونٹ کا گوشت کھاتے تھے اور ہم اسے تقسیم نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ جب ہم اپنی قیامگاہ کی طرف لوٹتے تھے تو ہماری خورجیاں گوشت سے بھری ہوتی تھیں(3)۔ ان تینوں احادیث کو ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

فائدہ:۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کا موقف یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عراق و شام کی زمین غانمین کی رضامندی اور ان کے اپنے حقوق سے دستبردار ہونے کے سبب وقف کی تھی۔ لیکن ہمارا موقف یہ ہے کہ اگر اس طرح ہوتا تو آپ سب سے پہلے اس سے خمس نکالتے کیونکہ خمس نہ امام کا حق ہے اور نہ ہی مجاہدین کا اور نہ وہ ان کے ساقط کرنے سے ساقط ہوتا ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جریب بیل پر لگان کی معینہ مقدار اور ایک جریب گندم پر لگان کی الگ معینہ مقدار مقرر کر دی تھی۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ زمین عام مسلمانوں کی ملکیت اور ان کے لئے وقف نہیں تھی ورنہ اس سے معدوم کی بیع لازم آئے گی (کیونکہ پیداوار تو مستقبل میں ہوگی اور اس کا عوض ابھی مقرر کر دیا گیا ہے) اور ساتھ ہی یہ بھی لازم آئے گا کہ وہ شئی جو ابھی تک آپ کے پاس یا قبضے میں موجود نہیں اس کی بیع درست ہے۔ (اور یہ سب چیزیں درست نہیں) لہٰذا حقیقی صورت حال یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان زمینوں کو کافروں کی ملکیت میں ہی رہنے دیا اور ان پر اسی طرح زمین کا خراج لگا دیا جیسے ان پر جزیہ لگایا گیا تھا اور وہ اپنے معاملات میں آزاد تھے اور جزیہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مسلمانوں کے غلام ہیں اور ملکیت کے سبب ان پر مسلمانوں کی جانب سے جزیہ لگ جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی عورتوں، بوڑھوں اور بچوں پر جزیہ نہیں لگایا جاتا اگر چہ وہ بعض بالغ مردوں کی نسبت زیادہ کمانے کی طاقت رکھتے ہوں۔ (لہٰذا اگر جزیہ لگانے کا سبب ملکیت کو قرار دیا جائے تو پھر عورتوں، بوڑھوں اور بچوں پر بھی جزیہ لگانا چاہئے) اس سے معلوم ہوا کہ اس کا سبب ملکیت نہیں، واللہ اعلم۔

لے اور اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس پر جسے ہم نے اپنے محبوب بندے محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا یعنی ملائکہ، نصرت اور آیات معجزات وغیرہ۔ ان میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ کے ساتھ دو گروہوں میں سے ایک کے بارے جو وعدہ فرمایا تھا وہ متحقق ہو گیا اور ساتھ ہی یہ خبر بھی دی تھی کہ مسلمانوں کا میلان قافلے کی طرف ہے نہ کہ لشکر کی طرف اور پھر اللہ تعالیٰ نے بارش عطا فرمائی

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 369 (وزارت تعلیم)
2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 369 (وزارت تعلیم)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 369 (وزارت تعلیم)

جو مسلمانوں کے لئے باعث نعمت ثابت ہوئی اور کفار کے لئے زحمت وعذاب کا سبب بنی۔ انہی میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی مدد ونصرت کے لئے ملائکہ کو حکم ارشاد فرمایا حتیٰ کہ مسلمانوں نے فرشتوں کی آوازیں سنیں کہ وہ کہہ رہے ہیں اَقْدِمْ حَیْزُوْمُ۔ اور یہ منظر بھی دیکھا کہ بعض کافروں کے سر جسموں سے کٹ کر گر رہے ہیں حالانکہ کسی انسان نے انہیں کاٹا نہیں اور ابو جہل کے بدن پر کوڑوں کے نشان بھی تھے (حالانکہ اسے کسی انسان نے کوڑے لگائے نہیں) ان میں سے یہ بھی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مٹھی بھر کنکریاں مشرکین کی طرف پھینکیں یہاں تک کہ تمام کفار کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جرأت وبہادری دلانے کے لئے مشرکین کی تعداد کو مسلمانوں کی نگاہوں میں کم کر دیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے مشرکین کی قتل گاہوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے۔ پھر مسلمانوں نے دیکھا وہ اسی مقام پر گرے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عقبہ بن ابی معیط کے بارے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول بھی پورا فرمادیا کہ اگر میں نے تجھے مکہ مکرمہ کے پہاڑوں سے باہر پایا تو میں تجھے روک کر قتل کر دوں گا۔ انہی میں سے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس چیز کے بارے مطلع کر دیا جو وہ ام الفضل کے پاس رکھ کر آئے تھے۔ پس اس سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا آپ کی نبوت کے بارے میں جو شبہ تھا وہ زائل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کے ساتھ کئے گئے اس وعدہ کو بھی پورا کر دیا کہ اگر اس نے تمہارے دلوں میں بھلائی دیکھی تو وہ تمہیں اس سے بہتر (مال) عطا فرمادے گا جو تم سے لیا گیا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بیس اوقیہ کے بدلے بیس غلام عطا فرمادیئے۔ جو ان کے مال سے تجارت کرتے تھے (اور نفع کما کر آپ کو پیش کرتے تھے) اسی طرح یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو اس پر مطلع کر دیا کہ مکہ مکرمہ میں عمیر بن وہب اور صفوان ابن امیہ نے آپ کے قتل کے بارے مشورہ کیا ہے۔ (وہ اس ارادے سے یہاں آئے گا) لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے محفوظ رکھا اور اسی کو عمیر بن وہب کے اسلام لانے کا سبب بنا دیا۔ چنانچہ وہ مدینہ طیبہ سے داعی اسلام بن کر واپس لوٹا۔ انہی میں سے کھجور کی لکڑی کا تلوار میں تبدیل ہونا ہے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن اسلم اور یزید بن رومان وغیرہ سے بیہقی اور ابن عساکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے عمران سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ غزوہ بدر کے دن اپنی تلوار سے لڑتے رہے یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گئی۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ تو آپ ﷺ نے ایندھن کی لکڑیوں میں سے ایک لکڑی انہیں عطا فرمادی اور فرمایا اے عکاشہ! اس سے لڑو۔ پس جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے پکڑ کر اسے لہرایا تو وہ آپ کے ہاتھ میں ایک طویل وعریض، انتہائی مضبوط سفید لوہے کی چمکدار تلوار بن گئی۔ آپ اس سے جنگ لڑتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح وکامرانی عطا فرمادی۔ اس تلوار کا نام عیون تھا۔ پھر وہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہی رہی اور وہ اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں کئی جنگوں میں شریک ہوئے۔ حتیٰ کہ فتنہ ارتداد کے ایام میں طلحہ بن خویلد اسدی (مدعی نبوت) کے ہاتھوں شہید ہو گئے (1)۔ علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے داؤد بن حصین کے واسطہ سے بنی عبدالاشہل کے متعدد افراد سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ غزوہ بدر کے دن سلمہ بن اسلم بن حرش کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ بالکل خالی ہاتھ ہو گئے ان کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک میں بنی طابہ کے کھجور کے درختوں کی ایک چھڑی موجود تھی آپ ﷺ نے وہی انہیں عطا

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 3 صفحہ 99-98 (العلمیہ)

فرمائی، اور فرمایا اسی سے لڑو۔ تو وہ ان کے ہاتھ میں پہنچ کر ایک عمدہ تلوار بن گئی۔ پھر وہ تلوار انہی کے پاس رہی یہاں تک کہ وہ غزوۂ خیبر میں شہید ہو گئے (1)۔ علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ غزوۂ بدر کے دن حبیب بن عدی کو مارا۔ جس سے ان کا ایک پہلو ایک جانب جھک گیا۔ (وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے) تو آپ ﷺ نے اس پر اپنا لعاب دہن لگایا اور اسے سیدھا اپنی جگہ پر کر دیا نتیجۃً وہ اپنی اصل جگہ پر جڑ گیا (2)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ انہیں غزوۂ بدر کے دن آنکھ پر ضرب لگی جس کے سبب ان کی آنکھ نکل کر رخسار پر لٹکنے لگی۔ لوگوں نے اسے کاٹ دینے کا ارادہ کیا اور انہوں نے اس بارے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ایسا مت کرو۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور ان کی آنکھ کو اپنے مقام پر رکھ کر ہاتھ سے دبا دیا۔ پس یہ معلوم بھی نہیں ہوتا تھا کہ کونسی آنکھ پر ضرب لگی (3)۔ انہی میں سے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت بھی ہے کہ رفاعہ بن رافع بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن میری آنکھ میں ایک تیر آ لگا جس سے میری آنکھ پھوٹ گئی۔ (میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا) تو آپ ﷺ نے اس میں اپنا لعاب دہن لگا دیا اور میرے لئے دعا فرمائی۔ نتیجۃً مجھے کوئی تکلیف نہ ہوئی (4)۔ ان ہی میں سے ایک روایت ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے اسحاق کی سند سے عبد اللہ بن نوفل کے واسطہ سے ان کے باپ سے نقل کی ہے کہ بدر کے دن نوفل کو قیدی بنا لیا گیا۔ تو حضور نبی مکرم ﷺ نے اسے فرمایا اپنی ذات کے فدیہ کے طور پر وہ نیزے دے دو جو جدہ میں پڑے ہیں (تو تم آزاد ہو جاؤ گے) اس نے کہا قسم بخدا! اللہ تعالیٰ کے بعد میرے سوا کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ میرے نیزے جدہ میں بھی ہیں۔ (یقیناً آپ کو یہ اطلاع اللہ تعالیٰ نے دی ہے) لہٰذا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ پس انہوں نے وہی نیزے فدیہ میں دے دیئے۔ ان نیزوں کی تعداد ایک ہزار تھی (5)۔

یوم الفرقان سے مراد یوم بدر ہے۔ اسے فرقان اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کے مابین فرق کر دیا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور کفر اور اہل کفر کو نامراد واپس لوٹا دیا۔ جس روز دونوں گروہوں کا مقابلہ ہوا۔ ایک گروہ اللہ تعالیٰ کا تھا اور دوسرا گروہ شیطان کا تھا۔ (دونوں گروہوں کے درمیان) یہ جنگ بدر کے میدان میں ہجرت سے سولہ مہینے بعد رمضان المبارک کی سترہ تاریخ بروز جمعۃ المبارک لڑی گئی۔

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٢﴾

"جب تم وادی کے نزدیک والے کنارے پر تھے اور وہ (لشکر کفار) دور والے کنارہ پر تھا، اور (تجارتی) قافلہ نیچے کی طرف تھا تم سے۔ اور اگر تم لڑائی کے لئے وقت مقرر کرتے تو پیچھے رہ جاتے وقت مقرر سے لیکن (یہ بلا ارادہ جنگ اس لئے تھی) تاکہ کر دکھائے اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا۔ تاکہ ہلاک ہو جسے ہلاک ہونا ہے دلیل سے اور زندہ رہے جسے زندہ رہنا ہے دلیل سے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔"

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 3 صفحہ 99 (العلمیہ)
2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 3 صفحہ 97 (العلمیہ)
3۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 3 صفحہ 100 (العلمیہ)
4۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 3 صفحہ 100 (العلمیہ)
5۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 69 (العلمیہ)

1 اِذْ اَنْتُمْ یَوْمَ الْفُرْقَانِ سے بدل ہے، یعنی اے مسلمانو! جب تم وادی کے نزدیک والے کنارے اترے ہوئے تھے۔ العدوة الدنیا میں دُنْیَا اَدْنٰی کی مؤنث ہے۔ اس کا معنی ہے قریب ترین کنارہ، یعنی وہ کنارہ جو شام کی طرف تھا اور مدینہ طیبہ کے قریب ترین تھا اور مشرکین دور والے کنارہ پر تھے۔ قُصْوٰی اَقْصٰی کی مؤنث ہے۔ قیاس کے مطابق اسے قُصْیَا ہونا چاہئے تھا جیسا کہ دُنْیَا اور عُلْیَا وغیرہ تا کہ فُعْلٰی اسمی اور صفتی کے درمیان فرق ہو جائے لیکن اسے اپنے اصل پر ہی رکھا گیا ہے جیسا کہ قَوَد اور یہ قُصْیَا کی نسبت زیادہ استعمال ہوتا ہے اور العدوة القصوی سے مراد وہ کنارہ ہے جو یمن کی طرف تھا اور مدینہ طیبہ سے دور تھا۔ ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے العدوه میں دونوں مقامات پر عین کو مکسور پڑھا ہے اور باقیوں نے مضموم۔

2 الرَّكْبُ سے مراد ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کا قافلہ ہے، یعنی وہ قافلہ میدان بدر سے تین میل کے فاصلے پر ساحل سمندر کی جانب تم سے نیچے کی طرف تھا۔ اَسْفَلَ ظرف ہونے کی بناء پر لفظاً منصوب ہے اور مبتدا کی خبر ہونے کی بناء پر محلاً مرفوع ہے اور یہ جملہ ماقبل ظرف سے حال ہے۔ معنوی اعتبار سے یہ جملہ قافلے کے سبب دشمن کی قوت اور ان کے غالب آنے کے امکان پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ وہ خود جنگ کے حریص تھے۔ انہیں یہ اطمینان تھا کہ وہ اپنا مرکز خالی نہیں کریں گے، یعنی اس میں ڈٹے رہیں گے اور وہ اپنی تمام تر قوت و طاقت خرچ کر ڈالیں گے (اور اس کے ساتھ ساتھ قافلہ قریب ہے، اگر ضرورت پڑی تو اس سے مدد حاصل کر لیں گے) جبکہ اس کے برعکس مسلمانوں کی حالت کمزور تھی اور بظاہر ان کا غالب آنا بعید از امکان تھا۔ اسی چیز کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کے مرکز کا ذکر کیا ہے کیونکہ نزدیک والا کنارہ ریتلا تھا۔ اس میں پاؤں دھنس جاتے تھے۔ اس میں چلنا انتہائی مشکل تھا اور وہاں پانی بھی موجود نہ تھا۔ بخلاف دور والے کنارے کے کہ اس کی حالت اس طرح نہ تھی۔

3 اے مسلمانو! اگر تم تمام کفار کے ساتھ جنگ کے لئے وقت مقرر کرتے اور پھر تمہیں اپنی قلت اور دشمن کی کثرت اور قوت کا علم ہوتا تو بالیقین تم ان سے ڈرتے ہوئے اور ان کے خلاف کامیابی سے مایوس و ناامید ہو کر وقت مقررہ سے پیچھے رہ جاتے (اور دشمن کے ساتھ جنگ کے لئے میدان میں نہ آتے)۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر کئے بغیر تمہیں جنگ کے لئے جمع کر دیا ہے اس طرح کہ تم قافلے کی تلاش میں نکلے تھے اور کفار اپنے قافلے کو بچانے کے لئے نکلے تھے۔ لہٰذا اس طرح دونوں گروہ وقت مقرر کے لئے بغیر ایک دوسرے کے آمنے سامنے آگئے اور اس میں حکمت یہ تھی تا کہ اللہ تعالیٰ وہ کام کر دکھائے جو ہو کر رہنا تھا۔ نتیجۃً اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کی امداد فرمائی اور اپنے دین کو غلبہ عطا فرمایا اور اپنے دشمنوں کو ہلاک و برباد کر دیا۔

4 یہ جملہ یا تو لِیَقْضِیَ اللّٰهُ سے بدل ہے یا پھر مفعولًا کے متعلق ہے۔ معنی یہ ہے تا کہ مرنے والا اس حال میں مرے کہ وہ دین اسلام کی حقانیت پر شواہد دیکھ چکا ہو، عبرت ناک اور سبق آموز حقیقت کا معائنہ کر چکا ہو اور اس پر مضبوط اور پختہ دلائل قائم ہو چکے ہوں اور ان میں سے زندہ رہنے والا اس حال میں زندہ رہے کہ وہ صداقت و حقانیت کے پختہ دلائل کا مشاہدہ کر چکا ہو تا کہ کسی کے لئے بھی عذر و معذرت کا کوئی محل باقی نہ رہے کیونکہ بدر کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی واضح نشانیوں میں سے ایک ہے۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اس کا معنی ہے تا کہ جسے کفر پر رہنا ہے وہ حجت قائم ہونے کے بعد اس پر رہے اور جو ایمان اختیار کرنا چاہے وہ حجت قائم ہونے کے بعد اس پر رہے(1)۔ اس میں بطور استعارہ ہلاکت سے مراد کفر ہے اور حیات سے مراد اسلام ہے۔ (کیونکہ فی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 30 (التجاریۃ)

الحقیقت کفر میں انسانیت کی ہلاکت اور اسلام میں انسانیت کی حیات ہے) مقصود یہ ہے کہ تقدیر الٰہی میں جس کا کفر لکھا ہے وہ کافر ہی رہے گا اور جس کا ایمان لکھا ہے وہ مومن ہو جائے گا۔ بروایت بزی ابن کثیر نے اور نافع، ابوبکر اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے حَیَّ کو مستقبل پر محمول کرتے ہوئے بغیر ادغام کے پڑھا ہے۔

۱ے جس نے کفر اختیار کیا اس کے کفر اور اس کی سزا کو، جو ایمان لایا اس کے ایمان اور اس کے ثواب کو اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے چونکہ دونوں امر قول اور اعتقاد پر مشتمل ہیں۔ اس لئے دونوں وصف (سمیع علیم) اس مقام پر جمع ہیں۔ مفہوم یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کفر و ایمان کے کلام کو خوب سننے والا اور کفر و ایمان کے عقائد کو خوب جاننے والا ہے۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤٣﴾ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٤٤﴾

" یاد کرو جب دکھایا اللہ نے آپ کو لشکر کفار خواب میں قلیل ۱ے اور اگر دکھایا ہوتا آپ کو لشکر کفار کثیر تعداد میں تو ضرور تم لوگ ہمت ہار دیتے اور آپس میں جھگڑنے لگتے اس معاملہ میں لیکن اللہ نے (تمہیں) بچا لیا۔ بیشک وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے ۲ے اور یاد کرو جب اللہ نے دکھایا تمہیں لشکر کفار جب تمہارا مقابلہ ہوا تمہاری نگاہوں میں قلیل اور قلیل کر دیا تمہیں ان کی نظروں میں ۳ے تاکہ کر دکھائے اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں سارے معاملات ۴ے"

۱ے إذ سے پہلے اُذْكُرْ فعل محذوف ہے۔ یا پھر یہ یوم الفرقان سے دوسرا بدل ہے یا پھر یہ عَلِيمٌ کے متعلق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان مصالح اور منافع سے خوب واقف و آگاہ ہے کہ اس نے عالم خواب میں آپ ﷺ کی نگاہوں کے سامنے دشمن کی تعداد کم کر دی، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے اصحاب اس سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور تعداد کم دکھانے میں حکمت یہ تھی تاکہ آپ ﷺ کے اصحاب کو دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رکھا جائے اور ان کی جرأت و دلیری کے جذبات کو مزید انگیخت دی جائے۔ واقعہ یہ ہوا کہ غزوۂ بدر کے دن حضور نبی کریم ﷺ نے پہلے صحابہ کرام کو حکم ارشاد فرمایا کہ تم اس وقت تک جنگ نہ چھیڑنا جب تک میں تمہیں اجازت نہ دوں اور اگر وہ تمہارے قریب آ جائیں تو پھر ان پر تیر برسانا اور تلوار سے حملہ نہ کرنا یہاں تک کہ وہ تم پر حملہ کرتے ہوئے جھپٹ پڑیں۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ پر عریش میں نیند کا غلبہ ہوا اور تھوڑی سی آنکھ لگ گئی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اب تو دشمن قریب آ گیا ہے اور وہ کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کرنے لگے ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ یہ آواز سنتے ہی بیدار ہو گئے اسی نیند کے دوران اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دشمن کی تعداد کم کر کے دکھا دی تو آپ ﷺ نے اس سے صحابہ کو باخبر کر دیا۔(1)

ابن اسحاق اور ابن منذر رحمہما اللہ تعالیٰ نے حبان بن واسع سے اور انہوں نے اپنی قوم کے شیوخ سے یہ نقل کیا ہے کہ جب حضور

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4، صفحہ 35 (العلمیہ)

نبی کریم ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو فرمایا اے ابوبکر! تمہیں بشارت ہو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت تمہارے لئے آگئی۔ یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اسے کھینچے لا رہے ہیں اور ان پر غبار پڑا ہوا ہے(1)۔ حسن نے کہا ہے کہ یہاں فِيْ مَنَامِكَ فِيْ عَيْنِكَ کے معنی میں ہے۔ (یعنی آپ کی نگاہوں میں کم کر کے دکھائی مقصود یہ ہے کہ دشمن کی تعداد کی قلت حالت خواب میں نہیں دکھائی گئی بلکہ حالت بیداری میں دکھائی گئی) اور یہاں منامک اس لئے مذکور ہے کیونکہ آنکھ ہی نیند کا محل ہوتی ہے(2)۔ (اس لئے یہاں مراد نیند نہیں بلکہ آنکھ ہے)۔

ج اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں لشکر کفار کی تعداد کثیر دکھاتا تو یقیناً تم بزدل ہو جاتے اور ہمت ہار دیتے، جنگ کے معاملہ میں تم باہم جھگڑ پڑتے اور جنگ کے بارے ثابت قدم رہنے اور اس سے راہ فرار اختیار کرنے میں تمہاری آراء متفرق ہو جاتیں۔ (یعنی بعض کی رائے یہ ہوتی کہ ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور بعض یہ کہتے کہ بھاگ جانا چاہئے)۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس مخالفت اور بزدلی سے محفوظ رکھ لیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہوتا ہے اور جو ان کے احوال و کیفیات میں تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے سینوں میں اللہ تعالیٰ کے لئے جو محبت موجود ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب جاننے والا ہے۔

ج حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ ہماری نگاہوں کے سامنے اتنے قلیل تھے کہ میں نے اپنے پہلو میں کھڑے آدمی سے پوچھا کیا تمہارے خیال کے مطابق ان کی تعداد نوے ہوگی تو اس نے جواب دیا میرے خیال میں یہ سو ہوں گے۔ پھر ہم نے ان میں سے ایک آدمی کو گرفتار کیا تو اس سے پوچھا تمہاری تعداد کتنی تھی تو اس نے کہا ایک ہزار(3) اور اے گروہ مومنین! ان کی نظروں میں تمہاری تعداد اس لئے کم کر دی تا کہ وہ بھاگ نہ جائیں۔ ابوجہل نے یہ کہا تھا کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی ایک اونٹ کی خوراک ہیں۔(4)

ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ غزوہ بدر کے دن ابوجہل نے یہ بھی کہا تھا کہ ان (مسلمانوں) کو پکڑ لو اور رسیوں سے باندھ دو ان میں سے کسی کو قتل نہ کرنا۔ تو اس کے بارے یہ آیت نازل ہوئی اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ کفار کو مسلمانوں کی جو تعداد کم دکھائی گئی تھی یہ جنگ چھڑنے سے پہلے کی حالت تھی جب خوب شدت کے ساتھ جنگ ہونے لگی تو پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں کی تعداد اپنے سے دوگنا دکھائی۔ جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے۔

ج یہ آیت (لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا الایہ) مکرر ذکر کی گئی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ فعل معلل بہ مختلف ہے، (یعنی وہ دونوں فعل جن کی علت اس آیت سے بیان کی گئی ہے وہ مختلف ہیں) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں امراً سے مراد وہ مقابلہ ہے جسے بطور حکایت ذکر کیا گیا ہے اور اس آیت میں امراً سے مراد اسلام اور اہل اسلام کو عزت عطا فرمانا اور شرک اور اہل شرک کو ذلیل و رسوا کرنا ہے۔ (تو اگرچہ الفاظ کے اعتبار سے اس آیت میں تکرار ہے مگر معنی مراد یہ مختلف ہے اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ آیت مکرر ذکر کی گئی ہے) اور تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اسی کا حکم دیتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 241 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 31 (التجاریہ) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 31 (التجاریہ)

تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۴۶﴾

''اے ایمان والو! جب جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو ثابت قدم رہو[1] اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ[2] اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے گی تمہاری ہوا[3] اور (ہر مصیبت میں) صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے[4]۔''

[1] اے ایمان والو! جب تم کافروں کی جماعت سے جنگ آزما ہو۔ فِئَة کے ساتھ کافرۃ کی صفت اس لئے ذکر نہیں کی گئی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ مومنین فقط کفار سے ہی جنگ لڑتے ہیں۔ تو ان کے ساتھ جنگ کرتے وقت ثابت قدم رہو کیونکہ میدان جہاد سے فرار اختیار کرنا گناہ کبیرہ ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے۔

[2] اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو یعنی اس سے فتح و نصرت کی دعا مانگو، اس کی یاد سے غلبے اور قوت کے حصول کی التجا کرو اور پھر اس کی مدد کے منتظر رہو تاکہ تم فتح و نصرت اور جزاء پانے کے سبب اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو جاؤ۔ اس جملہ میں اس بات پر تنبیہ ہے (کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی عنایات ہمہ وقت اپنے بندے پر ہوتی ہیں) اس لئے بندے کو چاہئے کہ کوئی شی اسے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ کرے اور وہ مصائب و آلام اور تکالیف کے اوقات میں اسی کی بارگاہ میں التجا کرتا رہے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم کسی بھی حال میں اپنے بندہ مومن سے جدا نہیں ہوتا اپنے دل کو تمام چیزوں سے خالی کر کے مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ رہے۔

[3] (بالعموم تمام امور میں) اور بالخصوص اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جنگ کرنے اور اس کے دین کو عزت بخشنے اور سربلند کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اختلاف آراء کے سبب آپس میں نہ جھگڑو جیسا کہ تم نے غزوۂ بدر کے دن ابتداء میں اور پھر غزوۂ احد کے دن کیا۔ ورنہ تم بزدل اور کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ فَتَفْشَلُوا اور تَذْهَبَ دونوں فعل نہی کے جواب میں واقع ہیں اور اَنْ مضمرہ کے سبب منصوب ہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ فعل نہی پر معطوف ہیں۔ اسی لئے تَذْهَبْ کو جزم کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہاں ریح سے مجازی طور پر مراد حکومت، اقتدار اور اپنی منشاء اور پسند کے مطابق حکم کا اجراء اور نفاذ ہے۔ جیسا کہ اخفش نے کہا ہے(1) کہ جس طرح ہوا آزادی کے ساتھ جدھر چاہتی ہے چلتی ہے اسی طرح آزاد اور خود مختار حکومت اپنے احکام نافذ کرنے میں آزاد ہوتی ہے (اور وہ اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق احکام کا نفاذ کر سکتی ہے) گویا اس میں حکومت کی آزادی اور خود مختاری کو ہوا کی چال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ (لہٰذا ہوا سے مراد حکومت اور اقتدار ہوگا)۔ سدی نے کہا ہے کہ ریح سے مراد جرأت اور دلیری ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اس سے مراد تیزی اور جذبات ہیں اور نضر بن شمیل کے قول کے مطابق اس سے مراد قوت اور طاقت ہے۔ قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہاں ریح (ہوا) اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے کیونکہ مسلمانوں کو ہمیشہ فتح و نصرت ہوا کے سبب حاصل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ہوا بھیجتا اور اس کے سبب دشمن کے چہروں کے رخ پھیر دیتا۔ اسی طرح ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوزید سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 32 (التجاریہ)

ارشاد فرمایا کہ میری مدد صبا (پروا) کے ذریعے کی گئی اور قوم عاد کو دبور (پچھمی ہوا) کے ذریعے ہلاک کیا گیا(1)۔ یہ روایت متفق علیہ ہے۔ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک رہا پس جب کبھی آپ ﷺ دن کی ابتداء میں جنگ نہ کرتے تو پھر آپ سورج ڈھلنے، ہوائیں چلنے اور مدد و نصرت نازل ہونے کا انتظار فرماتے تھے۔ اسے ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(2)

یعنی موت آجانے اور زخم لگ جانے کی صورت میں صبر کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے کہ (دنیا میں) ان کی مدد فرماتا ہے اور (آخرت میں) انہیں بہترین اور اچھی جزا سے نوازے گا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں عمرو بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ابوالنصر سالم سے روایت نقل کی ہے اور سالم عبداللہ بن عمرو کے کاتب بھی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی اوفی نے ایک خط لکھا اور میں نے وہ پڑھا کہ رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ میں دشمن کے مقابل تھے آپ انتظار کرتے رہے کہ سورج ڈھل گیا پھر آپ ﷺ لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے لوگو! دشمن سے (پہلے) جنگ لڑنے کی خواہش اور تمنا مت کرو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جنگ سے بچنے اور عافیت کی التجا کرو۔ لیکن جب تمہارا مقابلہ دشمن سے ہو جائے تو ڈٹ جاؤ، ثابت قدم رہو اور یقین کر لو کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔ پھر رب کریم کی بارگاہ میں یہ التجا کی: اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِي السَّحَابِ وَهَازِمَ الْاَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ۔(3) (اے اللہ! کتاب کو نازل فرمانے والے، بادلوں کو چلانے والے اور (کافروں) کے گروہوں کو شکست سے دوچار کرنے والے ان کو شکست دے دے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما (اور فتح و کامرانی عطا فرما دے)۔ اس آیت طیبہ میں جب اللہ تعالیٰ نے جہاد اور صبر کے بارے حکم ارشاد فرمایا تو مابعد آیت میں اخلاص نیت کا حکم ارشاد فرمایا کیونکہ اعمال کا اعتبار نیتوں کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ۔ (4) (رواہ مسلم)۔ (کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے)۔ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لیکن جہاد اور نیت(5) (ابھی باقی ہیں ہجرت کا حکم ختم ہو چکا ہے)۔ پس اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

"اور (دیکھو!) نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جو نکلے تھے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور (محض) لوگوں کے دکھلاوے کے لئے اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے (اپنے علم اور قدرت سے) گھیرے ہوئے ہے"۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 295 (قدیمی)
2۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 6 صفحہ 478 (الزمان)
3۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 424 (وزارت تعلیم)
4۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 317 (قدیمی)
5۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 13 (وزارت تعلیم)

[1] اور تم مجاہدہ اور جہاد کے معاملہ میں ان اہل مکہ کی طرح نہ ہو جانا جو فخر کرتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے قافلہ کی حمایت اور حفاظت کے لئے مکہ سے نکلے تھے۔ زجاج نے کہا ہے کہ بطر کا معنی ہے نعمت کے حصول پر سرکشی اختیار کر لینا اور اس کا شکر ادا نہ کرنا۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ بطر سے مراد نعمت کے نشے میں اس طرح مست ہونا ہے کہ اس کے شکر سے غافل ہو جائے اور رئاء سے مراد اچھائی اور خوبی کا اظہار کرنا ہے تاکہ اسے دیکھا جائے اور قباحت اور برائی کو چھپانا ہے۔ یعنی اہل مکہ اپنی کثرت تعداد اور وفور مال پر تکبر اور فخر کرتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے مکہ مکرمہ سے نکلے تاکہ لوگ ان کی شجاعت و بہادری اور سخاوت کی تعریف کریں اور ان کی عظمت و شان کا اعتراف کرلیں۔

[2] اور وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے یعنی اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان لانے سے روکتے تھے۔ کیونکہ جب ابوسفیان نے دیکھا کہ اس نے اپنے قافلے کو محفوظ مقام پر پہنچا دیا ہے تو اس نے قریش کی طرف پیغام بھیجا کہ تم قافلے کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے نکلے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے بچا لیا ہے، اس لئے اب تم واپس آجاؤ تم اس وقت ابوجہل نے کہا تھا۔ قسم بخدا! ہم واپس نہیں لوٹیں گے یہاں تک کہ ہم بدر میں پہنچ کر وہاں تین دن تک قیام کریں گے، اونٹ ذبح کریں گے، لوگوں کو کھانا کھلائیں گے، شراب اڑائیں گے اور طوائفیں نغمے گائیں گی، جب ان چیزوں اور باتوں کا تذکرہ عرب سنیں گے (تو ان پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی) اور وہ ہمیشہ ہم سے خوفزدہ رہیں گے۔ چنانچہ وہ میدان بدر میں پہنچے تو وہاں انہوں نے شراب کی بجائے موتوں کے جام نوش کئے اور باندیوں کے گانوں کی بجائے نوحہ کرنے والیاں ان پر نوحہ کناں ہوئیں۔ لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہل ایمان کو ان کی مثل متکبر اور ریاکار بننے سے منع فرما دیا اور انہیں حکم فرمایا کہ ان کی نیتوں میں خلوص ہو اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے دین اور نبی مکرم ﷺ کی مدد و نصرت میں ہر قسم کے لالچ، تکبر اور ریاء سے محفوظ ہوں۔ (1)

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَٰنُ أَعْمَٰلَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۖ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّنكُمْ إِنِّيٓ أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّيٓ أَخَافُ اللَّهَ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾

"اور یاد کرو جب آراستہ کر دیئے ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال اور (انہیں) کہا کہ کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر آج ان لوگوں میں سے اور میں نگہبان ہوں تمہارا [1] تو جب آمنے سامنے ہوئیں دونوں فوجیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگ گیا [2] اور بولا میں بری الذمہ ہوں تم سے۔ میں دیکھ رہا ہوں وہ جو تم نہیں دیکھ رہے۔ میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے [3]"

[1] اِذْ سے پہلے اُذْکُرْ فعل محذوف ہے۔ اَعْمَالَهُمْ سے مراد حضور نبی کریم ﷺ سے عداوت رکھنے، آپ ﷺ کو شہید کرنے اور آپ ﷺ کے ساتھ جنگ لڑنے جیسے اعمال کا ارادہ کرنا ہے۔ ہم یہ واقعہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دارالندوہ میں قریش کے پاس شیطان ابلیس بھی حاضر ہوا تھا اور جب انہوں نے چلنے کا ارادہ کیا تو وہ ان کے پاس سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں آیا تھا۔ میں نے قریش اور بنی بکر کے درمیان جو جنگ تھی اس کا تذکرہ بھی کر دیا ہے۔ لَا غَالِبَ لَكُمْ میں لَكُمْ لَا کی خبر ہے، یعنی لَا غَالِبَ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 33 (التجاریہ)

كَائِنٌ لَكُمْ۔ یہ اس کا صلہ نہیں ورنہ منصوب ہوتا جیسا کہ اس قول میں ہے لَا ضَارِبًا زَيْدًا عِنْدَكَ۔ یعنی شیطان نے انہیں کہا کہ تمہاری کثرت تعداد اور تمہارے وافر مال کے سبب آج تم پر لوگوں میں سے کوئی غالب نہیں آسکتا اور اس نے ان کے ذہنوں میں یہ راسخ کیا کہ جو اعمال وہ کر رہے ہیں وہ نیک اور اچھے ہیں اور ان کے لئے باعث نجات ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے یہ دعا بھی کر دی "اے اللہ! دو گروہوں میں سے جو ہدایت یافتہ ہے اور افضل دین پر ہے اس کی مدد فرما۔" ساتھ ہی انہیں یہ حوصلہ بھی دیا کہ بنی کنانہ کی جانب سے میں تمہارا نگہبان ہوں۔

۲ جب اہل اسلام اور مشرکین کی دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں اور ابلیس نے ملائکہ کو آسمان سے اترتے دیکھا اور یہ یقین کر لیا کہ وہ ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ الٹے پاؤں بھاگ نکلا۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے رفاعہ بن رافع سے اور ابن جریر، ابن منذر اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ اور مؤمنین کی امداد کے لئے ایک ہزار فرشتے نازل فرمائے ان میں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ہمراہ ایک جانب تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ دوسری جانب تھے۔ (اور مشرکین کی امداد کے لئے) ابلیس بھی اپنے شیطانوں کا لشکر لیکر آ گیا اس کے ساتھ اپنا علم بھی تھا یہ شیاطین بنی مدلج کے مردوں کی صورتوں میں تھے اور خود ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل اپنائے ہوئے تھا۔ تو اس دن شیطان نے مشرکین سے کہا لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ابلیس کی طرف متوجہ ہوئے پس جونہی اس نے آپ کو دیکھا تو اس وقت اس کا ہاتھ مشرکین میں سے ایک آدمی کے ہاتھ میں تھا۔ ابلیس نے اس سے اپنا ہاتھ کھینچا اور الٹے پاؤں بھاگ گیا اور اس کا لشکر بھی ساتھ ہی بھاگ نکلا تو اس آدمی نے پکار کر کہا اے سراقہ! کیا تو نے نہیں کہا تھا اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ (1)۔ (اور اب بھاگا جا رہا ہے) تو اس نے جواب دیا اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ الآیہ۔

۳ شیطان اس وقت بھاگا جب اس نے ملائکہ کو دیکھا۔ حارث بن ہشام (جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا) نے جب شیطان کا کلام سنا تو اسے مضبوطی سے پکڑ لیا اور یہ اسے سراقہ ہی گمان کر رہے تھے۔ لیکن شیطان نے حارث کے سینے میں شدید ضرب لگائی تو حارث گر پڑے اور ابلیس اسی طرح بھاگ نکلا کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا حتیٰ کہ سمندر میں جا گرا اور وہاں ہاتھ اٹھا کر رب کریم کی بارگاہ میں التجا کرنے لگا اے میرے پروردگار! جو وعدہ تو نے مجھ سے کیا تھا وہ پورا فرما اور میں تجھ سے اس مہلت کا سوال کرتا ہوں جو تو نے مجھے (قیامت تک باقی رہنے کی) دی تھی۔ اور اس کے اس رونے دھونے اور التجاء کا سبب یہ تھا کہ اسے یہ خوف لاحق ہو گیا تھا کہ اب اسے قتل کر دیا جائے گا تو ابوجہل نے اس وقت یہ اعلان کیا اے لوگو! سراقہ نے تمہیں چھوڑ دیا ہے تم اسے کوئی اہمیت نہ دو کیونکہ اس نے محمد (ﷺ) سے ساز باز کر لی تھی۔ عتبہ اور شیبہ قتل ہو گئے انہیں بھی تم کوئی اہمیت نہ دو کیونکہ انہوں نے تو جلدی کی ہے۔ لات و عزیٰ کی قسم! ہم اس وقت تک یہاں سے واپس نہیں جائیں گے جب تک محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کو رسیوں سے باندھ نہ لیں اور میں تم میں سے قطعاً ایسا آدمی نہ پاؤں جس نے ان میں سے کسی آدمی کو قتل کیا ہو بلکہ تم انہیں مضبوط پکڑ و تا کہ ہم انہیں ان کے برے کرتوتوں کے بارے بتا سکیں۔ (2)

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 42 (العلمیہ)

2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 743 (العلمیہ)

یہ بھی روایت ہے کہ جنگ کے بعد لوگوں نے سراقہ کو مکہ میں دیکھا تو اسے کہا اے سراقہ! تو نے ہماری صفوں کو توڑ ڈالا اور ہمیں ہزیمت اور شکست سے دوچار کردیا۔ تو جواب میں سراقہ نے کہا قسم بخدا! مجھے تو تمہارے معاملات میں سے کسی کا علم نہیں۔ حتیٰ کہ تمہاری ہزیمت کے بارے میں تو کچھ نہیں جانتا کیونکہ میں وہاں گیا ہی نہیں۔ لیکن لوگوں نے اس کی بات کو سچا تسلیم نہ کیا لیکن جب وہی لوگ اسلام کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور وہ آیات سنیں جو اللہ تعالیٰ نے شیطان کے بارے نازل فرمائیں تو پھر انہیں یقین ہو گیا کہ وہ ابلیس تھا جو ان کے پاس سراقہ کی صورت میں آیا تھا(1)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے کہ ابلیس نے جو یہ کہا اِنِّیْٓ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ تو یہ اس نے سچ کہا اور جو یہ کہا اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ تو یہ اس نے جھوٹ بولا۔ قسم بخدا! اس میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں تھا بلکہ اسے یہ یقین تھا کہ اس میں نہ قوت ہے اور نہ دفاع کی طاقت۔ پس وہ انہیں میدان میں لے تو آیا لیکن پھر انہیں تنہا چھوڑ کر چلا گیا اور یہ اس دشمن خدا کی عادت ہے جب بھی حق اور باطل باہم برسرپیکار ہوتے ہیں تو وہ اپنی اطاعت وفرمانبرداری کرنے والوں کو بے یارومددگار چھوڑ دیتا ہے اور ان سے اپنی برأت کا اظہار کردیتا ہے(2)۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ مجھے بھی ان افراد کے ساتھ ہلاک نہ کردے جنہیں وہ ہلاک کر رہا ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اسے یہ خوف تھا کہ کہیں جبرائیل امین اسے پکڑ کر اس کے حال کے بارے میں لوگوں کو مطلع نہ کردیں اور پھر لوگ اس کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار نہیں کریں گے۔ بعض نے اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ میں یہ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اپنے دوستوں کے لئے سچا ہے کیونکہ وہ ان کی مدد فرماتا ہے۔ بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ میں تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر رہا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ بعض کا موقف یہ ہے کہ پہلا کلام قول باری تعالیٰ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ پر ختم ہوجاتا ہے اور وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ علیحدہ جملہ ہے(3)۔ (لفظی اعتبار سے اس کا ماقبل جملے سے کوئی ربط نہیں)۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن کریز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یوم عرفہ کو جب شیطان یہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحمت نازل فرما رہا ہے اور ان کے بڑے بڑے گناہ معاف فرما رہا ہے تو وہ اپنے آپ کو انتہائی حقیر، بے عزت، ذلیل اور غضب ناک دیکھتا ہے مگر اس سے بھی بڑھ کر غزوۂ بدر کے دن اس نے اپنے آپ کو ذلیل ورسوا دیکھا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! اس نے غزوۂ بدر کے دن کیا دیکھا تھا (کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل وخوار اور حقیر سمجھنے لگا) تو آپ ﷺ نے فرمایا اس نے جبرئیل امین کو اس حال میں دیکھا تھا کہ وہ ملائکہ کو ذمہ داریاں تقسیم فرما رہے تھے(4)۔ (یہ دیکھ کر اسے یہ احساس ہوا کہ اس کا تمام تر منصوبہ اور چال ناکام ہوگئی) اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مرسل روایت کیا ہے۔ علاوہ ازیں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ، مصابیح اور معالم میں نقل کیا ہے۔

اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۴۹﴾

"یاد کرو جب کہہ رہے تھے منافق اور وہ جن کے دلوں میں (شک کا) روگ تھا کہ مغرور کردیا ہے انہیں ان کے دین

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 43 (العلمیہ)

2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 34-33 (التجاریہ)

3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 34 (التجاریہ)

4۔ مصابیح السنہ، جلد 1 صفحہ 317 (العلمیہ)

سنے ۱؎ اور جو شخص بھروسہ کرتا ہے اللہ پر تو بیشک اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے ۲؎ ''

۱؎ جب مدینہ طیبہ کے منافقین نے یہ دیکھا کہ تین سو دس سے کچھ زائد مسلمان مدینہ طیبہ سے چلے ہیں اور انہوں نے یہ بھی سنا کہ تقریباً ایک ہزار افراد پر مشتمل لشکر لیکر ابوجہل بھی جنگ کرنے کی غرض سے آیا ہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ ان مسلمانوں نے اپنے دین کے سبب ایسا دھوکہ کھایا ہے کہ یہ ایسے لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے نکل پڑے ہیں جن سے مقابلے کی طاقت یہ نہیں رکھتے اور یہی بات ایسے لوگ بھی کر رہے تھے جن کے دل ابھی تک ایمان سے مطمئن نہیں ہوئے تھے، ان کے قلوب میں ایمان راسخ نہیں ہوا تھا بلکہ ابھی تک شکوک و شبہات باقی تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لوگ مشرکین تھے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ منافقین تھے اور عطف دونوں وصفوں کے درمیان مغائرت پائے جانے کے سبب ہے۔ (یعنی ان میں نفاق بھی تھا اور اسلام کے بارے میں شبہات بھی تھے)۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ مکرمہ میں مشرف باسلام تو ہوئے مگر ان کے کمزور اور نادار ہونے کے سبب ان کے رشتہ داروں نے انہیں ہجرت مدینہ سے روک دیا۔ پھر جب قریش جنگ بدر کے لئے مکہ سے نکلے تو انہوں نے ان مسلمانوں کو بھی بالجبر قریش کے ساتھ بھیج دیا۔ میدان بدر میں پہنچ کر جب انہوں نے مسلمانوں کی تعداد کو کم دیکھا تو ان کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے اور وہ مرتد ہو گئے اور کہنے لگے ان مؤمنین کو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے۔ نتیجۃً وہ سب کے سب میدان بدر میں قتل ہو گئے۔ ان میں سے چند نام یہ ہیں قیس بن ولید بن مغیرہ، ابوقیس بن فاکہ بن مغیرہ یہ دونوں بنی مخزوم میں سے تھے۔ حارث بن زمعہ بن اسود بن مطلب، علی بن امیہ بن خلف جمحی اور عاص بن منبہ بن حجاج (1)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ اور مشرکین میں سے چند افراد نے یہ کہا تھا غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ۔ (کہ انہیں ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے)۔

۲؎ مذکورہ قول کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ کہ اللہ تعالیٰ ایسا غالب ہے جو اس پر توکل کرتا ہے اور اس کی پناہ طلب کرتا ہے تو وہ کبھی بھی اسے ذلیل اور رسوا نہیں ہونے دیتا، اگرچہ وہ تعداد میں کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ کے ساتھ ایسا کام کر دیتا ہے جسے عقل بعید از امکان سمجھ رہی ہوتی ہے اور اس کے ادراک سے عاجز ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ ایسا سلوک کیا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ جب اللہ تعالیٰ دنیا میں کفار کے برے انجام یعنی قتل اور شکست وغیرہ کا تذکرہ کر چکے تو پھر مابعد آنے والی آیت میں اس کیفیت کا تذکرہ فرمایا جو موت کے بعد ان پر طاری ہوئی۔ لہٰذا ارشاد فرمایا۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝

''اور (اے مخاطب!) اگر تو دیکھے جب جان نکالتے ہیں کافروں کی فرشتے (اور) مارتے ہیں ان کے چہروں اور پشتوں پر ۱؎ اور (کہتے ہیں اب) چکھو آگ کا عذاب ۲؎ ''

۱؎ چونکہ لَوْ مضارع کو ماضی کے معنی میں کر دیتا ہے۔ اس لئے یہاں لَوْ تَرٰى لَوْ رَاَيْتَ کے معنی میں ہے، یعنی اے محمد ﷺ! اگر آپ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 34 (التجاریہ)

دیکھتے جب فرشتے کفار کی جان نکالتے ہیں میدان بدر میں یا کسی دوسرے مقام پر۔ اِذْ تَرٰی فعل کی ظرف ہے۔ اور اس کا مفعول محذوف ہے۔ یعنی اگر آپ دیکھتے کافروں کو یا ان کی حالت کو جب کہ ملائکہ ان کی جان نکال رہے تھے۔(1)

الْمَلٰٓىِٕكَةُ یَتَوَفَّى فعل کا فاعل ہے۔ ابن عامر کی تاء کے ساتھ قرأت یعنی تَتَوَفّٰی اس پر دلالت کر رہی ہے اور جمہور کی قرأت کے مطابق یہ بھی جائز ہے کہ یتوفیٰ کا فاعل ضمیر ہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہو اور الْمَلٰٓىِٕكَةُ مبتدا ہو اور اس کی خبر یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ہو اور پھر یہ جملہ الَّذِیْنَ كَفَرُوا سے حال ہو۔ اور یہ واؤ کے سبب ضمیر سے مستغنی ہے۔ پہلی ترکیب کے اعتبار سے یہ جملہ (یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ الخ) یا تو کفروا سے حال ہے یا مَلٰٓىِٕكَة سے یا پھر دونوں سے کیونکہ یہ دو ضمیروں پر مشتمل ہے۔ اَدْبَارَهُمْ سے مراد ان کی پشتیں ہیں، یعنی فرشتے آگ کے کوڑوں اور لوہے کے گرزوں سے ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے ہیں اور اس سے مراد عام ضرب ہے۔ یعنی وہ انہیں سامنے سے مارتے ہیں اور پیچھے سے مارتے ہیں۔ سعید بن جبیر اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہ کہا ہے کہ اَدْبَارَهُمْ سے مراد ان کی سرینیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حیا کے سبب یہاں کنایۃً اس کا تذکرہ کیا ہے۔(1)

2۔ اس کا عطف یَضْرِبُوْنَ پر ہے اور اس سے پہلے قول مضمر ہے۔ یعنی یَقُوْلُوْنَ ذُوْقُوْا الخ۔ یعنی وہ انہیں یہ بشارت دیتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ تم دائمی آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ مذکورہ وضاحت کے مطابق یہ ان کے لئے عالم برزخ میں ہونے والے عذاب کا بیان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ مشرکین جب میدان بدر میں مسلمانوں کی طرف منہ کر کے آگے بڑھتے تو فرشتے ان کے چہروں پر تلواریں مارتے تھے اور جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے۔ تو فرشتے انہیں پیچھے سے مل کر ان کی پشتوں پر ضربیں لگاتے(2)۔ پس اس طرح انہوں نے ان میں سے کئی افراد کو قتل کیا اور ساتھ ہی فرشتے انہیں یہ بھی کہہ رہے تھے کہ آگے آگ کے عذاب کا مزہ (بھی) چکھو۔ بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ فرشتوں کے پاس لوہے کے گرز تھے جن سے وہ کفار کو مار رہے تھے اور ان کے سبب ان کے زخموں میں آگ سی بھڑک اٹھتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ کا یہی مفہوم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا فرشتے انہیں یہ بات موت کے بعد کہتے ہیں(3)۔ لَوْ کا جواب محذوف ہے اور وہ یہ ہے لَرَاَیْتَ اَمْرًا فَظِیْعًا مُهُوْلًا۔ تو آپ بالیقین ایک خوفناک اور ڈراؤنا منظر دیکھتے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

"یہ بدلہ ہے اس کا جو آگے بھیجا ہے تمہارے ہاتھوں نے 1 اور اللہ تعالیٰ ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ہے (اپنے) بندوں پر 2 جیسے دستور تھا فرعونیوں کا اور جو (زبردست) لوگ ان سے پہلے تھے 3 انہوں نے کفر کیا آیات الٰہی کے ساتھ تو پکڑ لیا انہیں اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث۔ بیشک اللہ قوت والا سخت عذاب دینے والا ہے 4"

1۔ بِمَا قَدَّمَتْ میں مَا سببیہ ہے، یعنی یہ جو کچھ تمہارے ساتھ دنیا میں ہوا اور آخرت میں ہوگا۔ اس کا سبب وہ کفر اور معاصی ہیں جن کا ارتکاب تم کرتے رہے۔ چونکہ اکثر افعال ہاتھوں کے ساتھ ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں اس لئے یہاں ایدی کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ (مگر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 34 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 34 (التجاریہ) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 34 (التجاریہ)

اس سے مراد ذات ہے)۔

۲؎ اس کا عطف مَا کَسَبَتْ پر ہے اور یہ اس پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ اگرچہ عذاب کا سبب اعمال ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ورنہ وہ بغیر گناہوں کے بھی عذاب دیتا۔ مگر ظلم کی نفی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر وہ گنہگاروں کو عذاب نہ دینا چاہے تو وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مستحق عذاب کو عذاب نہ دینا نہ تو شرعاً ظلم ہے اور نہ ہی عقلاً بلکہ یہ تو رحمت اور مغفرت ہے۔ ظَلَّامٌ مبالغہ کا صیغہ ہے اور کثرت کے معنی کو بیان کرنے کے لئے ہے اور اس کا سبب بندوں کی تعداد کی کثرت ہے۔ (یعنی چونکہ بندوں کی تعداد کثیر ہے اس لئے کثرت مظالم کی نفی کر دی گئی ہے) ملائکہ نے کفار کے لئے جو کلام کیا یہی اس کا بقیہ حصہ تھا۔

۳؎ کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ محذوف مبتدا کی خبر ہے۔ یعنی ان کفار کا عمل اور وہ طریقہ جس پر یہ چل رہے ہیں اور جسے یہ اپنائے ہوئے ہیں ایسا ہی ہے جیسے فرعونیوں کا طریقہ اور دستور تھا اور ان لوگوں کی مثل جو ان سے پہلے تھے، مثلاً قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود وغیرہ۔

۴؎ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ دَاْب کی تفسیر ہے۔ یعنی ان کا طریقہ اور عمل یہ تھا کہ انہوں نے آیات الٰہی کے ساتھ کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے باعث انہیں عذاب کے ساتھ پکڑ لیا اور انہیں اپنی گرفت میں لے لیا بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا سخت عذاب دینے والا ہے، یعنی کوئی شی اس پر غالب نہیں آسکتی اور نہ ہی کوئی شی اس کے عذاب کو روک سکتی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾

"یہ اس لئے کہ اللہ نہیں بدلنے والا کسی نعمت کو جس کا انعام اس نے فرمایا ہو کسی قوم پر یہاں تک کہ بدل ڈالیں وہی اپنے آپ کو اور بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۱؎"

۱؎ لَمْ يَكُ اصل میں لم يكون تھا، حرف جازم لَمْ کی وجہ سے آخر سے حرکت حذف کر دی، پھر واؤ اور نون دو ساکن جمع ہوئے واؤ اجتماع ساکنین کی وجہ سے گر گئی اور پھر حروف لین کے مشابہ ہونے کی وجہ سے نون کو تخفیفاً حذف کر دیا۔ مفہوم یہ ہے کہ یہ عذاب جو ان پر نازل ہوا (یہ ظلم نہیں ہے بلکہ) اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نعمت کے سبب کسی قوم پر جو انعام فرماتا ہے اسے اس وقت تک عذاب اور تکلیف سے نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو بدترین حالت میں نہ بدل ڈالیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو امن، رزق اور عزت کی نعمت سے سرفراز فرمایا تھا اور ان سے اصحاب فیل کے لشکر کو روک کر تباہ و برباد کیا تھا اور اس وقت تک انہیں میدان بدر میں قتل اور قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار نہیں کیا جب تک قریش نے دین اسماعیل، ملت ابراہیم، صلہ رحمی، کعبہ معظمہ کی خدمت، مہمان نوازی اور حاجیوں کو پانی پلانے جیسے نیک اعمال کو چھوڑ کر حضور نبی رحمت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی عداوت و دشمنی اختیار نہیں کر لی، مسجد حرام میں انہیں داخل ہونے سے روک نہیں دیا، قربانی کے جانوروں کا داخلہ حرم پاک میں ممنوع نہیں قرار دیا، لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں کا خون بہانے کے درپے نہیں ہو گئے اور آیات قرآن کو جھٹلا کر ان سے استہزاء وغیرہ نہیں کرنے لگ گئے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کے دادا عبد مناف کے دادا کا نام کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی تھا۔ کلاب سے پہلے اس کے تمام آباء و اجداد نسل در نسل دین اسماعیل پر تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنے باپ کی جانب سے وراثت میں ریاست

کی نیابت بھی ملتی تھی اور ساتھ ہی انہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر کاربند رہنے کی وصیت بھی کی جاتی تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں دین ابراہیمی میں تبدیلی اور بتوں کی پوجا کا آغاز قصی بن کلاب کے زمانے میں ہوا۔ کعب بن لوی نے سب سے پہلے تمام عربوں کو جمع کیا تھا۔ قریش اس کے پاس جمع ہوتے تو وہ انہیں خطاب کیا کرتا حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت کا ذکر کرتا اور انہیں یہ بتاتا کہ آپ اس کی اولاد سے ہوں گے۔ پھر ساتھ ہی انہیں آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کرنے کا حکم بھی دیتا تھا اور پھر کچھ اشعار بھی سناتا۔ ان میں سے ایک یہ ہے:۔

يَالَيْتَنِي شَاهِدًا فَحْوَاىَ دَعْوَتِهِ   إِذَا قُرَيْشٌ يَبْغِي الْحَقَّ خِذْلَانًا

(کاش میں آپ ﷺ کی دعوت کے وقت حاضر ہوتا جبکہ قریش حق سے سرکشی اختیار کر لیں گے)

قصی حاجیوں کے لئے منیٰ اور عرفات کے دنوں میں وافر کھانے کا انتظام کرتا تھا اسے امادہ کہا جاتا تھا۔ اس نے چمڑے کے بڑے بڑے حوض اور مشکیزے تیار کر رکھے تھے جن میں پانی بھر کر مکہ، منیٰ اور عرفات میں حاجیوں کو پلایا جاتا تھا اسے سقایہ کہا جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہی طریقہ اور سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ اسلام کا سورج طلوع ہو گیا اور پھر زمانہ اسلام میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ قصی نے اس کام کا آغاز بھی کیا کہ وہ رات کے وقت مزدلفہ میں آگ روشن کیا کرتا تھا تاکہ اسے دیکھ کر عرفات سے واپس آنے والے لوگ راستہ نہ بھٹک جائیں۔ وہ یہ کام مسلسل کرتا رہا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ مقدس میں بھی آگ روشن کرنے کا عمل جاری رہا۔ سب سے پہلے جس نے حضرت اسماعیل علیہ اسلام کے دین میں تغیر کیا، بتوں کی عبادت شروع کی اور (بتوں کے نام پر) اونٹنیاں چھوڑ دینے کا آغاز کیا وہ عمرو بن لحی خزاعی ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ نِعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَى قَوْمٍ میں نعمة سے مراد حضور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ اور قریش کو اس نعمت سے سرفراز فرمایا مگر انہوں نے اسے جھٹلا دیا اور اس کا انکار کر دیا۔ تحبۃ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کو انصار کی طرف منتقل کر دیا [1]۔ بعض علماء نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اہل مکہ اور آل فرعون کبھی بھی اچھی اور پسندیدہ حالت پر نہیں رہے (یعنی آیت کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے ان کی عادات و اطوار اچھی تھیں اور بعد میں انہوں نے اپنے اعمال کو بدترین بنالیا) بلکہ یہ تو پہلے بھی ناپسندیدہ اور بری حالت پر تھے اور بعد میں انہوں نے اس سے بدتر حالت کو اپنا لیا۔ چنانچہ وہ بعثت سے قبل کافر تھے، بتوں کی پوجا کرنے والے تھے اور بعثت کے بعد انہوں نے رسول معظم ﷺ کو جھٹلایا، اسے قتل کرنے کی پوری کوشش کی اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا۔ پس اس طرح وہ جس حال پر پہلے تھے اس نے انہیں اس سے بدتر حالت میں تبدیل کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی حالت میں ان پر عذاب نازل نہیں کیا بلکہ انہیں سنبھلنے کی مہلت دے رکھی تھی لیکن دوسری حالت میں ان سے مہلت کی نعمت واپس لیکر فوراً دنیا میں ہی انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا۔ بظاہر کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو نعمت سے سرفراز فرما رکھا ہوتا ہے، جب تک وہ خود اپنی حالت کو تبدیل نہ کریں اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کو تبدیل نہیں کرتا۔ لہٰذا ان کے عذاب میں مبتلا ہونے کا سبب یہی تبدیلی ہے۔ لیکن ایسا نہیں (کیونکہ مہلت دینے اور عذاب میں مبتلا نہ کرنے کا تو یہ سبب ہو سکتا ہے مگر عذاب دینے کا یہ سبب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے الفاظ کا ظاہر مفہوم مراد نہیں بلکہ) یہاں مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور عادت مبارکہ ہے کہ جب لوگ اپنی حالت بدل لیتے ہیں تو رب کریم

---

1 تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 35 (التجاریہ)

اپنی نعمتیں واپس لیکر ان کے بدلے ان پر عذاب مسلط کر دیتا ہے اور ساتھ ہی عذاب میں مبتلا کرنے کا سبب یہ بھی ہے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں رب کریم اسے خوب سننے والا ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ اسے خوب جاننے والا ہے (گویا ان کے اقوال وافعال ایسے ہوتے ہیں جو انہیں عذاب کا مستحق بنا دیتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں جکڑ دیتا ہے)۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿ۖۚ۵۵﴾

"(کفار مکہ کا طرز عمل بھی) فرعونیوں اور ان (سرکشوں) کا سا ہے جو پہلے گزر چکے انہوں نے جھٹلایا اپنے رب کی آیتوں کو پس ہم نے ہلاک کر دیا انہیں بوجہ ان کے گناہوں کے [1] اور ہم نے غرق کر دیا فرعونیوں کو [2] اور (وہ) سب کے سب ظالم تھے [3] بلاشبہ بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ انسان ہیں جنہوں نے کفر کیا پس وہ کسی طرح ایمان نہیں لاتے [4]"

[1] یہ آیت اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ انہوں نے کفران نعمت اور حق کا انکار کرنے میں انتہائی زیادتی اور مبالغہ سے کام لیا۔ تو ہم نے انہیں ان کے گناہوں کے بدلے ہلاک کر دیا (مگر ہلاکت و بربادی کے انداز مختلف تھے)۔ پس ہم نے بعض کو غرق کر دیا، بعض پر زلزلہ برپا کیا، بعض کو زمین میں دھنسا دیا، بعض کی شکلیں مسخ کر دیں اور بعض پر آندھی وطوفان چلا کر انہیں نیست ونابود کر دیا۔

[2] جب کفار مکہ نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں فرعونیوں کی طرح میدان بدر میں تلوار کے سبب ہلاک و برباد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ الآیۃ کو مکرر ذکر فرمایا تو اس کا مقصود فقط تاکید ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ پہلے مقام پر یہ بیان کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ان پر عذاب مسلط کرنے کا سبب کفر ہے اور دوسرے مقام پر اس بیان کے لئے ہے کہ چونکہ انہوں نے اپنی حالت کو بدل لیا لہٰذا اس سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمت کو عذاب سے بدل ڈالا۔ یا پھر یہ مفہوم ہے کہ پہلے مقام پر صرف یہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے گناہوں کے سبب انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا۔ (آگے عذاب کی نوعیت بیان نہیں فرمائی) جبکہ اس دوسرے مقام پر یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بالکل تباہ و برباد کر دیا اور انہیں جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔

[3] وہ سب کے سب یعنی پہلے آنے والے اور بعد میں آنے والے کفر اختیار کرنے اور گناہوں کا ارتکاب کرنے کے سبب اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے۔

[4] بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور وہ انسان ہیں جو کفر پر مصر رہے اور اسی پر ڈٹے رہے۔ پس وہ کسی طرح ایمان نہیں لاتے۔ اس آخری شرط کے ساتھ وہ لوگ سابقہ حکم سے خارج ہو گئے جنہوں نے پہلے تو کفر کیا مگر پھر ایمان لے آئے اور اپنے اسلام کو حسن کردار سے مزین کیا۔ یا پھر فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ کے ذریعے ان لوگوں کے بارے خبر دی جا رہی ہے جن کی طبع اور فطرت میں کفر راسخ ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ "فاء" عاطفہ ہے اور یہ اس امر پر متنبہ کرنے کے لئے ہے کہ معطوف علیہ کا تحقق معطوف کے تحقق کا تقاضا کرتا ہے۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ان کا کفر اللہ تعالیٰ کے علم میں مضبوط اور پختہ ہو چکا ہے پس وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس

اعتبار سے اس آیت کا حکم ان تمام لوگوں کو شامل ہوگا جن کی موت کفر پر ہوگی۔ ابوالشیخ نے سعید بن جبیر سے یہ نقل کیا ہے کہ آیت کریمہ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا الآیہ یہودیوں کے چھ قبائل کے بارے نازل ہوئی اور ان ہی میں سے ابن تابوت بھی تھا۔(1)

اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّ هُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

”وہ جن سے (کئی بار) آپ نے معاہدہ کیا[1] پھر وہ توڑتے رہے اپنا عہد ہر بار[2] اور وہ (عہد شکنی سے) ذرا نہیں پرہیز کرتے[3]۔ پس اگر آپ پائیں انہیں (میدان) جنگ میں تو (انہیں عبرتناک سزا دے کر) منتشر کر دو انہیں جو ان کے پیچھے ہیں۔ شاید وہ سمجھ جائیں[4]“

[1] اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سے بدل ہے پھر یا تو یہ بدل بعض ہے اور ان کے گناہ کی تخصیص کے لئے ہے (یعنی ویسے تو سارا کفر ہی بہت برا ہے مگر عہد شکنی بالخصوص قابل مذمت ہے) یا پھر سعید بن جبیر کی بیان کردہ روایت کے مطابق یہ بدل کل ہے۔ (یعنی وہ کفار جو عہد شکنی کے مرتکب ہوئے) یہاں عاهدت منهم مذکور ہے حالانکہ معاہدہ کے مفعول پر مِن نہیں آنا چاہئے، لہٰذا اسے عاهدتهم ہونا چاہئے۔ تو اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ معاہدہ اخذ کے معنی کو متضمن ہے، یعنی عاهدت منهم کا معنی ہے اَخَذْتَ مِنْهُمُ الْعَهْدَ (تونے ان سے عہد لیا) اور اخذ کا صلہ مِنْ آتا ہے۔

[2] آپ نے جو معاہدہ ان سے کیا وہ اسے ہر بار توڑتے رہے۔ ان معاہدہ توڑنے والوں سے مراد بنی قریظہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین و انصار کے مابین (محبت و اخوت) کی ایک تحریر لکھی اور اس میں یہود سے مصالحت کا ذکر بھی کیا اور ان سے ایک معاہدہ بھی کیا جس میں ان کے حقوق و فرائض کی شرائط کا ذکر کیا۔ اس میں یہ بھی تھا کہ جب تک وہ اسلام قبول کرنے سے باز رہیں گے انہیں اپنے دین اور مال پر قائم رہنے دیا جائے گا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ معاہدہ دو ورق پر مشتمل تھا۔ لیکن انہوں نے بعد میں اپنے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان طے پانے والے معاہدہ کو توڑ ڈالا اور حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے خلاف جنگ لڑنے کے لئے ہتھیاروں کے ساتھ مشرکین کی مدد کی اور پھر یہ کہنے لگے ہم تو بھول گئے، ہم سے غلطی ہو گئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دوسری بار ان سے معاہدہ کر لیا۔ لیکن انہوں نے اسے بھی توڑ دیا جس کے نتیجے میں خندق کے دن کفار رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہوئے۔ کعب بن اشرف یہودی سواری پر مکہ پہنچا اور وہاں جا کر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے میں اپنی موافقت کا انہیں یقین دلایا۔

[3] اور وہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ذرا نہیں ڈرتے حالانکہ وہ آپ ﷺ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو۔ اس کے باوجود ہر بار آپ سے معاہدہ توڑ دیتے ہیں۔ عبد بن حمید، ابن جریر اور ابونعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ معاذ بن جبل، بشر بن براء اور داؤد بن سلمہ رضی اللہ عنہم نے یہودیوں سے فرمایا اے گروہ یہود! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو۔ جب ہم مشرک تھے تو تم ہمارے خلاف محمد ﷺ کے وسیلہ سے فتح یاب ہونے کی دعائیں مانگا کرتے تھے اور ہمیں یہ

1۔ الدرالمنثور، جلد 3، صفحہ 347 (العلمیہ)

بتاتے تھے کہ آپ مبعوث ہونے والے ہیں اور آپ کے اوصاف بھی بیان کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے (معاہدہ شکن) کفار کو بدترین جانور قرار دیا کیونکہ لوگوں میں سے بلکہ ساری مخلوق میں سے بدترین کفار ہیں اور کفار میں سے بدترین کفر پر اصرار کرنے والے لوگ ہیں اور کفر پر ڈٹے رہنے والوں میں سے بدترین عہد توڑنے والے کفار ہیں۔ اس لئے وہ بدترین جانور ہیں۔

۲۔ پس اگر آپ انہیں میدان جنگ میں پائیں اور انہیں قیدی بنالیں۔ تشرید کا اصل معنی ہے التفریق علی اضطراب اضطراب اور بے چینی کی حالت میں متفرق کر دینا منتشر کر دینا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی ہے انہیں ایسی سزا دو جوان کے پچھلوں کے لئے باعث عبرت ہو(1)۔ یعنی جن لوگوں نے آپ سے عہد شکنی کی ہے آپ انہیں اس طرح قتل کریں اور ایسی سزا دیں کہ اہل مکہ اور یمن میں سے جو ان کے پیچھے لوگ ہیں وہ آپ سے ڈر جائیں اور خوفزدہ ہو کر دور بھاگ جائیں۔ (اور پھر کبھی انہیں آپ کے مقابلے میں آنے کی جرات نہ ہو)۔ کہا جاتا ہے شَرَّدْتُ بِفُلَانٍ۔ یعنی میں نے اس سے ایسا سلوک کیا جس نے دوسروں کو اس جیسا فعل کرنے سے دور بھگا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بنی قریظہ پر غلبہ عطا فرمایا تو آپ نے ان کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں اور ان کی اولادوں کو قیدی بنالیا اور ان کا مال تقسیم کر دیا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اسلم انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی قریظہ کی چھان بین پر مجھے مقرر فرمایا چنانچہ میں نے جسے بھی بالغ دیکھا اس کی گردن اڑا دی(2)۔ شاید جو ان کے پیچھے ہیں وہ سمجھ جائیں اور نصیحت حاصل کر لیں اور وہ عہد شکنی کا ارتکاب نہ کریں۔

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآىٕنِیْنَ ﴿۵۸﴾

”اور اگر آپ اندیشہ کریں کسی قوم سے خیانت کا تو پھینک دو ان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح طور پر[1] بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا خیانت کرنے والوں کو[2]“

۱۔ اور اگر آپ کو معاہدہ کرنے والی قوم کی جانب سے خیانت یعنی معاہدہ توڑنے کا اندیشہ ہو اور ان کی طرف سے عہد شکنی کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو آپ بھی ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیجئے۔ عَلٰى سَوَآءٍ سے مراد ہے عدل وانصاف کو اپناتے ہوئے یعنی تاکہ معاہدہ شکنی کی اطلاع میں تم اور وہ برابر اور ایک دوسرے کے مساوی ہو جاؤ۔ یا یہ مطلب ہے کہ جنگ شروع کرنے سے قبل معاہدہ توڑنے کی اطلاع انہیں پہلے دے دو کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ فسخ ہو چکا ہے تاکہ تمہاری طرف سے خیانت کا ارتکاب نہ ہو۔

ابوالشیخ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل امین حضور نبی مکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا آپ نے تو ہتھیار کھول دیئے ہیں ہم تو ابھی ایک قوم کی تلاش میں ہیں۔ لہٰذا آپ بھی چلئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنی قریظہ سے جنگ لڑنے کی اجازت عطا فرما دی ہے اور اسی کے بارے یہ آیت وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً الآیہ نازل ہوئی(3)۔ میں کہتا ہوں یہ واقعہ غزوۂ احزاب سے بعد کا ہے۔ حافظ محمد یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے کہ یہودی قبائل میں سے بنی قینقاع کے یہودیوں نے سب سے پہلے عہد شکنی کی، بغاوت اور حسد کا اظہار کیا اور ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے مابین جو معاہدہ طے پایا تھا انہوں نے اسے توڑ ڈالا اور اپنی عداوت کا اظہار کر دیا۔ عرب کی ایک برقعہ پوش خاتون بنی قینقاع کے بازار میں آئی اور زیور خریدنے کی غرض سے سنار کے پاس

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 36 (التجاریہ) 2۔ معجم کبیر طبرانی، جلد 1 صفحہ 334 (العلوم والحکم) 3۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 347 (العلمیہ)

بیٹھ گئی۔ لوگوں نے یہ خواہش کی کہ وہ اپنے چہرے سے نقاب ہٹا کر اسے ننگا کر دے مگر اس نے ایسا نہ کیا۔ سنار نے پیچھے کی جانب سے اس کے کپڑے کی ایک طرف کو کسی کیل میں اُلجھا دیا اور اسے اس کا علم نہ ہو سکا۔ چنانچہ جب وہ اٹھی تو اس کے بدن کا ڈھانپا ہوا کچھ حصہ ننگا ہو گیا جسے دیکھ کر وہ لوگ ہنس پڑے۔ اتنے میں وہ خاتون چیخ پڑی۔ اس کی آواز سن کر ایک مسلمان نے سنار پر حملہ کر دیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ چونکہ سنار یہودی تھا۔ لہٰذا یہودی مسلمان پر جھپٹ پڑے اور اسے قتل کر دیا۔ اس طرح انہوں نے اپنا عہد توڑ ڈالا پس اس مسلمان کے گھر والوں نے مسلمانوں کو یہودیوں کے خلاف پکارا۔ مسلمان غضبناک ہو گئے۔ پس اس طرح مسلمانوں اور بنی قینقاع کے درمیان فتنہ وفساد برپا ہو گیا(1) اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآىٕنِیْنَ۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا مجھے بنی قینقاع کی جانب سے عہد شکنی کا خطرہ ہے۔ چنانچہ اس آیت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ لشکر لیکر بنی قینقاع کی طرف چل پڑے۔ علم حضرت حمزہ بن عبد المطلب رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے اٹھا رکھا تھا اور آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے مدینہ طیبہ میں حضرت ابو لبابہ بن عبد المنذر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ بنی قینقاع کے یہودی قلعہ بند ہو گئے اور آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے پندرہ دنوں تک ان کا شدید محاصرہ جاری رکھا حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ پس وہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے حکم کے مطابق اس شرط پر قلعوں سے نیچے اتر آئے کہ ان کا مال ومتاع رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے لئے ہوگا اور عورتیں اور بچے ان کے اپنے پاس رہیں گے جنہیں ساتھ لیکر وہ مدینہ طیبہ سے جلاوطن ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ تین دنوں کے بعد مدینہ طیبہ سے نکل گئے اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ان کے مال سے صفی (وہ مال جسے تقسیم سے قبل آپ کو انتخاب کا اختیار تھا) اور خمس وصول کیا اور بقیہ 4/5 حصے صحابہ کرام میں تقسیم فرما دیا۔ غزوۂ بدر کے بعد یہی سب سے پہلا خمس تھا۔

﴾2﴿ علامہ بغوی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے اپنی سند سے بنی حمیر کے ایک آدمی سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ اور رومیوں کے درمیان ایک معاہدہ تھا۔ آپ ان کے شہروں کی طرف جا رہے تھے تاکہ جونہی معاہدہ کی مدت ختم ہو تو (انہیں اطلاع دیئے بغیر) ان پر اچانک حملہ کر دیں۔ اسی دوران گھوڑے پر سوار ہو کر ایک آدمی آیا۔ وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ اکبر اللہ اکبر وفاء لا غدر۔ (یعنی وعدہ وفا کرو اسے توڑو نہیں) اور وہ حضرت عمرو بن عنبسہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ تھے۔ حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے انہیں بلا بھیجا اور ان سے اس کے بارے استفسار کیا تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس آدمی اور دوسری قوم کے مابین معاہدہ ہو تو وہ اپنے معاہدے کی شکست وریخت نہ کرے، یہاں تک کہ اس کی مدت گزر جائے یا (پھر اس قوم کی جانب سے معاہدہ توڑنے کے آثار نمودار ہونے کی صورت میں) برابری کی بنیاد پر یہ معاہدہ انہیں واپس کر دے۔ پس حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ یہ سنتے ہی واپس لوٹ آئے۔(2)

وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْاؕ-اِنَّهُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ(۵۹) وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْۚ-لَا تَعْلَمُوْنَهُمْۚ-اَللّٰهُ یَعْلَمُهُمْؕ-وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ(۶۰)

1۔ سبل الہدی والرشاد، جلد 4 صفحہ 179 (العلمیہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 36 (التجاریہ)

"اور ہرگز نہ خیال کریں کافر کہ وہ بچ کر نکل گئے 1 یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے 2 اور تیار رکھو ان کے لئے جتنی استطاعت رکھتے ہو، قوت و طاقت 3 اور بندھے ہوئے گھوڑے 4 تاکہ تم خوفزدہ کر دو اپنی جنگی تیاریوں سے اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور دوسرے لوگوں کو ان کھلے دشمنوں کے علاوہ 5 تم نہیں جانتے ہو انہیں (البتہ) اللہ جانتا ہے انہیں اور جو چیز خرچ کرو گے راہِ خدا میں اس کا اجر پورا پورا دیا جائے گا تمہیں اور (کسی طرح) تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا 6"

1 حفص، ابن عامر اور حمزہ نے لَا یَحْسَبَنَّ کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کا فاعل اس موصول ہے اور مفعول اول انفسھم ہے جو تکرار کی وجہ سے محذوف ہے۔ یا فاعل ضمیر ہے جو مَنْ خلفھم کی طرف راجع ہے۔ باقیوں نے اسے تاء کے ساتھ صیغہ خطاب کی صورت میں پڑھا ہے اور اس کے دونوں مفعول الّذین کفروا سَبَقُوْا ہیں۔ مفہوم یہ ہے لَا تَحْسَبَنَّهُمْ سَابِقِیْنَ فَائِتِیْنَ مِنْ عَذَابِنَا۔ (یعنی آپ انہیں ہمارے عذاب سے بچ نکلنے والا گمان نہ کریں)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ آیت ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی جو میدان بدر سے شکست خوردہ ہو کر بھاگ نکلے تھے۔ (1)

2 ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے اِنَّهُمْ میں ہمزہ کو فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہے لِاَنَّهُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ بعض نے کہا ہے کہ لَا یُعْجِزُوْنَ میں لَا زائدہ ہے اور معنی یہ ہے کہ کافر اللہ تعالیٰ کو عاجز کر دینے کا گمان تک نہ کریں۔ اس صورت میں سبقوا سابقین کے معنی میں حال ہے۔ لیکن جمہور قراء نے انھم میں ہمزہ کو مکسور ہی پڑھا ہے کیونکہ یہ ابتدائے کلام میں واقع ہے۔

3 اے اہل ایمان! عہد توڑنے والوں کے لئے یا کفار کے لئے جتنی استطاعت رکھتے ہو اتنی تیاری کرو۔ اعداد سے مراد حاجت اور ضرورت کے وقت کے لئے کوئی چیز بنانا اور تیار کرنا ہے اور قوت سے مراد ایسے اسباب اور ہتھیار فراہم کرنا اور ایسے اعمال کا کرنا ہے جو جنگ میں باعث تقویت ہوں اور کفار کے خلاف ممد و معاون ثابت ہوں مثلاً گھوڑے، اسلحہ اور کشتی وغیرہ اسی طرح تیر اندازی اور بندوق چلانے کی مشق کرنا وغیرہ۔ جہاد کی تیاری کے لئے مال جمع کرنا بھی اسی زمرہ میں آتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ قوت سے مراد قلعے ہیں۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے سنا ہے: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ خبردار قوت سے مراد تیر اندازی ہے، آگاہ ہو جاؤ قوت سے مراد تیر پھینکنا ہے متنبہ ہو جاؤ۔ قوت سے مراد تیر اندازی ہے (2)۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب تمہارے لئے روم فتح کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کافی ہوگا۔ پس تم میں سے کوئی بھی تیر اندازی سے عاجز نہ ہو (3)۔ (یعنی تم تیر اندازی کی مشق جاری رکھو تاکہ بوقت ضرورت کوئی بھی اس سے عاجز نہ ہو)۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو نجیح سلمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے جو اللہ کی راہ میں ایک تیر لیکر پہنچا تو اس کے لئے جنت میں ایک درجہ ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک تیر پھینکا تو وہ اس کے لئے (گناہوں کا) فدیہ ہے اور (اسے دوزخ کی آگ سے) آزاد کرنے والا ہے (4)۔ رواہ النسائی۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی روایت اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 37 (التجاریہ)
2۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 143 (قدیمی)
3۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 143 (قدیمی)
4۔ سنن نسائی، جلد 2 صفحہ 48 (نور محمد)

دوسری روایت نقل کی ہے اوراس میں یہ زائد ہے کہ وہ نوجوان جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے کرتے بوڑھا ہوگیا (یعنی اس کے بال سفید ہوگئے) تو قیامت کے دن وہ اس کے لئے نور ہو جائیں گے(1)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں تینوں احادیث نقل کی ہیں مگر اس کی مذکورہ روایت میں فی سبیل اللہ کی بجائے فی الاسلام کے الفاظ ہیں۔ یعنی حالت اسلام میں جس کے بال سفید ہوگئے تو قیامت کے دن وہ اس کے لئے نور ہو جائیں گے۔(2)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے یا یہ فرمایا کہ اس نے نافرمانی کی(3)۔ اسے بھی مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن جب ہم نے قریش کے سامنے اور انہوں نے ہمارے سامنے صف بندی کرلی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب وہ تمہارے قریب آئیں تو تم پر لازم ہے کہ ان پر تیر پھینکو(4)۔ اسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے سبب تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتا ہے۔ ایک وہ آدمی جو ثواب اور خیر کی نیت سے تیر بناتا ہے، دوسرا آدمی تیر پھینکنے والا ہے اور تیسرا اسے جوڑ کر دینے والا۔ پس تم تیر اندازی کیا کرو اور گھوڑے پر سوار ہوا کرو اور تمہارا تیر اندازی کرنا گھوڑے پر سوار ہونے کی نسبت زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے۔ ہر وہ شی جس سے انسان لہو ولعب (کھیلتا) کرتا ہے وہ باطل ہے مگر اپنی کمان سے تیر پھینکنے اور گھوڑ سواری کی مشق کرنا اور اپنی بیوی سے ملاعبت کرنا یہ سب درست اور حق ہے(5)۔ اسے ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ اور ابوداؤد اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ جس نے تیر اندازی کا فن سیکھنے کے بعد اس سے اعراض کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا تو گویا اس کے پاس ایک نعمت تھی جسے اس نے ترک کر دیا یا فرمایا گویا اس نے نعمت کی ناشکری کی۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے سبب تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائے گا، ایک تیر بنانے والا دوسرا اس کے ذریعے مدد دینے والا اور تیسرا اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں پھینکنے والا۔(6)

ومن رباط الخیل سے مراد گھوڑوں کو باندھنا اور جنگ کے لئے ان کی تربیت و پرورش کرنا ہے۔ رباط مصدر ہے جو اسم مفعول کے معنی میں مستعمل ہے۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رباط ایسے گھوڑے کو کہا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے باندھا جاتا ہے۔ یہ مصدر بمعنی اسم مفعول ہے۔ کہا جاتا ہے ربط ربطا ورباطا اور رابط مرابطة ورباطا، یہ دونوں طرح آسکتا ہے۔ یا پھر یہ بروزن فعال مفعول کے معنی میں ہے۔ یا رباط ربیط کی جمع ہے جیسے فصیل کی جمع فصال ہے۔ ترکیب کلام میں من رباط الخیل مِنْ قُوَّةٍ پر معطوف ہے کہ (چونکہ من قوۃ میں بالعموم رباط الخیل کا مفہوم بھی آجاتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کا اس پر عطف کیا گیا ہے تو یہ خاص کا عطف عام پر ہے) جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کا عطف ملائکہ پر ہے(7)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک برکت گھوڑے کی پیشانی کے بالوں میں ہے، متفق علیہ۔(8)

1۔ جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 197 (وزارت تعلیم) 2۔ شعب الایمان، جلد 5 صفحہ 210 (العلمیہ) 3۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 143 (قدیمی)
4۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 406 (وزارت تعلیم) 5۔ جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 197 (وزارت تعلیم) 6۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 37 (التجاریہ)
7۔ تفسیر بیضاوی صفحہ 243 (فراس) 8۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 133 (قدیمی)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنی انگلی مبارک سے گھوڑے کی پیشانی کے بال مروڑ رہے تھے اور ساتھ ہی یہ فرمار ہے تھے کہ ان کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لئے خیر اور بھلائی رکھ دی گئی ہے، یعنی (اس کے ذریعے جہاد یا شہادت کا) اجر وثواب ملے گا اور (فتح کی صورت میں) مال غنیمت حاصل ہوگا(1)۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کے وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کی غرض سے گھوڑا باندھے رکھا تو قیامت کے دن گھوڑے کا پیٹ بھر کر کھانا، جی بھر کر پانی سے سیراب ہونا، لید کرنا اور پیشاب کرنا وغیرہ سب میزان میں رکھا جائے گا(2)۔ اسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا گھوڑے تین قسم کے ہیں۔ ایک آدمی کے لئے گھوڑا بوجھ ہے۔ دوسرے کے لئے ستر اور پردہ ہے اور تیرے کے لئے باعث اجر ہے۔ پس ایسا آدمی جس نے ریا کاری، فخر وغرور اور اہل اسلام سے اپنے آپ کو اونچا اور بلند ظاہر کرنے کے لئے گھوڑا باندھ رکھا ہو تو ایسا گھوڑا اس آدمی کے لئے بار اور بوجھ ہے اور وہ آدمی جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کی غرض سے گھوڑا باندھ رکھا ہو اور پھر اس حق کو نہ بھولا جو اللہ تعالیٰ نے گھوڑے کی سواری اور ذات کے بارے قائم کر رکھا ہے تو ایسا گھوڑا اس آدمی کے لئے باعث ستر ہے اور ایسا آدمی جس نے اہل اسلام کے جہاد میں شریک ہونے کے لئے کوئی گھوڑا باندھ رکھا ہو تو وہ اس کے لئے باعث اجر ہوگا۔ لہٰذا اگر اس نے اسے کسی چراگاہ یا باغ میں باندھ دیا تو جو کچھ وہ اس چراگاہ اور باغ سے کھائے گا تو اس کے مطابق نیکیاں مالک کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی(3) اور جتنا اس نے بول و براز کیا اس کے مطابق نیکیاں مالک کے اعمال نامہ میں لکھ دی جائیں گی اور اگر رسی کٹ جانے کی صورت میں وہ ایک یا دو ٹیلوں پر چڑھ جائے تو وہاں بھی اس کے قدموں کے نشانات اور بول و براز کی مقدار کے برابر مالک کے حق میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اگر اس کا مالک اسے لیکر نہر کے پاس سے گزرے اور وہ اس سے پانی پی لے اور مالک بھی اسے پانی پلانے کا ارادہ کرے تو جتنا وہ اس سے پانی پئے گا اس کی مقدار اس کے مالک کے حق میں نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ دوسری قسم کے بارے میں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت ہے کہ ایسا آدمی جس نے گھوڑا اس لئے باندھ رکھا ہو کہ وہ لوگوں کا حاجت مند نہ رہے (بلکہ ان سے مستغنی ہو جائے) اور بوقت ضرورت اسے کسی سے مانگنے کی ضرورت نہ پڑے اور وہ گھوڑے کی ذات اور اس کی سواری کے بارے جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے اسے بھی نہ بھولے تو ایسا گھوڑا اپنے مالک کے لئے ستر اور پردہ ہے(4)۔ ابو وہب جشمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھوڑے تیار کر و ان کی پیشانیوں اور پشتوں پر ہاتھ پھیرا کرو اور انہیں قلادہ ڈال کر رکھو لیکن ان کی گردنوں میں تانت کا قلادہ نہ ڈالو(5)۔ اسے ابو داؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

ﻉ تا کہ اس کے ذریعے تم خوفزدہ کر دو۔ یعقوب نے تُرْهِبُوْنَ کو مشدد پڑھا ہے اور ضمیر کا مرجع ما استطعتم یا اعداد ہے۔ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ میں اضافت عہدی ہے اور مراد کفار مکہ ہیں اور اٰخَرِیْنَ سے مراد کفار مکہ کے علاوہ دیگر کفار ہیں۔ معنی یہ ہوگا تا کہ اس کے ذریعے تم اللہ کے دشمنوں، اپنے دشمنوں اور ان کھلے دشمنوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو خوفزدہ کر دو۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 32 (قدیمی) 2۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 400 (وزارت تعلیم) 3۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 319 (قدیمی)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 38 (التجاریہ) 5۔ سنن نسائی، جلد 2 صفحہ 103 (نورمحمد)

اٰخرین سے مراد اہل فارس ہیں اور ابن زید اور حسن نے کہا ہے کہ ان سے مراد منافقین ہیں ۔(1)

یعنی تم انہیں نہیں جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتے ہیں اور لا الٰہ الا اللّٰہ بھی کہتے ہیں (اس لئے تم تو انہیں نہیں جانتے) لیکن اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اٰخرین سے مراد کافر جن ہیں(2)۔ ابوالشیخ نے اسے ابوالمہدی کی سند سے نقل کیا ہے کہ اس نے اسے اپنے باپ، دادا کے واسطہ سے حضور نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل روایت یزید بن عبداللہ بن غریب سے ان کے باپ اور دادا کے واسطہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے۔

یُوَفَّ اِلَیۡکُمۡ کا معنی ہے کہ جو چیز تم اللہ تعالیٰ کی راہ (جہاد) میں خرچ کرو گے اس کا پورا پورا اجر و ثواب تمہیں دیا جائے گا اور وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ کا معنی ہے کہ تمہارے اجروں میں کمی نہیں کی جائے گی۔ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کسی نے مجاہد کو جہاد کے لئے ساز و سامان دیا تو گویا اس نے خود جہاد کیا اور جس کسی نے مجاہد کی عدم موجودگی میں اس کے گھر والوں کی دیکھ بھال کی تو گویا وہ خود جہاد میں شریک ہوا(3)، متفق علیہ۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اونٹنی لیکر آیا جسے نکیل پڑی ہوئی تھی اور آکر عرض کی یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا قیامت کے دن تیرے لئے اس کے بدلے سات سو اونٹنیاں ہوں گی ان تمام کو نکیل پڑی ہوگی(4)۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا مشرکین کے خلاف اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو(5)۔ اسے ابوداؤد، نسائی اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ حضرت خزیم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کسی نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں کچھ خرچ کیا تو اس کے لئے سات سو گنا تک (اجر) لکھا جاتا ہے(6)۔ اسے ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجاہد کے لئے اس کا اپنا اجر ہے اور (ہتھیار) بنانے والے کے لئے اپنے بنانے کا اجر بھی ہے اور مجاہد کا اجر بھی(7)۔ اسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ حضرت علی، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوامامہ، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہم اجمعین تمام کے تمام رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس کسی نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے اپنا سامان بھیج دیا اور خود اپنے گھر میں ہی مقیم رہا تو اس کے لئے ہر درہم کے بدلے سات سو درہموں کا ثواب ہوگا اور جس نے بنفس نفیس جہاد میں شرکت کی اور اپنا مال خود خرچ کیا تو اس کے لئے ہر درہم کے بدلے سات ہزار درہموں کا ثواب ہوگا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ(8)۔ اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن حباب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں اس وقت حاضر تھا جب حضور نبی کریم ﷺ جیش العسرہ (وہ لشکر جو غزوہ تبوک کے لئے گیا تھا) کی تیاری کے لئے لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جہاد کے لئے سو اونٹ جھولوں اور پالانوں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 39 (التجاریہ)
2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 359 (العلمیہ)
3۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 137 (قدیمی)
4۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 137 (قدیمی)
5۔ سنن نسائی، جلد 2 صفحہ 43 (نور محمد)
6۔ جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 196 (وزارت تعلیم)
7۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 342 (نور محمد)
8۔ سنن ابن ماجہ صفحہ 203 (وزارت تعلیم)

سمیت میرے ذمہ ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوبارہ لشکر کی تیاری کے لئے انگیخت دلائی۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پھر کھڑے ہو کر عرض کی آقا! جہاد کے لئے دو سو اونٹ جھولوں اور پالانوں سمیت میرے ذمہ ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے پھر جذبات کو مہمیز لگائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! جہاد کے لئے تین سو اونٹ جھولوں اور پالانوں سمیت میرے ذمہ ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ منبر سے نیچے اتر رہے تھے اور فرما رہے تھے اس کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے اس پر اس کا کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا، اس کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے اس پر اس کا کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ (مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذَا مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذَا.) رواہ الترمذی(1)۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب جیش عسرۃ تیار ہوا تو اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار اپنی آستین میں لیکر حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی گود مبارک میں وہ بکھیر دیئے۔ پھر میں نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو دیکھا کہ آپ انہیں اپنی گود میں الٹ پلٹ کر رہے ہیں اور ساتھ فرما رہے ہیں آج کے بعد عثمان نے جو عمل بھی کیا وہ ان کے لئے ضرر رساں نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے یہ جملہ دو بار ارشاد فرمایا: (مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ) رواہ احمد۔(2)

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۱ وَ اِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۳

"اور اگر کفار مائل ہوں صلح کی طرف تو آپ بھی مائل ہو جایئے اس کی طرف [1] اور بھروسہ کیجئے اللہ تعالیٰ پر۔ بیشک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے [2] اور اگر وہ ارادہ کریں کہ آپ کو دھوکہ دیں (تو آپ فکرمند کیوں ہوں) بیشک کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ۔ وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی نصرت اور مومنوں (کی جماعت) سے [3] اور اسی نے الفت پیدا کر دی ان کے دلوں میں [4] اگر آپ خرچ کرتے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تو نہ الفت پیدا کر سکتے ان کے دلوں میں لیکن اللہ تعالیٰ نے الفت پیدا کر دی ان کے درمیان بلاشبہ وہ زبردست ہے حکمت والا ہے [5]"

[1] اور اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جایئے اور ان سے معاہدہ کر لیجئے۔ جنحوا فعل لام اور الی کے واسطہ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ سَلْم کو ابوبکر نے سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی سِلْم۔ اور باقیوں نے فتحہ کے ساتھ یعنی سَلْم۔ سلم (صلح) چونکہ حرب (جنگ) کی نقیض ہے اور یہ مؤنث ہے۔ اس لئے سَلْم کی طرف راجع ضمیر لَهَا مؤنث ذکر کی گئی ہے۔

حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ آیت قول باری تعالیٰ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ سے منسوخ ہے(3)۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 211 (وزارت تعلیم) 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 63 (صادر) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 39 (التجاریۃ)

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ یہ انہی کے قصہ کے ساتھ متصل ہے (1)۔ میں کہتا ہوں کہ اسے نہ تو اہل کتاب کے ساتھ خاص کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس قول کی ضرورت ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ صیغہ امر اباحت کے معنی کے لئے ہے (وجوب کے لئے نہیں) اور صلح کرنی جائز اور مشروع ہے۔ اگر امام وقت اس میں مصلحت اور نفع دیکھے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ عام نہیں بلکہ مخصوص عنه البعض ہے اور اس کے حکم سے ذمی کافر خارج ہیں۔

۲ اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد کیجئے اور ان کے مکر وفریب اور دھوکہ دہی سے خوف نہ کھائیے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اسے دشمنوں کے مکر وفریب سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کی حفاظت خود کرتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو سننے والا اور ان کی نیتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

۳ اور اگر وہ صلح کے سبب آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں اس طرح کہ وہ صلح کے سبب آپ سے جنگ لڑنے کے لئے خوب تیاری کر لیں یا وہ غداری کریں یا وہ صلح کے دوران آپ سے مکر وفریب کریں تو پھر ان کے دھوکہ اور مکر وفریب کا قلع قمع کرنے کے لئے آپ کی جانب سے صرف اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔ (آپ کو فکر مند ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں) کیونکہ وہی ہے جس نے اپنی نصرت اور مومنوں کی جماعت سے آپ کی تائید کی ہے۔

۴ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ ان سے مراد اوس اور خزرج کے قبائل ہیں کہ ان کے درمیان حد درجہ عداوت، کینہ اور جھگڑا وفساد برپا تھا (اس کا ازالہ انتہائی مشکل تھا لیکن رب کریم نے ان کے دلوں میں ایسی الفت اور محبت پیدا کر دی کہ وہ بھائی بھائی بن گئے) جیسا کہ اس کا تفصیلی ذکر سورۂ آل عمران کی آیت، اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا کے تحت ہم نے کر دیا ہے۔

۵ یعنی ان کے درمیان عداوت اور دشمنی اتنی شدید اور اس حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ اگر ان کے مابین صلح کرانے اور ان کی اصلاح کی خاطر کوئی خرچ کرنے والا زمین کا تمام ساز وسامان بھی خرچ کر ڈالتا تو وہ ان کے درمیان الفت ومحبت پیدا نہ کر سکتا اور نہ ان کی اصلاح کی قدرت رکھتا لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی کیونکہ تمام دل اللہ تعالیٰ کے دست قدرت کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جدھر چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے۔ وہ زبردست قدرت والا اور غالب ہے، جو وہ ارادہ فرماتا ہے اس کا خلاف ممکن نہیں ہوتا اور وہ حکمت والا ہے، وہ اپنی حکمت بالغہ کے ساتھ جانتا ہے کہ جس کا وہ ارادہ فرما رہا ہے اسے کیسے کرنا چاہئے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾

"اے نبی (مکرم) کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ اور جو آپ کے فرمانبردار ہیں مومنوں سے ۱"

۱ اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ مَنِ اتَّبَعَكَ کا عطف حَسْبُكَ کے کاف پر ہے۔ اس لئے یہ محل جر میں ہے یہ اہل کوفہ کا قول ہے۔ یا پھر یہ مفعول معہ ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ جیسے شاعر کا قول بھی ہے حَسْبُكَ وَالضَّحَّاكَ سَيْفٌ مُهَنَّدٌ۔ اس ترکیب

1۔ تفسیر بیضاوی صفحہ 244 (فراس)

کے اعتبار سے معنی یہ بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے اور آپ کے متبعین کے لئے کافی ہے۔ یہ لفظاً تو بعید ہے مگر معنی قریب ہے۔

بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ جملہ محل رفع میں ہے اور اس کا عطف لفظ اللہ پر ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اور آپ کی اتباع کرنے والے مؤمنین آپ کے لئے کافی ہیں۔ یہ ترکیب لفظاً قریب ہے اور معنیً بعید ہے لیکن اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ جب تینتیس مرد اور چھ عورتیں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایمان لا چکیں تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ ابو الشیخ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اسلام لانے کے وقت یہ آیت نازل فرمائی حَسْبُكَ اللّٰهُ الآیہ۔(2) طبرانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے سعید بن جبیر کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ انتالیس مرد اور عورتیں اسلام لا چکے تھے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشرف باسلام ہونے کے سبب ان کی تعداد چالیس ہو گئی تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ الآیہ۔(3) بزار رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند کے ساتھ عکرمہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو مشرکین نے کہا آج ہماری قوم (کی طاقت) نصف ہو گئی ہے۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (4)۔ مذکورہ تمام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ آیت مکی ہے جبکہ سیاق کلام اس کے مدنی ہونے کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ یہ سورۂ پاک غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِؕ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

"اے نبی ﷺ! برانگیختہ کیجئے مومنوں کو جہاد پر[1]۔ اگر ہوں تم سے بیس آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر اور اگر ہوئے تم میں سے سو آدمی (صبر کرنے والے) تو غالب آئیں گے ہزار کافروں پر کیونکہ یہ کافر وہ لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے (اے مسلمانو!)[2]۔"

[1] اے نبی مکرم ﷺ! انہیں جہاد میں شریک ہونے کی بہت زیادہ ترغیب اور انگیخت دیجئے۔ حرض کا اصل معنی یہ ہے کہ مرض (بیماری) کا کسی کو اتنا کمزور کر دینا کہ وہ قریب المرگ ہو جائے۔ پس جس طرح مرض آدمی کے بدن کو کمزور اور عاجز کر کے ہلاکت پر مجبور کر دیتا ہے۔ اسی طرح حرض کا لفظ اس شدید ترغیب اور انگیخت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو مامور کو عاجز کر کے وہ کام کرنے پر مجبور کر دے (کہ اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہے)۔

[2] اگر تم میں سے بیس آدمی ثواب کے حصول کی خاطر جنگ پر صبر کرنے والے اور ڈٹ جانے والے ہوں تو وہ اپنے دشمنوں میں سے دو سو افراد پر غالب آ جائیں گے۔ وَاِنْ یَّكُنْ کو ابو عمرو اور کوفیوں نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے تاء کے ساتھ۔ یعنی اگر تم

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 362 (العلمیہ)
2۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 362 (العلمیہ)
3۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 362 (العلمیہ)
4۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 382 (العلمیہ)

میں سے سو آدمی ثواب کی نیت سے جنگ پر صبر کرنے والے ہوں تو وہ ایک ہزار پر غالب آجائیں گے کیونکہ مشرکین جنگ تو کرتے ہیں مگر وہ اس سے ثواب کی امید اور طلب نہیں رکھتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ نتیجۃً وہ جنگ میں ثابت قدم نہیں رہ سکتے۔ جبکہ تم ثواب اور بلندی درجات کی امید اور طلب پر میدان جہاد میں ڈٹ جاتے ہو اور وہ موت سے ڈرتے ہیں۔ یہ کلام خبر ہے مگر امر کے معنی میں ہے، یعنی دس کے مقابلے میں ایک کو ڈٹ جانے کا حکم ہے اور ساتھ یہ وعدہ ہے کہ اگر وہ دس افراد ثابت قدم رہے اور میدان جہاد میں ڈٹے رہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور تائید سے وہ ان پر غالب آجائیں گے۔ یہ حکم غزوۂ بدر کے دن تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دس کفار کے ساتھ جنگ لڑنا ایک آدمی پر فرض قرار دیا تھا۔ اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ فرض کیا کہ ایک آدمی دس کفار کا مقابلہ کرے تو یہ حکم ان پر انتہائی ثقیل ثابت ہوا اور ان پر شاق گزرا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تخفیف فرمادی (۱) اور یہ آیت نازل فرمائی۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًاؕ فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۶۶﴾

" اب تخفیف کردی ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر اور وہ جانتا ہے کہ تم میں کمزوری ہے [1] تو اگر ہوئے تم میں سے سو آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر۔ اور اگر ہوئے تم میں سے ایک ہزار (صابر) تو وہ غالب آئیں دو ہزار پر اللہ کے حکم سے [2] اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے [3] "

[1] ضعف سے مراد بدنی کمزوری ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد بصیرت کی کمزوری ہے کیونکہ وہ اس میں بھی باہم مختلف اور متفاوت تھے۔ ضَعۡفًا کو عاصم اور حمزہ نے ضاد کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے اسے مضموم (یعنی ضُعۡفًا) پڑھا ہے۔ اور اس میں یہ دونوں لغتیں ہیں۔ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ میں عین کو مفتوح اور لفظ کو مد کے ساتھ پڑھا ہے (یعنی ضَعَفَآء) جبکہ باقیوں نے عین کو ساکن پڑھا ہے۔

[2] فَاِنۡ یَّكُنۡ کو کوفیوں نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقیوں نے تاء کے ساتھ۔ بِاِذۡنِ اللّٰهِ سے مراد اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے (تخفیف کرتے ہوئے) اپنا حکم دس سے دو میں تبدیل کر دیا ہے۔ پس اگر مسلمان اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں نصف ہوں گے تو ان کے لئے راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں۔ (یعنی گویا اللہ تعالیٰ نے دس کا مقابلہ کرنے کے حکم کو دو سے مقابلہ کرنے کا حکم میں تبدیل کر دیا اور اب اس سے فرار ممکن نہیں)۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ شبرمہ کہتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے بھی میرا یہی نظریہ ہے(2)۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ چونکہ پہلے مسلمانوں کی تعداد کم تھی اس لئے ایک کو دس کے ساتھ لڑنے کا حکم فرمایا پھر جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تخفیف فرمادی اور باہم متناسب اعداد ذکر کر کے ایک ہی معنی کو مکرر ذکر کرنے کی علت یہ ہے تا کہ اس پر دلالت ہو جائے کہ قلیل اور کثیر تعداد میں حکم ایک ہی ہے۔

[3] اور اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے تو پھر وہ کیسے غالب نہیں آئیں گے اور کیوں ثابت قدم نہیں رہیں گے۔

1۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 363 (العلمیہ)   2۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 40 (التجاریہ)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، ابن ابی شیبہ، احمد، ترمذی، ابن منذر، اور طبرانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے، ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن منذر، ابوالشیخ، ابن مردویہ اور ابونعیم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے کہ جب غزوۂ بدر کے دن قیدی لائے گئے تو ان میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جنہیں انصار میں سے ایک آدمی نے قید کیا تھا۔ پھر انصار نے انہیں قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ پس جب یہ خبر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے تو اپنے چچا عباس کی وجہ سے آج رات نیند نہیں آئی اور انصار نے یہ ارادہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں قتل کر دیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ تو کیا میں انصار کے پاس چلا جاؤں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں (تم جاؤ) چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انصار کے پاس آئے اور انہیں کہا تم عباس کو چھوڑ دو۔ انہوں نے جواب دیا قسم بخدا! ہم انہیں نہیں چھوڑیں گے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا رسول اللہ ﷺ کی رضا اور خوشی اس میں ہے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا اگر رسول اللہ ﷺ کی رضا اس میں ہے تو پھر انہیں لے جاؤ۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں پکڑ لیا۔ جب عباس ان کے قبضے میں آ گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اے عباس! اسلام قبول کر لے۔ قسم بخدا! تیرا اسلام قبول کرنا میرے نزدیک (میرے باپ) خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تمہارے اسلام لانے کو رسول اللہ ﷺ بہت پسند کرتے ہیں(1)۔ امام بخاری اور بیہقی رحمہما اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ انصار کے کچھ افراد اجازت لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہمیں اجازت عنایت فرمائیں کہ ہم اپنے بھانجے عباس کا فدیہ چھوڑ دیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں! قسم بخدا تم ان کا ایک درہم بھی نہ چھوڑو(2)۔ بعد از اں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا کہ ان قیدیوں کے بارے تمہاری کیا رائے ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر قدرت عطا فرما دی ہے اور یہ بھی تمہارے بھائی ہیں؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ کی اہل اور قوم کے افراد ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر کامیابی عطا فرمائی اور ان کے مقابلے میں آپ کی مدد فرمائی یہ سب چچا زاد ہیں، خاندان کے افراد ہیں اور بھائی ہیں اس لئے انہیں باقی رکھئے قتل نہ کیجئے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں۔ پس جو مال ہم ان سے بطور فدیہ لیں گے وہ کفار کے خلاف ہمارے لئے باعث قوت ثابت ہوگا اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ کی وساطت سے انہیں ہدایت عطا فرما دے اور یہ آپ کے دست و بازو ہو جائیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن خطاب تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی، آپ کو اپنے شہر سے باہر نکال دیا اور آپ کے قتل کے درپے ہو گئے۔ لہٰذا میری رائے ابوبکر کے نظریہ کے موافق نہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک قریبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کی آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر قلم کر دوں تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کی قطعاً کوئی محبت نہیں۔ یہ لوگ قریش کے سردار ہیں، ان کے ائمہ اور قائدین ہیں ان کی گردنیں مار دیجئے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! دیکھئے وادی لکڑیوں سے بھری پڑی ہے بہت سی لکڑیوں کو آگ لگا کر انہیں اس میں پھینک دیجئے۔ پس

1۔ جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 204 (وزارت تعلیم)

2۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 428 (وزارت تعلیم)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن رہے تھے، کہنے لگے تم نے قرابت ورشتہ داری کا تعلق توڑ دیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ پس بعض لوگوں نے کہا آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات قبول فرمائیں گے۔ کچھ لوگوں نے کہ آپ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل کریں گے اور بعض نے اس خیال کا اظہار کیا کہ آپ ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے، پھر حضور نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے دل بہت زیادہ نرم کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض کے دل اتنے سخت کر دیتا ہے کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اے ابوبکر! (صحابہ کرام میں) تم ایسے ہو جیسے ملائکہ میں میکائیل علیہ السلام کہ وہ رحمت لیکر نازل ہوتے ہیں (یعنی وہ بارش برساتے ہیں)۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثل ہو جنہوں نے رب کریم کی بارگاہ میں یہ التجاء کی تھی فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (جو میری اتباع و پیروی کرے وہ تو میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو غفور رحیم ہے)۔ اے ابوبکر تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی طرح ہے کیونکہ انہوں نے رب کریم کی بارگاہ میں یہ عرض کی تھی: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (اگر تو انہیں عذاب دے تو بیشک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بیشک تو غالب حکمت والا ہے)۔ اے عمر! (صحابہ کرام میں) تم ایسے ہو جیسے ملائکہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر سختی، مصیبت اور عذاب لیکر نازل ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام میں تم حضرت نوح علیہ السلام کی طرح ہو۔ جنہوں نے یہ دعا مانگی تھی رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا (اے رب! زمین پر ان کافروں میں سے کسی کا گھر باقی نہ چھوڑ)۔ اور تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہو کہ انہوں نے یہ التجاء کی تھی رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ (اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو تباہ و برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تا کہ یہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ یہ دردناک عذاب دیکھ لیں)۔ پھر آپ نے فرمایا اگر تم دونوں کی رائے متفق ہوتی تو میں تمہاری رائے کے خلاف نہ کرتا چونکہ تم نادار ہو اس لئے ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا جائے گا مگر اس صورت میں کہ وہ فدیہ ادا کرے ورنہ اس کی گردن ماردی جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! سہل بن بیضاء کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیجئے کیونکہ میں نے اسے اسلام کا ذکر کرتے سنا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں اس دن سے بڑھ کر میں نے کوئی دن نہیں دیکھا جس میں مجھے آسمان سے اپنے اوپر پتھر برسنے کا زیادہ خوف لاحق ہوا ہو۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا سہل بن بیضاء مستثنیٰ ہے۔ جب دوسرے دن صبح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں رو رہے ہیں۔ عرض کی آقا یا رسول اللہ ﷺ! کونسی چیز تم دونوں کو رلا رہی ہے مجھے بھی بتایئے تا کہ میں بھی رولوں اور اگر رونا ممکن نہ ہوا تو آپ دونوں کے رونے جیسی صورت بنا کر تمہارے ساتھ رونے میں شریک ہو سکوں تو جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک ابن خطاب کی رائے کا خلاف کرنے کی وجہ سے ہم پر شدید اور دردناک عذاب نازل ہونے لگا تھا۔ اگر وہ عذاب آ جاتا تو پھر ابن خطاب کے سوا اس سے کوئی نہ بچ سکتا۔ ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا اس درخت سے بھی قریب تر وہ عذاب مجھے دکھایا گیا ہے جو تم پر نازل ہونے والا تھا۔ (لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے ٹال کر ہمیں محفوظ رکھ لیا ہے)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ

آیات نازل فرمائیں۔(1)

مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِؕ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَاۖ وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۶۷﴾

”نہیں مناسب نبی کے لئے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کرلے زمین میں ۱؎ تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے (تمہارے لئے) آخرت اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب (اور) دانا ہے ۲؎“(1)

۱؎ ابوجعفر اور ابوعمرو نے اَنْ یَّكُوْنَ کو تاء کے ساتھ اَنْ تَكُوْنَ پڑھا ہے اور باقیوں نے یاء کے ساتھ ہی پڑھا ہے۔ اَسْرٰی کو ابوجعفر نے اساری پڑھا ہے، جبکہ جمہور نے اسریٰ پڑھا ہے۔ یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ کا معنی ہے کافروں کو کثرت سے قتل کرے اور انہیں کمزور کردے اور کفر کو ذلیل و خوار کردے۔ جب بیماری کسی کو انتہائی کمزور کردے اور اس پر بوجھل ہوجائے تو کہا جاتا ہے اَثْخَنَهُ الْمَرَضُ۔ ترکیب کلام میں مفعول محذوف ہے، اصل اس طرح یُثْخِنَ الْاَسْرٰی فِی الْاَرْضِ۔ قاموس میں ہے اثخن فلانا۔ یعنی اس نے فلاں کو انتہائی کمزور کردیا اور اثخن العدو۔ یعنی اس نے دشمن کو خوب زخمی کیا۔

۲؎ اے اہل ایمان! تم فدیہ لیکر حقیر دنیوی ساز و سامان کی خواہش کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ مشرکین کو قتل کرنے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے کے سبب تمہارے لئے اجر و ثواب کا ارادہ فرمارہا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور دانا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ واقعہ غزوۂ بدر کے دن کا ہے اور اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ پھر جب مسلمانوں کی تعداد کثیر ہوئی اور ان کی قوت و طاقت بڑھ کر ان کا اقتدار مضبوط ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً کے ذریعے اس حکم کو منسوخ کردیا اور نبی مکرم ﷺ اور مؤمنین کو قیدیوں کے بارے میں اختیار دے دیا کہ اگر چاہیں تو انہیں قتل کردیں، چاہیں تو انہیں غلام اور لونڈیاں بنالیں، چاہیں تو فدیہ لیکر انہیں چھوڑ دیں اور اگر چاہیں تو انہیں بغیر فدیہ کے آزاد کردیں۔(2)

مسئلہ:۔ تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ امام وقت کے لئے قیدیوں کو قتل کرنا جائز ہے جیسا کہ یہ آیت اس حکم پر دلالت کرتی ہے اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی قریظہ کے ساتھ کیا تھا۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے نضر بن حارث، طعیمہ بن عدی اور عقبہ بن ابی معیط کو بھی گرفتار کرنے کے بعد ان کے لئے قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمادیا۔ سبل الرشاد میں لکھا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے کہا اے محمد (ﷺ) بچوں کے لئے کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا آگ۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اسے ابن ابی افلح نے قتل کیا اور ابن ہشام کے قول کے مطابق اسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

---

(۱) قاضی ابوالفضل عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے شفاشریف میں لکھا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ما کان لنبیٍّ ان یکون لہ اسریٰ۔ حضور نبی کریم ﷺ کو کسی گناہ یا جرم کا الزام دینے کے لئے نہیں بلکہ اس میں تو آپ کی اس خصوصیت اور فضیلت کو بیان کیا گیا ہے جو دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ کو حاصل ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے اور یہ مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہیں تھا۔

قاضی ابوالفضل عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ تریدون میں خطاب صرف ان لوگوں کو ہے جن کا مقصود خالصۃً دنیوی ساز و سامان کا حصول اور اس کی کثرت تھا۔ یہ خطاب نہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے اور نہ عام صحابہ کرام کو بلکہ ضحاک سے یہ مروی ہے کہ غزوۂ بدر کے دن جب مشرکین شکست خوردہ ہوکر بھاگے تو لوگ جنگ چھوڑ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مشغول ہوگئے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں دشمن پلٹ کر حملہ آور نہ ہوجائے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 41-40 (التجاریہ)　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 42 (التجاریہ)

مسئلہ:۔ قیدیوں کو غلام بنا کر رکھنا بھی بالا جماع جائز ہے کیونکہ اس میں ان کے شر اور ضرر سے بچاؤ بھی ہے اور اہل اسلام کے بہت سے فوائد بھی ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر فرمایا کہ غازیوں میں سے کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی قیدی کو امام وقت کی اجازت کے بغیر از خود قتل کر دے کیونکہ یہ اختیار فقط امام وقت کو تفویض کیا گیا ہے (کہ وہ جیسے مناسب اور نفع بخش سمجھے اسی کے مطابق فیصلہ کر دے) لیکن اگر کسی نے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو قتل کر دیا تو اس کے بدلے اس پر کوئی شی واجب الادا نہیں ہوگی۔

مسئلہ:۔ قیدیوں پر احسان کرنے کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً انہیں بغیر معاوضہ کے چھوڑ کر دار الحرب جانے کی اجازت دینا مال فدیہ لیکر دار الحرب بھیج دینا، بطور فدیہ مسلمان قیدیوں سے ان کا تبادلہ کرنا یا پھر انہیں ذمی بنا کر اپنے ہی ملک میں آزاد رہنے کی اجازت دینا۔ مذکورہ تمام صورتیں فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً آگئی ہیں۔ ان کے بارے علماء کے مابین اختلاف ہے۔

حضرات امام مالک، امام شافعی، امام احمد، ثوری، اسحاق، حسن اور عطاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دینا، ان کے بدلے مال کی صورت میں فدیہ وصول کرنا اور (مسلمان) قیدیوں کے ساتھ ان کا تبادلہ کرنا سب جائز ہے۔ جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد، امام اوزاعی، قتادہ، ضحاک، سدی اور ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ قیدیوں کو بلا عوض چھوڑنا تو بالکل جائز نہیں اور مال کی صورت میں فدیہ لیکر بھی قیدیوں کو آزاد کرنا امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مشہور مذہب کے مطابق جائز نہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ بطور فدیہ مسلمان قیدیوں سے ان کا تبادلہ بھی جائز نہیں۔ صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ نے بھی یہی کہا ہے لیکن آپ سے اظہر ترین روایت یہ ہے کہ مسلمان قیدیوں سے ان کا تبادلہ جائز ہے اور صاحبین نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ قیدیوں کو ذمی بنا کر دار الاسلام میں آزاد چھوڑ دینا تو اسے امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے اور دلیل یہ قائم کی ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل عراق اور شام کو ذمی بنا کر رکھا تھا لیکن امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ تو مملوک ہو چکے ہیں۔ (اور مملوک کو ذمی نہیں بنایا جا سکتا)۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ قیدیوں کو بلا معاوضہ یا فدیہ لیکر دار الحرب بھیجنا جائز نہیں اس کی علت یہ ہے کہ ایسا کرنا کفار کی مدد کرنے کے مترادف ہے کیونکہ وہ (دوبارہ ہم پر ہی حملہ آور ہوں گے لہٰذا مال لیکر انہیں دار الحرب بھیج دینا جائز نہیں اور مسلمان قیدیوں سے ان کا تبادلہ بھی جائز نہیں کیونکہ مسلمان قیدی جب تک ان کے قبضے میں رہے یہ مسلمان قیدیوں پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک آزمائش اور امتحان ہے۔ یہ ہماری طرف منسوب نہیں۔ لیکن کافر قیدیوں کو دار الحرب بھیج کر کفار کی مدد کرنا ہمارا فعل ہے جو ہماری طرف ہی منسوب ہے۔ (اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم کافر قیدیوں کو دار الحرب بھیج کر ان کی اعانت اور مدد نہ کریں)۔ جبکہ جمہور کے قول کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً لیکن اس آیت طیبہ کے بارے میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت اس ارشاد سے منسوخ ہے۔ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ اور ارشاد باری تعالیٰ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ بھی اس کے لئے ناسخ ہے۔ لیکن جمہور کا موقف یہ ہے کہ آیت فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً منسوخ نہیں کیونکہ ہم اوپر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ذکر کر چکے ہیں کہ جب مسلمانوں کی تعداد کثیر ہوگئی، ان کی قوت و طاقت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ الآیہ۔ اور ارشاد

باری تعالیٰ اُقۡتُلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ سے مراد قیدی نہیں (بلکہ دوسرے مشرکین ہیں) کیونکہ قیدیوں کو بالا جماع غلام اور لونڈیاں بنانا جائز ہے۔ (انہیں قتل کرنا لازم اور ضروری نہیں) اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو فرمایا ہے کہ انہیں ذمی بنا کر دار السلام میں آزاد چھوڑ دینا بھی جائز ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اور ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مسلمان آدمیوں کا ایک مشرک (قیدی) سے تبادلہ کیا(1)۔ امام احمد، امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ اور اصحاب سنن اربعہ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر مقرر فرمایا اور ہم نے ان کی زیر قیادت بنی فزارہ کے خلاف جنگ لڑی۔ پس ہمارے اور ان کے پانی کے درمیان ایک گھنٹے کی مسافت تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہمیں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم وہیں فروکش ہوگئے۔ پھر ہم نے ان پر حملہ کیا اور ان کے پانی پر قبضہ کرلیا۔ پس وہاں جن کی تقدیر میں قتل ہونا لکھا تھا وہ قتل ہوگئے۔ میں نے وہاں کچھ لوگوں کی طرف دیکھا جن میں ان کے بچے بھی تھے، تو مجھے ان کے بارے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ وہ مجھ سے پہاڑ پر پہنچ جائیں گے۔ پس میں پہاڑ اور ان کے درمیان حائل ہو کر ان پر تیر پھینکنے لگا۔ جب انہوں نے تیر برستے دیکھے تو وہ رک گئے۔ پس میں ان کو ہانک کر لے آیا۔ ان میں بنی فزارہ کی ایک عورت تھی وہ چمڑے کی پرانی پوستین پہنے ہوئے تھی اور اس کے ساتھ عرب کی ایک حسین ترین لڑکی بھی تھی۔ پس میں انہیں ہانکتا رہا یہاں تک کہ میں انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا۔ تو آپ نے اس عورت کی وہ لڑکی مجھے عطا فرما دی۔ پھر ہم مدینہ طیبہ آئے اور میں نے راستے میں اس کا کپڑا تک نہیں کھولا کہ بازار میں رسول اللہ ﷺ سے میری ملاقات ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے سلمہ! یہ عورت مجھے ہبہ کردو۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! یہ تو مجھے پسند تھی اور میں نے اس کا کپڑا تک نہیں کھولا۔ آپ ﷺ خاموش رہے حتیٰ کہ جب دوسرا دن آیا تو رسول اللہ ﷺ بازار میں مجھے ملے تو فرمایا اے سلمہ! اللہ تعالیٰ تجھے خیر عطا فرمائے یہ عورت مجھے ہبہ کردے۔ تو میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! یہ آپ کے لئے ہے قسم بخدا میں نے اس کا کپڑا تک نہیں کھولا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اسے واپس بھیج دیا اور اس کے عوض مکہ مکرمہ میں جو مسلمان قیدی تھے وہ لے لئے۔(2)

ابن اسحاق اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی سند سے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا۔ تو رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی (اپنے خاوند) ابوالعاص کے فدیہ کے لئے کچھ سامان بھیجا اور اس میں آپ نے وہ ہار بطور فدیہ بھیجا جو آپ کو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے ابوالعاص سے شادی کے وقت جہیز میں عطا فرمایا تھا۔ پس جب حضور نبی کریم ﷺ کی نظر اس ہار پر پڑی تو آپ ﷺ پر سخت رقت طاری ہوگئی۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا اگر تم مناسب خیال کرو تو زینب کے قیدی کو رہا کردو اور اس کا سامان بھی واپس لوٹا دو۔ پس صحابہ کرام نے حکم کی تعمیل کی(3)۔ اسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے اور یہ زائد بیان کیا ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے ابوالعاص کو اس وعدے پر رہا کیا کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا کو آپ کے پاس بھیج دے گا چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ وہ افراد جنہیں رسول اللہ ﷺ نے بلا عوض آزاد فرمایا ان میں حضرت ابوایوب

1۔ جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 190 (وزارت تعلیم)
2۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 51 (صادر)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 367، مستدرک حاکم، جلد 3 صفحہ 236 (انصار الحدیث)

انصاری رضی اللہ عنہ کا قیدی مطلب بن حنطب تھا۔ آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔ ایک ابوعزہ جمحی تھا یہ محتاج آدمی تھا اس کی لڑکیاں ہی تھیں۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے محتاج ہونے اور عیالدار ہونے کا عذر پیش کیا تو آپ ﷺ نے اسے قبول فرما کر اسے بلاعوض رہا کر دیا لیکن اس سے یہ عہد لے لیا کہ وہ آپ ﷺ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا اس نے آپ ﷺ کی مدح میں چند اشعار بھی کہے لیکن وہ بھی غزوۂ احد میں مشرکین کے ساتھ مل کر شریک ہوا اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اس نے پھر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھ پر رحم فرمائیے مجھے معاف کر دیجئے مگر آپ ﷺ نے فرمایا اس کے بعد تیرے رخسار مکہ مکرمہ کو نہیں چھوئیں گے کہ تو یہ کہتا ہے کہ میں نے محمد ﷺ کو دو بار دھوکہ دیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کی گردن مار دینے کا حکم فرمایا۔

سبیل الرشاد میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے جن قیدیوں سے جو مال فدیہ وصول فرمایا وہ بعض سے چار ہزار، بعض سے تین ہزار، بعض سے دو ہزار اور بعض سے ایک ہزار تھا اور بعض ایسے بھی تھے جنہیں آپ ﷺ نے بلاعوض رہا کر دیا کیونکہ ان کے پاس کوئی مال و منال نہ تھا (1)۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے بارے ارشاد فرمایا کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے ان کے بارے بات کرتا تو میں ان تمام کو (بلا معاوضہ) چھوڑ دیتا۔ (2)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے یمامہ کی طرف چند شہسوار بھیجے تو وہ بنی حنیفہ کا ایک آدمی پکڑ کر لے آئے جسے ثمامہ بن اثال کہا جاتا تھا۔ پس صحابہ کرام نے اسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے ثمامہ! تیرے پاس کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میرے پاس خیر اور بھلائی ہے۔ اے محمد (ﷺ)! اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو خون والے کو قتل کریں گے اور اگر مہربانی فرماؤ گے تو شکر گزار پر مہربانی فرماؤ گے۔ اگر آپ مال کی خواہش رکھتے ہیں تو فرمائیے جو آپ چاہتے ہیں تو آپ ﷺ نے اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ پھر دوسرے دن آپ ﷺ تشریف لائے تو فرمایا اے ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے۔ تو اس نے وہی عرض کی جو کل کہا تھا آپ ﷺ نے پھر اسے چھوڑ دیا حتیٰ کہ تیسرا دن آ گیا۔ آپ ﷺ نے پھر اسے فرمایا اے ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے؟ تو اس نے عرض کی میرے پاس وہی ہے جو میں نے آپ کو عرض کر دیا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ثمامہ کو چھوڑ دو۔ چنانچہ وہ مسجد کے قریب واقع کھجور کے درختوں میں گیا اور غسل کیا۔ پھر مسجد میں داخل ہو کر پڑھا اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله۔ عرض کی اے محمد ﷺ! قسم بخدا! اس سے قبل سطح زمین پر کوئی چہرہ آپ ﷺ کے چہرے سے بڑھ کر میرے نزدیک مبغوض نہیں تھا اور اب آپ ﷺ کا دین میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ قسم بخدا! میرے نزدیک آپ ﷺ کے شہر سے بڑھ کر کوئی شہر مبغوض نہیں تھا اب آپ ﷺ کا شہر سب سے زیادہ پسندیدہ ہو گیا ہے۔ میں عمرے کے ارادہ سے نکلا تھا کہ آپ ﷺ کے گھوڑ سواروں نے مجھے پکڑ لیا اب آپ ﷺ کا کیا خیال ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے اسے خوش کیا اور عمرہ کرنے کا حکم فرمایا۔ پس جب وہ مکہ مکرمہ آیا تو اسے کسی نے کہا تو نے اپنے دین کو چھوڑ دیا۔ تو اس نے جواب دیا نہیں بلکہ میں نے تو محمد ﷺ کا لایا ہوا دین اسلام قبول کیا ہے۔ قسم بخدا! اب تمہاری طرف یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی حضور نبی کریم ﷺ کی اجازت کے بغیر نہیں آئے گا (3) واللہ اعلم۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ بدر کے دن حضور نبی کریم ﷺ نے قیدیوں کے بارے

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4، صفحہ 69 (العلمیہ) 2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 443 (وزارت تعلیم)

3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 94-93 (قدیمی)، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 452 (صادر)

میں لوگوں سے مشورہ طلب کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر قدرت عطا فرمائی ہے۔ تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! انہیں قتل کر دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے اعراض کر لیا (یعنی آپ ﷺ نے ان کی رائے کی طرف توجہ نہ فرمائی)۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی مناسب ہے کہ آپ انہیں معاف فرما دیں اور ان سے فدیہ قبول کر لیں۔ پس آپ ﷺ نے ان کی رائے کے مطابق انہیں معاف کر دیا اور ان سے فدیہ قبول فرما لیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(1)

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾

"اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے (کہ خطاءِ اجتہادی معاف ہے)[1] تو ضرور پہنچتی تمہیں بوجہ اس کے جو تم نے لیا ہے بڑی سزا۔"

[1] اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو ہدایت عطا فرماتا ہے تو جب تک وہ تمام چیزیں بالوضاحت بیان نہ فرما دے جن سے بچنا اور اجتناب کرنا ان کے لئے لازم اور ضروری ہے تو وہ انہیں ایسے کسی فعل کا ارتکاب کرنے کے سبب نہ تو گمراہ قرار دیتا ہے اور نہ ہی انہیں عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور حکم نہی سے قبل کسی فعل کے کرنے سے ان کا مواخذہ نہیں کرتا۔ حسن، مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر اسی طرح بیان کی ہے۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم سے قبل کسی کے لئے اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت حلال نہیں کیا بلکہ آسمان سے ایک آگ نازل ہوتی تھی جو اسے کھا جاتی۔ پس جب بدر کے دن مسلمان اپنے لئے مال غنیمت کی حلت کا حکم نازل ہونے سے پہلے اس پر ٹوٹ پڑے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ الآیہ۔(2) یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہلے ہی لوح محفوظ میں یہ فیصلہ موجود تھا کہ وہ تمہارے لئے مال غنیمت حلال فرما دے گا۔ (اگر یہ نہ ہوتا تو وہ تمہیں عذاب میں مبتلا کر دیتا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے لوح محفوظ میں پہلے سے یہ حکم موجود نہ ہوتا کہ وہ اجتہاد میں خطا کرنے والے کو سزا نہیں دے گا (تو وہ تمہیں سزا دیتا) اور یہ مسلمانوں کا اجتہاد ہی تھا کہ انہوں نے غور و فکر کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اگر ان سے فدیہ لیکر انہیں چھوڑ دیا جائے تو اس سے ایک تو ان کی جان بچ جائے گی اور یہ ان کے اسلام قبول کرنے کا سبب بن جائے گی اور پھر واقعۃً ایسا ہی ہوا کہ جن لوگوں کو اس طرح چھوڑ دیا گیا تھا ان میں سے اکثر نے اسلام قبول کر لیا تھا اور دوسرا ان سے لئے ہوئے مال فدیہ کے سبب جہاد کی قوت بڑھ جائے گی۔ (یعنی اس سے اسلحہ اور گھوڑے وغیرہ خرید لیا) اور یہی ان کی اجتہادی غلطی تھی کیونکہ ان پر یہ امر مخفی رہا کہ ان کے قتل کے سبب اسلام کو غلبہ نصیب ہوتا، قوت کا اظہار ہوتا اور دوسرے کافروں پر خوف اور رعب چھا جاتا (اور بعد میں انہیں اسلام کے خلاف سازش کی جرأت نہ ہوتی)۔ اور بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ اگر پہلے سے لوح محفوظ میں یہ لکھا ہوا نہ ہوتا کہ وہ اہل بدر (ا) کو عذاب

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 243 (صادر)　　2۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 134 (وزارت تعلیم)

(ا) بعض نے آیت کا معنی اس طرح بیان کیا ہے کہ اگر قرآن جو کہ کتاب سابق ہے اس پر تمہارا ایمان نہ ہوتا اور اس کے سبب تم در گزر کے مستحق نہ بن چکے ہوتے تو تمہیں ضرور سزا دی جاتی۔ اس کی مزید تفسیر اور وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ اگر تم قرآن کریم پر ایمان لانے والے نہ ہوتے اور ان میں سے نہ ہوتے جن کے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے تو پھر تمہیں سزا دی جاتی۔ یہ تمام تاویلات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ فدیہ لینے　　(بقیہ اگلے صفحہ پر)

نہیں دے گا (تو پھر تم پر عذاب آ جاتا)۔

ج تو جو تم نے اپنے اجتہاد اور رائے سے اور اس کے بارے حکم نازل ہونے سے پہلے ان سے فدیہ لیا ہے تو اس کے سبب ہماری طرف سے تمہیں بہت بڑی سزا ہوتی۔ یا معنی یہ ہے کہ جو مال غنیمت اپنے لئے حلال ہونے (ا) ہونے سے پہلے تم نے حاصل کیا اس کے عوض تمہیں سخت سزا ہوتی۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ جتنے اہل ایمان وہاں حاضر تھے ان میں سے حضرت عمر بن خطاب اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے سوا کسی نے بھی مال فدیہ کو ناپسند نہیں کیا تھا کیونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جائے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ عرض کی تھی اے نبی اللہ! ان لوگوں کو خوب قتل کرنا میرے نزدیک انہیں باقی رکھنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر آسمان سے عذاب نازل ہوتا تو عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے سوا اس سے کوئی نہ بچ سکتا۔ (1)

ابن ابی شیبہ، ترمذی (2) نسائی، ابن سعد، ابن جریر، ابن حبان اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور کہا اے محمد ﷺ! تمہاری قوم نے قیدیوں کا جو فدیہ وصول کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو بہت ناپسند کیا ہے اور آپ کو یہ حکم فرمایا ہے کہ آپ انہیں دو امروں میں سے ایک کا اختیار دے دیں کہ یا تو وہ آگے بڑھیں اور قیدیوں کی گردنیں مار دیں یا پھر اس شرط پر ان سے فدیہ لے لیں کہ قیدیوں کی تعداد کے مطابق ان میں سے آدمی قتل کئے جائیں گے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بلایا اور ان کے سامنے یہ سب بیان فرما دیا۔ تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ قیدی ہمارے خاندان کے افراد ہیں اور ہمارے بھائی ہیں۔ ہم ان سے فدیہ اس لئے لے رہے ہیں کہ ہم اس کے سبب اپنے دشمنوں کے خلاف جنگ لڑنے میں قوت اور طاقت حاصل کر لیں اور یہ کہ ان کی تعداد کے مطابق افراد ہم میں سے شہید کر دیئے جائیں گے تو یہ ہمارے نزدیک کوئی ناپسندیدہ امر نہیں۔ (چنانچہ آئندہ غزوۂ احد میں ستر صحابہ کرام شہید ہوئے)۔ (ب)

گزشتہ سے پیوستہ

والوں نے کسی معصیت اور گناہ کا ارتکاب نہیں کیا کیونکہ ایسا فعل جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہوا سے کرنے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ثابت نہیں ہوتی۔

(ا) قاضی ابوبکر بن علاء نے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو یہ خبر دی ہے کہ مال غنیمت اور فدیہ کے حلال ہونے کے بارے میں ان کی تاویل اور فیصلہ اللہ تعالیٰ کی تحریر اور فیصلے کے مطابق وموافق تھا۔ واقعۂ بدر سے قبل بھی ایک واقعہ اس طرح پیش آیا تھا کہ سریہ عبداللہ بن جحش جس میں ابن حضرمی قتل ہوا تھا آپ ﷺ نے حکم بن کیسان اور اس کے ساتھی کے بدلے فدیہ وصول کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے کوئی عتاب نہیں فرمایا تھا۔ یہ واقعہ بدر سے ایک سال پہلے کا ہے۔ پس یہ تمام عمل اس پر دلالت کرتا ہے کہ قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ پوری سوچ سمجھ اور فہم وبصیرت کے ساتھ تھا جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس سے انہیں روکا نہیں۔ چونکہ واقعۂ بدر ایک عظیم واقعہ تھا۔ اس میں قیدیوں کی کثیر تعداد کو چھوڑا گیا تھا اور یہ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بطور احسان اور تاکید یہاں ذکر فرمایا کہ یہ وہ فیصلہ ہے جو لوح محفوظ میں پہلے سے لکھا ہوا ہے۔ یہاں عتاب اور ناراضگی مقصود نہیں۔ کتاب الشفاء کی عبارت کا یہی مفہوم ہے۔

(ب) قاضی ابوالفضل عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ صحابہ کرام نے (فدیہ لیکر) کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس کی انہیں اجازت نہ تھی۔ بلکہ ان میں سے بعض نے کمزور رائے کو صحیح کے مقابلے میں ترجیح دی تھی۔ (فدیہ لینا کمزور رائے تھی اور انہیں قتل کرنا صحیح رائے تھی)۔ لہٰذا اسی ترک اولیٰ کے سبب انہیں عتاب کیا گیا اور انہیں آگاہ کیا گیا کہ انہوں نے ضعیف کو اختیار کیا ہے حالانکہ صحیح رائے دوسروں کی تھی۔ لہٰذا ان میں سے کسی نے بھی نافرمانی کا ارتکاب نہیں کیا۔ اسی کی طرف طبری نے بھی اشارہ کیا ہے اور اس واقعہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد کہ اگر آسمان سے عذاب نازل ہوتا تو عمر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 43 (التجاریہ) 2۔ جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 90 وزارت تعلیم

علامہ بغوی نے لکھا ہے کہ جب سابقہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے مال فدیہ لینے سے اپنے ہاتھ روک لئے(1) تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾

"سو کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کی ہے حلال (اور) پاکیزہ [1] اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے [2]"

[1] فَكُلُوْا میں فاء سببیہ ہے۔ یہاں سبب محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے اَبَحْتُ لَكُمُ الْغَنَائِمَ فَكُلُوْا (میں نے تمہارے لئے مال غنیمت مباح قرار دیا ہے پس تم اسے کھاؤ)۔ حَلٰلًا مُّغْنَم سے حال ہے یا یہ محذوف مصدر کی صفت ہے۔ یعنی اَكْلًا حَلٰلًا۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ عتاب کے سبب جو تشویش دلوں میں واقع ہوتی ہے اس سے اس کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی صفت طَيِّبًا کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔

[2] اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے میں اس سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ تم نے جو فدیہ اور مال غنیمت حاصل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے وہ تمہارے لئے مباح قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے چھ چیزوں کے ساتھ دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے اور آپ ﷺ نے ان میں یہ ذکر فرمایا کہ غنائم کو میرے لئے حلال کیا گیا ہے(2)۔ اسے ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزوں کے ساتھ دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے اور اس میں یہ ہے کہ میرے لئے مال غنیمت کو حلال کیا گیا ہے اور یہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے بھی حلال نہیں تھا(3)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے مگر اس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے چار چیزوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح حدیث نقل کی ہے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم سے قبل کسی کے لئے بھی مال غنیمت حلال نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ضعف اور عجز کو دیکھا تو اسے ہمارے لئے پاک و طیب بنا دیا(4)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث

گزشتہ سے پیوستہ: کے سوا اس سے کوئی نہ بچ سکتا۔ یہ ان کی رائے کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اس میں ان کی مثل رائے کے لوگ بھی شامل ہیں۔ یعنی اس واقعہ نے عذاب کو ثابت کیا اور اس میں عمر اور ان کی مثل رائے رکھنے والے نجات پا گئے۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے قیدیوں کے قتل کی رائے دی تھی اس لئے ان کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ مگر عذاب نہ آیا کیونکہ تقدیر سابق میں فدیہ کا حلال ہونا لکھا جا چکا تھا۔

داؤدی نے کہا ہے کہ اولی تو یہ خبر ثابت ہی نہیں اور اگر ثابت بھی ہو تب بھی یہ گمان کرنا جائز نہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایسی چیز کا حکم ارشاد فرمایا جس کے بارے میں کوئی نص موجود نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے کوئی حکم دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا ایسے عمل سے پاک ہونے کا اظہار فرما دیا ہے، واللہ اعلم۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 43 (التجاریۃ)
2۔ جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 188 (وزارت تعلیم)
3۔ معجم کبیر طبرانی، جلد 7 صفحہ 55-154 (العلوم والحکم)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 43 (التجاریۃ)

روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا اور وہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں تھا(1) واللہ اعلم۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو بھی غزوۂ بدر کے دن قیدی بنالیا گیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ ان دس افراد میں سے ایک تھے جنہوں نے جنگ بدر میں شریک ہونے والے کفار کے کھانے کا ذمہ اٹھایا ہوا تھا۔ پس عین جنگ کے دن آپ رضی اللہ عنہ کی باری تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کے کھانے کا انتظام کرنے کے لئے بیس اوقیہ سونا ساتھ لائے تھے۔ اس دن آپ رضی اللہ عنہ نے کھانے کے انتظام کا ارادہ کیا مگر جنگ شروع ہوگئی اور وہ بیس اوقیہ سونا آپ رضی اللہ عنہ کے پاس ہی باقی رہا اور پھر جنگ میں آپ کی گرفتاری کے ساتھ ہی وہ بھی پکڑا گیا۔ پھر انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ یہ گفتگو کی کہ وہ بیس اوقیہ سونا آپ کے فدیہ میں شمار کرلیا جائے مگر آپ ﷺ نے اس سے انکار کردیا اور فرمایا وہ شی جسے تو مسلمانوں کے خلاف مدد کے لئے لے آیا ہے اسے میں تیرے لئے چھوڑ نہیں سکتا اور ساتھ ہی انہیں اس کا پابند کیا کہ وہ اپنے دو بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ بھی ادا کریں۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے محمد (ﷺ)! تو مجھے اس حال میں کر چھوڑے گا کہ میں جب تک باقی رہوں قریش سے بھیک مانگتا رہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فَاَیْنَ الذَّھَبُ الَّذِیْ دَفَعْتَہٗ اِلٰی اُمِّ الْفَضْلِ وَقْتَ خُرُوْجِکَ مِنْ مَکَّۃَ وَقُلْتَ لَھَا اِنِّیْ لَا اَدْرِیْ مَا یُصِیْبُنِیْ فِیْ وَجْھِیْ ھٰذَا فَاِنْ حَدَثَ بِیْ حَدَثٌ فَھٰذَا لَکِ وَلِعَبْدِ اللّٰہِ وَلِعُبَیْدِ اللّٰہِ وَالْفَضْلِ وَقُثَمٍ یعنی بَنِیْہِ الْاَرْبَعَۃَ۔ (وہ سونا کہاں گیا جو مکہ مکرمہ سے نکلتے وقت تو نے ام فضل کو دیا تھا اور یہ کہا تھا مجھے معلوم نہیں مجھے کونسے حالات پیش آئیں گے، اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو یہ سونا تیرے لئے، عبداللہ کے لئے، عبیداللہ، فضل اور قثم کے لئے ہے۔ یعنی تیرے لئے اور چاروں بیٹوں کے لئے ہے۔) تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ آپ اس کے بارے کیسے جانتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے میرے رب نے خبر دی ہے۔ یہ سنتے ہی عباس بول اٹھے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّکَ عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اس کے بندے اور رسول ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع اور واقف نہیں تھا(2)۔ ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، بیہقی، ابونعیم، اسحاق بن راھویہ، طبرانی اور ابوالشیخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن اسحاق اور ابونعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے دن قریش کے ستر افراد کو قیدی بنایا ان میں عباس اور عقیل بھی تھے۔ تو آپ ﷺ نے ان پر چالیس اوقیہ سونا بطور فدیہ لگایا(3)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسماعیل بن عبدالرحمن سے نقل کیا ہے کہ عباس، عقیل، نوفل اور اس کے بھائی کا فدیہ چار سو دینار تھا(4)۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ جنگ بدر کے تمام قیدیوں میں سے سب سے زیادہ فدیہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا تھا کہ اکیلے ان کے ذمے ایک سو اوقیہ سونا تھا(5)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے غزوۂ بدر کے کافر قیدیوں کا فدیہ چار سو (فی کس) مقرر فرمایا(6)۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کی کہ میرے پاس تو کوئی مال نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 43 (التجاریہ)　2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 43 (التجاریہ)　3۔ دلائل النبوۃ بیہقی، جلد 3 صفحہ 143 (العلمیہ)

4۔ دلائل النبوۃ، جلد 3 صفحہ 143 (العلمیہ)　5۔ دلائل النبوۃ، جلد 3 صفحہ 141 (العلمیہ)

6۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 366 (نور محمد)

انہیں ارشاد فرمایا کہاں ہے وہ مال جو تو نے ام فضل کو دیا اور اسے یہ کہا تھا کہ اگر دوران سفر مجھے کوئی حادثہ پیش آجائے تو یہ میرے بیٹوں فضل، عبداللہ اور قثم کے لئے ہے۔ تو انہوں نے عرض کی قسم بخدا! میں نے بالیقین جان لیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں کیونکہ یہ ایسی شی ہے جس کا علم میرے اور ام فضل کے سوا کسی کو نہیں تھا، واللہ اعلم۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما پر سو اوقیہ (زر) فدیہ مقرر کیا گیا تھا اور بعض لوگوں نے چالیس کہا ہے اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہ پر اسی اوقیہ فدیہ لگایا گیا تھا(1) تو حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے یہ عرض کی کہ آپ نے مجھے رہتی زندگی تک قریش میں سب سے زیادہ محتاج کر کے چھوڑا ہے(2)۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''اے نبی (کریم) آپ فرمایئے ان قیدیوں سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں ؎۱ اگر جان لی اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں کوئی خوبی تو عطا فرمائے گا تمہیں بہتر اس سے جو لیا گیا ہے تم سے اور بخشے گا تمہارے (قصور) اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ؎۲ ''

؎۱ محمد بن یوسف صالحی نے سبل الرشاد میں ذکر کیا ہے کہ بدر کے قیدیوں کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی جس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اور عرض کی ہم تو مسلمان تھے ہمیں تو بالجبر جنگ کے لئے نکالا گیا تھا پھر ہم سے فدیہ کیوں لیا جا رہا ہے؟ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى۔

؎۲ خیر سے مراد ایمان اور اخلاص ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان اور اخلاص جان لیا تو جو فدیہ تم سے لیا گیا ہے اس سے کئی گنا دنیا میں عطا فرمائے گا اور آخرت میں ثواب عطا فرمائے گا۔(3)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الاوسط میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم بخدا! یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اسلام لانے کی خبر دی اور آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ میرا وہ بیس اوقیہ سونا جو آپ ﷺ نے میرے ساتھ اپنی گرفت میں لیا ہے اسے میرے زر فدیہ میں شمار کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے اسے سونے کے عوض مجھے بیس غلام عطا فرمائے۔ ان میں سے ہر ایک میرے مال سے تجارت کرتا ہے (اور نفع مجھے ملتا ہے) اور اس کے ساتھ ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی بھی امید رکھتا ہوں۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (بیس اوقیہ کے بدلے) بیس غلام مجھے عطا فرما دیئے ہیں وہ تمام تاجر ہیں اور کثیر مال کماتے ہیں وہ کم سے کم بیس اوقیہ کی بجائے بیس ہزار درہم کماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ماء زمزم کی (تولیت) بھی عطا فرما دی ہے اس کے مقابلہ میں مجھے اہل مکہ کا تمام مال بھی پسند نہیں اور میں اپنے رب کی مغفرت کا منتظر بھی ہوں(4)۔ سبل الرشاد میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قول اس طرح مذکور ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے یہ پسند کیا کاش! آپ نے جو مال مجھ سے لیا ہے اس سے کئی گنا زیادہ لیا ہوتا۔ پس

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 71 (العلمیہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 43 (التجاریہ)
3۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 71 (العلمیہ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 44 (التجاریہ)

اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بہتر یعنی چالیس غلام عطا فرما دیئے ہیں ان میں سے ہر ایک کے قبضے میں میرا مال ہے جس سے وہ اور مال کما رہا ہے۔ (اور اس کا نفع میرے لئے ہے) اور میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی بھی امید رکھتا ہوں (1) واللہ اعلم۔

امام بخاری اور ابن سعد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت ذکر کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس بحرین سے کچھ مال آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے مسجد میں بکھیر دو۔ اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اس سے مجھے بھی عطا فرمایئے کیونکہ میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ ادا کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا لے لو۔ پس انہوں نے اپنا کپڑا بھر لیا (2)۔ پھر جب اسے اٹھانے کی کوشش کی تو اسے اٹھا نہ سکے۔ تو عرض کی کسی کو ارشاد فرمایئے کہ مجھے اٹھوا دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے عرض کی پھر آپ خود ہی اٹھوا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ پس انہوں نے کچھ مال کپڑے سے باہر نکالا اور پھر اسے اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور چل دیئے۔ وہ اسے لے جاتے وقت کہہ رہے تھے اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ مسلسل نگاہ اٹھا کر پیچھے سے انہیں دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ ہم سے اوجھل ہو گئے اور آپ ﷺ ان کی مالی حرص پر تعجب کناں تھے جب تک اس مال میں سے وہاں درہم بھی رہا آپ ﷺ اپنی جگہ سے نہیں اٹھے۔

وَ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۷۱﴾

''اور اگر وہ ارادہ کریں آپ سے دھوکہ بازی کا (تو حیرت کیوں ہو) انہوں نے تو دھوکہ کیا ہے اللہ سے پہلے ہی (اسی لئے) تو اللہ تعالیٰ نے قابو دے دیا (تمہیں) ان پر اور اللہ تعالیٰ علیم (و) حکیم ہے ۔ لے''

لے اگر وہ اس عہد کو توڑنے کا ارادہ کریں جو انہوں نے فدیہ کے عوض یا اس کے بغیر قید سے رہائی پاتے وقت آپ سے کیا (تو اس کا وبال اور اذیت انہی کو پہنچے گی)، (اور ان کا عہد شکنی کرنا کوئی باعث حیرت امر نہیں) کیونکہ وہ اس سے قبل کفر اختیار کر کے اور میثاق السُّتُ کو توڑ کر اللہ تعالیٰ سے تو دھوکہ کر چکے ہیں۔ یہ میثاق اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے قول سے ماخوذ ہے۔ یا پھر انہیں عقل عطا فرما کر جو عہد ان سے لیا گیا انہوں نے اسے توڑ دیا۔ پس اسی وجہ سے بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کے قابو میں دے دیا۔ شرط کی جزاء محذوف ہے اور اس کی دلیل کو ہی جزاء کے قائم مقام رکھ دیا گیا ہے۔ تقدیر کلام کچھ اس طرح ہے اگر وہ آپ سے دھوکہ بازی کا ارادہ کریں تو اس کا وبال انہی پر ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دھوکہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر قدرت عطا فرما دی۔ پس اگر انہوں نے دوبارہ ایسے کیا تو ہم دوسری مرتبہ بھی آپ کو ان پر قابو عطا کر دیں گے۔ جیسا کہ ہم نے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ابوعزہ جمحی کو بدر کے دن بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا اور اس سے یہ عہد لیا کہ وہ ہمارے خلاف کسی کی امداد نہیں کرے گا لیکن وہ دوبارہ جنگ احد میں مشرکین کے ساتھ مل کر آیا اور گرفتار ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے قتل کرنے کا حکم جاری فرما دیا (3)۔ اور اللہ تعالیٰ اسے بھی خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں انتہائی دانا اور حکیم ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 71 (العلمیہ) — 2۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 428 (وزارت تعلیم)

3۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4 صفحہ 72 (مفہوم) (العلمیہ)

اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰى یُهَاجِرُوْاۚ وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝

''یقیناً جولوگ ایمان لائے، ہجرت کی، اور جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے راہِ خدا میں اور وہ جنہوں نے پناہ دی (مہاجرین کو) اور (ان کی) مدد کی۔ یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں ۱؎ اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی۔ نہیں تمہارے لئے ان کی وارثت سے کوئی چیز یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں ۲؎ اور اگر وہ مدد طلب کریں تم سے دین کے معاملہ میں تو فرض ہے تم پر ان کی امداد مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان (صلح) کا معاہدہ ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے ۳؎''

۱۔ یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی محبت میں اپنی قوم اور اپنے گھروں کو چھوڑا۔ یعنی جنہوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی اور انہوں نے اپنا مال ہتھیار اور گھوڑے خریدنے میں صرف کیا اور دیگر ضروریات وحاجات پوری کرنے کے لئے مال خرچ کیا اور اپنی جانوں سے جنگ میں شریک ہو کر اور ان تمام عبادات بدنیہ پر عمل پیرا ہو کر جہاد کیا جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اور جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مہاجر ساتھیوں کو مدینہ منورہ میں واقع اپنے گھروں میں پناہ دی اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی مدد کی یعنی انصار مدینہ یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ یہ اپنے کافر اقرباء کے دوست نہیں۔ پس اہل ایمان کے لئے کفار سے دوستی رکھنا جائز نہیں اور نہ ان کی مدد کرنا جائز ہے۔ اگرچہ وہ رشتہ میں ان کے آباء، بیٹے، بھائی یا خاندان کے دیگر افراد ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ آیت میراث کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ ہجرت کے سبب ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ پس مہاجرین آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں نہ اپنے ذوی الارحام کے اور وہ آدمی جو ایمان تو لایا لیکن ہجرت نہیں کی وہ اپنے مہاجر رشتے دار کا وارث نہیں ہوگا۔ (یہی اصول قائم رکھا گیا) یہاں تک کہ مکہ فتح ہوا اور ہجرت کا حکم ختم ہو گیا۔ تو پھر وہ اپنی قرابت داری کے مطابق ایک دوسرے کے وارث بننے لگے اور یہ حکم ارشاد باری تعالیٰ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ کے ساتھ منسوخ ہو گیا۔(1)

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں۔ اگر اس سے مراد حکم میراث ہی ہو تو پھر بھی جب تک دو آیتوں کو جمع کرنا ممکن ہو تو کسی ایک کے بارے میں نسخ کا قول کرنا جائز نہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ مہاجرین وانصار ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے نہ کہ قرابتدار۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرابتدار کافر تھے جو اختلاف دین کے سبب مہاجرین کے وارث نہیں بن سکتے تھے۔ (اور اختلاف دین آج بھی مانع ارث ہے) رہا ان کا مسئلہ جو ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی وہ اپنے رشتے دار مہاجر کے وارث نہیں ہوتے تھے تو اس کا سبب دونوں کے دار کا مختلف ہونا ہے (کیونکہ مہاجر دارالاسلام میں سکونت پذیر ہے جبکہ غیر مہاجر دارالحرب میں رہ رہا ہے اور یہ اختلاف دار آج بھی مانع ارث ہے)۔ لہٰذا جب مکہ فتح ہو گیا اور وہ بھی دارالاسلام بن گیا۔ ہجرت

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 44 (التجاریہ)

کا حکم ختم ہو گیا اور تمام اہل مکہ اسلام لے آئے تو پھر وہ باہم قرابتدار ہونے کے سبب ایک دوسرے کے وارث بننے لگے (کیونکہ اب میراث سے مانع اختلاف دین اور اختلاف دارین دونوں ختم ہو گئے) اور انصاری کا مہاجر کی میراث کا وارث بننا عقد موالات کے سبب تھا اور عقد موالات امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میراث کا سبب ہے بشرطیکہ میت کا کوئی نسبی یا سببی وارث موجود نہ ہو اور عقد موالات کا سبب ارث ہونا مانع کی عدم موجودگی میں منسوخ نہیں اور میت کے کسی قرابتدار مومن کے مدینہ طیبہ میں موجود ہونے کے باوجود مہاجر کا انصاری کی میراث لینا یا انصاری کا کسی مہاجر کا وارث بننا ثابت نہیں اور نہ آیت میں اس پر کوئی دلالت موجود ہے۔ لہٰذا آیت کے منسوخ ہونے کا قول کرنا جائز نہیں، واللہ اعلم۔

۲؎ وَلَایَتِهِمْ میں ولایۃ کو عمل اور صناعت کے مصادر سے تشبیہ دیتے ہوئے حمزہ نے واؤ کو مکسور پڑھا ہے۔ جیسا کہ کتابۃ اور ریاسۃ گویا کہ اس میں کام کرنے والے کی ولایت ہوتی ہے جو کہ مسلسل کام کر رہا ہوتا ہے۔ اس میں وہ اہل ایمان جنہوں نے ہجرت نہیں کی ان کی دوستی کی نفی کی جارہی ہے۔ یہاں نفی نہی کے معنی میں ہے۔ مراد یہ ہے چونکہ وہ فریضہ ہجرت کو ترک کرنے کے سبب فاسق ہو چکے ہیں اس لئے ان سے دوستی مت رکھو۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ صالح اور نیک بندہ مومن کا فاسق مومن سے دوستی کرنا اس وقت تک مکروہ ہے جب تک وہ فسق سے توبہ نہ کر لے اور اگر ولایت سے مراد میراث ہے تو پھر آیت اس امر پر حجت ہے کہ اختلاف دارین میراث کے مانع ہے۔

۳؎ اور وہ مومنین جنہوں نے ہجرت نہیں کی اگر وہ اہل حرب میں سے اپنے دشمنوں کے خلاف تم سے مدد طلب کریں تو دشمن کے خلاف ان کی مدد کرنا تم پر واجب ہے مگر ایسی قوم کے خلاف نہیں جب کے درمیان اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو کیونکہ معاہدہ توڑنا جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو جندل کی کوئی مدد نہیں فرمائی۔ یہ تفصیلی واقعہ سورۂ فتح میں ذکر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے۔ اس آیت میں حدود شرعیہ سے تجاوز کرنے سے ڈرانا اور روکنا مقصود ہے۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِیْرٌ ﴿۷۳﴾

"اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ ایک دوسرے کے حمایتی ہیں ۱؎ اگر تم (ان حکموں پر) عمل نہیں کرو گے تو برپا ہو جائے گا فتنہ ملک میں اور (پھیل جائے گا) بڑا فساد ۲؎"

۱؎ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ مومنین کے لئے کفار سے دوستی قائم کرنا اور ان کی مدد کرنا جائز نہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی مسلمان کسی کافر کا اور کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا (1)۔ اس حدیث کو حضرت اسامہ بن زید سے شیخین نے صحیحین میں اور اصحاب سنن اربعہ نے نقل کیا ہے۔ اور ہم نے تفصیلی مسئلہ سورۃ النساء کی آیت میراث کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

مسئلہ:۔ مبسوط میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر دار الحرب کے کچھ کافر اپنے ہی دار کے کافروں کی ایک بستی پر حملہ آور ہو جائیں اور اس بستی میں مسلمان مستامن بھی سکونت پذیر ہوں تو ان مسلمانوں کے لئے حملہ آور کفار سے لڑنا جائز نہیں۔ بشرطیکہ انہیں اپنی جانوں کے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 33 (قدیمی)

بارے کوئی خوف نہ ہو کیونکہ جنگ میں اپنے آپ کو ہلاک ہونے کے لئے پیش کرنا ہوتا ہے اور بندہ ایسا تب ہی کر سکتا ہے جبکہ اس سے مقصود اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کا غلبہ ہو یا پھر اپنی جان سے ضرر اور تکلیف کو دور کرنا ہو اور جب اسے اپنی جان کے بارے کوئی خوف نہ ہو تو پھر اس کی لڑائی فقط اپنی بستی کے کفار کی سربلندی کے لئے ہوگی اور یہ مومن کے لئے جائز نہیں۔

مسئلہ:۔ دار الحرب کے وہ کفار جن کے ساتھ مسلمان مستأمن بھی رہائش پذیر تھے اگر ان کفار نے باہر کے مسلمان گروہ پر حملہ کر دیا اور ان کے بیوی بچوں کو قید بنالیا۔ پھر وہ انہیں لیکر اپنے ساتھ رہنے والے مستأمن مسلمانوں کے پاس سے گزرے تو ان مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ کفار سے لڑیں اور ان کے قبضے سے مسلمان قیدیوں کو آزادی دلائیں کیونکہ کفار مسلمانوں پر قبضہ کرنے کے باوجود ان کے مالک نہیں بنتے۔ لہٰذا جب تک یہ قیدی ان کے پاس رہیں گے تو یہ ان مسلمانوں کی طرف سے ظلم کی حمایت اور تائید ہوگی اور مسلمانوں کی طرف سے اس کا معاہدہ اور ضمانت نہیں۔ ہاں اگر وہ کفار مسلمانوں سے مال چھین کر لے آئیں تو چونکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مال دار الحرب میں منتقل کرنے کے ساتھ ہی وہ اس کے مالک بن جاتے ہیں اور ان کے ساتھ رہنے والے مسلمانوں نے یہ معاہدہ کر رکھا ہے کہ وہ ان کے مالوں سے قطعاً تعرض نہیں کریں گے (اس لئے اس صورت میں مسلمانوں کا ان کفار سے لڑنا اور ان سے اپنے خارجی مسلمان بھائیوں کا مال واگزار کرانا جائز نہیں)۔

2 اور تمہیں ایک دوسرے کے ساتھ دوستی اختیار کرنے، باہم ایک دوسرے کی مدد کرنے اور کفار کے ساتھ اپنے تعلقات منقطع کرنے حتیٰ کہ رشتہ میراث تک توڑنے کا جو حکم دیا گیا ہے اگر تم نے اس کے مطابق عمل نہ کیا تو زمین میں بہت بڑا فتنہ برپا ہو جائے گا یعنی کفر غالب آ جائے گا اور جہاد ترک کرنے اور مسلمانوں کے کفار کے ساتھ اختلاط کی بناء پر اسلام کمزور ہو جائے گا۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّاؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ۝

”اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اور جنہوں نے پناہ دی اور ان کی امداد کی وہی (خوش نصیب) لوگ سچے ایماندار ہیں 1 انہیں کے لئے بخشش ہے اور باعزت روزی ہے 2“

1 اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا سے مراد یہ ہے کہ وہی لوگ کامل ایماندار ہیں، اپنے دعویٰ اسلام میں سچے ہیں اور یہ امر بالکل حق ہے کیونکہ انہوں نے ایمان کے تقاضوں کو پورا کر کے اپنے ایمان کو ثابت کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی، مال اور جان خرچ کئے اور حق کی نصرت و مدد کی بخلاف ان لوگوں کے جو ایمان تو لائے لیکن نہ تو ہجرت کی اور نہ ہی جہاد کیا۔ کیونکہ اگرچہ ان پر وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے تحت مومن کا اطلاق کرنا صحیح ہے۔ لیکن انہوں نے ہجرت نہیں کی اس لئے وہ کامل ایماندار نہیں اور ان کے دعویٰ اسلام کی صداقت متحقق ہے بلکہ ان میں نفاق کا احتمال ہے۔ بظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ شاید آیات میں تکرار آ گیا ہے، حالانکہ فی الحقیقت یہ تکرار نہیں بلکہ پہلی آیت باہم ایک دوسرے سے محبت و دوستی اور آپس میں ایک دوسرے کی حمایت و تائید کرنے کے حکم کے بارے نازل ہوئی اور یہ آیت ان لوگوں کی مدح و ستائش اور ان سے مغفرت اور رزق کریم کے وعدہ کے

1۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 76 (قدیمی)

لئے ذکر کی گئی ہے۔

۲؎ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث طیبہ پہلے گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام اپنے سے پہلے (گناہوں اور جرائم کو) ختم کر دیتا ہے اور ہجرت اپنے سے پہلے گناہوں کو گرا دیتی ہے۔(1)

جاننا چاہیے بعض وہ مہاجرین ہیں جو پہلی ہجرت والے مہاجرین کہلاتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حدیبیہ سے پہلے ہجرت کی اور بعض وہ ہیں جنہوں نے دو ہجرتیں کیں ایک مرتبہ حبشہ کی طرف اور دوسری مرتبہ مدینہ طیبہ کی طرف۔ ان میں حضرت عثمان غنی اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہما وغیرہ تھے اور بعض وہ مہاجرین ہیں جو دوسری ہجرت کرنے والے مہاجرین کہلاتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی۔ مذکورہ آیت میں پہلی ہجرت کرنے والوں کی فضیلت کے سبب ان کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر آگے آنے والی آیت میں دوسری ہجرت کرنے والوں کا ذکر کیا گیا اور ارشاد فرمایا۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ مِنْكُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۠۝۷۵

"اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت بھی کی اور جہاد بھی کیا تمہارے ساتھ مل کر تو وہ بھی تمہیں میں سے ہیں ۱؎ اور رشتہ دار (وراثت میں) ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں ۲؎ حکم الٰہی کے مطابق یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۳؎"

۱؎ یعنی وہ لوگ جو صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے، ہجرت بھی کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد بھی کیا تو وہ بھی تمہیں میں سے ہیں۔ یہ خطاب انصار اور پہلے مہاجرین کو ہے کہ بعد میں ہجرت کرنے والے بھی تم میں شامل ہیں اور تمہاری ہی جنس سے ہیں۔ لہٰذا تم آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہو اور ایک دوسرے کے وارث بھی ہو۔

۲؎ میراث اور صلہ رحمی میں مومنین میں سے باہمی رشتہ دار اجنبیوں کی نسبت زیادہ حق رکھتے ہیں، یہ آیت سابقہ آیت کے مفہوم کے منافی نہیں بلکہ معنی یہ ہے کہ اگر مومن کا کوئی قریبی رشتہ دار ہو تو وہ بقیہ تمام مومنین کے مقابلہ میں وارثت کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ پس اگر اس کا شمار ان قرابتداروں میں سے ہے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النسآء میں کیا ہے تو وہ کسی اور کی نسبت زیادہ حقدار ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے میراث میں سے جو حق اسے دیا ہے اس کے مطابق میراث اسے ہی دی جائے گی۔ اور اگر ان قرابتداروں میں سے کوئی نہ ہو بلکہ ان کے علاوہ کوئی دور کا رشتہ دار ہو تو اجنبیوں کی نسبت وہ بھی میراث کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ اس آیت کا یہی مفہوم ہے اور اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد بھی ہے۔ جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا وارث ماموں ہوگا(1)۔ ہم نے یہ حدیث سورۃ النسآء میں ذکر کر دی ہے۔ پس یہ آیت حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس موقف کے خلاف حجت ہے کہ اگر میت کے لئے ذوی الفروض، عصبات اور دیگر ذوی الارحام میں سے کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔ مفصل مسئلہ سورۃ النسآء میں گزر چکا ہے۔ اور اگر (مرنے والے) مومن کا کوئی بھی رشتہ دار مومن نہ ہو تو پھر اس کے وارث تمام مسلمان ہوں گے جیسا کہ پہلی آیت میں ذکر ہو چکا

1۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 32-31 (وزارت تعلیم)

ہے۔لہٰذا اس کا سامان تمام مسلمانوں کے لئے بیت المال میں جمع کرلیا جائے گا۔

سے فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی تقسیم کے مطابق یا یہ معنی ہے کہ لوح محفوظ میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اسی سے میراث بھی ہے اور اس کا تعلق قرابت، اسلام، ولاء اور نکاح سے قائم کرنے کی حکمت سے بھی اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے، واللہ اعلم۔

تمت بالخیر

آج مورخہ 17 اگست 2000ء بروز سوموار بوقت 6 بجکر 25 منٹ پر اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے سورۃ الانفال کا ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

آغاز ترجمہ سورۂ توبہ

10-4-2000 بروز سوموار

سورۂ توبہ کے اسماء

حضرت ابوعطیہ الہمدانی سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کی طرف لکھا کہ سورۂ براءت تم خود سیکھو اور سورۃ النور کی تعلیم اپنی عورتوں کو دو (1)۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ سورہ براءت میں جہاد پر برانگیختہ کیا گیا ہے اور سورۂ نور میں پردہ کے احکام ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا سورۂ براءت اور سورۂ انفال کو زمانہ نبوت میں القرینتین کہا جاتا تھا اس لئے میں ان کو سبع الطوال سورتوں میں جمع کر دیا ہے۔(2)

اس سورت کے بہت سے اسماء ہیں: (1) برأت:۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کفار کے تمام معاہدوں سے براءت کی گئی ہے۔

(2) توبہ:۔ کیونکہ اس میں مومنین کی توبہ کا تذکرہ ہے۔

(3) مقشقشۃ:۔ ابوالشیخ اور ابن مردویہ نے زید بن اسلم عن عبداللہ بن عمر کی سند سے روایت کیا ہے چونکہ یہ نفاق سے براءت کا اظہار کرتی ہے اس لئے اس کا نام مقشقشۃ رکھا گیا ہے(3) تقشقش کا معنی نفاق سے براءت کا اظہار کرنا ہے۔

(4) المبعثرۃ :۔ ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے اس نام کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس میں لوگوں (منافقین) کے اسرار سے پردہ اٹھایا گیا ہے(4)۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو ابن ابی حاتم، الطبرانی اور حاکم رحمہم اللہ تعالی نے ابی راشد حرانی عن مقداد بن اسود کی سند سے بھی روایت کی ہے۔

(5) المثیرۃ :۔ ابن المنذر، ابوالشیخ اور ابن ابی حاتم نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس نام کی وجہ یہ روایت کی ہے کہ یہ نفاق کو بکھیرتی ہے، اس کا پردہ چاک کرتی ہے اور منافقین کی خفیہ حرکتوں کو ظاہر کرتی ہے۔

(6) المنکلہ :۔ (سزا دینے والی)، (7) المدمدمۃ:۔ (ہلاک کرنے والی)، (8):۔ سورہ عذاب۔

ابن ابی شیبہ، الطبرانی اور ابوالشیخ اور الحاکم اور ابن مردویہ رحمہم اللہ تعالی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا جس سورت کو تم سورۂ توبہ کہتے ہو وہ سورہ عذاب ہے۔ قسم بخدا اس نے کسی کو نہیں چھوڑا مگر پھر اس کا ذکر دیا۔ ابوعوانہ، ابن المنذر، ابوالشیخ ابن مردویہ رحمہم اللہ تعالی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی سورۃ العذاب نام نقل کیا ہے۔

(9) الفاضحہ:۔ (رسوا کرنے والی) چونکہ اس سورۂ پاک نے منافقین کے قلبی منصوبوں کو بیان فرما کر انہیں رسوا کر دیا تھا۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۂ توبہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ الفاضحۃ (رسوا کرنے والی) ہے یہ نازل ہوتی رہی حتیٰ کہ لوگ خیال کرنے لگے کہ یہ کسی منافق کا ذکر چھوڑے گی نہیں۔

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 376 (العلمیہ)
2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 375-76 (العلمیہ)
3۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 376 (العلمیہ) مفہوم
4۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 377 (العلمیہ)

فرماتے ہیں پھر میں نے سورۂ انفال کے متعلق پوچھا تو فرمایا یہ سورۂ بدر ہے پھر میں نے سورۂ حشر کے بارے پوچھا تو فرمایا اسے سورۃ النضیر کہو۔(1)

سورۂ توبہ کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ شریف نہ لکھنے کی وجہ

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے، امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، الحاکم، ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تم نے سورۂ انفال اور سورۂ براءت کو ملا دیا ہے اور ان کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ شریف نہیں لکھی اور تم نے اسے سبع الطوال میں ذکر کیا ہے حالانکہ سورۂ انفال مثانی میں سے ہے اور سورۂ توبہ مئین (جن کی دو سو کے قریب آیتیں ہیں) میں سے ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر مختلف سورتوں کی آیات نازل ہوتی تھیں۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ کاتبان وحی کو بلاتے، جو قرآن لکھا کرتے تھے اور فرماتے اس آیت کو اس سورت میں لکھو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے۔ سورۂ انفال ہجرت کے بعد پہلے نازل ہوئی اور آخر میں سورۂ براءت نازل ہوئی(2)۔ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کا قصہ آپس میں مشابہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا لیکن آپ نے یہ بیان نہیں فرمایا تھا کہ سورۂ توبہ سورۂ انفال کا جزء ہے اس لئے میں نے ان کو جمع کر دیا ہے اور ان کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الخ نہیں لکھی اور میں نے اسے سبع الطوال میں لکھا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں بسم اللّٰه الخ نہ لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورہ امان کو اٹھانے کے لئے نازل کی گئی تھی جبکہ بسم اللّٰه امان ہے۔ اسی طرح ابوالشیخ، ابن مردویہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سورہ براءت سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کیوں نہیں لکھی جاتی تو آپ نے فرمایا کیونکہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ امان ہے جبکہ سورۂ براءت کا نزول جنگ کرنے کے متعلق ہوا ہے(3)۔ بعض علماء فرماتے ہیں صحابہ کرام کا اس بات میں بھی اختلاف تھا کہ سورۂ براءت اور سورۂ انفال ایک سورت ہے یا علیحدہ علیحدہ دو سورتیں ہیں۔ بعض کا خیال یہ تھا کہ سورۂ انفال اور توبہ ایک سورت ہے جو جنگ کے متعلق نازل ہوئی اور یہ سبع الطوال میں ساتویں سورت ہے۔ بعض فرماتے تھے کہ یہ دو سورتیں ہیں۔ پس ان کے درمیان جگہ خالی رکھی گئی ان صحابہ کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے جو انہیں دو سورتیں قرار دیتے ہیں اور جو انہیں ایک سورت قرار دیتے تھے ان کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھی نہیں گئی۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک کی طرف تشریف لے گئے تو منافقین نے جھوٹے پروپیگنڈے کرنے شروع کر دیئے جن کی وجہ سے مسلمان بہت پریشان و مضطرب تھے اور مشرکین نے ان معاہدوں کو توڑنا شروع کر دیا جو ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان طے پائے تھے(4)۔ میں کہتا ہوں مشرکین کا یہ خیال تھا کہ مسلمانوں کی یہ بے سروسامان مٹھی بھر فوج قیصر شام سے مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عہد شکنی پر اپنے محبوب مکرم ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ آپ بھی ان سے معاہدوں کی تنسیخ کا اعلان فرما دیں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 45 (التجاریۃ)
2۔ تفسیر بغوی جلد 3 صفحہ 45 (التجاریۃ)
3۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 377 (العلمیۃ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 46 (التجاریۃ)

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱﴾

"یہ قطع تعلق (کا اعلان) ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان لوگوں کو جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا مشرکوں میں سے [1]"

[1] زجاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب مشرکوں نے اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیا ہے تو اللہ اور اس کا رسول بھی ان سے کیے گئے وعدوں کے ایفاء سے بری ہیں(1)۔ براءۃ مبتدا محذوف ھذا کی خبر ہے، براءۃ، معاہدہ کی ضد ہے اور یہ مصدر ہے جیسے نشاءۃ، اور دناءۃ مصادر ہیں۔ من ابتدائیہ ہے جو محذوف سے متعلق ہے، اصل عبارت اس طرح ہوگی وَاصِلَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ براءۃ مبتداء ہو کیونکہ صفت کی وجہ سے مخصوص ہوگیا ہے اور خبر اِلَى الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ ہو۔ یعنی اے میرے برگزیدہ رسول اور جانثار مومنو! تم نے جو معاہدہ کیا ہے مشرکین سے۔ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسم موصول کا بیان ہے۔ براءت کو اللہ اور اس کے رسول سے معلق کیا گیا ہے اور معاہدہ کا تعلق رسول مکرم ﷺ اور مومنین سے فرمایا ہے۔ اس بات پر دلالت کرنے کے لئے کہ جو تم نے معاہدہ کیا تھا اس کا تم پر توڑنا واجب ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول نے براءت کا اظہار کر دیا ہے۔

فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِی الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲﴾

"(اے مشرکو!) پس چل پھر لو ملک میں چار ماہ اور جان لو کہ تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ تعالیٰ کو اور یقیناً اللہ تعالیٰ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو [1]"

[1] اس کلام میں التفات ہے کہ پہلے ان سے کلام غائب کے صیغوں کے ذریعے کی گئی اور اب مخاطب کے صیغوں سے کلام فرمائی ہے۔ یا یہ معنی کہ اے پیارے محبوب ان سے کہہ دو کہ اے مشرکو تمہیں چار ماہ میں اس ملک میں آنے جانے کی کھلی چھٹی ہے بلاخوف و تردد گھومو پھرو۔ السیاحۃ کا معنی آزادی سے چلنا پھرنا ہے اور یہ حقیقت بھی دل میں بٹھالو کہ تم نہ تو خدا سے چھپ سکتے ہو اور نہ اس سے بچ سکتے ہو۔ اگرچہ اس نے تمہیں چار ماہ مہلت دی ہے وہ دنیا میں کافروں کو قتل اور قید سے دوچار کرے گا اور آخرت میں عذاب دے گا۔ الزہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چار ماہ سے مراد شوال، ذوالقعدہ، ذی الحجہ اور محرم ہیں کیونکہ یہ آیت شوال میں نازل ہوئی تھی(2)۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اس چار ماہ مدت کا آغاز حج اکبر کے دن سے ہوا تھا اور اختتام دس ربیع الثانی کو ہوا تھا(3) کیونکہ آئندہ آیت اس کی تائید کرتی ہے۔

وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ۬ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳﴾

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 46 (التجاریہ)　2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 48 (التجاریہ)　3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 48 (التجاریہ)

"اور اعلان ۱؎ عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں کے لئے بڑے حج کے دن ۲؎ کہ اللہ تعالیٰ بری ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول بھی ۳؎ اب بھی اگر تم تائب ہو جاؤ تو یہ بہتر ہے تمہارے لئے ۴؎ اور اگر تم منہ پھیرے رہو تو خوب جان لو کہ تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ تعالیٰ کو ۵؎ اور خوشخبری سنا دو کافروں کو دردناک عذاب کی ۶؎"

۱؎ واذان اس کا معنی اعلان ہے۔ یہ فعال کے وزن پر افعال کے معنی میں ہے جیسے امان اور عطاء فعال کے وزن پر ہیں لیکن افعال (مصدر) کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اسی سے اذان الصلاۃ ہے (نماز کا اعلان کرنا)۔ عرب کہتے ہیں آذنته فاذن یعنی میں نے اسے جتایا تو وہ جان گیا۔ اس کی اصل اذن سے ہے، یعنی کسی کے کان میں کوئی بات ڈالنا۔ اس کے مرفوع اعراب کی وجوہ وہی ہیں جو براءۃ کے متعلق گزر چکی ہیں۔

۲؎ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوم الحج الاکبر (ا) سے مراد یوم عرفہ روایت کیا ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب، ابن عمر اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما (ب) سے بھی اسی طرح کا قول مروی ہے عطاء، طاؤس، مجاہد اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔

میں کہتا ہوں اس قول کی اصل آپ ﷺ کا ارشاد الحج عرفه ہے(1)۔ اس ارشاد کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان، حاکم، دارقطنی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے عبدالرحمٰن بن معمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے مسور بن مخرمہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یوم عرفه و هذا یوم الحج الاکبر(2) (عرفہ کا دن اور یہ حج اکبر ہے)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک جماعت علماء کا خیال ہے کہ یہ دسویں ذی الحجہ ہے(3)۔ (یعنی یوم الحج الاکبر سے مراد یوم النحر ہے)۔ یحییٰ بن الخراز سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سفید خچر پر سوار ہو کر دس ذی الحجہ کو جبانہ کی طرف جا رہے تھے ایک شخص آیا اس نے آپ رضی اللہ عنہ کی سواری کی لگام پکڑ کر یوم الحج الاکبر کے متعلق پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آج کا دن ہے سواری کا راستہ چھوڑ دو۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے یوم الحج الاکبر کے متعلق دریافت فرمایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ یوم النحر ہے (یعنی دس ذی الحجہ ہے)(4)۔ اس حدیث کی شاہد ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے عبداللہ بن اوفی اور مغیرہ بن شعبہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور شعبی، سعید بن جبیر اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ میں کہتا ہوں ابوداؤد اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے

1۔ جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 108 (وزارت تعلیم)　　2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 382 (العلمیۃ)

3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 49 (التجاریۃ)　　4۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 135 (وزارت تعلیم)

(ا) حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے حج اکبر کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ وہ سال ہے جس میں سیدنا صدیق اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج کیا تھا، آپ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ حج کیا۔ اس موقع پر مسلمان اور مشرک سب جمع تھے۔ اس لئے اس حج کو حج اکبر کہا جاتا ہے اور اس دن یہود و نصاریٰ کی عید بھی موافق ہو گئی تھی۔

(ب) حضرت شعبی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوذر اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک نے نبی کریم ﷺ سے سنا جبکہ آپ اس آیت کو جمعہ کے دن منبر پر پڑھ رہے تھے، ایک نے دوسرے سے پوچھا آیت کب نازل ہوئی۔ جب نماز مکمل ہو گئی تو سوال کرنے والے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارا جمعہ نہیں ہوا وہ شخص حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسئلے کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سچ اور صحیح کہا ہے۔

روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ حجۃ الوداع میں دسویں ذی الحجہ کے دن جمرات کے پاس رکے اور فرمایا یہ حج اکبر کا دن ہے (ھذا یوم الحج الاکبر)(1)۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ابن جریج نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ یوم الحج الاکبر سے مراد حج سے لیکر تمام ایام منیٰ ہیں۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد تمام ایام منیٰ ہیں مثلاً یوم صفین، یوم الجمل اور یوم بعاث اور اس سے مراد زمانہ ہے کیونکہ یہ جنگیں کئی کئی دن تک جاری رہیں(2)۔ حج کی صفت اکبر اس لئے لگائی گئی ہے کیونکہ عمرہ کو حج اصغر کہا جاتا ہے۔ زہری، شعبی اور عطاء رحہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ واللہ اعلم۔ فرماتے ہیں یہ آیت دلیل ہے کہ چار ماہ کی ابتداء حج اکبر کے دن سے ہے۔ میں کہتا ہوں وہ اعلان جو حج اکبر کے دن ہوا تھا آیت میں چار ماہ کی تقیید اس کے ساتھ نہیں ہے تاکہ دلیل بنائی جائے کہ چار ماہ کی ابتداء اس دن سے ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان عام ہے (یعنی اعلان اس دن ہوا تھا یہ ضروری نہیں کہ چار ماہ کی ابتداء بھی اسی دن سے ہے)۔

یعقوب نے اِنَّ کے اسم پر عطف کرتے ہوئے رسول (ا) کو منصوب پڑھا ہے یا واؤ بمعنی مع ہے، جبکہ باقی قراء نے بریءٌ میں جو ضمیر مستتر ہے اس پر عطف کرتے ہوئے مرفوع پڑھا ہے۔ یا مبتدا ہونے کے اعتبار سے مرفوع پڑھا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، اصل عبارت اس طرح ہوگی و رسولہ بریءٌ۔ یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے کیونکہ پہلی آیت میں ان لوگوں سے بیزاری اور براءت مختص تھی جن سے مسلمانوں نے معاہدے کئے ہوئے تھے اور مراد وہ لوگ تھے جنہوں نے پہلے خود معاہدے توڑے تھے۔ یہ مفہوم مراد لینے کی دلیل آئندہ آنے والا استثناء ہے۔ اور اس آیت میں تمام مشرکین سے براءت کا اظہار ہے جنہوں نے معاہدہ کر کے توڑا تھا یا جنہوں نے معاہدہ نہیں کیا تھا۔ اسی وجہ سے یہاں الی الناس فرمایا۔ اس ارشاد میں تکرار نہیں ہے لیکن جنہوں نے معاہدہ کیا تھا اور پھر توڑا نہیں تھا تو وہ اس براءت کے حکم سے خارج ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اس آیت کریمہ میں چار مہینے سیاحت کا امر (حکم) نہیں ہے تاکہ اس دن سے مدت کی ابتداء کا اعتبار لازم آئے۔ میرے نزدیک اگرچہ "براءۃ من اللہ ورسولہ" کا ارشاد اس وقت غزوہ تبوک میں عہد توڑنے والے اور غیر معاہدین کے حق میں نازل ہوا ہے۔ لیکن اعتبار عموم لفظ کا ہے، مورد خاص کا اعتبار نہیں ہے۔ یہ آیت کریمہ محکم ہے اور معاہدہ توڑنے والوں اور غیر معاہدین کے ساتھ قتال کے وجوب پر شاہد ناطق ہے اور فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ مِّنْ كُلِّ سَنَةٍ سے مراد (اشھر حرام) ہیں کیونکہ آگے ارشاد ہے: فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ اور دوسری دلیل اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ علماء کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ جنگ کرنا پہلے حرمت والے مہینوں میں گناہ کبیرہ تھا لیکن پھر قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 268 (نور محمد) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 49 (التجاریہ)

(ا) ورسولہ کو قریبی کلمہ کے مجرور ہونے کی وجہ سے مجرور بھی پڑھا گیا ہے۔ ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں آیا اور کہا جو اللہ نے محمد ﷺ پر کلام نازل فرمایا ہے وہ مجھے کون سنائے گا۔ اسے سورۂ براءت سنائی گئی قاری نے ان اللہ بریءٌ من المشرکین ورسولہ جر کے ساتھ پڑھا تو اعرابی نے کہا اللہ اپنے رسول سے بری ہے۔ اگر اللہ اپنے رسول سے بری ہے تو میں بھی ان سے بری ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا پیچھا کیا تو اعرابی نے کہا میں اللہ کے رسول سے بری ہوں اور کہا اے امیر المومنین میں مدینہ طیبہ پہنچا تو میرے پاس قرآن کا کچھ علم نہ تھا۔ میں نے قرآن سننا چاہا تو مجھے سورۂ براءت سنائی گئی تو اس میں تھا اللہ بریءٌ من المشرکین ورسولہ۔ اعرابی نے کہا قسم بخدا میں اس سے بری ہوں جس سے اللہ بری ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کے بعد لوگوں کو حکم دیا کہ قرآن سے لوگوں کو وہ سنائے جو لغت جاننے والا ہو پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اسود کو نحوی قواعد مرتب کرنے کا حکم دیا۔

کَآفَّةً کے ارشاد کے ساتھ منسوخ ہو گیا۔ گویا حکم عام ہے یعنی حرمت والے مہینوں میں اور غیر حرمت والے مہینوں میں برابر ہے۔ یہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، عطا الخراسانی، زہری، سفیان الثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے، فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ ہوازن کے ساتھ حنین میں اور ثقیف کے ساتھ طائف میں جنگ کی تھی اور ان کا محاصرہ کیا تھا تو وہ شوال اور بعض ذی القعدہ کے ایام تھے۔ یہ قول میرے نزدیک صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً یہ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ کا تتمہ ہے۔ پس تم اپنے آپ ان مہینوں میں ظلم نہ کرو اور تمام مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ تمہارے ساتھ کرتے ہیں۔ جبکہ ناسخ کے لئے منسوخ سے متاخر ہونا ضروری ہے، اور تخصیص کا قول بھی یہاں مقصود نہیں ہے اور قاتلوا المشرکین کافۃ عام ہے، حرمت اور غیر حرمت والے تمام مہینوں کو یہ حکم شامل ہے۔ یہ کہنا بھی باطل ہے کیونکہ یہ افراد کی عمومیت پر دلالت کرتا ہے زمانہ کے عموم پر دلالت نہیں کرتا۔ اور آپ ﷺ کا ذی القعدہ میں طائف کا محاصرہ کرنا اخبار آحاد کے ساتھ ثابت ہے اور اخبار آحاد کے ساتھ کتاب کا نسخ نہیں ہو سکتا اور یہ دلیل ویسے بھی درست نہیں کیونکہ سورۂ توبہ کا نزول غزوۂ طائف کے بعد ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے دس ذی الحجہ کو حجۃ الوداع کے موقع پر وصال سے (اسی) دن پہلے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ زمانہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے دن سے اپنی ہیئت پر گردش کر رہا ہے سال بارہ مہینوں کا ہے ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں تین متواتر ہیں ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے (1)۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی صحیح میں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے لئے طائف کا ذی القعدہ میں محاصرہ کرنا جائز ہو اور آپ ﷺ کے لئے اس میں قتال مباح کیا گیا ہو جیسا کہ حرم میں آپ کے لئے قتال کے لئے مباح کیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا یہ وہ شہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے دن حرام قرار دیا تھا۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کی وجہ سے قیامت تک حرام ہے مجھ سے پہلے کسی کے لئے اس میں قتال حلال نہیں ہوا لیکن میرے لئے دن کے ایک مخصوص وقت کے لئے حلال ہوا ہے (2)۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

صحیحین میں ابو شریح العدوی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کے قتال سے مکہ میں قتال کی رخصت کا جواز طلب کرے تو اسے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسول مکرم ﷺ کو اجازت دی تھی لیکن تمہیں اجازت نہیں (فرمایا) مجھے بھی دن کے ایک خاص وقت میں اجازت تھی آج پھر اس کی حرمت اسی طرح ہے جس طرح کل تھی (3)۔ جب یہ آیت کریمہ 9ھ شوال میں نازل ہوئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا تا کہ لوگوں کو حج کے اجتماع میں یہ آیت سنائے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ (۱) سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حج پر بھیجا تو ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ آئے جب ہم

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 60 (قدیمی) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 437 (قدیمی) 3۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 438 (قدیمی)

(۱) حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو 9ھ میں لوگوں کے لئے امیر حج بنا کر بھیجا اور حج کا طریقہ لکھ کر دیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آیات براءت دے کر بھیجا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ یہ اعلان مکہ، منیٰ، عرفات اور تمام شعائر حج پر کرنا کہ اللہ اور اس کا رسول بری ہیں ہر اس مشرک سے جو اس سال کے بعد حج کرے گا یا برہنہ بدن بیت اللہ شریف کا طواف کرے گا۔ ہاں جن کے آپ ﷺ کے ساتھ چار ماہ کا معاہدہ ہے ان کے لئے یا بھی تبلیغ کا حکم نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سواری پر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مقام عرج پر تھے اور صبح کی تکبیر ہوئی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز کی تکبیر تحریمہ کہنے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے پیچھے سے اونٹنی کی آواز سنی تو آپ رضی اللہ عنہ تکبیر کہنے سے رک گئے اور فرمایا یہ آواز تو میرے آقا و مولا رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی جدعاء کی ہے۔ حج کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو حکم مل گیا ہو شاید آپ ﷺ تشریف لا رہے ہوں۔ پس ہم آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ اچانک اس اونٹنی پر سوار حضرت علی رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ امیر بن کر آئے ہیں یا پیغام رساں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں پیغام رساں بن کر آیا ہوں مجھے رسول اللہ ﷺ نے براءت کے حکم کے ساتھ بھیجا ہے میں مواقف حج میں تمام لوگوں کو پڑھ کر سناؤں گا۔ (راوی فرماتے ہیں) ہم مکہ پہنچے تو ساتویں ذی الحجہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس میں لوگوں کو مناسک حج بیان کیے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو آپ نے آیات براءت مکمل پڑھیں۔ ہم چلے جب نویں ذی الحجہ کا دن تھا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس میں مناسک حج سکھائے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ فارغ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور لوگوں کے سامنے آیاتِ براءت مکمل پڑھیں پھر جب دسویں کا دن تھا اور ہم چلنے لگے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ لوٹے اور لوگوں کو خطبہ دیا اس میں انہیں چلنے کا طریقہ اور قربانی کے احکام اور مزید مناسک سکھائے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ فارغ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور لوگوں کے سامنے آیات براءت اختتام تک پڑھیں۔ جب گیارہویں کا دن تھا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور لوگوں کو مکہ جانے کے متعلق احکام سکھائے اور یہ بھی بتایا کہ رمی جمار کیسے کرنا ہے اور بقیہ مناسک بھی بیان فرمائے، جب آپ فارغ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے اور آیات براءت مکمل پڑھیں۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے آپ ﷺ نے اس سال سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی اونٹنی العضباء پر سوار کر کے بھیجا تھا تا کہ لوگوں کے سامنے سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات پڑھیں اور حکم دیا تھا کہ مکہ، منیٰ اور عرفات میں یہ اعلان کر دیں کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہر مشرک سے بری ہیں اور آئندہ کوئی بیت اللہ شریف کا ننگے بدن طواف نہ کرے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حج سے واپس آئے تو عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے متعلق کوئی حکم نازل ہوا ہے؟ فرمایا نہیں لیکن کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ یہ پیغام پہنچائے سوائے اس شخص کے جو میرے اہل سے ہو۔ اے ابوبکر تو اس بات پر خوش نہیں کہ تو غار میں میرے ساتھ رہا ہے اور حوض پر بھی تو میرا ساتھی ہوگا۔ عرض کی کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ (میں راضی ہوں)۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امیر حج کی حیثیت سے گئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آیات براءت کا اعلان کرنے کے لئے گئے تھے۔ پس سات ذی الحجہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور

گزشتہ سے پیوستہ

سوار ہو کر چلے اور لوگ بھی چل پڑے آپ لوگوں پر براءۃ من اللہ ورسولہ کی تلاوت کرتے اور یُنَبِّئُ اَذَّنَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ کی تلاوت کرتے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ براءت میرے باپ کو دیکر بھیجا پھر انہیں واپس بلا لیا اور فرمایا کسی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ یہ براءت میری طرف سے لوگوں تک پہنچائے، سوائے اس شخص کے جو میرے اہل سے ہو۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں آپ ﷺ نے براءت کے احکامات عطا فرمائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو براءت کی آیات دیکر بھیجا پھر پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا تو میں نے آیات براءت ان سے سنیں۔ ابوبکر کو بتقاضائے بشریت کوفت ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر میرے طرف سے کوئی پیغام نہ پہنچائے سوائے میرے یا جو مجھ سے ہو۔

لوگوں کو احکام حج سکھائے اور لوگوں کو حج کروایا اور اس سال عرب ان مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے جن پر وہ زمانہ جاہلیت میں حج کے عرصہ میں ٹھہرتے تھے۔ جب دسویں کا دن آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اس چیز کا اعلان فرمایا جس کا انہیں حکم ملا تھا اور آپ نے سورۂ براءت کی ابتدائی آیات پڑھ کر سنائیں۔ زید بن تبیع رضی اللہ عنہ (1) فرماتے ہیں ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا تمہیں کن احکامات کے ساتھ حج پر بھیجا گیا تھا۔ فرمایا مجھے چار احکامات دیئے گئے تھے، 1۔ کوئی شخص ننگے بدن طواف نہ کرے، 2۔ جس کا اللہ کے رسول ﷺ سے معاہدہ ہے وہ اپنی مدت تک برقرار ہے اور جس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہے اس کی مدت چار ماہ ہے، 3۔ جنت میں صرف نفس مومنہ جائے گا، 4۔ اس سال کے بعد مسلمان اور مشرک جمع نہ ہوں گے (1)۔ شیخین نے صحیحین میں حمید بن عبدالرحمٰن بن ابی ہریرہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حج میں دسویں کے دن اعلان کرنے والوں میں بھیجا کہ یہ اعلان کر دو کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، اور کوئی بیت اللہ شریف کا ننگے بدن طواف نہ کرے (2)۔ حمید بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ براءت کا اعلان کر دو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ اعلان کیا دسویں کے دن کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ننگے بدن بیت اللہ شریف کا طواف کرے۔(3)

یہ قصہ صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امارتِ حج سے معزول نہیں فرمایا تھا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان آیاتِ براءت کے لئے بھیجا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عربوں میں یہ بات متعارف تھی کہ معاہدہ کرنے یا معاہدہ کا توڑنے کا کام صرف سردار اور قوم کا رئیس کر سکتا ہے یا سردار کے قبیلہ کا کوئی شخص کر سکتا ہے، پس آپ نے اسی خدشہ کے ازالہ کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ ہمارے معاشرتی اصول کے تو یہ چیز خلاف ہے اور عہد کے توڑنے کے منافی ہے۔ حضور ﷺ کے ارشاد لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ اَنْ يُّبَلِّغَ هٰذَا اِلَّا رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِيْ (کہ یہ پیغام میرے اہل میں سے کسی شخص کے علاوہ کسی کو پہنچانا مناسب نہیں ہے)(4)۔ یہ الفاظ امام احمد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن کہا ہے۔ یہ قصہ جو ہم نے ذکر کیا ہے، اس میں سے بعض کا ذکر مسند امام احمد میں بعض کا دلائل بیہقی میں، بعض کا تفسیر ابن مردویہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ہے اگر تم کفر سے منہ موڑ کر اسلام میں داخل ہو جاؤ تو دنیا و آخرت میں ہر لحاظ سے تمہارے لئے اس میں خیر و بھلائی ہے۔

ؔ اور اگر تم کفر و معصیت سے نہ پلٹے تو تم بھاگ کر اس کو عاجز نہیں کر سکتے یعنی اگر تم نے حسب دستور اعراض کو ہی اپنا وطیرہ بنائے رکھا

---

(1) ترمذی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور حکم دیا کہ ان کلمات (آیات براءت) کی منادی کرنا پھر پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ ان کلمات کی منادی کرنا۔ دونوں اکٹھے چلے پھر اکٹھا حج کیا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، ایام تشریق میں اور اعلان کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ مشرکوں سے بری ہے چار ماہ سیاحت کر لو زمین میں چار ماہ پھر اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے نہ ننگے بدن بیت اللہ کا طواف کرے اور جنت میں صرف مومن داخل ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب فارغ ہوئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان آیات و احکامات کو دہرایا۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 49 (التجاریہ) | 2۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 435 (قدیمی)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 49 (التجاریہ) | 4۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 135 (وزارت تعلیم)

تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا و آخرت میں عذاب دے گا کیونکہ تم اپنے کسی حیلہ اور سازش سے اس کو عاجز نہیں کر سکتے۔

۶۔ اور کفار کو دنیا میں قید اور قتل کی خوشخبری سناؤ اور آخرت میں آگ کے عذاب کا مژدہ سناؤ۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٤﴾

"بجز ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے نہ کمی کی تمہارے ساتھ ذرہ بھر اور نہ انہوں نے مدد کی تمہارے خلاف کسی کی تو پورا کرو ان سے ان کا معاہدہ ان کی مدت (مقررہ) تک بیشک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو۔ ۱"

۱۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے جن لوگوں کی یہاں استثناء کی گئی ہے وہ بنی کنانہ میں سے بنو حمزہ ہیں اور ان کے معاہدہ کی مدت ابھی نو ماہ باقی تھی اور انہوں نے اپنے عہد کو توڑا بھی نہ تھا (1) اور فرمایا جن کے معاہدہ کی مدت باقی ہے ان کی مدت پوری کرو اور ان کو معاہدوں توڑنے والوں اور جن سے کوئی معاہدہ نہیں ہے ان کی طرح نہ سمجھو۔ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ کا جملہ اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے ہے کہ معاہدہ کو مکمل کرنا تقویٰ کے باب سے ہے إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم استثناء ہے المشرکین سے اور بمعنی استدراک ہے۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ تمہیں صرف ان سے معاہدے کے منسوخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو خود پہلے اپنے معاہدوں کی خلاف ورزی کر چکے ہیں یا ان کے تمہیں جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جن سے کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ لیکن جن کی مدت معاہدہ باقی ہے یا جو عہد کو توڑنے والے نہیں ہیں ان سے تمہیں جنگ کرنے کا حکم نہیں ہے۔

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾

"پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے ۱ تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انہیں ۲ اور گرفتار کرو انہیں اور گھیرے میں لے لو انہیں ۳ اور بیٹھو ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ ۴ پھر اگر یہ توبہ کریں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۵"

۱۔ انسلاخ کا اصل معنی جسم کے ساتھ چمٹی ہوئی چیز کو اتار کر پھینک دینا ہے۔ یہ سلخ الشاۃ سے مشتق ہے جس کا معنی بکری کی کھال اتارنا ہے۔ مجاہد اور ابن اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حرمت والے مہینوں سے مراد عہد والے مہینے ہیں۔ پس جس کا عہد ہے اس کا عہد چار ماہ ہے اور جس کا عہد نہیں ہے اس کی مدت محرم کے گزرنے تک پچاس دن ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ ان مہینوں میں مومنین پر مشرکین کا خون بہانا اور ان سے تعرض کرنا حرام کیا تھا اس لئے ان کو اشھر حرم کہا جاتا ہے، اگر یہ سوال کیا جائے کہ مذکورہ قول کے مطابق تو بعض اشھر حرم (50 دن) بنتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اشھر جمع کا صیغہ ذکر فرمایا ہے، اس کا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 50 (التجاریہ)

جواب یہ ہے کہ یہ مقدار گزرے ہوئے ایام کے ساتھ متصل ہے۔ اس لئے اس پر جمع کا اطلاق کیا گیا ہے(1) (یعنی دس ذی الحجہ سے پہلے ایام کو ملا کر جمع کا اطلاق کیا گیا ہے) لیکن اس میں تکلف اور تصنع ہے ظاہر وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے کہ ہر سال کے جب حرمت والے گزر جائیں۔

2۔ یعنی ان مشرکین کو قتل کرو جن سے تمہارا معاہدہ نہیں ہے اور جنہوں نے عہد توڑا ہے، اکثر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے حرم وحل جہاں بھی مشرکوں کو پاؤ ان کو قتل کرو۔ لیکن یہ تفسیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کے مخالف ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے دن حرام قرار دیا ہے۔ پس یہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی حرمت کی وجہ سے حرام ہے اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے اس میں قتال حلال نہیں تھا اور میرے لئے بھی صرف دن کے ایک مخصوص وقت کے لئے اس میں جنگ کو حلال کیا گیا ہے(2) اسی طرح آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مذکور تفسیر کے مخالف ہے۔ اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کے قتال کو مکہ میں قتال کی رخصت بنائے تو تم کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ اجازت دی تھی تمہیں اجازت نہیں ہے اور میرے لئے بھی دن کے ایک خاص وقت میں اجازت تھی۔ آج اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل اس کی حرمت تھی(3)۔ یہ دونوں حدیثیں بخاری و مسلم نے ذکر کی ہیں، آپ ﷺ کا الی یوم القیامۃ (قیامت تک) کا ارشاد اس کی حرمت کے منسوخ ہونے سے مانع ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ تاویل کی جائے کہ تمام جگہوں کا عموم جو اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے وہ حرم کے سوا کے ساتھ خاص ہے۔

مسئلہ:۔ حرم میں اور حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنا اس وقت حلال ہوتا ہے جب مشرکین قتال کی ابتداء کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (الایہ)۔

3۔ ان کو قیدی بنالو اخیذ قیدی کو کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کو نکلنے سے روک لو(4) یہاں تک کہ وہ جنگ یا اسلام یا جزیہ قبول کرنے کی طرف مجبور ہو جائیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کو مکہ میں داخل ہونے اور اسلام کے شہروں میں تصرف کرنے سے روکو۔

4۔ ہر راستہ پر ان کی تاک میں بیٹھو۔ موصد اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں دشمن کی تاک میں بیٹھا جاتا ہے یہ رصدت الشیء سے مشتق ہے جس کا معنی تاڑنا اور گھات لگانا ہے، مراد یہ ہے کہ تم ان کو تاڑو تا کہ ہر طرف سے تم ان کو پکڑو جہاں بھی وہ جائیں اور انہیں اس طرح نہ چھوڑو کہ وہ شہروں میں گھومتے پھریں اور مکہ میں داخل ہوں۔

5۔ اگر وہ شرک سے توبہ کر لیں اور اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کے احکام کو قبول کر لیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے اور رحم فرمانے والا ہے۔ حسن بن فضیل فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ قرآن کی ہر اس آیت کو منسوخ کرنے والی ہے جس میں دشمنوں کی اذیت پر صبر کرنے اور ان کی زیادتیوں پر اعراض کرنے کا ذکر ہے۔(5)

وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 50 (التجاریہ)　2۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 437 (قدیمی)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 438 (قدیمی)　4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 51 (التجاریہ)　5۔ تفسیر خازن، جلد 3 صفحہ 51 (التجاریہ)

"اور اگر کوئی شخص مشرکوں میں سے پناہ طلب کرے آپ سے تو پناہ دیجئے اسے تاکہ وہ سنے اللہ کا کلام پھر پہنچا دیجئے اسے
اس کی امن گاہ میں یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ ایسی قوم ہیں جو (قرآن کو) نہیں جانتے ۱۔"

۱۔ جن مشرکین کے ساتھ تمہیں جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اگر ان میں سے کوئی پناہ طلب کرے تو آپ اسے پناہ دے دیں تاکہ وہ قرآن حکیم کے نور سے اپنے شبہات کی تاریکی کو دور کرے کلام الٰہی میں غور و فکر کرے اور اس پر قرآن کے اعجاز کے ذریعہ سے آپ کی سچائی ظاہر ہو جائے اور اس پر یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے کہ نیکیوں پر کتنا ثواب اور برائیوں پر کتنا عتاب ہوتا ہے اور اگر پھر بھی وہ ایمان نہ لائے تو اسے اپنی قیام گاہ اور امن گاہ پر پہنچا دو۔ پھر اگر وہ آپ سے قتال کرے تو آپ بھی اس سے قتال کریں اور اگر قابو میں آئے تو اسے قتل کر دو۔ یہ امن اور معاملہ اس لئے کیا گیا ہے کیونکہ یہ ایسی قوم ہیں جو حق و باطل کی تمیز نہیں کر سکتے۔ پس کلام الٰہی کا سننا ان کے لئے ضروری ہے تاکہ اس کی اثر آفرینی سے ان کے عقل و فکر کے دریچے کھل جائیں۔ حضرت الحسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ قیامت تک محکم ہے(1) (یعنی اس کا حکم قیامت تک ثابت ہے)۔

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝

"کیونکر ہو سکتا ہے (ان عہد شکن) مشرکوں کے لئے کوئی معاہدہ اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک ۱۔ سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے مسجد حرام کے پاس ۲۔ تو جب تک وہ قائم رہیں تمہارے معاہدہ پر تم بھی قائم رہو ۳۔ ان کے لئے بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پرہیزگاروں سے ۴۔"

۱۔ یکون کی خبر کیف ہے اور استفہام کے لئے مقدم کیا گیا ہے یا اس کی خبر للمشرکین یا عند اللہ ہے۔ پہلی دونوں صورتوں میں عند اللہ عهد کی صفت ہے یا اس کی ظرف ہے یا یکون کی ظرف ہے اور آخری دو صورتوں میں کیف حال ہوگا عهد سے اور للمشرکین جب خبر نہ ہوگا تو استفہام انکار اور حیرت و تعجب کے لئے ہوگا، یعنی ان کا عہد ہو اور وہ اپنے انتہائی فسق اور مکمل عناد کے باوجود اس کو نہ توڑیں یہ بہت بعید ہے۔ یا یہ معنی کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے عہد کو پورا کریں اور یہ ہٹ دھرم اسے توڑیں یہ بہت بعید ہے۔

۲۔ یہ استثناء کی بناء پر محل نصب میں ہے یا بدل کی بنا پر محل جر میں ہے۔ اگر مشرکین سے مراد عہد توڑنے والے ہوں تو اس کا مستثنیٰ منقطع ہونا بھی جائز ہے۔ یعنی مگر جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا ہے۔

۳۔ تو جب وہ تمہارے لئے عہد و پیمان کی پابندی کرتے رہیں تو تم ایفائے عہد کی روایت پر قائم رہو۔ ما شرطیہ اور مصدریہ دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے مراد قریش ہیں(2)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد وہ اہل مکہ ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے روز معاہدہ فرمایا تھا(3) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کرم ﷺ کو ان کے متعلق حکم دیا کہ اگر یہ عہد کی پاسداری کریں تو تم بھی ان کے عہد کو وفا کرو۔ انہوں نے عہد شکنی کی تھی اور عہد پر قائم نہ رہے تھے، خزاعہ کے خلاف بنی بکر کی مدد کی تھی ان پر رسول اللہ ﷺ نے حملہ کیا تھا حتیٰ کہ مکہ فتح ہو گیا تھا تو آپ نے امان دے دی تھی اور فتح

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 51 (التجاریہ)　2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 51 (التجاریہ)　3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 51 (التجاریہ)

کے بعد چار ماہ کی مدت مقرر فرمائی تھی کہ اس مدت میں چاہیں تو اسلام قبول کر لیں یا کسی دوسرے شہر میں چلے جائیں چار ماہ کی مدت گزرنے سے پہلے اہل مکہ مسلمان ہو گئے تھے۔ سدی، کلبی اور ابن اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں الا الذین سے مراد بنو بکر، بنو خزیمہ، بنو مدلج (جو ضمرہ ہے) اور بنو الدیل کے قبائل ہیں یہ وہ لوگ ہیں۔ جو حدیبیہ کے دن قریش کے ساتھ کئے گئے عہد میں شامل تھے۔ اس عہد کو صرف قریش اور بنی بکر میں سے بنو الدیل نے توڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ معاہدہ کو مکمل کرنے کا حکم دیا ہے جنہوں نے عہد کو نہیں توڑا تھا وہ بنی ضمرہ تھے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ آیت قریش کے معاہدہ توڑنے اور مکہ فتح ہونے کے بعد نازل ہوئی تھی۔ پس جو معاملہ گزر چکا ہے اس کے متعلق فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ کیسے کہا جا سکتا ہے۔ پس وہ لوگ یہاں مراد ہیں جنہوں نے تمہارے ساتھ عہد شکنی نہیں کی تھی جس طرح قریش نے عہد شکنی کی تھی اور تمہارے خلاف کسی کی معاونت نہیں کی جیسا کہ قریش نے حضور ﷺ کے حلیف بنی خزاعہ کے خلاف بنو بکر کی امداد کی تھی۔(1)

؎ یہ جملہ دلیل ہے کہ عہد کو قائم کرنا تقویٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞

" کیونکر (ان کے معاہدہ کا لحاظ رکھا جائے) حالانکہ اگر وہ غالب آ جائیں تم پر تو نہ لحاظ کریں تمہارے بارے میں کسی رشتہ داری کا اور نہ کسی عہد کا ؎ راضی کرنا چاہتے ہیں تمہیں (صرف) اپنے منہ (کی باتوں) سے اور انکار کر رہے ہیں ان کے دل ؎ اور اکثر ان میں سے فاسق ہیں ؎ "

؎ کیف کا تکرار ان کے عہد پر ثبات کو بعید تصور کرنے کے لئے ہے یا ان کے ایفاء عہد کے حکم کو باقی رکھنے کے لئے ہے، جبکہ ساتھ استبعاد (بعید سمجھنا) کی علت پر متنبہ بھی کیا گیا ہے اور فعل کو حذف کیا گیا ہے کیونکہ وہ پہلے ہی معلوم ہے یعنی ان کا عہد کیسے ہو سکتا ہے جبکہ یہ حالت ہے کہ اگر وہ تم پر غالب آ جائیں تو تمہاری رشتہ داری اور قرابت کی حفاظت نہ کریں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے لا یرقبوا کا معنی لا ینظروا (مہلت نہ دیں) کیا ہے اور قطرب نے لا یراعوا (رعایت نہ رکھیں) کیا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اِلًّا کا معنی حلفاً ہے۔ ابن عباس اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کا معنی قرابت فرمایا ہے۔ اور یمان نے رحم (رشتہ تعلق) فرمایا ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے عہد لکھا ہے۔ اسی طرح الذمة کا معنی بھی رشتہ داری اور قرابت ہے مگر تکرار، الفاظ کے اختلاف کی وجہ سے ہے(2)۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہو سکتا ہے یہ حلف (معاہدہ) کے لئے الال سے مشتق ہو جس کا معنی جوار اور پڑوس ہے کیونکہ عرب جب معاہدہ کرتے تو اپنی آوازوں کو بلند کرتے اور اس معاہدہ کی تشہیر کرتے پھر یہ قرابت کے لئے استعمال ہونے لگا کیونکہ قریبی رشتہ داروں کا جو تعلق ہوتا ہے وہ معاہدہ والوں کا نہیں ہوتا، پھر یہ تربیت کے لئے استعمال کیا گیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ ال الشیء سے مشتق ہے جس کا معنی کسی شی کی حد بیان کرنا ہے یا یہ ال البرق سے مشتق ہے جس کا معنی بجلی کا چمکنا ہے(3)۔ ابو مجلز اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ال کا معنی اللہ ہے اور یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے عبید بن عمیر جبرائل کو لام کی تشدید کے ساتھ پڑھتے تھے اس کا معنی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 51 (التجاریہ)　　2۔ تفسیر بغوی علی حاشیہ الخازن ص 52، جلد 3 (التجاریہ)

3۔ تفسیر بیضاوی ص 248 (فراس)

عبداللہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مسیلمہ کذاب کی قوم کے چند آدمی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے مسیلمہ کذاب کا خط پڑھوایا تو انہوں نے پڑھا۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ کلام ال کا نہیں ہے، یعنی اللہ عزوجل کا نہیں ہے۔ اس تاویل کی دلیل حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی قرأت لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا یعنی وہ کسی مومن کے بارے اللہ کا خیال نہ رکھیں۔ جیسے جبرئیل و میکائیل میں الا سے مراد اللہ ہے۔ قاموس میں ہے کہ اِلّا ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اور اس کا معنی عہد، معاہدہ، پڑوسی اور قرابت عمدہ اصل معدن، کینہ، دشمنی ربوبیت، اور اللہ ہے اور ہر اسم جس کا آخر ال یا ایل ہو وہ اللہ کی طرف مضاف ہوتا ہے نیز قاموس میں اس کا وحی، امان اور مصیبت کے وقت گھبراہٹ کا اظہار کرنا بھی لکھا ہے اور ذمہ کا معنی وہ عہد یا حق ہے جس کی غفلت کرنا معیوب ہوتا ہے۔

۲ یعنی ایمان، طاعت اور ایفاء عہد کا وعدہ منافقت اور تقیہ کرتے ہوئے صرف زبانی زبانی تمہیں خوش کرنے کے لئے کرتے ہیں، جبکہ ان کے قلبی جذبات ان کی چکنی چپڑی باتوں کے یکسر مختلف ہیں، وہ اپنے باطن میں کفر اور دشمنی رکھتے ہیں کیونکہ اگر یہ جب کبھی تم پر غالب آجائیں تو یہ اپنی باتوں کی مخالفت کریں گے۔ یرضونکم کا جملہ مستانفہ ہے جو ان کے ان احوال کو بیان کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے جو عہد پر ثبوت کے منافی ہیں اور اس بات کا وہ احوال تقاضا کرتے ہیں کہ غلبہ کے وقت وہ مسلمانوں کو مہلت نہیں دیں گے۔ اس جملہ کو لاترقبوا کے فاعل سے حال بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ غلبہ کے بعد تو وہ مومنین کو خوش نہیں کرتے۔

۳ یہاں فسق سے مراد عہد شکنی ہے۔ بعض مشرکین اپنے عہد و پیمان کی پاسداری کرتے تھے اور عہد شکنی کو عار سمجھتے تھے۔ اس لئے فسق کو اکثر مشرکین کے ساتھ مختص کیا تمام کی طرف فسق کی نسبت نہیں فرمائی۔

اِشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۹

"انہوں نے بیچ دی اللہ کی آیتیں تھوڑی سی قیمت پر (مزید برآں) روکا انہوں نے (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے بیشک وہ بہت برا تھا جو وہ کیا کرتے تھے ۱۔"

۱۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں انہوں نے اس عہد کو توڑا تھا جو ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان قائم تھا صرف اس کھانے کی وجہ سے جو ابوسفیان نے انہیں کھلایا تھا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابوسفیان نے اپنے حلیفوں کو کھانا کھلایا تھا(1) اور انہوں نے عہد توڑنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو دین محمدی (ﷺ) میں داخل ہونے سے منع کیا تھا فصدوا میں الفاء اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کے عوض دنیا کی لذتوں اور مالی منفعتوں کے حصول نے انہیں دین سے منع کرنے کے جرم تک پہنچایا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اہل طائف نے ان مشرکوں کی اپنے مال و دولت کے ذریعے امداد کی تھی تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے پر قادر ہو جائیں(2)۔

لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰

"نہیں لحاظ کرتے کسی مومن کے حق میں کسی رشتہ داری کا اور نہ کسی وعدہ کا اور یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں ۱۔"

۱۔ یہ آیت کریمہ ما کانوا یعملون کی تفسیر ہے۔ اس میں تکرار نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں پہلا ارشاد تمام منافقین کے لئے

1۔ تفسیر بغوی ص52، جلد3 (التجاریہ)

2۔ تفسیر بغوی ص52، جلد3 (التجاریہ)

ہے اور یہ ارشاد الذین اشتروا یہود اور ان بدوؤں کے ساتھ خاص ہے۔ جنہیں ابوسفیان نے جمع کیا تھا اور کھانا کھلایا تھا۔

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

"پس اگر یہ توبہ کر لیں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں دین میں اور ہم کھول کر بیان کرتے ہیں (اپنی) آیتیں اس قوم کے لئے جو علم رکھتی ہے [1]"

[1] یہ آیت کریمہ معاہدین اور تائبین کے واضح احکامات میں غور و فکر کرنے کے لئے جملہ معترضہ کے طور پر ذکر کی گئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس آیت کریمہ نے اہل قبلہ کے خون بہانے کو حرام کر دیا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمہیں نماز اور زکوٰۃ کا اکٹھا حکم دیا گیا ہے پس جس نے زکوٰۃ نہ دی اس کی نماز بھی قبول نہیں ہے(1)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو بعض عربوں نے زکوٰۃ کا انکار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ ان لوگوں سے کیسے لڑیں گے جبکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے لڑوں گا یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیں۔ پس جو کلمہ طیبہ پڑھ لے گا وہ مجھ سے اپنے مال اور اپنی جان کو محفوظ کرلے گا مگر اسلام کے حق کی وجہ سے (ان کا مؤاخذہ ہوگا) اور اس کا حساب اللہ پر ہے (یعنی دل کے معاملات اس کے سپرد ہیں)۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم بخدا میں اس شخص سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، اگر یہ مجھے ایک بکری کا بچہ دینے سے بھی انکار کریں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا جو بچہ وہ رسول ﷺ کے عہد ہمایوں میں ادا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم بخدا اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کا سینہ کھول دیا ہے۔ اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہی حق ہے(2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ہماری نماز جیسی نماز پڑھی، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا اور ہمارے ذبیحہ کو کھایا وہ مسلمان ہے جس کا ذمہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے لیا ہے۔ اس حدیث کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(3)۔ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ کی گواہی دیں، نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، جب وہ ایسا کریں گے تو مجھ سے ان کے خون، مال محفوظ ہو جائیں گے مگر اسلامی حق کی وجہ سے (ان سے مؤاخذہ ہوگا) اور قلبی عقائد کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے وحسابھم علی اللّٰہ کے الفاظ ذکر نہیں کئے(4)۔

وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝

"اور اگر یہ لوگ توڑ دیں اپنی قسمیں اپنے معاہدہ کے بعد اور طعن کریں تمہارے دین پر [1] تو جنگ کرو کفر کے پیشواؤں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 53 (التجاریہ)
2۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 268 (الفکر)
3۔ صحیح بخاری ص 153، جلد 1 (دار ابن کثیر، بیروت)
4۔ صحیح بخاری ص 17، جلد 1 (دار ابن کثیر بیروت)

سے ۲ بیشک ان لوگوں کی کوئی قسمیں نہیں ہیں ۳ (ایسوں سے جنگ کرو) تاکہ یہ لوگ عہد شکنی سے باز آجائیں ۴ ''

۱ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ جب کوئی دین اسلام کے احکام پر زبان طعن دراز کرے تو اس کا عہد باقی نہیں رہے گا۔ میں کہتا ہوں یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ عہد کا توڑنا اور دین میں طعن کرنا یہ دونوں چیزیں شرط ہیں کسی ایک پر حکم مرتب نہ ہوگا۔

۲ کوفیوں اور ابن عامر نے ہر جگہ دونوں ہمزوں کو ثابت کر کے آئمہ پڑھا ہے۔ ہشام سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کیا ہے اور باقی قراء نے ہمزہ اور یا کے کسرہ کو بغیر مد کے اختلاس کے ساتھ پڑھا ہے، ضمیر کی جگہ ائمة الکفر کو رکھا گیا ہے اس بات کا شعور دلانے کے لئے کہ یہ کفر کی وجہ سے صاحب ریاست بنے ہوئے ہیں اور کفر میں تقدم قتل کا مستحق ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں ائمة الکفر سے مراد مشرکین کے سردار اور ان کے سرغنے ہیں جو اہل مکہ تھے اور خصوصیت کے ساتھ انکا ذکر یا تو اس وجہ سے ہے کہ ان کا قتل کرنا زیادہ ہے اور یہ قتل کے ہی مستحق ہیں یا ان کو مہلت دینے سے منع کرنے کی وجہ سے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ ابی سفیان بن حرب، حارث بن ہشام، سہیل بن عمر، عکرمہ بن ابی جہل اور دوسرے تمام پیشواؤں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے اس دن عہد شکنی کی تھی اور انہوں نے اہل مکہ کو اپنے شہر سے نکالنے کا ارادہ کیا تھا(1)۔

۳ ایمان جمع ہے یمین کی۔ یعنی ان کے عہد کو توڑنے کے بعد تم پر ان کے عہد کا ایفاء لازم نہیں ہے۔ قطرب نے لکھا ہے کہ ان کے لئے عہد کی وفا نہیں ہے اور انہوں نے لا ایمان لھم یعنی ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ نہ ان کی تصدیق ہے اور نہ ان کا دین ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ امان سے مشتق ہے، یعنی تم ان کو امن نہ دو بلکہ جہاں ان پر قابو پاؤ انہیں وہاں ہی قتل کر دو۔

۴ یہ فقاتلوا کے متعلق ہے اور انھم لا ایمان لھم جملہ معترضہ ہے، یعنی ان سے جنگ کی غرض وغایت یہ ہونی چاہئے کہ وہ شرک و معاصی سے باز آجائیں صرف اور صرف مقصود اذیت رسانی اور خون آشامی نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی مال و ملک کا حصول مقصود ہونا چاہئے جیسا کہ بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے۔

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوٓا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾

'' کیا نہیں جنگ کرو گے تم اس قوم کے ساتھ جنہوں نے توڑ ڈالا اپنی قسموں کو اور ارادہ کیا انہوں نے رسول کو نکال دینے کا اور انہوں نے آغاز کیا تھا تم پر (زیادتی کا) پہلی مرتبہ کیا تم ڈرتے ہو ان سے (سنو) اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ ہم اس سے ڈرو اگر ہو تم (سچے) ایماندار ۱ ''

۱ یہ آیت کریمہ یہود، منافقین اور کفار مدینہ کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے اس وقت عہد کو توڑا تھا جب حضور ﷺ غزوۂ تبوک کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ تو انہوں نے آپ ﷺ کو مدینہ طیبہ سے نکالنے کا ارادہ کیا تھا (اللہ ان پر لعنت کرے) انہوں نے کہا تھا کہ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ (عزت والا ذلت والے کو مدینہ سے نکال دے گا)۔ انہوں نے زیادتی کی ابتداء کی تھی اور مشرکین سے تعاون کیا تھا، جبکہ آپ ﷺ نے ان سے کوئی جنگ نہیں کی تھی۔ یہ شان نزول کا قول راجح ہے کیونکہ یہ سورت غزوۂ

1۔ تفسیر خازن، جلد 3 صفحہ 53 (التجاریہ)

تبوک کے بعد نازل ہوئی تھی اور اہل مکہ اس سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس قول کی تائید وھموا باخراج الرسول کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے رسول مکرم ﷺ کو شہر سے جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہیں ہوئے تھے جبکہ اہل مکہ نے (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تھا اور انہوں نے آپ ﷺ کو نکالنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ کو نکال بھی دیا تھا جیسا کہ ارشاد ہے وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ الذین نکثوا ایمانھم سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے معاہدہ کو توڑا تھا اور خزاعہ قبیلہ کے خلاف بنی بکر کی معاونت کی تھی اور دار الندوہ میں جمع ہو کر یہ سازش کی تھی کہ آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیں اور قتال کا آغاز بھی انہوں نے کیا تھا کیونکہ آپ ﷺ نے اپنے مشن کی ترقی کے لئے ان کو دعوت دی تھی اور اپنے حق ہونے پر اور ان کے نظریات کے باطل ہونے پر کتاب مبین کے ذریعے حجت قائم فرمائی اور کتاب کے وحی الٰہی ہونے پر دلیل اس کا مقابل لانے پر چیلنج تھا۔ جب ان سب چیزوں کا وہ علمی جواب نہ دے سکے تو دشمنی اور جنگ پر اتر آئے۔ دار الندوہ میں جمع ہو کر آپ ﷺ کے چراغ زیست کو بجھانے کا منصوبہ تیار کیا یا یہ کہ بدر کے دن قافلہ کی سلامتی کے بعد ابوجہل نے کہا تھا کہ ہم اس وقت تک واپس نہ جائیں گے جب تک کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کا قلع قمع نہ کر دیں یا انہوں نے اس وقت زیادتی کا آغاز کیا تھا کہ انہوں نے حضور ﷺ کے حلیف قبیلہ خزاعہ سے جنگ کی تھی۔ یہ تاویل صرف اس صورت متصور ہو سکتی ہے جبکہ ان آیات کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہو، اس صورت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی درست ثابت ہو جائے گا کہ وان نکثوا ایمانھم وطعنوا فی دینکم۔ ابوسفیان وغیرہ کے حق میں نازل ہوئی تھی(1) اور الا الذین عاھدتم عند المسجد الحرام الخ سے مراد قریش ہیں اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انتظار کرنے کا حکم دیا تھا کہ اگر یہ اپنے عہد پر قائم رہیں تو تم بھی قائم رہو لیکن وہ اس پر قائم نہ رہے، فرمایا کیا تم ڈرتے ہو کہ ان سے جنگ کریں گے تو ان کی طرف سے کوئی ناگوار صورت پیش آ جائے گی اتخشونھم سے پہلے ہمزہ استفہاری انکاری ہے، یعنی ایسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ تم ان دشمنوں سے لڑنے کے حکم کو چھوڑنے پر اللہ سے ڈرو۔ فاللہ سے پہلے فاء سببیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ حقدار ہونا غیر سے ڈرنے پر انکار کا سبب ہے۔ ان کنتم مومنین شرط ہے اور ماقبل کلام کی دلالت کی وجہ سے جزا کو ذکر نہیں کیا گیا۔ یعنی اگر تم ایماندار ہو تو صرف اللہ سے ڈرو کیونکہ ایمان کا مقتضیٰ اللہ سے ڈرنا ہے کیونکہ جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جواہر، اعراض اور افعال عباد سب چیزوں کا خالق اللہ ہے اور صرف اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے بغیر کوئی نفع ونقصان پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتا تو ایسا عقیدہ محکم رکھنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گا۔

پہلے قتال کے ترک پر توبیخ فرمائی پھر قتال کا حکم دوبارہ دیا فرمایا:۔

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾

"جنگ کرو ان سے، عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے اور رسوا کرے گا انہیں اور مدد کرے گا تمہاری ان کے مقابلہ میں اور (یوں) صحت مند کر دے گا اس جماعت کے سینوں کو جو اہل ایمان ہے۔"

۱۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے کفار کو عذاب دے گا اور ان کو ذلیل ورسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری پشت پناہی فرمائے گا، یہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 54-53 (التجاریہ)

اس کا تمہارے ساتھ وعدہ ہے۔

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾

''اور (یوں) دور فرمادے گا غصہ ان کے دلوں کا اور اپنی رحمت سے توجہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔ ١''

١ قریش نے جو بنی بکر کی مدد کی تھی اور اس تعاون سے تمہارے دلوں میں جو غیظ و غضب کی آگ تھی اسے اللہ تعالیٰ بجھادے گا۔ ابوالشیخ قتادہ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ خزاعہ قبیلہ کے حق میں نازل ہوئی جو مکہ میں بنی بکر سے لڑ رہے تھے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ یہ خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ویشف صدور قوم مومنین سے مراد قبیلہ خزاعہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کا تھا۔ یعنی بنی بکر کی ایذا اور سازشوں سے ان کے سینوں کو راحت و آرام عطا فرمائے گا۔ اس آیت کریمہ میں معجزات ہیں(1)۔ (کیونکہ جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا تھا) اور یتوب اللہ علی من یشاء میں یہ خبر دی جارہی ہے کہ بعض ان میں سے کفر سے توبہ کریں گے یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ واقعی بعض اسلام کے دشمنوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی تھی مثلاً ابوسفیان، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو وغیرہ۔ واللہ علیم یعنی اللہ تعالیٰ ما کان وما یکون کو جاننے والا ہے، حکیم اور وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو حکمت سے خالی ہو۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا ہتھیار اٹھادو مگر خزاعہ کو بنی بکر سے عصر تک لڑنے کی اجازت ہے۔(2)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

''کیا تم یہ خیال کررہے ہو کہ تمہیں (یونہی) چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ ابھی تک پہچان نہیں کرائی اللہ نے ان کی جو جہاد کریں گے تم میں سے ١ اور جنہوں نے نہیں بنایا بغیر اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے کسی کو اپنا محرم راز ٢ اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے جو تم کرتے ہو ٣''

١ جب بعض مومنین نے جنگ کو ناپسند کیا تو ان کو یہ خطاب فرمایا بعض علماء فرماتے ہیں یہ خطاب منافقین کو ہے اور ام منقطعہ بمعنی بل ہے اور استفہام حسبان (گمان کرنے) پر توبیخ کے لئے ہے، یعنی کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تمہیں جہاد کا حکم نہیں دیا جائے گا اور تمہاری آزمائش نہ ہوگی تاکہ سچے اور جھوٹے کی تمیز ہوجائے۔ یعنی ابھی تک تم میں سے جو فی سبیل اللہ جہاد کرنے والا ہے ان کا ثبوت ہی نہیں ہوا یہاں نفی علم کی ہے لیکن مبالغہ کے لئے معلوم کی نفی کی گئی ہے۔ گویا یہ دلیل کی مانند ہے کہ اس کے ساتھ علم کا تعلق اس چیز کے وقوع کو مستلزم ہے یا لازم کے ذکر سے ملزوم کا ارادہ کیا گیا ہے کیونکہ کسی شی کا وقوع علم الٰہی سے متخلف نہیں ہوسکتا۔ (یعنی جس چیز کا وقوع ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہوگا)۔

٢ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا کا عطف جاھدوا پر ہے، یعنی وَلَمْ يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ لَمْ يَتَّخِذُوْا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی پہچان کرائی ہی نہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے سوا کسی کو اپنا محرم راز بنایا ہی نہیں۔ جس سے وہ محبت کرتے ہوں اور اپنے راز اس پر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 1 صفحہ 54 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 1 صفحہ 54 (التجاریہ)

افشاء کرتے ہوں۔ لما کا لفظ ذکر فرما کر اشارہ فرمادیا کہ امت محمد ﷺ میں مخلص جانثاروں اور جانبازوں کا وجود متوقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا رہے گا جو اللہ کے امر کو قائم رکھنے والا ہوگا اور ملامت کرنے والوں اور مخالفت کرنے والوں کی مخالفت انہیں کچھ نقصان نہیں دے گی حتیٰ کہ امر الٰہی (قیامت) پہنچ جائے گی اور وہ احکام الٰہیہ پر مضبوطی سے کاربند ہوں گے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (1)۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کی ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن عمر سے روایت کی ہے اور حدیث کو صحیح بھی لکھا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ ہمیشہ میری امت کا ایک گروہ حق کو ظاہر کرنے والا ہوگا (یعنی حق پر عمل پیرا رہے گا) حتیٰ کہ قیامت قائم ہوجائے گی (2)۔

ولما یعلم اللہ سے جو شبہ پیدا ہوتا تھا (کہ اللہ نے ابھی جانا ہی نہیں) اس کا اس جملہ سے ازالہ فرمادیا کہ جو تم کرتے ہو وہ اس سے خوب باخبر ہے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ بدر کے روز اسیر ہوگئے تو مسلمانوں نے انہیں کفر اور قطع تعلقی پر عار دلائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سخت کلامی کی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم ہماری برائیاں تو یاد کرتے ہو لیکن ہماری نیکیاں یاد کیوں نہیں کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم میں کوئی نیکیاں بھی ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں، ہم مسجد حرام کی تعمیر کرتے ہیں، کعبہ کی دربانی کرتے ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کے رد پر اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل ارشاد نازل فرمایا (3)۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

”نہیں ہے روا مشرکوں کے لئے کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو جبکہ حالانکہ وہ خود گواہی دے رہے ہیں اپنے نفسوں پر کفر کی یہ وہ (بدنصیب) ہیں ضائع ہوگئے جن کے تمام اعمال اور (دوزخ کی) آگ میں ہی یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“

ابن جریر اور ابوالشیخ نے ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے علی بن ابی طلحہ سے اور انہوں نے ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اگر تم اسلام، ہجرت اور جہاد میں ہم سے سبقت لے گئے ہو تو ہم بھی مسجد حرام کی تعمیر کرتے ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں قیدیوں کو چھڑاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ مشرکین کے لئے درست نہیں ہے کہ وہ کسی مسجد کو تعمیر کریں (4) چہ جائیکہ کہ مسجد حرام تعمیر کریں، پس مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ خود مساجد کی تعمیر کریں کیونکہ مساجد تو صرف اللہ وحدہ کی عبادت کے لئے تعمیر کی جاتی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کا منکر ہے اس کو تعمیر مسجد کا کام سونپنا درست نہیں ہے۔ علماء کے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ تعمیر مسجد سے مراد معروف تعمیر ہے، یعنی مسجد کی عمارت تعمیر کرنا اور اس کے گرنے کی صورت میں اس کو مرمت کرنا، پس کافر کو اس سے بھی منع کیا جائے گا، اگر وہ مرتے وقت وصیت کرے کہ میرے مال سے

1۔ صحیح بخاری، جلد 3 صفحہ 1331 (ابن کثیر) — 2۔ مستدرک حاکم، جلد 4 صفحہ 449 (النصر)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 55 (التجاریہ) — 4۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 67 (الامیریہ)

مسجد تعمیر کر دینا تو اس وصیت کو نافذ نہیں کیا جائے گا۔ بعض علماء کا نظریہ ہے کہ تعمیر مسجد سے مراد مسجد میں داخل ہونا اور اس میں بیٹھنا ہے۔ امام احمد، ترمذی، ابن حبان اور الحاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی شخص کو مسجد کو آباد کرنے والا دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ کی مساجد کو صرف وہ تعمیر کرتا ہے جو اللہ پر ایمان لایا ہو(1)۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مشرکوں کو مسجد حرام کی تعمیر کی اجازت نہیں ہے۔ ابن کثیر، ابوعمرو اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے مسجد الله یعنی مفرد (مسجد) پڑھا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو ایسی مسجد بنائے گا جس میں اللہ کا ذکر کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔ اور اگر مسجد مفرد کا صیغہ ہوگا تو مراد جنس ہوگا۔ بعض علماء فرماتے ہیں مسجد الحرام مراد ہے کیونکہ دوسرے مقامات پر اس کی وضاحت ہے مثلاً عمارة المسجد الحرام، فلا یقربوا المسجد الحرام جمع کے صیغہ سے مراد بھی مسجد حرام ہی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مسجد حرام کو جمع کے صیغہ سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مسجد حرام تمام مساجد کا قبلہ ہے اس کی عمارت تمام مساجد کی عمارت ہے۔ فراء فرماتے ہیں عرب واحد کی جگہ جمع اور جمع کی جگہ واحد کا صیغہ استعمال کرتے رہتے ہیں جیسا کہ آپ پڑھتے رہتے ہیں کہ جو شخص عجمی گھوڑے پر سوار ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے اخذت فی رکوب البراذین۔ یہاں برذون کی جگہ جمع براذین استعمال کیا۔ اسی طرح کہا جاتا ہے فلان کثیر الدرھم و الدینار تو مراد کثیر الدراھم و الدنانیر ہے۔

ع وہ شرک اور تکذیب رسول اللہ ﷺ کی دلیل خود ہے ہیں یہ یعمروا کے ضمیر سے حال ہے۔ معنی یہ ہے کہ ان کے لئے درست نہیں ہے کہ وہ دو متخالف و متضاد امور کو جمع کریں یعنی بیت اللہ کی تعمیر بھی کریں اور غیر اللہ کی پوجا بھی کریں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہوں نے یہ تو نہیں کہا کہ ہم کافر ہیں لیکن ان کی کلام ان کے کفر کی دلیل ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ ان کی اپنے نفسوں پر کفر کی شہادت یہ تھی کہ وہ بتوں کو سجدہ کرتے تھے۔ کفار قریش نے بیت اللہ کی دیواروں کے ساتھ اور بیت حرام کے باہر بت نصب کر رکھے تھے جب وہ ننگے بدن بیت اللہ شریف کا طواف کرتے تھے طواف کا چکر لگاتے وقت بتوں کو سجدہ کرتے تھے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ان کی اپنے نفسوں کے خلاف شہادت کا مطلب یہ ہے کہ نصرانی سے پوچھا جاتا کہ تو کون ہے تو وہ کہتا میں نصرانی ہوں، یہودی سے یہی سوال کیا جاتا تو وہ کہتا میں یہودی ہوں۔

ع یہ اعمال جن پر یہ فخر کرتے ہیں اور جنہیں یہ اپنے محاسن شمار کرتے ہیں مثلاً مسجد تعمیر کرنا، حاجیوں کو پانی پلانا اور قیدیوں کو چھڑوانا وغیرہ سب رائیگاں جائیں گے کیونکہ یہ اللہ کی رضا کے لئے نہیں کئے گئے تھے۔

ع معاصی اور نیکیوں کے ضائع ہونے کی وجہ سے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾

"صرف وہی آباد کر سکتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور روز قیامت پر اور قائم کیا نماز کو اور ادا کیا زکوٰۃ کو اور نہ ڈرتا ہو اللہ کے سوا کسی سے لے پس امید ہے کہ یہ لوگ ہو جائیں ہدایت پانے والوں سے ع"

1۔ جامع ترمذی، جلد 5 صفحہ 258 (العلمیہ)

1۔ دین کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا خوف اس کے دل میں نہ ہو اور کسی کے خوف سے رضاء الٰہی کو ترک نہ کرے۔ خوفناک چیزوں سے ڈرنا فطری امر ہے کیونکہ اور ہر عقل مند ایسی چیزوں سے ڈر جاتا ہے۔ اس لئے یہاں نہ ڈرنے سے مراد دین کے معاملہ میں کسی سے نہ ڈرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسجد کی عمارت کو مومنین کے ساتھ خاص فرمایا ہے کیونکہ یہی لوگ علمی اور عملی کمالات کے جامع ہوتے ہیں یہاں ایمان بالرسول کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ ایمان باللہ رسول کریم ﷺ پر ایمان لائے بغیر اور آپ کی تعلیمات و فیضان کے بغیر متصور ہی نہیں ہوسکتا۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کیا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ کی گواہی دینا ایمان ہے، یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وفد عبدالقیس کے قصہ میں صحیحین میں موجود ہے(1)۔ تعمیر مسجد سے مراد مسجد میں ہمیشہ عبادت کرنا، اس میں ذکر الٰہی میں مشغول رہنا اور اس میں علم دین اور تعلیم قرآن کا سلسلہ جاری رکھنا ہے۔ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی شخص کو ہمیشہ مسجد میں آتے جاتے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انما یعمر مساجد اللّٰہ من آمن باللّٰہ والیوم الاخر۔ اس حدیث کو ترمذی، ابن ماجہ، دارمی اور بغوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے(2)۔ حضرت ابوہریرہ نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں جب کوئی مسجد کی طرف صبح وشام جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر مرتبہ مسجد میں آنے پر جنت میں ایک مکان تیار فرماتا ہے (متفق علیہ)(3)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سات افراد کو اللہ تعالیٰ اس دن (قیامت) سایہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا ان افراد میں آپ ﷺ نے اس شخص کا بھی ذکر فرمایا جو مسجد سے نکلتا ہے تو اس کا دل مسجد سے معلق رہتا ہے حتیٰ کہ وہ مسجد میں لوٹ آتا ہے(4) (متفق علیہ)۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو اپنے گھر میں وضو کرتا ہے اور بہت اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر مسجد میں آتا ہے تو وہ اللہ کا زیارت کرنے والا ہوتا ہے اور جس کی زیارت کی جاتی ہے اس پر حق ہوتا ہے کہ وہ زائرین کو عزت عطا فرمائے۔ اس حدیث کو طبرانی، عبدالرزاق اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی تفسیر میں اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں ذکر کیا ہے(5) حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں اصحاب رسول ﷺ فرماتے تھے کہ زمین میں اللہ کے گھر مساجد ہیں اور اللہ کا حق ہے کہ وہ ان میں اپنے زائرین کو عزت عطا فرمائے۔ اس کو بھی بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں عبدالرزاق اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے(6)۔

مسجد کی تعمیر میں مسجد کی عمارت اس کی زیب و زینت اس میں روشنی کا انتظام اور ہر ایسی چیز سے اس کی حفاظت کرنا شامل ہے جو مسجد کی شان کے لائق نہیں ہے جیسا کہ مسجد میں دنیوی باتیں کرنا، بیع وشراء وغیرہ۔ محمود بن لبید سے مروی ہے کہ عثمان بن عفان رضی

1۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 29 (ابن کثیر)، صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 33 (قدیمی)
2۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 140 (سعید)، تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 56 (التجاریۃ)
3۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 235 (ابن کثیر) 4۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 35-234 (ابن کثیر)
5۔ شعب الایمان، جلد 3 صفحہ 62 (العلمیۃ) 6۔ شعب الایمان، جلد 3 صفحہ 82 (العلمیۃ)

اللہ عنہ نے مسجد تعمیر کرانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اس کو ناپسند کیا اور نئی مسجد نہ بنانے کو پسند کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے گھر بنائے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی کی مانند جنت میں اس کے لئے گھر بنائے گا۔ ایک حدیث میں اس طرح ہے کہ جو رضا الٰہی کو چاہتے ہوئے مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس جیسا جنت میں گھر بنائے گا۔ اس حدیث کو امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور بغوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جس نے اللہ کی رضا کے لئے مسجد بنائی، اگر چہ وہ کونج کے گھونسلے کی مقدار ہو جس میں وہ انڈے دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابی امامہ سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جس نے اللہ کی رضا کے لئے مسجد بنائی اللہ اس کے لئے جنت میں اس سے وسیع گھر بنائے گا(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کسی کو مسجد میں گمشدہ اونٹنی کا اعلان کرتے ہوئے سنے تو اسے یہ کہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اسے تجھ پر واپس نہ کرے کیونکہ مساجد اس کام کے لئے تو نہیں بنائی گئیں۔ اس حدیث کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے گھروں کو مسجد بنانے اور اسے پاک صاف رکھنے کا حکم فرمایا اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے(3)۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں اشعار پڑھنے، خرید و فروخت کرنے اور نماز سے پہلے مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے(4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی کو مسجد میں کوئی چیز بیچتے یا خریدتے دیکھو تو کہو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے اور جب تم دیکھو کہ کوئی گمشدہ چیز کا اعلان کر رہا ہے تو کہو اللہ تجھے (وہ چیز) واپس نہ فرمائے۔ اس حدیث کو ترمذی اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے(5)۔

یعنی اس اطاعت الٰہی کو اپنا شعار بنانے کی وجہ سے وہ ہدایت پانے والے ہیں جو جنت تک پہنچاتی ہے۔ عسیٰ کسی کام کی توقع پر دلالت کرتا ہے۔ اس کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین کے ہدایت پانے کی توقع اور امید بھی نہ رہے اور قطعی طور پر ان کے اعمال کے ضائع ہونے پر دلیل ہو جائے اور ان کو توبیخ ہو جائے کہ تم اپنے آپ کو ہدایت یافتہ کہتے ہو حالانکہ مسلمان جو اطاعت و فرمانبرداری کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ ان کی ابتداء بھی امید اور توقع پر مبنی ہے تو جن کا کردار مسلمانوں کے بالکل برعکس ہے وہ کیسے ہدایت یافتہ ہو سکتے ہیں، دوسرا فائدہ اس صیغہ توقع کا یہ ہے کہ مسلمانوں کو بھی تنبیہ کی جائے کہ اس بارگاہ بے نیاز میں اپنے اعمال پر اتراؤ نہیں اور نہ ان پر بھروسہ کرو (بلکہ اس کی رحمت اور فضل پر نظر رکھو)۔ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی کو وحی فرمائی کہ اپنی امت کے اطاعت شعاروں کو کہہ دو کہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کرو قیامت کے روز مجھے اپنے بندے کے حساب کی کوئی پرواہ نہیں میں چاہوں گا تو عذاب دوں گا، چاہوں گا تو عذاب

1۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 173 (ابن کثیر)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 210 (قدیمی)
3۔ جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 130 (سعید)
4۔ جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 73 (سعید)
5۔ جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 247 (سعید)

نہ دوں گا اور اپنے گنہگار امتیوں سے کہہ دو کہ اپنے آپ کو مایوسی کے گڑھے میں نہ ڈالیں، میں بڑے بڑے گناہوں کو معاف کر دیتا ہوں، مجھے کوئی پرواہ نہیں (واللہ اعلم)۔ مسلم، ابن حبان اور ابوداؤد رحمہم اللہ تعالیٰ نے نعمان بن بشیر سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ منبر رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا کہ ایک صحابی نے کہا میں اسلام لانے کے بعد سوائے حاجیوں کے پانی پلانے کوئی عمل اللہ کے لئے نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں، دوسرے نے کہا بلکہ مسجد حرام کی تعمیر سب سے افضل عمل ہے، تیسرے نے کہا بلکہ تمہارے اعمال کی بنسبت اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو جھڑکا اور فرمایا رسول اللہ ﷺ سے منبر کے پاس اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو۔ یہ جمعہ کا دن ہے میں نماز جمعہ ادا کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر تمہارے اختلاف کے متعلق پوچھوں گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ مندرجہ ذیل آیت نازل فرمادی (1)۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٩﴾

"کیا تم نے ٹھہرا لیا ہے حاجیوں کو پانی پلانے (والے) کو اور مسجد حرام کے آباد کرنے (والے) کو اس شخص کی مانند جو ایمان لے آیا اللہ پر اور روز قیامت پر اور جہاد کیا اس نے اللہ کی راہ میں۔ یہ نہیں یکساں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ان لوگوں کو جو ظالم ہیں۔"

فریابی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں علی بن ابی طالب مکہ میں تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے کہا اے عم محترم آپ ہجرت کیوں نہیں کرتے اور آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیوں نہیں مل جاتے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے کہا میں مسجد حرام کی تعمیر کرتا ہوں، بیت اللہ شریف کی دربانی کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرما دی۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابن عباس نے فرمایا جب عباس جنگ بدر میں اسیر ہوئے تو کہنے لگے اگر تم ہم سے اسلام لانے ہجرت اور جہاد کرنے میں سبقت لے گئے ہو تو ہم مسجد حرام کی تعمیر کرتے ہیں اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ شرک کی موجودگی میں مسجد حرام کی تعمیر اور حاجیوں کو پانی پلانا انہیں کچھ مفید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور نبی کریم ﷺ کی معیت میں جہاد کرنا ان کے ان اعمال سے کہیں درجہ بہتر ہیں۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن شعبی اور محمد بن کعب القرظی کا قول نقل کیا ہے۔ اسی طرح ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت علی بن ابی طالب، عباس عبدالمطلب اور طلحہ بن شیبہ کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ اپنے اعمال پر فخر و مباہات کا اظہار کر رہے تھے۔ طلحہ نے کہا میں بیت اللہ شریف کا خادم ہوں اور اس کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہیں، عباس نے کہا میں حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کرتا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں تم کس امر پر فخر کر رہے ہو، جبکہ میں چھ سال سے قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہوں، یعنی تمام لوگوں سے پہلے میں نے اسلام قبول کیا تھا اور میں مجاہد ہوں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (3)۔

سقاية اور عمارة مصدر ہیں۔ اسقی اور عمو کے مصدری معنی کی صورت میں مشبہ میں محذوف نکالنا پڑے گا یا مشبہ بہ میں

1۔ صحیح مسلم جلد 13 صفحہ 23 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی جلد 3 صفحہ 56 (العلمیہ) 3۔ تفسیر بغوی جلد 3 صفحہ 55 (العلمیہ)

محذوف نکالنا ہوگا۔ عبارت اس طرح ہوگی اجعلتم اھل سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام کمن امن یا اس طرح عبارت ہوگی اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ كَاِیْمَانِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَجِهَادِ مَنْ جَاهَدَ ۔ یا یہ دونوں الفاظ اسم فاعل کے معنی میں ہوں گے، یعنی ساقی الحاج و عامر المسجد الحرام۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى یعنی اچھا انجام متقین کے لئے ہے اور عبداللہ بن زبیر کی قرأت اس قول کی تائید کرتی ہے اجعلتم سقاۃ الحاج و عمرۃ المسجد الحرام .... سقاۃ اور عمرہ جمع ہیں ساقی اور عامر کی۔ اور یہاں استفہام انکاری ہے اگر آیت کا نزول مومنین اور مشرکین کے اختلاف کے وقت ہو جیسا کہ ابن عباس اور محمد بن کعب القرظی وغیرہ کا قول بھی اس پر دلالت کر رہا ہے تو اس صورت میں مشرکین اور ان کے ضائع ہونے والے اعمال کو مومنین اور ان کے اعمال ثابتہ کے ساتھ تشبیہ ہوگی اور اگر اختلاف مومنین کے وقت نازل ہوئی ہو جیسا کہ مسلم نے نعمان بن بشیر سے روایت کیا ہے تو عمارۃ المسجد سے مراد اس کی تعمیر ہوگی اس میں دائمی ذکر اور صلاۃ مراد نہیں ہوگی کیونکہ دائمی ذکر جہاد سے افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے اللہ کے عذاب سے اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی چیز زیادہ بچانے والی نہیں ہے (1) اس حدیث کو امام مالک، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے الدعوات الکبیر میں عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے اور یہ الفاظ زائد ہیں کہ صحابہ کرام نے پوچھا حضور! اللہ کے راستہ میں جہاد بھی ذکر الٰہی سے افضل نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں جہاد بھی افضل نہیں ہے مگر یہ کہ لڑتے لڑتے تلوار ٹوٹ جائے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تمہیں سب سے بہتر اور تمہارے مالک کی بارگاہ میں سب سے پاکیزہ اور تمہارے درجات کو بلند کرنے والا، سونے چاندی کے صدقہ کرنے سے بہتر اور تمہارے دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے اور تمہارا ان کی گردنیں مارنے اور ان کا تمہاری گردنیں کاٹنے سے بھی بہتر عمل نہ بتادوں۔ صحابہ نے عرض کی حضور ﷺ ! ضرور بتایئے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کا ذکر (ان سب کاموں سے بہتر ہے) (2) اس حدیث کو امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابودرداء سے روایت کیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابودرداء سے موقوف روایت کی ہے۔ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے افضل اور سب سے بلند درجہ بندے کون سے ہوں گے فرمایا کثرت سے ذکر الٰہی کرنے والے مرد اور عورتیں۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ کیا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والے شخص سے بھی یہ افضل ہوں گے؟ فرمایا! اگر وہ اپنی تلوار سے کفار کے ساتھ جہاد کرے حتیٰ کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے یا خون آلود ہو جائے پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والا اس سے بلند درجہ ہوگا (3)۔ اس حدیث کو امام احمد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے۔

یہ ارشاد مشرک اور مومن کے درمیان مشابہت نہ ہونے پر مزید تاکید ہے اور یہ قول ان علماء کی تائید کرتا ہے جو فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے مراد مومنین کے افعال ایمان اور جہاد اور مشرکین کے افعال حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد کی تعمیر کے درمیان عدم استواء مراد ہے، معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کی موجودگی میں ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا تو پھر یہ ان لوگوں کے مساوی کیسے ہو سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے شاہراہ ہدایت دکھائی اور حق وصواب کے راستہ پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ بعض علماء فرماتے ہیں الظالمین سے

1۔ جامع ترمذی، جلد 5 صفحہ 429 (العلمیہ)
2۔ جامع ترمذی، جلد 5-29-5428 (العلمیہ)
3۔ جامع ترمذی، جلد 5 صفحہ 428 (العلمیہ)

مراد وہ ہیں جو مشرکوں اور مومنین کے درمیان برابری کا قول کرتے ہیں۔

زم زم سے پانی پلانے کا واقعہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک تالاب پر تشریف لائے اور پانی طلب فرمایا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے فضل کو کہا اپنی ماں کے پاس جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کے لئے ان سے پانی لے آؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اسی سے پلا دیجئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ لوگ اس میں ہاتھ ڈالتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اسی پانی سے پلا دو آپ ﷺ نے اس سے پانی پیا پھر زم زم کے پاس آئے تو لوگ اس سے پانی نکال رہے تھے، اس میں کام کر رہے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ کام کرتے رہو تم یہ نیک کام کر رہے ہو۔ پھر فرمایا اگر تم پر بھیڑ ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں بھی اس پر رسی رکھتا (آپ نے اپنے کندھے کی طرف اشارہ کیا)(1) مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بکر بن عبداللہ المزنی سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کعبہ کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور کہا کیا وجہ ہے کہ تمہارے چچا کے بیٹے تو شہد اور دودھ پلاتے ہیں اور تم نبیذ پلاتے ہو تم محتاج ہو یا بخیل ہو ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا الحمد للہ ہم نہ محتاج ہیں اور نہ بخیل ہیں۔ نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر تشریف لائے اور آپ ﷺ کے پیچھے اسامہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ اچھا کر رہے ہو، ایسا کرتے رہو پھر جس کام کا رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہوتا ہم اس کو بدلنے کا ارادہ نہیں کرتے تھے۔(2)

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝

”اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بہت بڑا ہے (ان کا) درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور یہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔“[1]

[1] ان اعلیٰ صفات سے مزین لوگ ان سے ہزار درجہ افضل ہیں جو تعمیر مسجد اور حاجیوں کی خدمت پر اتراتے ہیں اور یہ کاملین امت تو ان مومنین سے بھی بہتر ہیں جن میں یہ تمام صفات نہیں پائی جاتیں اور خدا کا کلام ان خوش نصیبوں کی کامیابی و کامرانی کی خود گواہی دے رہا ہے کہ یہ لوگ دوزخ کے شعلوں سے نجات پانے والے ہیں اور جنت کے بلند اور رفیع درجات پر فائز ہونے والے ہیں۔ مشرکین کو یہ مرتبہ نہیں مل سکتا اگرچہ وہ حاجیوں کو پانی پلانے والے اور مسجد کی تعمیر کرنے والے بھی ہوں۔

یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝

”خوشخبری دیتا ہے انہیں ان کا رب اپنی رحمت اور اپنی خوشنودی کی اور (ایسے) باغات کی کہ ان کے لئے ان میں دائمی نعمت ہوگی۔ ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ اس میں تا ابد بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی اجر عظیم ہے۔“[1]

1۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 589 (ابن کثیر)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 423 (قدیمی)

ل یبشرھم کو حمزہ نے تخفیف کے ساتھ باب افعال سے اور باقی قراء نے باب تفعل سے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ فیھا کی ضمیر کا مرجع الجنات ہے۔ نعیم مقیم سے مراد دائمی اور ابدی نعمتیں ہیں ان خوش نصیبوں کو جن نعمتوں کی خوشخبری دی گئی ہے اس کو نکرہ ذکر کر کے یہ شعور دلاتا ہے کہ وہ نعمتیں اور جنتیں تعیین اور تعریف سے وراء ہیں۔ خلود کے ساتھ ابدا کی تاکید اس لئے لگائی کیونکہ خلود دوام کے علاوہ زیادہ مدت ٹھہرنے کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ ان نعمتوں کے مقابلہ میں ان کے اعمال بہت کم درجہ ہیں یا دنیا کی نعمتیں ان آخروی نعمتوں کے مقابلہ میں کم مرتبہ ہیں اس لئے انہیں اجر عظیم کے الفاظ سے تعبیر فرمایا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۳

"اے ایمان والو! نہ بنالو اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دلی دوست اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان پر اور جو دوست بناتا ہے انہیں تم میں سے تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔ل"

ل علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا تعلق ماقبل آیت سے کیا ہے اور یہ بھی حضرت عباس اور طلحہ رضی اللہ عنہما کے ہجرت نہ کرنے پر نازل ہوئی۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابی صالح کے واسطہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب لوگوں کو نبی کریم ﷺ نے ہجرت کا حکم فرمایا تو کچھ لوگوں کے ساتھ ان کے اہل وعیال چمٹ گئے اور خدا کا واسطہ دینے لگے کہ ہمیں چھوڑ کر نہ جاؤ۔ تو اہل کی فریاد اور بچوں کے بلکنے سے ان کے دل پسیج گئے اور انہوں نے ہجرت کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ان نو افراد کے حق میں نازل ہوئی جو اسلام کے چشمہ شیریں کو چھوڑ کر کفر کے گندے جوہڑ میں دوبارہ جا گرے تھے اور مکہ میں چلے گئے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ان سے دوستی کرنے سے منع فرما دیا۔ یعنی یہ آیت نازل فرمائی کہ ان کو جگری دوست نہ بناؤ اور ان پر اپنے راز افشاء نہ کرو اور ان کے ساتھ رہنے کو ہجرت پر ترجیح نہ دو اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیتے ہیں (1)۔ ثعلبی نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ آخر میں فرمایا جو مسلمانوں کے خفیہ رازوں پر کفار کو مطلع کرے گا اور ہجرت پر ان کی سنگت ومعیت کو ترجیح دے گا وہ ظالم ہے کیونکہ اس نے دوستی کو اپنے مقام پر نہیں رکھا مسلمانوں کی دوستی کا محل صرف اور صرف مسلمان ہی ہیں۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو ان مسلمانوں نے کہا جنہوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی تھی کہ اگر ہم ہجرت کریں گے تو ہمارے مال ضائع ہو جائیں گے ہماری تجارت خسارے میں چلی جائے گی، ہمارے شاد و آباد گھر کھنڈر بن جائیں گے اور ہمارے رشتے اور تعلق سب منقطع ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 58 (التجاریۃ)

يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾

"(اے حبیب) آپ فرمائیے اگر ہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ کاروبار اندیشہ کرتے ہو جس کے مندے کا اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو زیادہ پیارے ہیں تمہیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو نافرمان ہے۔[1]"

[1] اس آیت کریمہ میں عشیرتکم کو ابو بکر نے عاصم سے روایت کر کے عشیراتکم یعنی الف کے اضافہ سے جمع کا صیغہ پڑھا ہے باقی قراء نے عشیرتکم بغیر الف کے پڑھا ہے، اس کا معنی اقرباء ہے اور یہ عشرۃ سے ماخوذ ہے۔ اقترفتموھا کا معنی اکتسبتموھا ہے یعنی جو مال تم نے کمائے۔ تخشون کسادھا یعنی جس تجارت کے مندے اور خسارے کا خدشہ ہے۔ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ شرط کی جزاء اور وعید ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بامرہ سے مراد بقضائہ ہے، یعنی فوری اور دیر سے ملنے والی سزا کا انتظار کرو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد فتح مکہ ہے۔ فرمایا دنیا کے مال و متاع اور خاندانی مراسم کو رضا الٰہی، محبت الٰہی اور محبت رسول ﷺ پر ترجیح دینے والوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں محبت سے مراد اختیاری محبت ہے۔ یعنی ان دنیوی اشیاء کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی پر ترجیح نہ دے۔ محبت طبعی مراد نہیں ہے کیونکہ اس کا انسان مکلف نہیں ہے اگر بلا اختیار کسی اور سے زیادہ محبت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے (1)۔ میں کہتا ہوں ایمان کا کمال یہ ہے کہ طبیعت شریعت کے تابع ہو اور طبیعت اس چیز کا تقاضا ہی نہ کرے جس کا شریعت نے حکم نہ دیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ کی رضا کے لئے کسی سے محبت کرتا ہے، اللہ کے لئے کسی سے بغض رکھتا ہے، اللہ کے لئے کسی کو عطا کرتا ہے اور اللہ کے لئے روکتا ہے تو اس کا ایمان مکمل ہے، اس حدیث کو ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ابی امامہ سے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے معاذ بن انس سے تقدیم و تاخیر کے ساتھ روایت کیا ہے (2)۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ میں اسے اس کے والد، بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (ا)(3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس میں تین چیزیں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی مٹھاس پائے گا 1۔ دنیا کی ہر چیز سے اسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول محبوب ہو، 2۔ کسی سے محبت کرتا ہے تو فقط اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے، 3۔ کفر سے اللہ تعالیٰ نے اسے نجات عطا فرمائی ہے اب دوبارہ کفر کی طرف لوٹنا اس طرح اسے ناپسند ہو جیسے آگ میں گرنا اسے ناپسند ہے (4)۔ میں کہتا ہوں ایمان کی حلاوت (مٹھاس) پانے سے مراد ایمان کی اس طرح لذت محسوس کرنا ہے جیسے انسان خواہشات طبعیہ سے لذت محسوس کرتا ہے یہ ایمان کا درجہ کمال ہے اور یہ مقام و مرتبہ صرف اور صرف

1۔ تفسیر بیضاوی صفحہ 250 (فراس) — 2۔ جامع ترمذی، جلد 5 صفحہ 16 (العلمیہ)

3۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 14 (ابن کثیر) — 4۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 14 (ابن کثیر)

(ا) عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ جبکہ آپ ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ سوائے اپنی جان کے آپ ﷺ مجھے تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے جان سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔

پاکیزہ نفوس اور ارباب شوق صوفیاء کی معیت وصحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بزرگان دین کے توسل سے ہمیں بھی لذت ایمان سے سرشار فرمائے۔ یہ آیت کریمہ اور مذکورہ بالا احادیث طیبہ ثابت کرتی ہیں کہ مشائخ کی خدمت کے ذریعے تصوف کا اکتساب ضروری ہے، واللہ لا یھدی القوم الفاسقین کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اپنی معرفت کی طرف راہنمائی نہیں فرماتا۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت میں بڑی سختی اور شدت ہے۔ بہت کم نفوس قدسیہ اس معیار پر پورے اترتے ہوں گے۔ میں کہتا ہوں یہ قلیل گروہ صوفیاء کرام کا ہے۔ صاحب مدارک لکھتے ہیں لوگوں میں جو عقائد کی کمزوری اور یقین کی کمی ہے یہ آیت اس کو بیان کر رہی ہے کیونکہ بڑے بڑے متقی و پرہیزگار بھی اپنے باپ، بیٹوں، مالوں اور دنیا کی جاہ وحشمت کو اپنے دین پر ترجیح دے دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت عطا فرمائی ہو وہ اپنے دین کو ہر چیز پر ترجیح دیتا ہے اور بزبان حال یہ کہہ رہا ہوتا ہے:۔

آنکس کہ تراشناخت جاں راچہ کند   فرزند وعیال و خان و مان راچہ کند
دیوانہ کنی ہردو جہانش بخشی   دیوانہ تو ہردو جہا نراچہ کند

ترجمہ:۔ جس نے تیری معرفت حاصل کرلی وہ اپنی جان کو کیا کرے گا، اولاد اور خاندان کو کیا کرے گا
تو نے اسے دیوانہ کرکے دوجہاں بخشے اب تیرا دیوانہ دوجہاں کو کیا کرے گا۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْــٴًـا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۟ۚ (۲۵)

”بیشک مدد فرمائی تمہاری اللہ نے بہت سے جنگی میدانوں میں[1] اور حنین کے روز بھی[2] جبکہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے[3] پس نہ فائدہ دیا تمہیں (اس کثرت نے) کچھ بھی[4] اور تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے[5] پھر تم مڑ سے پیٹھ پھیرتے ہوئے[6]“

[1] اللہ تعالیٰ نے بہت سے جنگی میدانوں میں تمہاری مدد فرمائی مثلاً جنگ بدر، قینقاع، احزاب، نضیر، قریظہ، حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ وغیرہ کے مقامات پر تمہاری کم تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود تمہاری پشت پناہی فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک مہینہ کی مسافت پر دشمن کے دل میں رعب ڈال کر میری تائید کی گئی ہے۔

[2] یوم حنین کا عطف مواطن پر ہے یا معطوف میں مضاف کی تقدیر کے ساتھ یعنی اصل میں مواطن حنین ہے یا معطوف علیہ میں مضاف کی تقدیر کے ساتھ یعنی فی ایام مواطن کثیرۃ۔ یا مواطن سے مراد اوقات ہیں جیسے کہا جاتا ہے مقتل حسین رضی اللہ عنہ یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت۔

[3] جبکہ تمہیں کثرت نے تمہیں گھمنڈ اور عجب میں ڈال دیا تھا مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار یا چودہ ہزار تھی جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا اور کفار کی تعداد چار ہزار تھی۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے لیکن الحافظ ابن حجر وغیرہ فرماتے ہیں کہ کفار کی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں دوگنا یا اس سے بھی زائد تھی۔ اس قول کے مطابق کفار کی تعداد چوبیس ہزار یا اٹھائیس ہزار تھی۔ اذا عجبتکم بدل ہے یوم حنین سے۔ اور فی مواطن پر معطوف ہونا اعجبتکم کو یوم حنین سے بدل بنانے سے مانع نہیں ہے کیونکہ معطوف جس کی طرف مضاف کیا گیا ہے ان

دونوں کا اس میں مشترک ہونا ضروری نہیں ہے تا کہ تمام مواقع پر ان کی کثرت دعجب تسلیم ہو۔ حنین مکہ اور طائف کے درمیان ذی الحجاز کے پڑوس میں طائف کے قریب ایک وادی ہے۔ اس وادی اور مکہ کے درمیان دس میل سے کچھ زائد فاصلہ ہے۔ اس وادی میں رسول اللہ ﷺ نے عرب کے ایک وسیع خاندانوں والے قبیلہ ہوازن سے جنگ لڑی تھی۔ ہوازن کا سلسلہ نسب یہ ہے ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن غیلان بن الیاس بن مضر۔ ثقیف بھی ان کی ایک شاخ تھی۔

واقعۂ غزوۂ حنین

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے چھ رمضان 8ھ کو مکہ فتح کیا تو ہوازن اور ثقیف کے سردار ایک دوسرے سے ملے اور یہ خدشہ ظاہر کیا کہ رسول اللہ ﷺ کہیں ہم پر حملہ نہ کر دیں۔ کہنے لگے اب انہیں ہم پر حملہ کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ خیال یہ ہے کہ ہم پہلے ان پر حملہ کر دیں، اپنا ارادہ پختہ کر لو اور ان کے حملہ سے پہلے تم حملہ کر دو۔ ہوازن قبیلہ کے افراد جمع ہوئے اور ان کی قیادت مالک بن عوف بن سعد بن ربیعہ النضری کر رہا تھا۔ بعد میں یہ مسلمان ہو گیا تھا ہوازن کے ساتھ ثقیف کے تمام لوگ اور نصر وجشم قبائل کے بھی تمام لوگ جمع ہو گئے۔ بنی ہلال میں سے سعد بن بکر کے چند افراد بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے، یہ سوسے بھی کم افراد تھے۔ قیس بن غیلان اور ہوازن میں سے کعب اور کلاب قبیلہ کے لوگ اس جمعیت میں شامل نہ ہوئے۔ ان قبائل کو ابن ابی براء نے حاضر ہونے سے منع کیا تھا اور کہا تھا اگر مشرق و مغرب کے تمام لوگ محمد ﷺ سے دشمنی پر اتر آئیں تو پھر بھی وہ (محمد ﷺ) غالب آئیں گے۔ جشم قبیلہ میں درید بن الصمہ ایک سو ساٹھ سال یا ایک سو بیس سال کا ایک شخص تھا۔ انہوں نے درید سے رائے طلب کی کیونکہ وہ ان کا رئیس اور سردار تھا۔ اس نے کہا نہ مجھے دکھائی دیتا ہے اور نہ میں سواری پر بیٹھ سکتا ہوں لیکن میں تمہارے ساتھ آتا ہوں اور اس شرط پر مشورہ دوں گا کہ تم میری مخالفت نہیں کرو گے اور اگر تم میری مخالفت کرو تو میں باہر ہی نہیں نکلتا۔ مالک بن عوف آیا جس کی عمر تینتیس سال تھی اور وہ لوگوں کا لیڈر تھا اس نے کہا ہم تیری مخالفت نہیں کریں گے۔ جب مالک نے رسول اللہ ﷺ کی طرف حملہ کرنے کی خاطر جانے کا ارادہ کر لیا تو اس نے لوگوں کو اپنے مال مویشی اور عورتوں کے ساتھ نکلنے کا حکم دیا۔ لوگ اسی طرح بیویوں اور بچوں کو لیکر چل پڑے جب اوطاس کے مقام پر پہنچا تو وہاں لشکر کی قیام گاہ بنائی ہر طرف سے امداد آنے لگی۔ درید بن الصمہ بھی پہنچ گیا۔ اس نے کہا یہ بچوں کے رونے، اونٹوں رینگنے، گدھوں کے ہینگنے، بیلوں کے ڈکارنے اور بکریوں کی میں میں مجھے سنائی دے رہی ہے۔ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ مالک لوگوں کو بیٹوں، عورتوں اور مال مویشیوں کے ساتھ لایا ہے۔ درید نے مالک سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا میرا خیال ہے ہر ایک شخص کے ساتھ بیوی اور بچے ہوں گے تو وہ ان کے دفاع کے لئے لڑے گا۔ درید نے کہا یہ بھیڑیں چرانے والا ہے اسے جنگ سے کیا تعلق۔ درید نے ایک ہاتھ بطور تعجب اپنے دوسرے ہاتھ پر مار کر تالی بجائی اور کہا شکست خوردہ کو کوئی چیز واپس نہیں لا سکتی، اگر جنگ تمہارے حق میں ہوتی ہے تو تجھے مرد اپنی تلوار اور اپنے نیزے کے ساتھ نفع دے گا اور اگر تمہارے خلاف ہو گی تو تجھے اپنے اہل وعیال اور مال کے بارے رسوائی ہو گی۔ اپنی عورتوں، بچوں اور اموال کو اپنی قوم کو بالائی اور محفوظ علاقوں میں چھوڑ آؤں۔ پھر قوم کو گھوڑوں کی پیٹھوں پر سوار کر کے اور پیدل چل کر جنگ کرو، اگر تو تمہیں فتح ہوئی تو بقیہ لوگ تم سے مل جائیں گے اور اگر حالات مخالف ہو گئے تو تیرا گھرانہ اور مال تو محفوظ ہو گا۔ مالک نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا تم بوڑھے ہو گئے ہو اور

تمہاری عقل بھی بوڑھی ہوگئی ہے، درید تو اس بات پر بہت غصہ آیا۔ درید نے پوچھا اے معشر ہوازن، کعب اور کلاب نے کیا فیصلہ کیا ہے، لوگوں نے کہا ان میں سے تو کوئی بھی نہیں آیا درید نے کہا طاقت اور شجاعت تو غائب ہے۔ اگر یہ دن فتح اور رفعت کا ہوتا تو وہ کبھی پیچھے نہ رہتے۔ اے ہوازن لوٹ جاؤ اور تم بھی ان جیسا فیصلہ کرو لیکن انہوں نے درید کی بات نہ مانی۔ پھر درید نے پوچھا تم میں سے کون کون حاضر ہوا ہے۔ انہوں نے کہا عمرو بن عامر اور عوف بن عامر۔ درید نے کہا یہ دونوں تو بنی عامر میں سے کمزور ترین لوگ ہیں۔ نہ یہ تمہیں فائدہ دیں گے اور نہ یہ بھاگیں گے۔ مالک نے درید سے کہا اس کے علاوہ کوئی اور صورت بھی ہے۔ جس کا میں قوم کو حکم دوں۔ درید نے کہا ہاں تو ایک خفیہ لشکر بنا دے اگر مسلمان قوم تجھ پر حملہ کرے گی تو یہ پوشیدہ لشکر تیری مدد کو آجائے گا اور پیچھے سے مسلمانوں کے لشکر پر یہ حملہ آور ہو جائیں گے اور تم اور تمہارے ساتھی پھر نئے جوش و جذبہ کے ساتھ حملہ کرو گے۔ اگر تم حملہ کرو گے تو ان مسلمانوں میں سے کوئی نکل نہیں سکے گا۔ پس اس طرح مالک نے گھاٹیوں میں اپنے فوجیوں کو چھپا دیا۔ پھر انہوں نے حملہ کیا تھا جس میں چند صحابہ کرام کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اور شکست سے دوچار ہوئے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو ہوازن کی ان ساری چالبازیوں کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے ان سے جنگ کا ارادہ فرمالیا۔ آپ ﷺ نے عتاب بن اسید کو مکہ کا امیر بنایا۔ جن کی عمر بیس سال تھی اور معاذ بن جبل کو دینی تعلیم دینے کے لئے بحیثیت معلم مقرر فرمایا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حنین کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو فرمایا کل ان شاء اللہ ہماری منزل خیف بنی کنانہ کی وہ جگہ ہوگی جہاں انہوں نے کفر پر ڈٹے رہنے کی قسمیں اٹھائی ہیں۔ آپ ﷺ نے صفوان بن امیہ سے زرہیں اور ہتھیار عاریۃً طلب فرمائے تو اس نے کہا اے محمد آپ مجھ سے غصب کرنا چاہتے ہیں یا عاریۃً لینا چاہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا عاریۃً مضمونۃً۔ صفوان نے آپ ﷺ کو سو زرہیں اور کچھ دوسرے ہتھیار دے دیئے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور ابوداؤد اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے امیہ بن صفوان سے اسی طرح یہ حدیث روایت کی ہے (1)۔ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں آپ ﷺ نے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے عاریۃً تین ہزار نیزے لئے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے نیزوں کو مشرکین کی پیٹھوں میں ٹوٹتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ نبی کریم ﷺ 6 شوال 8ھ کو ہفتہ کے دن بارہ ہزار جانباز مسلمانوں کی معیت میں نکلے ان میں سے دس ہزار مدینہ طیبہ کے اور دو ہزار اہل مکہ میں سے تھے۔ ابوالشیخ نے محمد بن عبید اللہ اللیثی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اہل مدینہ میں دس ہزار افراد تھے۔ چار ہزار انصار میں سے تھے، جہینہ، مزینہ، اسلم، غفار اور اشجع ہر قبیلہ سے ہزار ہزار آدمی تھے اور مہاجرین اور ان کے علاوہ لوگ بھی ہزار کی تعداد میں تھے۔ عروہ اور زہری کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ مکہ میں بارہ ہزار افراد کے ساتھ تشریف لائے تو وہاں سے دو ہزار اور مل گئے تو کل چودہ ہزار افراد ہو گئے ابن عقبہ اور محمد بن عمر کہتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ حنین کی طرف نکلے تو آپ ﷺ کے ساتھ اہل مکہ بھی نکلے، کوئی بھی ان سے پیچھے نہ رہا کچھ سوار تھے اور کچھ پیدل تھے۔ حتیٰ کہ عورتیں بھی ساتھ نکلیں اگرچہ وہ مسلمان نہ تھیں صرف جنگی مناظر دیکھنے اور مال غنیمت کے حصول کے لالچ میں نکلے تھے اور آپ ﷺ کی شکست کو ناپسند نہ کرتے تھے۔ آپ کے ساتھ ابوسفیان اور صفوان بن امیہ بھی تھے صفوان کی بیوی مسلمان تھی اور وہ خود ابھی مشرک تھا ان کے درمیان تفریق نہیں ہوئی تھی۔ آپ ﷺ کے ساتھ ازواج

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 145 (وزارت تعلیم)، تاریخ کامل، جلد 2 صفحہ 262 (بیروت)

سہرات میں سے ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما تھیں ان کے لئے خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ ابن اسحاق، ترمذی، نسائی اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے حارث بن مالک سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حنین کی طرف نکلے تو ہمارے زمانہ جاہلیت کو زیادہ عرصہ ابھی نہ گزرا تھا اور کفار قریش اور دوسرے لوگوں نے ایک بڑے درخت کو متعین کر رکھا تھا۔ اکلیل للحاکم میں ہے کہ وہ بیری کا درخت تھا اور سرسبز تھا اسے ذات نواط کہا جاتا تھا ہر سال کفار اس درخت کے پاس آتے، اس پر اپنے ہتھیار لٹکاتے، اس کے پاس جانور ذبح کرتے اور ایک دن اس کے قریب ٹھہرتے تھے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے ہم اس بیری کے درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمارے لئے بھی ایک ذات نواط (بیری کا درخت) متعین فرما دیں جیسا کہ کفار کے لئے بیری کا درخت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر، اللہ اکبر قسم بخدا تم نے وہ بات کہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ کہ ہمارے لئے ایک معبود بنا دیں جیسے ان کے لئے معبود ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم نادان ہو۔ یہ پہلے لوگوں کا طریقہ ہے اور تم بعینہ ان کے طریقوں پر چلو گے۔ (1)

سہل بن حنظلہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک شاہسوار آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے پہاڑ سے ایسا ایسا منظر دیکھا ہے کہ ہوازن اونٹوں، بکریوں اور عورتوں کے ساتھ سب جمع ہیں۔ آپ ﷺ یہ سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا ان شاء اللہ یہ سب چیزیں مسلمانوں کا مال غنیمت ہوں گی پھر آپ ﷺ نے فرمایا آج رات ہماری نگرانی کون کرے گا۔ حضرت انس بن مالک ابی مرثد رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ خدمت میں کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا سوار ہو جاؤ اور اس گھاٹی کی طرف جاؤ اور بالائی سطح پر ہو جاؤ سامنے والے لوگوں سے دھوکہ نہ کھانا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز صبح ادا فرمائی تو انس بن مالک رضی اللہ عنہ حاضر ہو گئے اور عرض کی حضور ﷺ میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق اس وادی کے بالائی کنارہ پر بیٹھ کر نگرانی کرتا تھا پھر صبح میں نے دونوں وادیوں کو بنظر غائر دیکھا مجھے کوئی شخص وہاں نظر نہیں آیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے اس جانباز کی وفا شعاری اور خدمت گزاری پر اتنے خوش ہوئے کہ فرمایا تم پر جنت واجب ہے اگر آج کے بعد تم کوئی عمل بھی نہ کرو تب بھی کوئی حرج نہیں۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے (2)۔ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن حدود کو ہوازن کے حالات جاننے کے لئے بھیجا وہ ہوازن کے اندر ایک یا دو دن رہے اور مالک کو یہ خطاب کرتے ہوئے سنا کہ محمد (ﷺ) کا آج تک کسی ایسی قوم سے واسطہ نہیں پڑا، پہلے تمام لوگ ناتجربہ کار تھے جنگی چالوں کا انہیں پتہ ہی نہ تھا اس لئے وہ سب پر غالب آ گئے۔ جب صبح ہو تو تم اپنے مویشیوں، عورتوں اور بچوں کو پیچھے صف میں کھڑا کر دینا اور اس کے بعد یکبارگی حملہ کرنا اپنی تلواروں کی نیاموں کو توڑ دو۔ پس تم بیس ہزار تلواروں کے ساتھ ایک شخص کی طرح حملہ کر دو اور یہ یاد رکھو کہ غلبہ اسے حاصل ہوتا ہے جو پہلے حملہ کرتا ہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ، عمرو بن شعیب اور عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ محمد بن عمر نے حضرت ابی بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں ہم اوطاس کے مقام پر ایک بڑے درخت کے نیچے اترے ہوئے تھے آپ ﷺ بھی اس درخت کے نیچے آرام فرما تھے، راوی فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ بیٹھے ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ ایک اور شخص بھی بیٹھا ہے۔ آپ ﷺ نے بتایا کہ یہ وہ شخص ہے جو اس وقت آیا جب میں سویا ہوا تھا۔ اس نے میری تلوار مجھ پر سونت لی اور میرے سر کے اوپر

1۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 41 (سعید)

2۔ کذا فی البدایۃ والنہایۃ، جلد 4 صفحہ 325 (العلمیہ)

کھڑا ہو گیا۔ میں بیدار ہوا تو اس نے کہا اے محمد تجھے مجھ سے کون بچائے گا میں نے کہا اللہ! پھر میں نے اپنی تلوار اس پر سونت لی اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس اللہ کے دشمن کا سر قلم کر دوں یہ مشرکوں کا جاسوس ہے۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا اے ابو بردہ خاموش رہو۔ آپ ﷺ نے کسی خفیہ مصلحت کی وجہ سے اسے نہ زبان سے برا بھلا کہا اور نہ اسے جسمانی سزا دی فرمایا اے ابا بردہ اللہ تعالیٰ میری حفاظت فرمانے والا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے گا (1)۔ ابو نعیم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دس شوال بروز منگل شام کے وقت حنین کی وادی میں پہنچے، مالک بن عوف نے اپنے تین افراد بھیجے تا کہ وہ محمد ﷺ کے لشکر کی خبر لے آئیں اس نے انہیں کہا کہ تم لشکر میں پھیل جانا اور ہر بات کا خوب خیال کرنا، جب وہ تینوں افراد واپس آئے تو ان کے اعضاء کانپ رہے تھے۔ مالک نے کہا تمہیں کیا ہوا انہوں نے کہا ہم نے ابلق گھوڑوں پر سفید سفید مرد دیکھے ہیں ہم تو انہیں دیکھ کر اس کیفیت میں مبتلا ہو گئے ہیں جو تم دیکھ رہے ہو۔ قسم بخدا ہماری جنگ اہل زمین سے نہیں بلکہ آسمان والوں سے ہے۔ اگر تو ہماری بات مانتا ہے تو اپنی قوم کو واپس لے جا کیونکہ اگر لوگوں نے بھی وہ کچھ دیکھ لیا جو ہم نے دیکھا ہے تو ان کی بھی وہی حالت ہو گی جو ہماری ہے۔ مالک بن عوف نے کہا افسوس صد افسوس تم تو پورے لشکر سے بزدل آدمی ہو اس نے ان تینوں کو ایک خیمہ میں بند کر دیا تا کہ یہ گھبراہٹ اور ڈر پورے لشکر میں پھیل نہ جائے، پھر اس نے کہا کوئی بہادر آدمی بتاؤ۔ تمام نے اتفاق سے ایک شخص کو متعین کیا وہ جب گیا اور واپس آیا تو وہ بھی اسی لڑکھڑاہٹ اور پریشانی میں مبتلا تھا جس سے پہلے دو چار تھے۔ اس نے بھی وہی کچھ بتایا جو پہلے تین شخصوں نے بتایا تھا۔ محمد بن عمر کہتے ہیں جب رات کا دو تہائی حصہ گزر گیا تو مالک بن عوف اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور ان کی صف بندی کرنے لگا یہ وادی بہت خطرناک، مختلف گھاٹیوں والی اور تنگ راستوں والی تھی لوگ اس میں بکھر گئے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ محمد (ﷺ) پر یکبارگی حملہ کر دینا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے بھی سحری کے وقت اپنے جاںنثاروں کی صف بندی فرما دی اور ان کے لیڈر اور جھنڈے مقرر فرمائے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو زرہیں، ایک خود اور بکتر پہنا اور صفوں کا چکر لگا کر انہیں درست فرمایا۔ پھر جہاد کے موضوع پر خطبہ فرمایا لوگوں کو جنگ پر ابھارا اور فتح کی نوید سنائی بشرطیکہ وہ صداقت و صبر کا مظاہرہ کرتے رہے۔ خالد بن ولید کو بنی سلیم اور اہل مکہ کا جرنیل بنایا۔ میمنہ، میسرہ اور قلب بنایا۔ آپ ﷺ خود قلب میں تھے۔ ابو الشیخ، حاکم، بزار اور ابن مردویہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں جب اہل مکہ اور اہل مدینہ حنین کی جنگ میں جمع ہوئے تو کثرت افراد نے انہیں گھمنڈ میں ڈال دیا اور کہنے لگے قسم بخدا آج جنگ ہو گی۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ہے کہ ایک انصاری نوجوان نے کہا تھا آج قلت کی بناء پر ہم مغلوب نہیں ہوں گے اور ہماری دشمن سے مڈبھیڑ ہو گی تو دشمن پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ یونس بن بکر کی روایت میں یہ زائد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کی ان باتوں کو ناپسند فرمایا (2)۔ ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت الحسن رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد اذ اعجبتکم کثرتکم سے اسی عجب کی طرف اشارہ ہے۔

؎ تمہاری کثرت نے تمہیں کچھ فائدہ نہیں دیا یہ دشمن کے معاملہ میں سے کچھ مفید نہ ہوئی۔

؎ ما مصدریہ ہے اور باء بمعنی مع ہے، یعنی وسعت اور کشادگی کے باوجود، یا باء بمعنی مصاحبت ہے اور جار مجرور حال واقع ہو

1۔ [illegible] جلد 3 صفحہ 407 (العلمیہ) 2۔ [illegible] جلد 3 صفحہ 405 (العلمیہ)

رہے ہیں جیسے تیرا قول ہے دَخَلْتُ عَلَيْهِ بِثِيَابِ السَّفَرِ (یعنی میں سفر والے کپڑوں کے ساتھ اس کے پاس گیا) یعنی زمین میں اتنی کشادگی کے باوجود تمہیں اس میں قرار نہ ملا اور شدت رعب کی وجہ سے تمہارے دل اطمینان نہ پا سکے یا یہ معنی کہ زمین کی وسعت کے باوجود تم اس میں اس شخص کی مانند تھے جس کو ٹھکانے کی گنجائش نہ ہو۔

یہ خطاب ان مومنین کو ہے جو شکست خوردہ تھے۔ ادبار کا معنی پیچھے کی طرف جانا ہے اور یہ اقبال (سامنے آنا) کی ضد ہے۔ ابن اسحاق، احمد اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے جابر سے ابویعلی اور محمد بن عمر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہم وادی حنین پر پہنچے تو وہ وادی بڑی بھیانک، تنگ راستوں اور مختلف گھاٹیوں والی تھی۔ ہوازن ہم سے پہلے وادی میں پہنچ کر اس کی گھاٹیوں، راستوں میں چھپ گئے تھے اور مقابلہ کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ قسم بخدا ہم وادی میں اتر رہے تھے تو ہمیں صرف لشکر ہی نظر آئے انہوں نے ہم پر یکبارگی حملہ کر دیا اور وہ سب تیر انداز تھے (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس دن ہوازن کی کثرت جو ہم نے دیکھی اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اپنی عورتیں، بچے اور اموال سب ساتھ لے آئے تھے۔ پھر انہوں نے صف بندی اس طرح کی تھی کہ عورتوں کو اونٹوں کے اوپر سوار کر کے مردوں کی صفوں کے پیچھے کھڑا کیا تھا۔ اس کے بعد بقیہ اونٹ، گائے اور بکریاں کھڑی کر رکھی تھیں۔ یہ ساری چیزیں پیچھے اس لئے کھڑی کی تھیں تاکہ وہ بھاگ نہ جائیں۔ جب ہم نے ان کی سیاہی دیکھی تو ہم نے تمام کو مرد گمان کیا جب صبح منہ اندھیرے ہم وادی میں اترے تو فوجی دستے ہم نے محسوس کئے۔ وہ ہم پر تنگ وادیوں اور گھاٹیوں پر ٹوٹ پڑے اور یکبارگی حملہ کر دیا تو بنی سلیم بھاگ گئے ان کے پیچھے اہل مکہ اور پھر دوسرے لوگ بھی پیٹھ پھیر گئے۔ انہوں نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا اس وقت اتنا غبار اڑ رہا تھا کہ کسی کو اپنا ہاتھ ہی دکھائی نہ دیتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ قلب سے دائیں طرف ہو گئے اور فرمایا اے لوگو! میری طرف آؤ میں اللہ کا رسول ہوں میں محمد بن عبداللہ ہوں۔ (2)

امام بخاری، ابن ابی شیبہ، ابن مردویہ اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے براء بن عازب سے کہا اے ابوعمارہ کیا تم حنین کے معرکہ میں بھاگ گئے تھے، انہوں نے کہا نہیں قسم بخدا رسول اللہ ﷺ نے جنگ سے پیٹھ نہیں پھیری تھی۔ لیکن کچھ نوجوان صحابہ جو نہتے تھے اور ان کے پاس ہتھیار بھی نہ تھے۔ وہ میدان کارزار سے نکل گئے تھے۔ ان کا مقابلہ تیر انداز قوم سے ہوا تھا جن کا کوئی تیر خطا نہیں ہوتا تھا۔ پھر جب ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا گئے تھے۔ لوگ مال غنیمت اکٹھا کرنے لگے۔ ہوازن نے تیروں کے ساتھ ہمارا مقابلہ کیا ان کے تیر ٹڈی دل لشکر کی طرح تھے اور ان کا کوئی تیر خطا نہیں ہوتا تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف پیش قدمی کرتے تھے، جبکہ آپ ﷺ سفید دراز گوش پر سوار تھے اور ابوسفیان بن الحارث اس کی لگام پکڑے ہوئے تھا۔ رسول اللہ ﷺ دراز گوش سے نیچے اترے اور دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا میں نبی ہوں اس میں ذرہ بھر شک نہیں، میں ابن عبدالمطلب ہوں (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم پر جنگ تیز ہو جاتی تو ہم حضور ﷺ کے پیچھے اپنا بچاؤ کرتے تھے ہم میں سے بڑا بہادر وہ ہوتا جو آپ ﷺ کے ساتھ برابر کھڑا ہوتا تھا (4)۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب لوگ شکست سے دوچار ہوئے تو جن لوگوں

1۔ الکامل فی التاریخ، جلد 2 صفحہ 263 (صادر)
2۔ تاریخ طبری، جلد 2 صفحہ 128 (زوائع)

کے دلوں میں کینہ تھا وہ باتیں کرنے لگے۔ ابوسفیان بن حرب جس کا اسلام ابھی کامل نہ تھا۔ اس نے کہا یہ بھاگنے والے لوگ سمندر کے قریب جا کر رکیں گے۔ جبلہ بن حنبل نے بڑے واضح الفاظ میں کہا۔

ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے کلدہ بن الحسنبل نام لکھا ہے، یہ بعد میں مسلمان ہو گیا تھا، اس نے اپنے اخیافی بھائی صفوان بن امیہ سے کہا آج جادو کا پول کھل گیا۔ صفوان مشرک تھا اور اس مدت میں تھا جو مشرکوں کو غور و فکر کے لئے عطا فرمائی گئی تھی۔ صفوان نے اسے کہا خاموش رہو قسم بخدا مجھے کسی قریش کے ہاتھ سے تیر لگنا بہتر ہے کہ مجھے ہوازن کے کسی آدمی سے تیر لگیں۔ ابن سعد، ابن عساکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے عبد الملک بن عبید سے اور الطبرانی، بیہقی، ابن عساکر اور ابو نعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ شیبہ بن عثمان نے بتایا کہ جب مکہ فتح ہوا اور رسول اللہ ﷺ فتح کے ساتھ مکہ میں داخل ہو گئے اور حنین کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو میں نے دل میں سوچا کہ میں بھی قریش کی معیت میں ہوازن کی طرف چلوں گا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے دھوکے سے محمد (ﷺ) پر حملہ کر سکوں۔ مجھے اپنا باپ یاد آیا جسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا اور اپنا چچا یاد آیا جسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ میں نے سوچا کہ آج میں محمد (ﷺ) سے اپنا اور قریش کا بدلہ لے لوں گا۔ میں نے کہا اگر سارے عرب و عجم بھی محمد ﷺ کی اتباع کرنے لگیں تو میں پھر بھی اتباع نہیں کروں گا۔ میں اس تاک میں تھا جب میں نکلا تو میرے جذبات میں اضافہ ہو گیا، پھر جب میدان حنین میں آپ ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ بھاگ گئے تو میں پہلے آپ کی دائیں جانب سے برا ارادہ لیکر آیا وہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کھڑے تھے اور انہوں نے سفید زرہ پہنی ہوئی تھی۔ میں نے سوچا یہ ان کے چچا ہیں یہ ان کو نہیں چھوڑیں گے۔ پھر میں بائیں طرف سے آیا تو وہاں سفیان بن الحارث کھڑے تھے، میں نے کہا یہ ان کے چچا زاد بھائی ہیں، یہ بھی ان کا دفاع ضرور کریں گے۔ میں پیچھے سے آیا۔ میں تلوار سے حملہ کرنے لگا جونہی تلوار اٹھائی تو میرے اور آپ ﷺ کے درمیان آگ کا شعلہ بلند ہوا۔ ایسا محسوس ہوا جیسا کہ بجلی کی چمک ہے مجھے ڈر لگا کہ کہیں میری آنکھیں ہی ضائع نہ ہو جائیں۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میں الٹے پاؤں پیچھے ہٹا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ان کی حفاظت کوئی غیبی ہاتھ کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے میری طرف نظر التفات فرمائی اور فرمایا اے شیبہ میرے قریب آ جا۔ میں قریب ہوا تو اپنا دست اقدس میرے سینہ پر رکھا اور دعا فرمائی اے اللہ اس سے شیطان کو دور فرما دے۔ اسی اثناء میں میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو آپ ﷺ مجھے اپنے کانوں، آنکھوں اور دل سے بھی زیادہ محبوب و عزیز تھے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے شیبہ کفار سے لڑو۔ میں آگے بڑھا اور یہ پسند کر رہا تھا کہ اپنی جان پر تیر برداشت کر کے آپ ﷺ کی حفاظت کروں۔ جب ہوازن کو شکست ہوئی اور آپ اپنے خیمہ میں واپس تشریف لائے۔ میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا سب تعریفیں اللہ کے لئے جس نے تجھے خیر اور بھلائی پہنچانے کا ارادہ فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے میرے تمام قلبی ارادے بیان فرما دیئے جو میں اس سے پہلے دل میں چھپائے ہوئے تھا۔(1)

محمد بن عمر نضر بن حارث سے روایت کرتے ہیں کہ وہ یہ کہتے تھے کہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں دین اسلام جیسے پاکیزہ مذہب سے نوازا اور محمد ﷺ جیسا نبی عطا فرما کر ہم پر احسان عظیم فرمایا اور ہم اس برے عقیدہ پر نہ مرے جس پر ہمارے آباو اجداد مرے تھے۔ راوی نے طویل حدیث بیان کی ہے۔ نضر کہتے ہیں میں قریش کے ساتھ تھا اور ابھی تک ان کے عقائد پر تھا۔

1۔ البدایۃ والنہایۃ، جلد 4 صفحہ 333 (السعادۃ)

ابوسفیان بن حرب، سفیان بن امیہ اور سہل بن عمر یہ سب ابھی تک مکمل اسلام پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اگر محمد ﷺ شکست سے دوچار ہوں گے تو ہم محمد (ﷺ) پر حملہ کر دیں گے۔ جب دونوں گروہ آمنے سامنے ہوئے تو ہوازن نے یکبارگی حملہ کر دیا۔ ہم اس وقت مشرکوں کی بھلائی چاہتے تھے۔ ہمارا خیال یہ تھا کہ مسلمان اس زبردست حملہ کو برداشت نہیں کر سکیں گے اور ہم ان کے ساتھ تھے اور میرا برا ارادہ تھا میں آپ (ﷺ) کا قصد کرتے ہوئے آگے بڑھا۔ آپ ﷺ مشرکوں کے بالکل سامنے دراز گوش پر سوار تھے اور آپ ﷺ کے اردگرد سفید چہروں والے مرد کھڑے تھے۔ میں آپ ﷺ کی طرف بڑھا تو انہوں نے بلند آواز سے کہا دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ۔ میرا دل رعب سے بھر گیا اور میرے اعضاء پر کپکپی طاری ہو گئی۔ میں نے کہا یہ تو بدر والے دن کا معاملہ ہوا ہے۔ یہ شخص یقیناً حق پر ہے اور اس کی غیب سے حفاظت ہوتی ہے۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی اور جو کچھ میں برا ارادہ رکھتا تھا اللہ تعالیٰ نے سب کو یکسر بدل دیا۔ محمد بن عمر ابوقتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ شکست خوردہ لوگ ایک دن اور ایک رات چل کر مکہ پہنچے تو انہوں نے اہل مکہ کو رسول اللہ ﷺ کی شکست کی خبر سنائی۔ عتاب بن اسید ان دنوں مکہ کے امیر تھے اور معاذ بن جبل آپ ﷺ کے ساتھ معلم تھے۔ اس خبر سے انہیں بہت دکھ ہوا لیکن اہل مکہ کے کچھ لوگ اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور بغلیں بجانے لگے۔ کسی نے کہا اب عرب اپنے آباؤ اجداد کے دین کی طرف لوٹ آئیں گے کیونکہ محمد (ﷺ) قتل ہو گئے ہیں اور ان کے اصحاب بکھر گئے ہیں۔ عتاب ابن اسید نے کہا اگر محمد (ﷺ) شہید ہو گئے ہیں تو اللہ کا دین باقی ہے، محمد ﷺ جس ذات کی عبادت کرتے تھے وہ زندہ ہے، اسے کبھی موت نہ آئے گی۔ اسی دن شام کے وقت خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کو شکست دے دی ہے۔ حضرت عتاب بن اسید اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو رسوا اور ذلیل کیا جو مسلمانوں کی شکست پر خوش ہوئے تھے۔ پس شکست خوردہ لوگ بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ آئے اور مقام اوطاس پر آپ ﷺ کے ساتھ مل گئے پھر آپ ﷺ نے یہاں سے طائف کا سفر شروع فرمایا تھا۔

فائدہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس جنگ میں اکیلے رہ گئے تھے۔ مسلم، ابن اسحاق اور عبدالرزاق رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میں حنین کے معرکہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا میں اور ابوسفیان بن حارث رسول اللہ ﷺ سے جدا نہیں ہوئے تھے آپ ﷺ سفید دراز گوش پر سوار تھے۔ جب مسلمان اور کفار کے درمیان گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے لیکن رسول اللہ ﷺ اپنی سواری کو کفار کی طرف دوڑا رہے تھے۔ میں آپ ﷺ کے خچر کی لگام پکڑ کر اسے جلدی چلنے سے روک رہا تھا۔ آپ ﷺ کو کفار کی کوئی پرواہ نہ تھی آپ ﷺ مشرکین کی طرف جانے میں جلدی کر رہے تھے۔ ابوسفیان بن حارث رسول اللہ ﷺ کی رکاب تھامے ہوئے تھے(1)۔ دوسری احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جماعت تھی۔ محمد بن یوسف صالحی نے ان احادیث اور اقوال کو تطبیق دیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ تنہا رہ جانے سے مراد یہ ہے کہ دشمن کی طرف صرف آپ ﷺ ہی پیش قدمی کر رہے تھے اور جو ثابت قدم رہے تھے وہ آپ ﷺ کے پیچھے تھے۔ جنگ کرنے کے اعتبار سے آپ ﷺ تنہا تھے۔ ابوسفیان بن الحارث اور عباس خچر کو روکنے کی خدمت بجا لا رہے تھے۔ حنین کے روز ثابت قدم رہنے والوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے اردگرد

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 100-99 (قدیمی)

تین سو افراد تھے اور باقی تمام بھاگ گئے تھے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حارثہ بن نعمان سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باقی رہنے والوں کو شمار کیا تھا جب کہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تھے وہ ثابت قدم افراد سو تھے(1)۔ احمد، الطبرانی، حاکم، اور ابونعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے ثقہ افراد کے ذریعے ابن مسعود سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں حنین کے روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ لوگ بھاگ گئے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ مہاجرین وانصار میں سے اسی آدمی تھے۔ ہم تقریباً اسی قدم پیچھے ہٹے لیکن ہم نے پیٹھ نہیں پھیری تھی(2)۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کو دس کے قریب زخم لگے تھے۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابی عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سو افراد بھی باقی نہ رہے تھے۔ سو کی نفی اور اسی کے اثبات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ محمد بن عمر فرماتے ہیں کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حارثہ سے پوچھا کہ ثابت قدم رہنے والے کتنے تھے جبکہ لوگ بھاگ گئے تھے۔ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دائیں بائیں دیکھ کر کہا وہ سو تھے فرمایا مجھے علم نہ تھا کہ وہ سو تھے مگر ایک دن میں نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا جبکہ آپ ﷺ مسجد کے دروازہ پر جبرئیل سے محو گفتگو تھے۔ جبرئیل نے پوچھا حضور ﷺ! یہ کون ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ حارثہ بن نعمان ہے۔ جبرئیل نے کہا یہ حنین کے روز ثابت قدم رہنے والے سو افراد میں سے ایک ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کو جبرئیل کی بات کی اطلاع دی۔ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضور ﷺ میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ دحیہ کلبی کھڑے ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ثابت قدم رہنے والے بارہ افراد تھے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے اپنے اشعار میں دس آدمیوں کا ذکر کیا ہے:

> ہم نے جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی مدد کی تھی اور ہم نو افراد تھے۔ اور جو بھاگ گئے تھے وہ بکھر گئے تھے اور ہمارے دسویں شخص نے طبعی موت کا پیالہ نہیں پیا اور جو اسے رضائے الٰہی میں تکلیف پہنچی تھی اس کا اس نے اظہار نہیں کیا تھا۔

صالحی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ شاید یہ تعداد درست ہو اور جنہوں نے زیادہ تعداد بیان کی ہے اس نے ان کو بھی شمار کیا ہو جو واپس آگئے تھے۔ نیز چار عورتیں بھی اس معرکہ میں ثابت قدم رہی تھیں ام سلیم بنت ملحان، ام عمارہ، ام سلیط اور ام الحارث۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾

"پھر نازل فرمائی اللہ نے اپنی (خاص) تسکین اپنے رسول پر اور اہل ایمان پر[1] اور اتارے وہ لشکر جنہیں تم نہ دیکھ سکے[2] اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے کافروں کی[3]"

[1] یہاں سکینت سے مراد وہ خاص رحمت ہے جس کی وجہ بھاگنے والوں کے دلوں کو قرار نصیب ہوا اور وہ محفوظ اور مضبوط دل ہو گئے تھے۔ المومنین سے مراد بھاگ جانے والے ہیں۔ یہاں رسول کا ذکر اس لئے فرمایا کیونکہ سکونت و رحمت کا نزول شکست خوردہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 59 (التجاریہ) — 2۔ الدرالمنثور، جلد 3 صفحہ 405 (العلمیہ)

لوگوں پر رسول اللہ ﷺ کے وجود مسعود کی برکت سے ہوا تھا اور آپ ﷺ کے واسطہ جلیلہ سے دوسروں پر یہ رحمت نازل ہوئی تھی۔ علی رسوله وعلى المومنين میں حرف جر علی کا اعادہ اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے ہے کہ نبی کریم ﷺ اور مومنین کی حالت مختلف تھی۔ بعض علماء فرماتے ہیں المومنین سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے تھے اور بھاگے نہیں تھے۔ طبرانی، حاکم، ابونعیم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے الدلائل میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حنین کے معرکہ میں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ لوگ بھاگ گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ مہاجرین و انصار میں سے اسی افراد باقی تھے، ہم تقریباً اسی قدموں پر پیچھے ہٹے لیکن ہم نے پیٹھ نہیں پھیری تھی۔ ان لوگوں پر سکینت نازل ہوئی تھی(1)۔ ابن عقبہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ خچر کے اوپر رکابوں پر سہارا لیکر کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی اے اللہ میں تجھے اس وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں جو تو نے مجھ سے کیا تھا یہ لوگ ہم پر غالب نہ آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اے عباس بلند آواز سے پکارو اے انصاریو! اے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو! اے سورۂ بقرہ والو! حضرت عباس رضی اللہ عنہ بلند آواز تھے۔ فرماتے ہیں میں نے بلند آواز سے کہا انصار کہاں ہیں، درخت کے نیچے بیعت کرنے والے کہاں ہیں سورۂ بقرہ والے کہاں ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری آواز پر یہ لوگ اس طرح لوٹے جیسے گائے اپنے بچھڑے کی طرف لوٹتی ہے(2)۔ عثمان بن ابی شیبہ کی حدیث میں ہے جو بغوی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہے اے عباس ان مہاجرین کو بلاؤ جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی ان انصار کو بلاؤ جنہوں نے غریب الوطن مہاجرین کو پناہ دی تھی اور ان کی معاونت کی تھی۔ انصار رسول اللہ ﷺ کی طرف یوں پلٹے جیسے اونٹنی اپنے بچے کی طرف لوٹتی ہے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سواری سے اترے۔ انصار کے نیزے میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرنے میں کفار کے نیزوں سے زیادہ خوفناک تھے۔ صحابہ کرام پروانہ وار دوڑتے ہوئے لبیک لبیک کی آوازیں بلند کرتے ہوئے واپس آئے(3)۔ ابو یعلی اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ثقہ رجال کے ذریعے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کے روز ایک مٹھی سفید کنکریوں کی پھینکی اور کہا رب کعبہ کی قسم! کافر شکست خوردہ ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے سامنے اپنی جوانمردی و شجاعت کے خوب جوہر دکھائے تھے(4)۔ ابن سعد، ابن ابی شیبہ، احمد، ابوداؤد اور بغوی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم نے ابوعبدالرحمٰن یزید الفہری جس کا نام کرز تھا ان سے روایت کیا ہے کہ مسلمان بھاگ گئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس دن فرما رہے تھے اے لوگو میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خچر کو دشمن کی طرف دھکیلا اور مجھے آپ ﷺ کے قریبی افراد میں سے کسی نے بتایا کہ آپ ﷺ نے ایک مٹھی مٹی کی لیکر کفار کی طرف پھینکی اور فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْهُ، چہرے بدل گئے۔ یعلی بن عطاء کہتے ہیں کہ ہمیں کفار کے بیٹوں نے اپنے آباء سے روایت کر کے یہ بتایا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو مٹھی بھر مٹی پھینکی تھی وہ ہر ایک کی آنکھوں اور منہ میں داخل ہو گئی تھی اور ہم نے آسمان سے آتی ہوئی ایک آواز سنی جو اس طرح کی تھی جیسے لوہا کسی طشت کے اوپر سے گزر رہا ہو پس اللہ تعالیٰ نے کفار کو شکست دی۔(5)

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سدی الکبیر سے روایت کیا ہے کہ وہ لشکر جو اللہ تعالیٰ نے اتارا تھا وہ ملائکہ کا تھا(6)۔ اسی طرح سعید بن

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 405 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 60 (التجاریہ) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 60 (التجاریہ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 60 (التجاریہ) 5۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 7 صفحہ 419 (الزمان) 6۔ تفسیر البحر المحیط، جلد 5 صفحہ 25 (العلمیہ)

جبیر کا قول ہے کہ اللہ تعالی نے حنین کے روز اپنے رسول مکرم ﷺ کی پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں کے ذریعے امداد فرمائی تھی (1)۔ ابن اسحاق، ابن المنذر، ابن مردویہ، ابو نعیم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالی نے جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے کفار کی شکست سے پہلے دیکھا جب لوگ قتال کر رہے تھے، ایک سیاہ چادر آسمان سے آرہی ہے حتی کہ وہ قوم کے سامنے اتری۔ میں نے دیکھا کہ سیاہ چیونٹیوں نے وادی کو بھر دیا ہے۔ پھر میں نے اسے ملائکہ خیال کیا۔ پھر فوراً کفار کو شکست ہوگئی (2)۔ محمد بن عمر روایت کرتے ہیں کہ یحیی بن عبد اللہ نے اپنے شیوخ انصار سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے اس دن ہم نے سیاہ چادریں آسمان سے یکے بعد دیگرے گرتی ہوئی دیکھی تھیں۔ پھر ہم نے دیکھا کہ چیونٹیاں بکھری پڑی ہیں۔ ہم انہیں اپنے کپڑوں سے جھاڑ رہے تھے۔ پس اچانک ہمارے سامنے جنگ کا نقشہ بدل گیا اور نصرت الٰہی ہمارے سامنے آگئی (3)۔ مسدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں بیہقی اور ابن عساکر رحمہما اللہ تعالی نے عبد الرحمن مولی ام برثن سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں مجھے حنین کی جنگ کے متعلق ایک مشرک نے بتایا کہ جب مسلمانوں کے ساتھ ہماری جنگ ہوئی تو مسلمان ہمارے سامنے بکری کا دودھ دوہنے کی دیر بھی نہ ٹھہرے۔ ہم ان کا پیچھا کر رہے تھے، اچانک ہم ایک خچر سوار کے مقابلہ میں آئے اور وہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اور ہمارے درمیان سفید خوبصورت چہروں والے مرد تھے۔ انہوں نے ہمیں کہا چہرے بدل گئے واپس لوٹ جاؤ ہم لوٹ گئے اور وہ ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے۔ (4)

ابن مردویہ، بیہقی اور ابن عساکر رحمہم اللہ تعالی نے شیبہ بن عثمان الحجبی سے روایت کیا ہے کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حنین کی جنگ میں اسلام کی خاطر نہیں بلکہ اس وجہ سے نکلا تھا کہ ہوازن قریش پر غالب نہ آجائیں۔ قسم بخدا میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھڑا تھا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے چتکبرے گھوڑے نظر آرہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اے شیبہ یہ صرف کافر کو نظر آتے ہیں پھر آپ ﷺ نے میرے سینہ پر اپنا ہاتھ رکھا اور یہ دعا کی اے اللہ شیبہ کو ہدایت عطا فرما تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہ عمل فرمایا قسم بخدا جب آپ ﷺ نے دوسری مرتبہ میرے سینے سے ہاتھ اٹھایا تو ساری مخلوق سے حضور ﷺ مجھے زیادہ محبوب تھے۔ مسلمان لڑے، شہید ہوئے جنہوں نے شہید ہونا تھا پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کی سواری کی لگام پکڑے ہوئے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ رکاب پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ندا دی مہاجرین کہاں ہیں سورہ بقرہ والے کہاں ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ موجود ہیں۔ مسلمان واپس پلٹے جبکہ رسول اللہ ﷺ یہ کہہ رہے تھے میں بلا شک اللہ کا نبی ہوں۔ میں ابن عبد المطلب ہوں۔ پھر تلواروں کے ساتھ مسلمانوں نے حملہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اب گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی ہے (5)۔ محمد بن عمر، مالک بن اوس بن الحدثان سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں مجھے میری قوم کے کئی افراد نے بتایا جو اس دن جنگ میں موجود تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی پھینکی تو ہر شخص کی آنکھ میں وہ مٹی پڑ گئی اور ہم اپنے سینوں میں ایسا اضطراب وخفقان محسوس کر رہے تھے جیسے تھال میں کنکریوں کے گرنے کے وقت پیدا ہوتا ہے۔ یہ دلوں کی دھڑکن رکتی ہی نہیں تھی اور اس دن ہم نے ایسے سفید مرد دیکھے جو چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے اور سروں پر سرخ عمامے تھے جن کے پلو کندھوں کے درمیان لٹکائے ہوئے تھے۔ وہ زمین آسمان کے درمیان علیحدہ علیحدہ دستوں کی صورت میں تھے۔ ہم رعب وخوف کی وجہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 60 (التجاریہ) 2۔ تاریخ طبری، جلد 2 صفحہ 129 (زوائع) 3۔ البحر المحیط، جلد 5 صفحہ 25 (العلمیہ)
4۔ تفسیر خازن، جلد 3 صفحہ 61 (التجاریہ) 5۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 08-407 (العلمیہ)

سے ان کو غور سے دیکھ بھی نہ سکتے تھے۔(1)

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے السدی الکبیر سے روایت کیا ہے کہ کفار کو عذاب دینے سے مراد انہیں تلوار سے قتل کرنا ہے۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ رجال کی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حنین کے معرکہ میں رسول اللہ ﷺ نے حلق کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا ان کو کاٹ دو۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن حارث عن ابیہ کے واسطہ سے روایت کیا ہے کہ اہل طائف میں سے جنگ حنین میں اتنے آدمی قتل ہوئے جتنے بدر کے دن قتل ہوئے تھے (یعنی ستر افراد قتل ہوئے) اور حنین میں ایمن، سراقہ بن حارث، یتیم بن ثعلبہ اور یزید بن زمعہ اور ابو عامر اوطاس کے مقام پر شہید ہوئے جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔ محمد بن عمر، محمد بن عبداللہ بن صعصعہ سے روایت کرتے ہیں کہ سعد بن عبادہ نے خزرج کو تین مرتبہ بلند آواز سے پکارا اور اسید بن حضیر نے اوس کو تین مرتبہ پکارا پس وہ ہر طرف سے اس طرح پلٹے جیسے شہد کی مکھیاں اپنے سردار یعسوب کی طرف پلٹتی ہیں(2) مؤرخین نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے مشرکین پر نئے عزم وولولہ سے حملہ کیا اور انہیں قتل کیا حتیٰ کہ مشرکین کی اولاد تک پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس قوم کا کیا حال ہوگا جو مشرکین کے بچوں کو قتل کرنے تک پہنچ گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بچوں کو قتل نہ کرو۔ اسید بن حضیر نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو مشرکوں کی اولاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں کئی اچھے لوگ مشرکوں کی اولاد نہیں ہو۔ ہر بچہ اپنی فطرت (سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ زبان کھولے پھر اس کے والدین اسے یہودی اور نصرانی بناتے ہیں(3)۔ محمد بن عمر کہتے ہیں، ثقیف کے شیوخ نے بتایا کہ ہمارے خیال میں تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ ہم میں سے جو طائف کے قلعہ میں داخل ہو جاتا تو وہ ہزیمت کے رعب اور خوف کی وجہ سے یہ گمان کرتا کہ آپ ﷺ اس کے پیچھے آرہے ہیں۔ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کو شکست فاش دی اور مسلمانوں نے پیچھے سے ان کو قتل کیا، اللہ نے ان کی عورتوں اور بچوں کو مسلمانوں کے مال غنیمت میں کر دیا۔ مالک بن عوف بھاگ گیا حتیٰ کہ طائف کے قلعہ میں داخل ہو گیا اور دوسرے قوم کے سردار بھی قلعہ میں داخل ہو گئے۔

ابن اسحاق اور محمد بن عمر رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہوازن کو شکست دی تو وہ طائف بھاگ آئے۔ مالک بن عوف بھی ان کے ساتھ تھا۔ بعض نے اوطاس میں لشکر گاہ بنالی۔ بعض وادی نخلہ کی طرف بھاگ گئے جو گھاٹیوں میں چھپ گئے تھے۔ ان کا پیچھا نہ کیا گیا۔ ربیعہ بن رفیع جن کا تعلق بنی سلیم سے تھا اس نے درید بن الصمہ کو قتل کر دیا تھا۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب اللہ نے مشرکین کو شکست دی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے اور اوطاس پہنچ گئے جہاں ان کے اہل وعیال اور مال مویشی موجود تھے، رسول اللہ ﷺ نے ابو عامر اشعری کو اوطاس پر لشکر کشی کے لئے اسے امیر بنا کر بھیجا۔ وہ ان کی طرف گیا اور ان سے جنگ شروع کی۔ درید بن الصمہ وہاں قتل ہوا۔ اللہ نے مشرکین کو شکست دی اور مسلمانوں نے ان کے اہل وعیال کو قیدی بنا لیا، مالک بن عوف النصری بھاگ کر طائف پہنچ گیا اور محفوظ قلعہ میں داخل ہو گیا۔ اس کے مال وعیال کو قبضہ میں لے لیا گیا۔ مسلمانوں کے امیر حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ جب اہل مکہ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کی مدد فرمائی ہے اور اپنے دین کو عزت بخشی ہے تو بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ جو مال غنیمت جمع ہوا اسے حضور ﷺ نے جعرانہ کی طرف لے جانے کا حکم فرمایا۔ مال

1۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 4 صفحہ 41-1640 (ابن حزم)
2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 407 (العلمیہ)
3۔ سنن کبریٰ بیہقی، جلد 9 صفحہ 77 (الفکر)

تقسیم نہ کیا گیا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ طائف کے محاصرہ سے فارغ ہو کر تشریف لائے(1)۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی اتباع میں العیون میں لکھا ہے کہ جو مال غنیمت مسلمانوں کو ملا وہ چھ ہزار قیدی تھے، چوبیس ہزار اونٹ تھے اور بکریاں چالیس ہزار سے بھی زائد تھیں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ اس دن چھ ہزار عورتیں اور بچے گرفتار کئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کو(2) اور بقول بلاذری بدیل بن ورقاء الخزاعی اور بقول ابن اسحاق مسعود بن عمر الغفاری کو مال غنیمت پر نگران مقرر کیا(3)۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ چل پڑے حتیٰ کہ طائف کے قریب لشکر کو ٹھہرایا۔ ثقیف کے سردار قلعہ کے اندر داخل ہو گئے۔ عرب کے قلعوں میں یہ مضبوط ترین قلعہ تھا۔ اس کے اوپر انہوں نے سو تیر انداز بٹھا دیئے۔ وہ اوپر سے مسلمانوں پر تیر اندازی کر رہے تھے اور جو نیچے تھے وہ آگ سے گرم کی ہوئی برچھیاں پھینک رہے تھے جن سے آگ کے شعلے نکلتے تھے۔ انہوں نے اوپر سے سخت تیر اندازی کی، گویا وہ ٹڈی دل لشکر ہے۔ بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور بارہ شہید بھی ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اس بلند جگہ چڑھ گئے جہاں ثقیف نے اسلام قبول کرنے کے بعد مسجد بنادی تھی، عمرو بن امیہ جو بعد میں مشرف با سلام ہوئے تھے، اس نے کہا کوئی شخص محمد ﷺ کی طرف نہ نکلے، جب کوئی صحابی مبارزت دے تو تم میدان میں نہ نکلنا ان کو یہاں ٹھہرا رہنے دو۔ خالد بن ولید مبارزت دیتے ہوئے میدان میں آئے لیکن کسی نے جھانک کر بھی نہ دیکھا، پھر دوبارہ بلایا لیکن کوئی بھی باہر نہ نکلا۔ عبد یالیل نے ندا دی تمہاری طرف کوئی بھی نہیں آئے گا، ہم اپنے قلعے میں چھپے رہیں گے۔ اس قلعے میں ہمارے لئے کئی سالوں کا خرچ موجود ہے۔ جب یہ ختم ہو جائے گا تو ہم اپنی تلواریں لیکر مرتے دم تک لڑیں گے۔ رسول اللہ ﷺ ان سے تیر اندازی کا تبادلہ کرتے رہے، کئی مسلمان زخمی ہوئے اور کچھ شہید بھی ہوئے، ابن اسحاق اور محمد بن عمر رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ شیوخ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ اعلان کروایا کہ جو ہماری طرف آجائے گا وہ آزاد ہوگا۔ تقریباً بارہ آدمی قلعہ سے باہر آئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سب کو آزاد کر دیا تھا۔ محمد بن عمرو کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا تو سلمان فارسی نے کہا ہم ایک منجنیق نصب کریں۔ یہ پہلی منجنیق تھی جو اسلام میں پہلی مرتبہ نصب کی گئی اور پہلی مرتبہ اس سے تیر پھینکے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم نامہ جاری فرمایا کہ ان کے انگوروں کی بیلیں اور کھجور کے درخت کاٹ دو(4)۔ عروہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر شخص پانچ کھجور کے درخت اور پانچ بیلیں کاٹ دے۔ ثقیف نے یہ کٹائی دیکھ کر کہا تم ہمارے باغات کیوں کاٹ رہے ہو، اگر تم ہم پر غالب آگئے تو تمہارے کام آئیں گے۔ خدا کے واسطے اور قرابت کے واسطے سے ان کو نہ کاٹو۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ اور قرابت کے واسطے کی وجہ سے انہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو فرمایا مجھے خواب میں ایک مکھن سے لبالب بھرا پیالہ دیا گیا ہے۔ اس کو ایک مرغ نے دیکھا اور جو کچھ اس میں تھا اسے انڈیل دیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا آج جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہ آپ کو نہیں ملے گا آپ ﷺ نے فرمایا مجھے بھی ایسا ہوتا دکھائی تو نہیں دیتا(5)۔ محمد بن عمر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرمایا جب طائف کے محاصرہ کو پندرہ دن گزر گئے تو آپ ﷺ نے نوفل بن معاویہ الدیلی سے مشورہ طلب کیا کہ محاصرہ کئے رکھنے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ نوفل نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ لومڑی اپنی غار میں ہے اگر آپ محاصرہ کئے رکھیں گے تو بالآخر اسے پکڑ لیں گے اور اگر اسے چھوڑ دیں گے تو آپ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 61-60 (التجاریہ) 2۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 5 صفحہ 381 (المجلس العلمی)

3۔ البدایہ والنہایہ، جلد 4 صفحہ 337 (السعادۃ) 4۔ الکامل فی التاریخ، جلد 2 صفحہ 266 (صادر) 5۔ تاریخ طبری، جلد 2 صفحہ 1334 (زوائع)

کے لئے کچھ نقصان دہ نہیں (1)۔ شجال نے ابن عمر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا اور کچھ حاصل نہ ہوا تو آپ ﷺ نے کہا ان شاء اللہ کل ہم لوٹ جائیں گے۔ صحابہ کرام پر یہ واپسی کا ارشاد شاق گزرا عرض کی حضور ﷺ ہم فتح کئے بغیر کل چلے جائیں گے آپ ﷺ نے فرمایا کل صبح نکلنا جب صبح ہوئی تو صحابہ کرام میدان میں نکلے اور سخت جنگ شروع کی۔ کئی صحابہ کرام زخمی ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کل صبح لوٹ جائیں گے۔ صحابہ کرام کو اب یہ بات بہت پسند آئی۔ حضور ﷺ صحابہ کرام کی پسندیدگی دیکھ کر مسکرا دیئے (2)۔ الصالحی نے لکھا ہے کہ طائف میں بارہ مسلمان شہید ہوئے تھے۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ کل اپنی سواریاں نہ چھوڑنا۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے رخت سفر باندھا۔ جب آپ ﷺ سوار ہوئے تو آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی یا اللہ ان کو ہدایت عطا فرما اور ہمیں ان پر دوبارہ حملہ کرنے کی مشقت سے بچا لے (3)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اسے صحیح بھی کہا ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ثقیف کے تیزوں نے ہی جلا ڈالا۔ آپ ان کے لئے بددعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی یا اللہ ثقیف کو ہدایت عطا فرما اور ان کو ہمارے پاس لے آ (4)۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت لکھی ہے کہ اہل طائف کا محاصرہ تیس راتیں یا اس کے قریب قریب رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ بیس دنوں سے کچھ زائد وقت محاصرہ رہا۔ بعض نے پورے بیس دن اور بعض نے دس سے کچھ زائد دن ذکر کئے ہیں۔ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ قول صحیح ہے۔ امام احمد اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ محاصرہ چالیس روز رہا۔ ہدایہ میں اس قول کو غریب لکھا ہے (5)۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں محاصرہ شوال کے بقیہ ایام تک رہا تھا۔ جب ذی القعدہ شروع ہوا تو آپ واپس تشریف لے گئے کیونکہ یہ شہر حرام تھا اس میں جنگ منع تھی (6)۔ میں کہتا ہوں یہ ابن حزم کے قول کے موافق ہے۔ اس صورت میں شہر حرام میں قتال پر کوئی دلالت نہ ہو گی جیسا کہ بعض نے اس آیت سے ان مہینوں میں حرمت قتال کے نسخ کا دعویٰ کیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ جعرانہ تشریف لے آئے اور یہاں سے عمرہ کا احرام باندھا۔

ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

”پھر رحمت سے توجہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ اس کے بعد جس پر چاہے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یونس بن بکر کی روایت میں ابن عمر سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ہم حنین کے معرکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ جب ہوازن کے اموال اور اہل و عیال گرفتار ہو گئے تو جعرانہ کے مقام پر ہوازن کے چودہ آدمیوں کا وفد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا اس گروہ کا سردار زہیر بن صرد تھا اور اس گروہ میں رسول اللہ ﷺ کا رضاعی چچا ابو برقان بھی تھا اور یہ سب مسلمان ہو چکے تھے۔ ابو برقان نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کی اصل اور خاندان ہیں ہمیں جو تکلیف پہنچی وہ آپ سے مخفی نہیں آپ ہم پر احسان فرمایئے، اللہ آپ پر احسان فرمائے۔ زہیر بن صرد کھڑا ہوا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ ان قید خانوں میں قیدی عورتیں آپ کی رضاعی پھوپھیاں اور خالائیں ہیں اور وہ عورتیں ہیں جنہوں نے آپ کی پرورش کی تھی۔ اگر ہماری جنگ شام

1۔ تاریخ طبری، جلد 2 صفحہ 133 (زوائع)
2۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 1572 (ابن کثیر)
3۔ البدایہ والنہایہ، جلد 4 صفحہ 350 (السعادۃ)
4۔ جامع ترمذی، جلد 5 صفحہ 685 (العلمیہ)
5۔ صحیح مسلم، جلد 4 صفحہ 137 (العلمیہ)
6۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 61 (التجاریہ)

کے بادشاہ حارث بن ابی شمر سے ہوتی یا عراق کے بادشاہ نعمان بن منذر سے ہوتی اور پھر ہمیں ایسی تکلیف پہنچتی جیسی آپ سے پہنچی ہے تو بھی توقع کرتے کہ وہ ہم پر شفقت اور مہربانی کرتے یا رسول اللہ آپ سب سے بہتر کفیل ہیں پھر اس نے آپ ﷺ کو چند شعر سنائے۔(1)

الصالحی نے زہیر بن صرد جشمی سے روایت کیا ہے، وہ کہتا ہے جب ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حنین اور ہوازن کے دن قیدی بنالیا اور آپ ﷺ قیدیوں اور جانوروں کو تقسیم کرنے لگے تو میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کرم فرمایئے، آپ سے ہمیں بڑی امیدیں ہیں۔ پھر میں نے اشعار پڑھے جب رسول اللہ ﷺ نے اشعار سنے تو فرمایا جو میرے اور بنی عبدالمطلب کے حصے کے قیدی اور مال ہے وہ تمہارا ہے۔ قریش نے کہا جو ہمارا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ انصار نے کہا جو ہمارا ہے وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کے سپرد ہے۔ صالحی کہتے ہیں اس حدیث کی سند جید ہے اور بہت بلند ہے۔ مقدسی نے اپنی صحیح میں ذکر کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اسے حسن کہا ہے۔ بخاری نے اپنی صحیح میں مروان اور مسود بن مخرمہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوازن کے مسلمانوں کا ایک گروہ آیا اور عرض کی حضور ہمیں اپنے قیدی اور مال واپس فرمادیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے ساتھ جو ہیں انہیں تم دیکھ رہے ہو اور میرے نزدیک پسندیدہ بات وہ ہے جو سچی ہو۔ تم دو چیزوں میں سے ایک لے لو یا غلام (قیدی) واپس لے لو یا مال۔ انہوں نے کہا حضور ہم قیدی واپس لیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق اس کی حمد و ثنا فرمائی پھر فرمایا امابعد تمہارے بھائی تائب ہو کر تمہارے پاس آئے ہیں۔ میں تو انہیں اپنے قیدی واپس کرنا اچھا سمجھتا ہوں تم میں سے بھی جو خوشی سے ایسا کرنا چاہتا ہے تو وہ بھی ایسا کرے اور جو مفت واپس کرنا نہیں چاہتا وہ قیدی آزاد کردے، ہم اسے اس مال فئی سے قیدی کا بدلہ عطا کریں گے جو اللہ تعالیٰ ہمیں سب سے پہلے عطا فرمائے گا۔ تمام لوگوں نے بیک زبان کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم بخوشی واپس کرنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں ہوا کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے اجازت نہیں دی۔ پس تم واپس جاؤ۔ پھر تمہارے سردار مجھے آکر بتائیں کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ لوگ واپس گئے اور اپنے نمائندے بھیجے جنہوں نے قیدیوں کے بارے لوگوں کی رائے بتائی کہ حضور تمام لوگوں نے تہہ دل سے اجازت دی ہے اور بصد خوشی و مسرت دی ہے۔(2)

ابوداؤد، بیہقی اور ابویعلی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابوالطفیل سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو جعرانہ میں گوشت تقسیم کرتے ہوئے دیکھا، ایک بدویہ عورت آئی۔ جب وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچی تو آپ ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھادی۔ وہ اس پر بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ صحابہ کرام نے بتایا یہ وہ عورت ہے جس نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا ہے(3)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مراسیل میں عمرو بن السائب سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ ایک دن تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کے رضاعی والد آگئے۔ آپ نے اپنے کپڑے کو بچھایا اور وہ اس کے اوپر بیٹھے۔ پھر آپ ﷺ کی رضاعی ماں آئی تو آپ ﷺ نے اسی کپڑے کا کچھ حصہ الدہ کے لئے بچھایا۔ پھر آپ ﷺ کا رضاعی بھائی آیا تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور بھائی کو اپنے سامنے بٹھایا(4)۔ محمد بن عمر فرماتے ہیں حنین کے روز جب مشرکین کو شکست ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے دشمنوں کی تلاش کا حکم دیا اور اپنے گھوڑسواروں کو فرمایا بنی سعد کے بجاد نامی شخص پر قدرت پاؤ تو وہ تم سے بھاگ نہ جائے۔ اس نے ایک

1۔ تاریخ طبری، جلد 2 صفحہ 134 (زوار) | 2۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 1569 (ابن کثیر)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 700 (نور محمد) | 4۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 700 (نور محمد)

بہت گھناؤنا جرم کیا تھا وہ یہ کہ اس نے ایک مسلمان کو پکڑ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کئے تھے اور پھر اسے آگ میں جلا دیا تھا۔ اسے اپنا گناہ یاد تھا اس لئے وہ بھاگ گیا تھا لیکن گھوڑ سواروں نے اسے پکڑ لیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن شیما کے ساتھ قید کر دیا تھا۔ شیما نے کہا قسم بخدا میں تمہارے ساتھی کی بہن ہوں لیکن صحابہ کرام نے اس کی تصدیق نہ کی اور اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے۔ شیما نے کہا اے محمد ﷺ میں تمہاری رضاعی بہن ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا علامت ہے۔ اس نے اپنا کٹا ہوا انگوٹھا دکھایا اور کہا یہ تمہارے کاٹنے کا نشان ہے جبکہ میں تمہیں وادیٔ سرب میں اپنے کھولے پر اٹھائے ہوئے تھی اور ہم مل کر بکریاں چرایا کرتے تھے۔ تیرا باپ اور میرا باپ، تیری ماں اور میری ایک ہے، میں تیرے ساتھ ماں کے پستان سے دودھ پینے میں جھگڑتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ علامت کو پہچان گئے۔ آپ ﷺ فوراً کھڑے ہوئے، اپنی چادر پھیلائی پھر فرمایا تم اس پر بیٹھو۔ انہیں آپ ﷺ نے خوش آمدید کہا اور ان کی آنکھوں میں محبت کی وجہ سے آنسو آ گئے۔ آپ ﷺ نے اپنی رضاعی ماں اور اپنے باپ کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ تو فوت ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے شیما کو فرمایا اگر تو چاہے تو عزت و اکرام کے ساتھ ہمارے پاس ٹھہری رہے اور اگر چاہے تو اپنی قوم کے پاس لوٹ جائیں تمہیں اپنی قوم میں لوٹا دیتا ہوں، شیما نے کہا میں اپنی قوم کی طرف جاؤں گی۔ پس وہ مسلمان ہو گئی تھی اور آپ ﷺ نے تین غلام اور لونڈیاں عطا فرمائیں اور ایک یا دو اونٹ عطا کرنے کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا جعرانہ لوٹ جاؤ اپنی قوم کے ساتھ مل جاؤ گی، میں طائف جا رہا ہوں۔ پس وہ جعرانہ چلی گئی۔ آپ ﷺ نے اسے جانور، بکریاں عطا فرمائیں اور اس کے جو بقیہ خاندان والے تھے انہیں بھی ایسے تحفے عطا فرمائے۔ اس نے بجاد کے بارے میں کہا کہ یہ انہیں ہبہ کر دیا جائے اور اسے معاف کر دیا جائے تو آپ ﷺ نے شیما کی درخواست پر اسے معاف کر دیا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یونس بن عمران کی روایت میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہوازن کے قیدیوں کے لوٹانے سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور لوگ آپ ﷺ کے پیچھے چل پڑے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان مال فئی تقسیم کر دیجئے یہاں تک کہ آپ ﷺ مجبور ہو کر ایک درخت کی طرف تشریف لے گئے جس کے ساتھ آپ کی چادر اٹک گئی تھی آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! میری چادر مجھے لوٹا دو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کی مقدار جانور ہوتے تو تم پر تقسیم کر دیتا تم لوگ مجھے نہ بخیل پاتے اور نہ جھوٹا(1)۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مؤلفۃ القلوب کو بھی مال عطا فرمایا تھا۔ یہ عرب کے اشراف تھے جن کے دل مال کے ذریعے اسلام کی طرف مائل کئے گئے(2)۔ محمد بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے مال مؤلفۃ القلوب کو عطا فرمایا۔ صالحی کہتے ہیں ان میں سے بعض کو آپ ﷺ نے سو اونٹ بعض کو پچاس اونٹ عطا کئے۔ یہ مؤلفۃ القلوب پچاس سے زائد تھے۔ صالحی نے ان کے نام بھی ذکر کئے ہیں اور ستاون مرد شمار کئے ہیں۔ شیخان نے صحیحین میں حکیم بن حزام سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے حنین کے مال غنیمت کے سو اونٹوں کا سوال کیا تو آپ نے مجھے عطا فرما دیئے۔ پھر میں نے سو اونٹ طلب کئے تو وہ بھی آپ ﷺ نے مجھے عطا فرما دیئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے حکیم یہ مال بڑا میٹھا ہے جو اسے نفس کی سخاوت سے لیتا ہے تو اس میں برکت ڈالی جاتی ہے اور جو اسراف نفس کے ساتھ لیتا ہے تو اس میں سے برکت اٹھا لی جاتی ہے اور یہ اس شخص کی مانند ہوتا ہے جو کھاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا ہے۔ فرمایا اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اپنے اہل و عیال سے عطا

1۔ تاریخ طبری، جلد 2 صفحہ 136 (زوائع)　　2۔ الکامل فی التاریخ، جلد 2 صفحہ 270 (صادر)

کرنا۔ شروع کرتا حکیم نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں اس کے بعد کسی سے کوئی چیز نہیں مانگوں گا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں مال عطا کرنے کے لئے حکیم کو بلاتے تھے لیکن وہ لینے سے انکار کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے اے لوگو! میں تمہیں حکم بن حزام پر گواہ بناتا ہوں کہ میں اسے عطا کرنے کے لئے بلاتا ہوں لیکن یہ لینے سے انکار کرتے ہیں(1)۔ ابن ابی الزیاد کہتے ہیں حکیم نے حضور ﷺ سے پہلے سو اونٹ لئے اور باقی چھوڑ دیئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن عمر کو سو اونٹ عطا فرمائے۔ ابوسفیان بن حرب، ان کے بیٹے معاویہ اور یزید بن ابی سفیان میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ اور چالیس چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صفوان سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ حنین کے مال غنیمت سے مجھے عطا فرماتے رہے حالانکہ آپ مجھے ساری مخلوق سے زیادہ مبغوض اور ناپسند تھے۔ لیکن اس عطا و بخشش کے سبب مجھے تمام مخلوق سے محبوب ہو گئے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے صفوان کو سو اونٹ عطا فرمائے پھر سو اونٹ عطا فرمائے، اور پھر تیسری مرتبہ بھی سو اونٹ عطا فرمائے(2)۔ محمد بن عمر فرماتے ہیں صفوان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مال غنیمت کے اردگرد چکر لگا رہا تھا کہ اس کا گزر اس وادی سے ہوا جس میں بکریاں، اونٹ اور چرواہے تھے اور یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم کو بطور فئی عطا فرمائی تھی۔ صفوان کو وہ وادی بڑی اچھی لگی اور اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابووہب تجھے یہ وادی پسند آئی ہے۔ عرض کی جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ وادی اور جو کچھ اس میں ہے سب تیری ملکیت ہے۔ صفوان نے بحر سخاوت کی ٹھاٹھیں مارتی موجوں کو دیکھا تو کہنے لگے اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ایسی سخاوت تو فقط نبی سے ہی ہو سکتی ہے۔ امام احمد، مسلم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مؤلفة القلوب افراد میں سے ہر ایک کو حنین کے مال غنیمت میں سے سو سو اونٹ عطا کئے۔ اسی حدیث میں ہے کہ عباس بن مرداس کو سو سے کم اونٹ عطا فرمائے تو عباس نے یہ کہا کیا آپ میرا حصہ اور عیینہ و اقرع کا حصہ برابر کرتے ہو حالانکہ حصین (عیینہ کا باپ) اور حابس (اقرع کا باپ) مجمع و محفل میں مرداس کے ہمسر نہیں ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سو اونٹ عباس کے لئے بھی مکمل فرما دیئے(3)۔ عثمان بن وہب، عدی بن قیس، عمیر بن وہب، علاء بن جاریہ، مخرمہ بن نوفل وغیرہم میں سے ہر ایک کو پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے۔ پھر آپ ﷺ نے زید بن ثابت کو فرمایا کہ لوگوں اور مال غنیمت کو شمار کرو۔ پھر آپ ﷺ نے مال لوگوں میں تقسیم فرمایا، ہر شخص کو آپ ﷺ نے چار اونٹ یا چار بکریاں عطا فرمائیں۔ اگر کوئی گھوڑا سوار تھا تو اسے بارہ اونٹ یا ایک سو بیس بکریاں عطا فرمائیں اور اگر کسی کے پاس ایک سے زائد گھوڑے تھے تو اس کو اضافی حصہ نہ دیا گیا۔

میں کہتا ہوں مؤلفة القلوب کو جو رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا وہ چار ہزار اونٹ تھے یا اس سے بھی زائد تھے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ مال غنیمت کے اونٹ چوبیس ہزار تھے اور بکریاں چالیس ہزار سے زائد تھیں یہ چار ہزار اونٹوں کے مساوی تھیں تو کل اٹھائیس ہزار اونٹ ہو گئے۔ پس خمس پانچ ہزار اونٹوں سے کم بنتا ہے۔ پس مؤلفة القلوب کو جو آپ نے عطا فرمایا تو وہ کل مال غنیمت سے تھا یا تمام خمس سے تھا۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ خمس کا خمس رسول اللہ ﷺ کا حصہ ہو۔ پس یہ یا تو کل مال جمع کرنے کے بعد تفضیل (انعام) تھا

1۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 535 (ابن کثیر)　2۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 254 (قدیمی)　3۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 339 (قدیمی)

جس کی پہلے شرط نہیں لگائی گئی تھی یا خمس ایک صنف کو عطا کیا گیا اور مؤلفۃ القلوب کو فقراء کی صنف میں شمار کیا گیا۔ جب لشکر کے افراد کی تعداد بارہ ہزار یا سولہ ہزار ہو اور ان میں کچھ شہسوار بھی ہوں تو پیدل کا حصہ چار اونٹ اور گھوڑ سوار کے بارہ اونٹ ہوں گے۔ یہ تعداد تقاضا کرتی ہے کہ مال غنیمت ساٹھ ہزار اونٹ ہوں یا کچھ زائد یا کچھ کم۔ شاید یہ مال کی قیمت اور نقود کو مویشیوں کے ساتھ ملانے کی بناء پر ہو اور کل ساٹھ ہزار مقدار بنائی گئی ہو۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مجھے محمد بن الحارث التیمی نے بیان کیا کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا بقول محمد بن عمرو وہ سعد بن ابی وقاص تھے۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے عیینہ بن حصین اور اقرع بن حابس کو سو سو اونٹ دیئے اور جعیل بن سراقہ الضمری کو آپ نے چھوڑ دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جعیل بن سراقہ سطح زمین پر عیینہ بن حصین اور اقرع بن حابس جیسے تمام لوگوں سے بہتر ہے۔ ان کو میں نے اس لئے عطا کیا ہے تاکہ یہ اسلام کے دامن سے وابستہ رہیں اور جعیل بن سراقہ کو میں نے اس کے اسلام کے سپرد کیا ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن ثعلب سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو مال عطا فرمایا اور کچھ کو عطا نہ فرمایا۔ جنہیں عطا نہ فرمایا تو بتقاضائے بشریت چیں بجبیں ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا میں جس قوم کو عطا فرماتا ہوں مجھے ان کے حرص اور بھوک کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں اس وجہ سے وہ اسلام ہی نہ چھوڑ دیں اور دوسرے لوگوں کو جن کے دلوں میں عقیدۂ اسلام کو اللہ نے راسخ فرما دیا ہے ان پر میں پورا اعتماد کرتا ہوں۔ ان میں سے عمرو بن ثعلب بھی ہیں۔ حضرت عمرو نے فرمایا مجھے حضور علیہ السلام والصلوٰۃ کا یہ ارشاد سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ عزیز ہے(1)۔ اسی مقام پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کسی شخص کو اس لئے عطا کرتا ہوں کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کو منہ کے بل آگ میں نہ گرا دے۔ حالانکہ دوسرا شخص مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جسے میں عطا نہیں کرتا۔ اس حدیث کو بخاری نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے(2)۔ ابن اسحاق اور احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابوسعید الخدری سے اور احمد، بخاری اور مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ نے انس بن مالک سے نیز شیخان نے عبداللہ بن یزید بن عاصم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب حنین کا مال غنیمت ملا تو مؤلفۃ القلوب قریش اور دوسرے عربوں میں تقسیم فرما دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ مردوں کو سو سو اونٹ دے دیئے اور انصار کے لئے کچھ نہ بچا تو انصار کے کچھ ناپختہ ذہنوں نے بتقاضائے بشریت دکھ محسوس کیا حتیٰ کہ آپس میں رنج آمیز باتیں کرنے لگے۔ ایک نے یہاں تک کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو معاف فرمائے، بڑی تعجب کی بات ہے کہ آپ قریش کو عطا فرماتے ہیں اور ہمیں نظر انداز کرتے ہیں حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کے خون کے قطرے ابھی گر رہے ہیں۔ جب مشکل وقت ہوتا ہے تو ہم بلائے جاتے ہیں اور جب مال غنیمت کی تقسیم کا وقت ہوتا ہے تو ہمیں چھوڑ کر دوسروں کو دیا جاتا ہے۔ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو ہم صبر کرتے ہیں اور اگر رسول اللہ ﷺ کی اپنی طرف سے یہ تقسیم ہے تو ہم آپ کی ناراضگی کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ ایک انصاری نے کہا میں تمہیں کہتا تھا کہ جب معاملات ٹھیک ہو جائیں گے تو تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی۔ صحابہ کرام نے اس کی اس بات کو سختی سے رد کر دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور سرور عالم ﷺ کو صحابہ کی ان باتوں کی خبر پہنچ گئی۔ ابوسعید فرماتے ہیں سعد بن عبادہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ انصار کا قبیلہ آپ پر ناراضگی کا اظہار کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیوں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ آپ نے اپنی قوم اور تمام عربوں میں مال غنیمت

1۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 338 (قدیمی)، تاریخ طبری، جلد 2 صفحہ 137 (زوائع)

2۔ صحیح بخاری، جلد 3 صفحہ 146 (ابن کثیر)

تقسیم کیا ہے لیکن انصار کو کچھ عطا نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا تیرا کیا خیال ہے، تو کس جانب ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا میں اسی قوم کا ایک فرد ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے سعد فلاں باڑہ میں اپنی قوم کو اکٹھا کرو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تمام کو بلایا حتیٰ کہ وہ سب جمع ہو گئے۔ مہاجرین میں سے ایک شخص بھی آ گیا تو آپ نے اسے اجازت دے دی۔ پھر دوسرے مہاجرین بھی آنے لگے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے انہیں واپس کر دیا۔ جب تمام انصار جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ کی پہلے حمد وثنا فرمائی جس کے وہ اہل ہے۔ پھر فرمایا اے انصار کے گروہ کیا تم گمراہ نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی تم عیالدار و تنگ دست تھے اللہ نے تمہیں غنی کر دیا تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت ومحبت کے چمن آباد کر دیئے۔ انصار نے کہا حضور کیوں نہیں یہ تو روشن حقائق ہیں اللہ اور اس کے رسول کا بڑا احسان اور فضل وکرم ہے۔ حضور ﷺ جو بات بھی پوچھتے تو انصاری یہی کہتے ہم پر اللہ اور رسول کا بڑا کرم ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے انصار کی جماعت تم جواب کیوں نہیں دیتے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہم کیا جواب دیں اور کیا کہیں، اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا کرم ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم بخدا اگر تم چاہتے تو یہ کہہ سکتے تھے اور تمہاری بات سچی بھی ہوتی کہ تم ہمارے پاس آئے جبکہ آپ کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا گیا تھا، ہم نے آپ کو بصد احترام رہائش پیش کی۔ آپ پریشان تھے، ہم نے آپ سے اظہار غمگساری کیا۔ آپ پر خوف تھا ہم نے آپ کو امن دیا۔ آپ کمزور تھے ہم نے آپ کی مدد کی، لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ انصار نے کہا ہم پر اللہ اور اس کے رسول کا بڑا کرم واحسان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری طرف سے مجھے کیسی باتیں سنائی دے رہی ہیں۔ انصار خاموش رہے۔ پھر آپ نے یہی سوال دہرایا تو انصار کے فقہاء نے کہا حضور ہمارے بزرگوں اور مشائخ نے ایسی باتیں نہیں کیں۔ کچھ نوعمر جوانوں نے بتقاضائے بشریت ایسی باتیں کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مغفرت فرمائے۔ آپ نے قریش کو عطا کیا، ہم کو نظر انداز کر دیا حالانکہ ابھی ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ان لوگوں کو عطا کرتا ہوں جن کو کفر چھوڑے تھوڑا عرصہ گزرا ہو۔ ان کی تالیف قلب کے لئے ایسا کرتا ہوں۔ ایک روایت ہے کہ قریش کا زمانہ جاہلیت اور مصیبت کا زمانہ قریب ہے، میں ان کے زخموں پر پٹی رکھنے کے لئے ان پر احسان کرتا ہوں۔ جبر، کسر کی ضد ہے یعنی توڑنے کی ضد جیر (جوڑنا) ہے(1)۔ بعض روایات میں اجیزھم زاء کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں یہ جائزہ سے مشتق ہوگا یعنی میں نے ان پر انعام کیا۔ فرمایا تم نے اپنے دلوں میں دنیا کے گھٹیا اور خسیس مال کی خاطر رنج محسوس کیا جو میں نے تالیف قلب کے لئے مسلمان قوم کو عطا کیا ہے اور تمہیں جو اسلام کی قیمتی دولت اللہ تعالیٰ عطا کی ہے۔ اسی کی بناء پر میں نے بھروسہ کیا کہ تمہیں نہ دیا جائے تو تم اسلام پر مضبوطی سے قائم رہو گے۔ اے انصاریو! کیا تم اس بات پر شاداں نہیں کہ لوگ اپنے گھر میں بکریاں اور اونٹ لے جائیں۔ ایک روایت میں ہے دنیا لے جائیں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے گھروں میں لے جاؤ اور اس سے یمن وبرکت کو اپنے گھروندوں میں جمع کر لو۔ قسم بخدا اگر لوگ ایک وادی میں چلتے اور انصار دوسری وادی میں چلتے تو میں انصار کی وادی میں چلتا۔ تم میرا استر ہو اور لوگ میری چادر ہیں۔ انصار میرے اسرار کے مخزن ہیں اور علوم کا صندوق ہیں۔ اگر ہجرت کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو میں انصار سے ہوتا اے اللہ انصار پر ان کی اولاد پر اور ان کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما۔ انصار رونے لگے حتیٰ کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور عرض کرنے لگے ہم اللہ اور اس

1۔ صحیح بخاری، جلد 3 صفحہ 1147 (ابن کثیر) مختصرا صحیح مسلم، جلد 7 صفحہ 139 (العلمیہ)

کے رسول کی عطا اور تقسیم پر تہہ دل سے خوش ہیں۔ محمد بن عمر نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت بحرین کا علاقہ خاص انصار کے لئے وقف کرنے کا ارادہ فرمایا۔ یہ علاقہ فتوحات میں سے بہتر علاقہ تھا۔ لیکن انصار نے اسے قبول نہ کیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کی اس محبت و پیار کے بعد ہمیں دنیا کے مال و متاع کی چنداں ضرورت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میرے بعد ترجیحات دیکھو گے، اس پر صبر کرنا حتیٰ کہ مجھ سے میرے حوض (کوثر) پر آملو(۲)۔ اہل مغازی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کے وفد سے پوچھا مالک بن عوف کا کیا ہوا انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! وہ بھاگ گیا اور ثقیف کے ساتھ طائف میں محصور ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے بتادو کہ اگر وہ مسلمان ہو کر آجائے تو اسے اس کے اہل اور مال واپس کر دیئے جائیں گے اور سو اونٹوں کا عطیہ بھی دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے اہل اور مال کو اس کی پھوپھی ام عبداللہ بنت امیہ کے گھر مکہ میں محبوس کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ جب مالک کو حضور ﷺ کی اس بندہ نوازی کا علم ہوا کہ مال و اہل سب واپس کر دیئے جائیں گے۔ تو اسے خدشہ ہوا کہ ثقیف مجھے کہیں اسلام قبول کرنے پر قتل نہ کر دیں اور اسے یہ بھی اندیشہ تھا کہ لوگوں کو میرے متعلق آپ ﷺ کے ان ارشادات کا پتہ چلا تو وہ مجھے قید کر لیں گے۔ پس رات کے وقت وہ گھوڑے پر سوار ہو کر دحناء کے مقام پر پہنچا وہاں اس کے لئے اونٹ تیار کھڑا تھا اس پر بیٹھا اور جان رحمت سید عرب و عجم محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ گیا۔ وہ جعرانہ میں آپ کو ملا تھا یا مکہ مکرمہ میں۔ آپ ﷺ نے اپنے وعدہ کے مطابق اسے مال و اہل سب واپس کر دیئے اور سو اونٹ بھی عطا فرمائے۔ وہ دست نبوت پر مسلمان ہوا اور پھر قلبی ایمان پر اپنے اعمال جوارح کے ذریعے دلیل پیش کی اور خوب پیش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اسلام لانے والے قبائل ہوازن، دوس، ثقیف، ثمال اور دوسرے مسلمانوں کا سردار بنا دیا(2) اور انہیں جھنڈا عطا فرمایا۔ وہ ان قبائل کو لیکر شرک کے خلاف برسر پیکار ہو گیا اور ثقیف کے مشرک لوگوں سے جہاد کیا۔ ثقیف کے جانور باہر نکلتے تو وہ انہیں پکڑ لیتا تھا اور جو کوئی ان کا فرد ہاتھ چڑھتا تو اسے قتل کر دیتا۔ وہ جو مال غنیمت اکٹھی کرتا تھا اس میں سے بطور خمس ایک مرتبہ سو اونٹ اور ایک مرتبہ ہزار اونٹ بھیجے تھے۔ اہل طائف کے مال پر حملہ کیا تو ایک صبح میں ان کی ہزار بکریاں ہانک کر لے آیا۔ ابن اسحاق یونس کی روایت میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس نو رمضان المبارک کو ثقیف کا وفد پہنچا اور اسلام قبول کیا۔ یہ غزوہ تبوک کے بعد کا واقعہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾

"اے ایمان والو! مشرکین تو نرے ناپاک ہیں ۱؎ سو وہ قریب نہ ہونے پائیں مسجد حرام سے ۲؎ اس سال کے بعد ۳؎ اور اگر تم اندیشہ کرو تنگدستی کا تو غنی کر دے گا تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اگر چاہے گا ۴؎ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑا دانا ہے ۵؎"

۱؎ نجس مصدر ہے نجس ینجس بروزن سمع یسمع یا کرم یکرم۔ اسی وجہ سے اس کا تثنیہ اور جمع نہیں بنتا اور اس میں تذکیرو تانیث برابر ہوتی ہے اور مشرکوں پر اس کا حمل مبالغہ کے لئے ذو نجس کی تقدیر کے ساتھ ہے، قاموس میں ہے النجس (بالفتح و بالکسر و بالتحریک) کا معنی پاکیزگی کی ضد ہے، میں کہتا ہوں اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے فطرت سلیمہ مکروہ اور ناپسند سمجھے اور

1۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 75-1574 (ابن کثیر)، صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 338 (قدیمی)

2۔ البدایۃ والنہایۃ، جلد 4 صفحہ 361 (السعادۃ)

اس کا اطلاق نجاست حقیقیہ پر ہوتا ہے جیسے گندگی اور خون وغیرہ لیکن شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نجاسات حکمیہ کو بھی اس میں شامل کیا ہے جیسے حدث، جنابت، حیض اور نفاس کا انقطاع وغیرہ۔ یعنی ہر وہ چیز جسے شریعت محمدیہ ناپسند کرتی ہے۔ کافر شرعاً نجس ہے کیونکہ یہ اپنے باطن کے خبث کی وجہ سے خبیث ہے اور شرع اسے ناپسند کرتی ہے۔ اس سے اسی طرح اجتناب ضروری ہے جس طرح نمازی نجاسات حکمیہ سے اجتناب اور پرہیز کرتا ہے، اس لئے کفار سے اظہار محبت اور رشتہ و تعلق رکھنا جائز نہیں ہے۔ ضحاک اور ابوعبیدہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نجس سے مراد گندگی ہے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں کفار کی نجاست سے مراد نجاست حکمیہ ہے نجاست عینیہ اور حقیقیہ نہیں ہے کفار کی مذمت اور اظہار نفرت کے لئے انہیں نجس کہا گیا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کفار کو نجس کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ناپاک ہوتے تو غسل نہیں کرتے تھے اور بے وضو ہوتے تو وضو نہیں کرتے تھے (1) اور نجاسات سے اجتناب نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان کی ذوات بھی کتوں کی طرح نجس ہیں۔ ابوالشیخ اور ابن مردویہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مشرک سے مصافحہ کرے اسے چاہئے کہ وہ وضو کرے یا اپنے ہاتھ دھولے (2)۔ لیکن یہ قول بالاجماع متروک ہے۔

ائمہ احناف کا مسلک یہ ہے کہ مسجد حرام میں کفار کا داخلہ مطلقاً منع نہیں بلکہ حج اور طواف سے منع کرنا مقصود ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حج کے موقع پر یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔ پس معلوم ہوا کہ اس نہی سے مراد حج وعمرہ سے منع کرنا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسجد حرام میں کافر کا داخل ہونا جائز ہے اور دوسری مساجد میں بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ مفہوم میں مبالغہ پیدا کرنے کے لئے قریب جانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ ائمہ شوافع فرماتے ہیں یہ نہی کفار کے حرم میں داخل ہونے سے متعلق ہے کیونکہ جب وہ حرم کے علاقہ میں داخل ہو جائیں گے تو وہ مسجد حرام کے قریب پہنچ جائیں گے۔ اس لئے کفار کو حرم میں داخل ہونے سے منع کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اس آیت کریمہ میں مسجد حرام سے مراد حرم ہے کیونکہ آپ ﷺ کو سیر ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے کرائی گئی تھی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کفار کے حق میں اسلامی شہروں کی تین حیثیتیں ہیں: 1۔ حرم:۔ اس میں کسی کافر کے لئے داخل ہونا جائز نہیں ہے، خواہ وہ ذمی ہو یا مستامن ہو۔ جیسا کہ آیت کریمہ کا ظاہر مقتضی ہے۔ جب کوئی سفیر کفار کی طرف سے امام وقت سے ملاقات کرنا چاہے اور امام المسلمین حرم میں ہو تو امام کو چاہئے کہ اپنا سفیر کفار کے سفیر کی طرف بھیجے جو حرم کے احاطہ سے باہر اس کی بات سنے اور اس سے مذاکرات کرے۔ 2:۔ حجاز مقدس:۔ اس میں کفار کا داخل ہونا تو جائز ہے لیکن انہیں تین دن سے زیادہ یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اگر میں زندہ رہا تو ان شاء اللہ یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا حتیٰ کہ یہاں صرف اور صرف مسلمان زندگی بسر کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ اس دار فنا سے تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دوسرے اہم امور مملکت کی وجہ سے اس کام کا موقع نہ ملا لیکن سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انہیں جلاوطن کیا تھا لیکن تاجر کی حیثیت سے کوئی تین دن کے لئے آسکتا ہے۔ جزیرۂ عرب کی طولاً حد اقصیٰ عدن سے ریف

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 63 (التجاریہ)　　2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 409 (العلمیہ)

عراق تک ہے اور عرضاً حد جدہ اور اس کے ارد گرد کے علاقہ سے ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ شام تک ہے۔3: بقیہ اسلامیہ شہران میں کافر بطور ذمی یا امان ٹھہر سکتا ہے لیکن مساجد میں مسلمانوں کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتے(1)۔ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مسجد حرام اور دوسری مساجد کے درمیان فرق مروی ہے، ان کے نزدیک مسجد حرام میں کافر مطلقاً داخل نہیں ہو سکتا لیکن دوسری مساجد میں اس کا داخلہ جائز ہے۔ امام مالک اور مزنی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوسری مساجد میں بھی کافر داخل نہیں ہو سکتا جیسا کہ مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکتا(2)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب باندھا ہے دخول المشرک المسجد۔ (یعنی مشرک کے مسجد میں داخل ہونے کا جواز)۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف ایک گھوڑ سواروں کا دستہ بھیجا تو وہ بنی حنیفہ کا ایک شخص ثمامہ بن اثال پکڑ کر لائے اور اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا(3)۔ ہم نے ثمامہ بن آثال کا واقعہ اور اس کا اسلام قبول کرنا سورۂ انفال میں ذکر کر دیا ہے۔ اس حدیث سے مشرک کے مسجد میں داخل ہونے کے جواز پر استدلال ضعیف ہے لیکن ثمامہ کا واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے جبکہ کفار کو مسجد حرام سے حج اور عمرہ بجالانے سے 9ھ میں منع کیا گیا ہے۔ یعنی جس سال سورۂ توبہ نازل ہوئی تھی۔ اس سال حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حج کے امیر تھے اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے برات کا اعلان کیا تھا۔ یہ 9 ہجری کا واقعہ ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کتابی کو خصوصی طور پر مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔ حافظ ابن حجر شرح بخاری میں باب دخول المشرک المسجد کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ حدیث جو اس باب میں درج ہے علماء کے اس قول کی تردید کرتی ہے کیونکہ ثمامہ بن آثال اہل کتاب میں سے نہیں تھے(4) واللہ اعلم۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت کریمہ میں یہ دلیل ہے کہ فروعات اسلام کے کفار بھی مخاطب ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو مسجد کے قریب آنے سے منع فرمایا ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ استدلال درست نہیں کیونکہ آیت میں خطاب مومنین کو ہو رہا ہے فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (الآیہ)۔ مسلمانوں کو یہ حکم ہو رہا ہے کہ وہ کفار کو مسجد حرام سے منع کریں۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ یہاں نہی کفار کو ہی ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کیونکہ اگر کفار فروعات اسلام کے مخاطب ہوں تو پھر حج وعمرہ کا بھی انہیں حکم ہوگا کیونکہ حج بھی فروعات اسلام میں سے ہے حالانکہ خود قرآن نے انہیں حج وعمرہ کرنے اور مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع کیا ہے۔ اگر امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول تسلیم کیا جائے تو تناقض لازم آتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس آیت میں مخاطب کفار ہوں اور انہیں حج وعمرہ اور دخول حرم سے منع کیا جا رہا ہو تو پھر حج کو ترک کر کے حکم الٰہی کی پیروی کرنے والے ہوں گے اور اس پر انہیں اجر و ثواب ملنا چاہئے تھا اور یہ بات بداهةً باطل ہے، واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن جریر اور ابوالشیخ رحمہما اللہ تعالیٰ نے سعید بن جبیر، عکرمہ، عطیہ العوفی، الضحاک اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ مشرک بیت اللہ شریف میں آتے تو کھانا بھی ساتھ لاتے تھے۔ جب انہیں بیت اللہ شریف میں آنے سے منع کیا گیا اور یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ کا ارشاد نازل ہوا تو مسلمانوں کو کچھ پریشانی ہوئی اور کہنے لگے اب ہمارے لئے کھانا اور دوسرا مال ومتاع کون لائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا۔(5)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 63 (التجاریہ)
2۔ فتح الباری شرح بخاری، جلد 3 صفحہ 134 (الازہریہ)
3۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 179 (ابن کثیر)
4۔ فتح الباری، جلد 3 صفحہ 134 (الازہریہ)
5۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 408 (العلمیہ)

۳؎ اے مکہ کے مسلمانو! اگر تمہیں فقر و تنگدستی کا اندیشہ ہو تو اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو اپنے فضل سے تمہیں غنی فرما دے گا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے غنی کرنے کو اپنی مشیت کے ساتھ مقید کیا ہے تاکہ انسان ہر طرف سے کٹ کر اس کی بارگاہ بے کس پناہ کی طرف متوجہ ہو اور یہ تنبیہ ہو جائے کہ وہ خود اپنی مشیت و مہربانی سے فضل فرمانے والا ہے۔ نیز یہ غنا کبھی ہو گا اور کبھی نہیں ہو گا، کسی سال ہو گا اور کسی سال نہیں ہو گا (اس کی حکمت جیسا تقاضا کرتی ہے ویسا ہی وہ کرتا ہے)۔

۴؎ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال کو خوب جانتا ہے اور اپنی حکمت کے مطابق کسی کو عطا کرتا ہے اور کسی کو محروم کرتا ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی غنا کے اسباب پیدا فرمائے، موسلا دھار بارش برسائی اور ان میں مال و دولت کی فراوانی فرما دی۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اہل جدہ، صنعاء اور یمن کا قبیلہ جرش مسلمان ہو گئے اور وہ مکہ مکرمہ کی طرف بہت رسد لائے۔ پس جن کے دلوں میں تنگ دستی کا خدشہ تھا اسے دور فرما دیا (1)۔ ضحاک اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں مشرکوں کے متاع اور کھانے کے عوض جزیہ (ٹیکس) کی مد میں مال عطا فرما کر غنی کر دیا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

"جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر ۱؎ اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے ۲؎ اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ۳؎ ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے ۴؎ یہاں تک کہ دیں ۵؎ وہ جزیہ اپنے ہاتھ سے ۶؎ اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں گے"

۱؎ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے رومیوں سے جنگ کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد غزوۂ تبوک ہوا تھا (2)۔ اگر یہ کہا جائے کہ اہل کتاب اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے تھے اور آخرت پر ایمان بھی رکھتے تھے۔ پھر یہ کیوں کہا گیا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس طرح ایمان نہیں رکھتے تھے جس طرح ایمان لانے کا حق تھا کیونکہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹے کہتے تھے، ایسے عقیدہ کے ہوتے ہوئے ان کا اللہ پر ایمان کیسے ہو سکتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو احد، الصمد، لم یلد، ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد نہیں مانتے تھے۔ اسی طرح آخرت پر بھی حقیقۃً ان کا ایمان نہیں تھا کیونکہ وہ اپنی طرف سے یہ کہتے تھے کہ جنت میں صرف یہود و نصاریٰ داخل ہوں گے اور دوزخ کا عذاب انہیں چند دن ہو گا۔ جنت کی نعمتوں کے متعلق بھی ان کا عقیدہ خالص نہیں تھا کہ کیا یہ دنیا کی نعمتوں کی جنس سے ہیں یا اس کے علاوہ کچھ ہیں۔ وہ دائمی ہیں یا ختم ہونے والی ہیں۔ ان کے بعض کا یہ عقیدہ تھا کہ جنت میں کھانا، پینا نہیں ہے۔ ایسی نظریات کے ہوتے ہوئے گویا آخرت پر بھی حقیقۃً ان کا ایمان نہیں ہے۔

۲؎ یعنی جو چیزیں قرآن و سنت نے حرام کی ہیں انہیں وہ حرام نہیں سمجھتے۔ بعض علماء فرماتے ہیں رسول سے مراد وہ رسول ہے جس کی وہ بزعم خویش اتباع کرتے تھے، مطلب یہ ہے کہ وہ اعتقادی اور عملی طور پر وہ اپنے منسوخ شدہ دین کی بھی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ موسیٰ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 64 (التجاریہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 410 (العلمیہ)

اور عیسیٰ علیہما السلام نے بھی نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا حکم دیا تھا۔

3. یعنی وہ دین حق کو قبول نہیں کرتے۔ یہاں موصوف کو صفت کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حق سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول نہیں کرتے کیونکہ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں حق سے مراد اسلام ہے اور معنی دین الاسلام (اسلام کا دین) ہے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اہل حق کی اطاعت وفرمانبرداری کی طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے۔

4. یہ الذین لا یؤمنون کا بیان ہے اور مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔

5. جزیہ کا لغوی معنی جزاء ہے۔ فعلۃ کے وزن پر ہیئت پر دلالت کرنے کے لئے بنایا گیا ہے اور یہ ادائیگی کے وقت ذلت کی ہیئت ہے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا اور اس سے مراد وہ ٹیکس ہے جو غیر مسلموں پر لگایا جاتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ جزی دینہ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اس نے اپنا قرض ادا کر دیا۔

6. یہ ضمیر سے حال ہے یعنی سرخم کرتے ہوئے اور حکم تسلیم کرتے ہوئے ٹیکس ادا کریں یا یہ معنی کہ وہ اپنے ہاتھ سے مسلمانوں کو اپنا ٹیکس خود ادا کریں کسی دوسرے کے واسطہ سے نہ ادا کریں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی معنی بیان فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے جزیہ کی ادائیگی میں وکیل بنانا ممنوع ہے، یا یہ معنی کہ وہ ذلت اور جبر کی وجہ سے ادا کریں۔ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص کوئی چیز کسی کو نہ چاہتے ہوئے اور مجبوراً عطا کرے تو عرب اعطاہ عن ید کا جملہ بولتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی ہے وہ ٹیکس نقد ادا کریں، ادھار کا سلسلہ نہ ہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں جو مسلمانوں کا ان پر احسان ہے کہ وہ انہیں قتل نہیں کرتے اس کے عوض وہ جزیہ کو قبول کرتے ہوئے اور اس احسان کا اقرار کرتے ہوئے ٹیکس ادا کریں۔

7. یعنی وہ اس حال میں جزیہ ادا کریں کہ وہ ذلیل اور مغلوب ہوں۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ کھڑے ہو کر جزیہ دیں اور لینے والا بیٹھا ہوا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں ان سے ٹیکس لیا جائے گا اور اس کی گردن کو روندا جائے گا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب وہ ٹیکس ادا کرے تو اس کی گدی پر طمانچہ مارا جائے۔ بعض فرمائے اس کی داڑھی سے پکڑ کر اسے تھپڑ رسید کیا جائے۔ بعض فرماتے ہیں اسے سختی سے گھسیٹ کر ادائیگی کی جگہ پر لایا جائے۔ بعض فرماتے ہیں وہ ذلیل ہو کر ٹیکس ادا کریں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صغار سے مراد ان پر اسلام کے احکام جاری کرنا ہے (1)۔ اس آیت کا ظاہر یہ تقاضا کرتا ہے جب وہ ٹیکس ادا کر دیں تو ان سے جنگ ختم کر دی جائے لیکن یہ حکم صرف اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجوسیوں سے اس وقت تک جزیہ قبول نہ کیا جب تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے گواہی نہ دی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔ اس حدیث کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں بجالہ بن عبدہ سے روایت کیا ہے (2)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بجالہ کے بارے میں مختلف ہے، فرماتے ہیں حدود کے متعلق یہ مجہول ہیں اور جزیہ ان کی حدیث قبول ہے۔ اسی حدیث کی وجہ سے مجوسیوں سے ٹیکس وصول کرنے پر اجماع ہے۔

مسئلہ:۔ جزیہ کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اہل کتاب سے علی العموم جزیہ وصول کیا جائے گا خواہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 65 (التجاریہ)
2۔ صحیح بخاری، جلد 3 صفحہ 1151 (ابن کثیر)

وہ عربی ہوں یا عجمی اور عجم کے مشرکوں سے علی العموم وصول کیا جائے گا، خواہ مجوسی یا بت پرست ہوں لیکن مرتدوں سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جزیہ اہل عجم سے قبول کیا جائے خواہ کتابی ہوں یا مشرک ہوں۔ اہل عرب سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے۔ امام مالک اور امام اوزاعی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہر کافر سے جزیہ لیا جائے گا، خواہ عربی ہو یا عجمی مگر قریش کے مشرکین اور مرتدوں سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جزیہ ادیان پر ہوتا ہے انسان پر نہیں ہوتا۔ پس اہل کتاب سے قبول کیا جائے خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی ہوں اور بت پرستوں سے کسی صورت قبول نہیں کیا جائے گا اور مجوسی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اہل کتاب ہیں کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خود الام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت لکھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ مجوس کے بارے کیا کروں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آپ کو بتایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب والا معاملہ کرو(1)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ فروہ بن نوفل نے کہا مجوسیوں سے جزیہ کیوں لیا جاتا ہے جبکہ یہ اہل کتاب نہیں ہیں۔ یہ بات سن کر مستورد اٹھے اور اس کی داڑھی کو پکڑ کر فرمایا اے اللہ کے دشمن تو ابوبکر، عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم پر طعن کر رہا ہے۔ انہوں نے بھی تو مجوسیوں سے جزیہ قبول کیا تھا۔ فروہ اپنے محل میں چلا گیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا میں مجوسیوں کے متعلق سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ ان کے پاس علم ہے جسے وہ جانتے ہیں اور ان کی ایک کتاب ہے جسے وہ پڑھتے ہیں۔ ان کے بادشاہ نے ایک دفعہ شراب پی تھی اور مست ہو کر اپنی بہنی یا ماں سے برائی کا ارتکاب کیا تھا۔ بعض لوگ اس کی اس بے حیائی پر مطلع ہو گئے۔ جب وہ ٹھیک ہوا تو لوگوں نے اس پر حد قائم کرنا چاہی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے اپنی مملکت کے شہریوں کو بلا کر خطاب کیا اور کہا تم آدم علیہ السلام کے دین سے بہتر دین جانتے ہو حالانکہ آدم علیہ السلام اپنے بیٹوں کا نکاح اپنی بیٹیوں سے کرتے تھے۔ میں آدم علیہ السلام کے دین پر کاربند ہوں تمہیں ان کے دین سے کس چیز نے برگشتہ کر دیا ہے۔ پس تمام نے اس کی یہ تقریر سن کر اس کی بیعت کر لی اور جنہوں نے ان کی مخالفت کی تھی ان سے انہوں نے جنگ کی پھر جب صبح ہوئی تو ان کے علماء قید ہو چکے تھے۔ جب معاملہ ان پر پیش کیا گیا تو ان کا علم ان کے سینوں سے نکل چکا تھا۔ حالانکہ وہ اہل کتاب تھے۔ رسول اللہ ﷺ، سیدنا ابوبکر الصدیق، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے ان سے جزیہ وصول کیا تھا۔ یہ حدیث ابن الجوزی نے التحقیق میں نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ سعید بن مرزبان جو اس حدیث کا راوی ہے وہ مجروح ہے۔ یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں میں سعید بن مرزبان سے حدیث روایت کرنا حلال نہیں سمجھتا یحییٰ فرماتے ہیں وہ کوئی شی نہیں ہے اور اس کی حدیث نہیں لکھی جائے گی۔ فلاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ متروک الحدیث ہے۔ ابو اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں وہ ثقہ تھا۔ ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں وہ صدوق مدلس ہے۔

میں کہتا ہوں ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں ذکر کیا ہے۔ ہمیں سفیان بن عیینہ نے نصر بن عاصم اللیثی کے واسطہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما مجوسیوں سے جزیہ وصول کرتے تھے، فرمایا میں مجوسیوں کے متعلق تمام لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں وہ اہل کتاب تھے، وہ کتاب پڑھتے تھے۔ وہ اہل علم تھے جس کو وہ جانتے تھے لیکن ان کے سینوں سے پھر علم اٹھا لیا گیا تھا(2)۔ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نصر بن خلیفہ نے ہمیں بتایا کہ فروہ بن

1۔ موطا امام مالک، جلد 1 صفحہ 278 (التراث العربی)

2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 412 (العلمیہ)

نوفل الاشجعی نے کہا تھا یہ بڑا عجیب معاملہ ہے کہ مجوسیوں سے خراج وصول کیا جاتا ہے حالانکہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں فرماتے ہیں، مستورد بن الاحنف اٹھے اور فرمایا تو نے رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کیا ہے۔ توبہ کرو ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اہل ہجر کے مجوسیوں سے خراج وصول کیا تھا، فرماتے ہیں یہ دونوں اپنا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تم دونوں کو ایسی بات بتاتا ہوں جس سے تم دونوں خوش ہو جاؤ گے۔ وہ یہ کہ مجوس ایک امت تھے جن کی ایک کتاب تھی جسے یہ پڑھتے تھے۔ ان کے بادشاہ نے شراب پی تھی جس کی وجہ سے وہ مدہوش گیا تھا۔ اس نے اسی بدمستی کی حالت میں اپنی بہن کا ہاتھ پکڑا اور اسے شہر سے باہر لے گیا۔ اس کے پیچھے چار افراد بھی نکل پڑے تھے۔ اس بادشاہ نے اپنی بہن سے برائی کا ارتکاب کیا، جبکہ وہ چاروں افراد دیکھ رہے تھے۔ جب اس کا نشہ اترا تو اس کی بہن نے کہا جب تو یہ فعل شنیع کر رہا تھا تو فلاں فلاں شخص تجھے دیکھ رہے تھے، اس نے کہا مجھے تو اس کا علم ہی نہیں ہے، بہن نے کہا تجھے قتل کیا جائے گا لیکن اگر تو میری بات پر عمل کرے گا تو بچ جائے گا۔ اس نے کہا میں تیری بات مانتا ہوں، بہن نے کہا اس فعل شنیع کو دین کا درجہ دے دے اور تو لوگوں کو کہہ کہ یہ آدم علیہ السلام کا دین ہے اور یہ بھی کہہ کہ حواء آدم سے پیدا ہوئی تھی۔ لوگوں کو اپنے پاس بلا اور ان پر تلوار سونت لے جو تیری اتباع کرے اور تیری اس بات کو مان لے اس چھوڑ دے اور جو انکار کرے اسے قتل کر دے۔ اس نے بہن کے اس مشورہ پر عمل کیا لیکن کسی نے بھی اس کی بات نہ مانی۔ وہ اس دن لوگوں کو قتل کرتا رہا یہاں تک کہ شام ہو گئی، بہن نے پھر مشورہ دیا کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ لوگ تلوار کو برداشت کر گئے ہیں، ان کو آگ پر پیش کرو، لوگوں کے لئے آگ جلاؤ، پھر انہیں آگ میں ڈالنے کی دھمکی دو تو اس نے اس مشورہ پر عمل کیا، لوگ آگ سے ڈر گئے اور اس کی بیعت کرنی شروع کر دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مجوسیوں کے اہل کتاب ہونے کی وجہ سے ان سے خراج وصول کیا، لیکن ان کے شرک کی وجہ سے ان کے ساتھ نکاح کرنے اور ان کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا (1)۔ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے التحقیق میں روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب اہل فارس کا نبی وصال فرما گیا تو ابلیس نے ان کے لئے مجوسیہ لکھ دی۔ شوافع کا یہ استدلال کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجوس کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ کرو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مجوس کتابی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے اس فرمان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مجوس اہل کتاب سے ہیں اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے تمام معاملات میں ان سے مجوسیوں جیسا سلوک کیا جائے گا۔ حدیث شریف سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ان سے جزیہ لینا جائز ہے کیونکہ ان کی عورتوں سے نکاح کرنے اور ان کے ذبیحہ کو نہ کھانے پر اجماع ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہماری حجت ہے نہ کہ ہمارے خلاف حجت ہے کیونکہ اگرچہ ان کے اسلاف اہل کتاب تھے۔ وہ اپنی کتاب کی تلاوت بھی کرتے تھے لیکن جب انہوں نے اپنے دین کو ترک کر دیا اور کتاب پر عمل چھوڑ دیا اور ان کے سینوں سے علم بھی اٹھا لیا گیا اور ابلیس نے ان کے لئے مجوسیت کو لکھ دیا تو اب وہ اہل کتاب نہ رہے۔ اسی وجہ سے علماء کا اتفاق ہے کہ مجوس اہل کتاب نہیں ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے کہ وہ اہل کتاب ہیں۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول علماء کے ساتھ ہے کہ مجوس اہل کتاب نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر مجوس کے اسلاف اہل کتاب تھے ہندوستان کے بت پرست بدرجہ اولی اہل کتاب کہلوانے کے مستحق ہیں کیونکہ وہ کتاب پڑھتے پڑھاتے ہیں جسے وہ بید کہتے ہیں اس کے چار اجزاء ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے، اور ان

1۔ کتاب الخراج صفحہ 56-55 (التفسیہ)

کے اکثر اصول بھی اصول شریعت کے موافق ہیں اور ان کے جو کام شرع کے مخالف ہیں وہ شیطان کے اختلاطات کی وجہ سے ہیں جیسا کہ شیطان کی کارستانیوں کی وجہ سے اسلام کے ماننے والے تہتر فرقوں میں بٹ گئے ہیں اور ان کی دعوت کو شریعت کی تائید حاصل ہے کیونکہ ارشاد ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ۔ پس اس اعتبار سے تو ہندوستان کے بت پرست اہل کتاب ہونے میں مجوس سے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ مجوسیوں کے بادشاہ نے جب شراب پی اور اپنی بہن سے بدکاری کی تو اس نے اپنا دین اور کتاب چھوڑ دی اور آدم علیہ السلام کے دین کی دعوت دینی شروع کر دی اور ہندوستان کے کفار نے تو اپنے دین کو چھوڑ کر نیا دین نہیں گھڑا ہے بلکہ یہ نبی کریم ﷺ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کافر قرار پائے ہیں اور مجھے یہ بتایا گیا ہے بید کے چوتھے جزء میں خاتم النبیین محمد ﷺ کی بعثت کی بشارت بھی ہے اور بعض لوگ اس چوتھے جزء کو پڑھ کر مسلمان ہوئے ہیں، واللہ اعلم۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مقلدین یہ کہتے ہیں کہ بت پرستوں سے جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (ان سے جنگ کرو تا کہ فتنہ باقی نہ رہے) کی وجہ سے جنگ کرنا واجب ہے۔ لیکن اہل کتاب سے جنگ ان کی کتاب کی وجہ سے نہیں کی جاتی (جب وہ جزیہ ادا کریں) اور مجوسیوں کے حق میں حدیث وارد ہے کہ ان سے جنگ نہیں کی جاتی (جب وہ ٹیکس ادا کریں) حضور نبی کریم ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے ٹیکس وصول کیا تھا۔ پس اہل کتاب اور مجوسیوں کے علاوہ باقی لوگ اپنی اصل پر باقی ہوں گے یعنی ان سے جنگ کی جائے گی جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا۔

ہم شوافع کے قول مذکور کے جواب میں یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد قاتلوا المشرکین (مشرکین سے جنگ کرو) کے عموم سے مجوس بالاجماع خاص ہیں اور ایک عقلی دلیل اور حدیث کے ذریعے تخصیص جائز ہے۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ بت پرست مجوس جیسے ہیں کیونکہ یہ بھی ان کی طرح مشرک ہیں اور ان کے اسلاف کا اہل کتاب ہونا ان کے لئے کچھ مفید نہیں ہے اور ان کو غلام بنانا بھی بالاجماع جائز ہے نیز ان پر ٹیکس لگانا بھی جائز ہے کیونکہ مجوسی اور بت پرست ہر ایک کی آزادی مسلوب ہوتی ہے، ہر ایک محنت مزدوری کرتا ہے اور مسلمانوں کو بھی ادا کرتا ہے اور اپنا خرچ بھی پورا کرتا ہے اور جس حدیث سے تخصیص کی گئی ہے وہ حضرت سلیمان بن بردہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو کسی لشکر کا جرنیل بنا کر بھیجتے تو اس کو تقویٰ اور ساتھیوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے کی تلقین فرماتے، پھر فرماتے اللہ کے راستہ میں اللہ کا نام لیکر جہاد شروع کرو اور اللہ کے منکر سے جنگ کرو۔ حوصلہ پست نہ کرنا اور نہ دھوکہ دینا اور نہ مثلہ کرنا اور نہ کسی بچے کو قتل کرنا اور جب کسی مشرک قوم سے آمنا سامنا ہو تو انہیں تین باتوں کی طرف دعوت دینا جو بھی وہ قبول کر لیں تم ان کی طرف سے مان لینا اور ان سے لڑنا بند کر دینا، انہیں سب سے پہلے مذہب اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا اگر وہ یہ تمہاری بات مان لیں تو فبہا اور ان سے قتال روک لینا پھر انہیں اپنے وطن کو چھوڑ کر دار ہجرت (مدینہ طیبہ) کی طرف ہجرت کرنے کو کہنا اور انہیں یہ کہنا کہ اگر وہ مدینہ طیبہ چلے جائیں گے تو ان کو وہی سہولیات میسر ہوں گی جو دوسرے مہاجرین کو میسر ہیں اور ان پر بھی اتنی ہی مشقت ہوگی جتنی دوسرے مہاجرین پر ہوگی۔ اگر وہ ہجرت کو قبول نہ کریں تو انہیں کہنا کہ تم مسلمانوں کے بدوؤں کی طرح ہو گے، ان پر بھی اللہ تعالیٰ کا وہی حکم نافذ ہوگا جو دوسرے مسلمانوں پر نافذ ہوتا ہے، ان کا مال غنیمت اور مال فیئ میں کوئی حصہ نہ ہوگا جب تک کہ یہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد میں شریک نہ ہوں۔ اگر وہ اس بات کا بھی انکار کریں تو ان پر جزیہ پیش کرو۔ اگر وہ جزیہ قبول کر لیں تو پھر تم ان سے جنگ کا کوڑا روک لو۔ لیکن اگر آخری بات جزیہ کو بھی تسلیم نہ کریں تو

اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور ان سے جہاد کرو، (مسلم)(1) عربی کتابی سے جزیہ لینے کے جواز پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر کی طرف بھیجا تو آپ اسے گرفتار کر کے لے آئے آپ ﷺ نے اسے خون کی حفاظت کی ضمانت دے دی اور جزیہ پر صلح کر لی۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔(2)

ابوداؤد اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے یزید بن رومان اور عبداللہ بن ابی بکر کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خالد بن ولید کو اکیدر بن عبدالملک کی طرف بھیجا جو کندہ قبیلہ سے تھا اور دومۃ الجندل کا بادشاہ تھا۔ اس طویل حدیث میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جزیہ پر اس سے صلح کر لی تھی(3)۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اکیدر کندی تھا اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جزیہ صرف عجمی اہل کتاب کے ساتھ مختص نہیں ہے کیونکہ اکیدر عربی تھا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ جزیہ اہل کتاب اور اہل عجم کے ساتھ خاص نہیں ہے تو امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا مسلک ثابت ہو گیا۔ لیکن ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اہل عرب کے بت پرستوں سے جزیہ قبول کرنا اور ان کو غلام بنانا جائز نہیں ہے، عبدالرزاق نے معمر عن زہری کی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرب بت پرستوں کے علاوہ دوسرے بت پرستوں سے صلح کی تھی(4)۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ظہور عربوں کے اندر ہوا اور قرآن ان کی لغت پر نازل ہوا اس لئے ان کا یہ معجزہ بالکل اظہر من الشمس تھا اس لئے اب ان سے اسلام یا جنگ کے علاوہ اور کچھ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح مرتد کا حکم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام کی طرف ہدایت عطا فرمائی تھی لیکن پھر اس نے اپنے رب کریم کا انکار کیا اور اسلام کے سنہری اصول و فروع سے واقف ہونے کے بعد اس نے اعراض کیا۔ اس لئے اس سے بھی اسلام یا تلوار ہی قبول ہو گی۔ محمد بن حسن نے عن مقسم عن ابن عباس کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مشرکین عرب سے صرف دو باتیں ہی قبول کرتے تھے اسلام یا قتل اور جب عرب کے بت پرستوں یا مرتدین پر غلبہ پایا جائے تو ان کی عورتوں کو لونڈیاں اور ان کے بچوں کو غلام بنا لیا جائے کیونکہ وہ مشرکین عرب میں سے تھے۔ اسی طرح بنی المصطلق وغیرہم کی اولاد کو غلام بنایا جائے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بنی حنیفہ کی اولاد کو غلام بنایا تھا جب وہ مرتد ہو گئے تھے اور پھر انہیں غازیوں میں تقسیم فرما دیا تھا۔ محمد بن علی بن ابی طالب کی والدہ اور زید بن عبداللہ بن عمر کی والدہ بھی ان میں شامل تھیں۔ مرتدین کے بچوں اور بیویوں کو غلام بنانے کے بعد اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، جبکہ بت پرستوں کے بچوں اور بیویوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عرب کے بت پرستوں کے بال بچوں کو غلام بنایا جائے گا۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اکیدر سے جزیہ لینے والی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے کفار سے جزیہ لینا جائز ہے، اگرچہ وہ کتابی ہوں یا مشرک ہوں لیکن یہ حدیث منسوخ ہے ان احادیث کی وجہ سے جن میں ہے کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو اور اس میں صرف مسلمان ہی رہ سکتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ سے جزیہ لینا تو اس بات پر منحصر ہے جبکہ انہیں جزیرہ عرب میں رہنے کی اجازت ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی فرمایا مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو اور وفود کو آنے کی اسی طرح اجازت دو جیسے میں دیتا

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 82 (قدیمی)
2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 74 (وزارت تعلیم)
3۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5 صفحہ 251 (العلمیہ)
4۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 6 صفحہ 86 (مجلس علمی)

ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں تیسری بات آپ نے خود بیان نہیں فرمائی یا مجھے بھول گئی ہے۔ (متفق علیہ)
(۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں مجھے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے یہ فرماتے سنا ہے کہ میں یہود ونصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا اور اس میں سوائے مسلمانوں کے کسی کو نہ چھوڑوں گا۔ (مسلم) (2) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں ابن شہاب سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں صالح بن ابی الاخضر عن الزہری عن سعید عن ابی ہریرہ کی سند سے متصل روایت کی ہے۔ امام احمد اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے جو بات ارشاد فرمائی تھی وہ یہ تھی کہ یہود کو حجاز سے اور اہل نجران کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔

مسئلہ:۔ جزیہ کی مقدار کتنی ہے؟

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جزیہ یا باہمی رضامندی اور صلح سے لگایا جائے گا جس مقدار پر اتفاق ہو جائے گا وہی وضع کیا جائے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران سے دو ہزار کپڑوں کے جوڑوں پر صلح کی تھی۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران سے دو ہزار کپڑوں کے جوڑوں پر صلح فرمائی تھی۔ نصف وہ صفر میں ادا کریں گے اور نصف رجب میں واجب الاداء ہوں گے (3)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں اور ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران کو لکھا کہ دو ہزار جوڑے کپڑوں کے تم ادا کرو گے اور ہر جوڑے کی قیمت ایک اوقیہ ہوگی (4)۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں الولوالجی کا یہ کہنا کہ ہر جوڑا پچاس درہم کا ہو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اوقیہ چالیس درہموں کا ہوتا ہے۔ کپڑوں کے جوڑا سے مراد دو کپڑے یعنی تہبند اور اوپر والی چادر ہیں۔ یہ کپڑوں کے جوڑے ان کے افراد اور ان کی زمینوں کے مقابلہ میں ہوں گے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ٹیکس ان کی زمینوں پر ہوگا اور ان کی ذوات پر جزیہ ہوگا یہ جزیہ ان لوگوں پر ہوگا جو مسلمان نہ ہوں گے اور نجران کی ہر زمین پر خراج ہوگا اگر چہ کوئی اپنی زمین کسی مسلمان یا ذمی یا تغلبی کو فروخت بھی کر دے۔ عورتوں اور بچوں کی زمینوں پر ٹیکس ہوگا لیکن ذوات ونفوس پر جو ٹیکس ہوتا ہے اس میں بچے اور عورتیں مستثنیٰ ہیں۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نصاری بنی تغلب سے اس بات پر صلح کی تھی کہ ان سے مسلمانوں کی زکوٰۃ کا دوگنا وصول کیا جائے گا۔ اگر امام ان پر غلبہ پالے اور انہیں اپنی زمین پر برقرار رکھے تو امیر آدمی سے ہر سال کل اڑتالیس درہم وصول کئے جائیں گے یعنی ہر ماہ چار درہم لئے جائیں گے اور متوسط طبقہ کے لوگوں میں سے ہر شخص سے چوبیس درہم یعنی ہر ماہ دو درہم وصول کئے جائیں گے اور فقیر جو کمانے پر قدرت رکھتا ہو اس سے سالانہ بارہ درہم، یعنی ہر ماہ ایک درہم وصول کیا جائے گا۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ ہر شخص سے برابر سالانہ چار دینار یا چالیس درہم وصول کئے جائیں گے۔ آپ کے نزدیک غنی اور فقیر کا کوئی تفاوت نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک دینار واجب ہوگا اور اس میں غنی اور فقیر کا کوئی فرق نہیں ہے سب برابر ہیں۔ حضرت امام احمد سے چار اقوال مروی ہیں: 1۔ ایک قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہے، 2:۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ امام کی رائے پر منحصر ہے۔ اس کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے۔ امام ثوری

1۔ صحیح بخاری، جلد 3 صفحہ 1111 (ابن کثیر) 2۔ صحیح مسلم، جلد 4 صفحہ 78 (العلمیۃ)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 75-74 (وزارت تعلیم) 4۔ کتاب الخراج صفحہ 85 (السلفیۃ)

رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔3:۔تیسرا قول یہ ہے کہ کم از کم ایک دینار ہوگا زیادہ کی حد متعین نہیں۔4:۔یہ کہ اہل یمن کے لئے سالانہ ایک دینار متعین ہے دوسروں کے لئے نہیں کیونکہ اہل یمن کے متعلق حدیث طیبہ وارد ہے۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا ہر بالغ شخص سے ایک دینار وصول کرنا یا اس کے مقابل معافر کپڑے لینا۔یہ معاملہ صرف یمنیوں کے ساتھ ہوگا۔اس حدیث شریف کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دار قطنی، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے(1)۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث پر عمل کیا ہے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث منکر ہے اور فرماتے ہیں مجھے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی بات پہنچی ہے کہ آپ بھی اس حدیث کو منکر بتاتے تھے۔امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق اختلاف ذکر کیا ہے۔بعض محدثین نے اسے عن اعمش عن ابی وائل عن مسروق عن معاذ کی سند سے روایت کیا ہے اور بعض نے عن اعمش عن ابی وائل عن مسروق ان النبی ﷺ لما بعث معاذاً کی سند اور متن سے روایت کیا ہے۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ یہ منقطع ہے کیونکہ مسروق کی معاذ سے ملاقات نہیں ہوئی۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں نظر ہے۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں بعض محدثین نے اسے مرسل روایت کیا ہے اور وہ اصح ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ائمہ احناف نے اپنی امہات الکتب میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن الحکم کے واسطہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حذیفہ بن یمان اور عثمان بن حنیف کو عراق کی طرف بھیجا تو انہوں نے عراق کی زمین کی پیائش کرائی پھر اس پر خراج مقرر فرمایا۔انہوں نے لوگوں کو تین طبقات میں تقسیم کیا جیسا کہ پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔جب وہ واپس آئے اور انہوں نے اپنا طریقہ کار بتایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی پر عمل فرمایا۔ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن مسھر الشیبانی عن ابن عون محمد بن عبداللہ الثقفی کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں پر ٹیکس لگایا تو غنی پر اڑتالیس، متوسط پر چوبیس اور فقیر پر بارہ درہم مقرر فرمایا۔یہ روایت مرسل ہے(2)۔اسی روایت کو ابن زنجویہ نے کتاب الاموال میں ذیل کی سند سے ذکر کیا ہے: ثنا مندل عن الشیبانی عن ابن عون عن المغیرہ بن شعبہ بن عمر وضع.........الی اخرہ ایک دوسرے طریق سے ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے الطبقات میں نقل کی ہے کہ عمر بن خطاب نے شہروں کو فتح کیا تو ذمیوں پر جزیہ عائد کیا تو غنی پر اتنا مقرر فرمایا.........الی آخرہ ایک اور طریق سے عبدالقاسم بن سلام نے بروایت حارثہ بن معزب عن عمر نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان بن حنیف کو (عراق) کی طرف امیر بنا کر بھیجا تو آپ نے حسب حیثیت ہر شخص پر اڑتالیس، چوبیس اور بارہ درہم مقرر فرمائے، یہ سب کچھ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا اور کسی نے انکار نہیں فرمایا۔پس گویا یہ صحابہ کرام کا اجماعی مسئلہ ہے۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں حضرت عامر الشعبی سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عراق کی زمین کی پیائش کرائی تو وہ 360 کروڑ جریب بنی۔پھر آپ نے غلہ والی زمین کی ایک جریب پر ایک درہم اور ایک قفیز اناج اور انگوروں والی زمین کی ایک جریب پر بارہ درہم، کھجوروں والی زمین کی ایک جریب پر پانچ درہم مقرر فرمائے۔مردوں پر حسب حیثیت بارہ، چوبیس اور اڑتالیس درہم مقرر فرمائے(3) اور امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ ابن مجلز سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو امامت اور جنگی امور سپرد کر کے بھیجا عبداللہ بن

1۔سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 74 (وزارت تعلیم) 2۔مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 6 صفحہ 429 (الزمان) 3۔کتاب الخراج صفحہ 42 (السلفیہ)

مسعود کو قاضی اور بیت المال کا محکمہ عطا فرما کر بھیجا، حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو زمین کی پیائش کا فریضہ سونپ کر بھیجا اور ان تینوں افراد کے لئے روزانہ ایک بکری بطور خوراک متعین فرمائی۔ نصف بکری اور اس کے پیٹ کا گوشت عمار کے لئے، چوتھائی بکری عبداللہ بن مسعود کے لئے اور دوسری چوتھائی عثمان بن حنیف کے لئے مقرر فرمائی۔ اور فرمایا میں اور تم اس مال پر یتیم کے والی کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اگر وہ غنی ہو تو اسے یتیم کے مال سے اجتناب کرنا چاہئے اور اگر فقیر ہو تو معروف طریقہ پر یتیم کے مال سے لے سکتا ہے۔ قسم بخدا میرا خیال یہ ہے کہ جس زمین سے ہر روز ایک بکری لی جائے گی وہ جلدی ختم ہو جائیں گی۔ راوی فرماتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زمین کی پیائش کرائی پھر انگور والی زمین کی ایک جریب پر دس درہم، کھجور کی ایک جریب پر آٹھ درہم اور گنے کی ایک جریب پر چھ درہم اور گندم کی ایک جریب پر چار درہم جو کی ایک جریب پر دو درہم مقرر فرمائے۔ مردوں پر حسب طاقت بارہ، چوبیس اور اڑتالیس درہم متعین فرمائے۔ عورتوں اور بچوں پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے بعض ساتھیوں نے مجھ سے اختلاف کیا انہوں نے فرمایا کھجور کی ایک جریب پر درہم درہم اور انگور کی ایک جریب پر آٹھ درہم مقرر فرمائے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (1) مجھے محمد بن اسحاق نے حارثہ بن مطرف کے حوالہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل بتایا کہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے درمیان عراق کی زمین تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا تو پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے عراق کے افراد شمار کرنے کا حکم دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک مسلمان کے حصہ میں دو، تین عراقی آتے ہیں۔ صحابہ کرام نے مشورہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ لوگ مسلمانوں کے معاون ہو سکتے ہیں (اس لئے انہیں اپنی زمین پر رہنے دیا جائے) پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان بن حنیف کو ان کے پاس بھیجا اور ان پر حسب حیثیت اڑتالیس، چوبیس اور بارہ درہم سالانہ جزیہ مقرر فرمایا۔(2)

احناف حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ صلح پر محمول ہے کیونکہ یمن کو سختی سے نہیں بلکہ صلح سے فتح کیا گیا تھا اس لئے مصالحت جس ٹیکس پر ہوئی وہی مقرر رہا۔ اہل یمن غریب اور نادار لوگ تھے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے ان پر ایک غریب کا جزیہ عائد فرمایا۔ اس بات کی تائید بخاری کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابی نجیح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے مجاہد سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ اہل شام پر چار دینار اور اہل یمن پر ایک دینار جزیہ وضع کیا گیا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اہل شام خوشحال تھے اور اہل یمن نادار تھے(3)۔ حضرت ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا انحصار حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت پر ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ایک دینار لینے کا حکم فرمایا تھا اور نجران کے نصاریٰ سے دو ہزار کپڑوں کے جوڑوں پر مصالحت فرمائی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ مقرر کرتے وقت تین طبقات بنائے تھے۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ بنی تغلب نے مسلمانوں کی زکوٰۃ کا دوگنا دینے پر صلح کی تھی۔ یہ مختلف مقداریں اس بات کی دلیل ہیں کہ جزیہ کی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ یہ امام کی رائے پر منحصر ہے۔

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے روزگار فقیر سے جزیہ نہ لیا جائے گا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ ایک قول تو جمہور کے قول کے مطابق ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فقیر بے روزگار پر بھی واجب ہے

1۔ کتاب الخراج صفحہ 43-42 (السلفیۃ)　　2۔ کتاب الخراج صفحہ 43 (السلفیۃ)

3۔ صحیح بخاری، جلد 3 صفحہ 1151 (ابن کثیر)

لیکن اس سے وصول اس وقت کیا جائے گا جب وہ صاحب استطاعت ہوگا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جب اس پر سال گزر جائے اور وہ پھر بھی خوشحال نہ ہو تو اسے دارالحرب کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر بالغ شخص سے جزیہ وصول کرو۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے بے روزگار فقیر پر جزیہ عائد نہیں کیا تھا۔ ابن زنجویہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاموال میں ایک سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ وہ بھیک مانگ رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بھیک مانگنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا میرے پاس مال نہیں ہے اور مجھ سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا ہم نے تیری جوانی کی کمائی سے کھایا اور پھر ہم تجھ سے اس حالت میں جزیہ بھی لیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اپنے عمال کی طرف لکھا کہ بوڑھے افراد سے جزیہ نہ لیا جائے اور بعض طرق میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ روزگار والے فقیر سے بارہ درہم وصول کئے جائیں۔ اس روایت کو بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے عمرو بن نافع نے ابی بکر سے روایت کر کے بتایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک قوم کے دروازے سے گزرے تو ایک بوڑھا شخص جو نابینا تھا بھیک مانگ رہا تھا (آگے اسی طرح واقعہ نقل کیا ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بوڑھے اور اس جیسے دوسرے افراد سے جزیہ ساقط کر دیا تھا۔ ابو بکر کہتے ہیں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم کے جاری کرنے کے وقت موجود تھا اور میں نے اس بوڑھے کو بھی دیکھا تھا(1)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کر کے ہمیں بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام سے واپس آتے ہوئے ایک قوم کے پاس سے گزرے جنہیں دھوپ میں کھڑا کر کے ان کے سروں پر تیل انڈیلا جا رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا ان لوگوں کو کیوں دھوپ میں کھڑا کیا گیا ہے۔ لوگوں نے بتایا ان پر جزیہ واجب ہے اور انہوں نے جزیہ ادا نہیں کیا، انہیں جزیہ کی ادائیگی کے لئے سزا دی جا رہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ جزیہ کیوں نہیں ادا کرتے۔ لوگوں نے بتایا یہ اپنی غربت اور ناداری کا اظہار کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا انہیں چھوڑ دو اور انہیں ایسی تکلیف نہ دو جس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ لوگوں کو عذاب اور تکلیف نہ دو کیونکہ جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز انہیں عذاب دے گا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں رہا کرنے کا حکم فرمایا(2)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے بعض مشائخ نے نبی کریم ﷺ تک سند پہنچا کر بتایا کہ عبداللہ بن ارقم کو جنہیں ذمیوں سے جزیہ وصول کرنے کا کام سپرد کیا گیا تھا۔ جب وہ ہدایت نبوی ﷺ لیکر واپس پلٹے تو آپ ﷺ نے پھر بلایا اور فرمایا جو کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اسے طاقت سے زیادہ تکلیف دے گا یا اس کا حصہ کم کرے گا یا ان کی رضامندی کے بغیر ان سے کوئی چیز لے گا تو میں قیامت کے روز مظلوم کا وکیل ہوں گا (یعنی اس کی طرف سے میں جھگڑا کروں گا)(3)۔ یہ حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تائید کرتی ہے کہ جزیہ امام کی رائے پر موقوف ہے۔ وہ ذمی کے حالات کو دیکھ کر اس پر جزیہ عائد کرے اور طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ نہ ڈالے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی کافر پر عقد ذمہ کے بعد سال کا جزیہ عائد کر دیا گیا اور پھر اس نے سال مکمل ہونے کے بعد بھی ادا نہ کیا حتیٰ کہ وہ مسلمان ہوگیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایسے شخص سے گزشتہ سال کا جزیہ وصول کیا جائے گا کیونکہ جزیہ دارالاسلام میں رہنے

1۔ کتاب الخراج صفحہ 150 (السلفیہ)　2۔ کتاب الخراج صفحہ 150 (السلفیہ)　3۔ کتاب الخراج صفحہ 150 (السلفیہ)

کی اجرت ہے اور وہ دار کی سکونت کا نفع اٹھا چکا ہے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے۔ دوسرا قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ ان پر یہ ٹیکس اس عصمت اور حفاظت کا بدل ہے جو عقد ذمہ کے ساتھ ذمی کے لئے ثابت ہوتا ہے اور وہ معوّض یعنی خون کی حفاظت اور رہائش کا نفع حاصل کر چکے ہیں۔ پس معوّض کا بدل بھی ان پر لازم ہوگا اور دوسرے قرضوں کی طرح یہ بھی ایک قرض ہے اور بغیر ادائیگی کے ساقط نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام قبول کرنے کے ساتھ ذمی سے ٹیکس (جزیہ) ساقط ہو جائے گا کیونکہ جزیہ کفر پر ایک عقوبت اور سزا ہے اور توبہ کے بعد سزا نہیں دی جاتی اور اسلامی جنگ کی غایت بھی یہ ہے کہ وہ کفر سے توبہ کر کے اسلام کے قلعہ میں داخل ہو جائیں۔ اور اسلام قبول کرنے کے ساتھ جنگ ختم ہو جاتی ہے اور جزیہ کا دارالاسلام میں رہائش کی اجرت ہونا یہ درست نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی ملکیت میں رہتا ہے، ہماری دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان پر جزیہ نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام احمد، امام ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے(1)۔ ابوداؤد فرماتے ہیں سفیان ثوری سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جب مسلمان ہو جائے تو پھر جزیہ نہیں ہے، حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے جن الفاظ کے ساتھ جواب دیا ہے وہ حقیقت میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے مَنْ اَسْلَمَ فَلَا جِزْيَةَ عَلَيْهِ(2)۔ (جو مسلمان ہو جائے اس پر جزیہ نہیں ہے)۔ جسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم الاوسط میں ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ ابن القطان رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے راویوں میں سے قابوس بن الظبیان کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی سند میں قابوس راوی نہیں ہے۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث اپنے عموم کی بناء پر اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جو کچھ اسلام قبول کرنے پر کافر پر واجب تھا وہ ساقط ہو جائے گا۔ لیکن یہ مراد نہیں بلکہ خصوصیت کے ساتھ جزیہ کا سقوط مراد ہے کیونکہ یہ فائدہ کا مقام ہے کیونکہ مسلمان پر جزیہ کا عائد نہ ہونا ابتداءً ضروریات دین میں سے ہے، پس اس کے متعلق اخبار اس فائدہ کے لئے ذکر کی گئی ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد اس پر جزیہ نہ ہوگا اور مسلمان باقی رہنے کی حالت میں ٹیکس کے سقوط کے متعلق اخبار کی طرح یہ اخبار نہیں ہیں۔

•

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے کوفہ کے علماء میں سے ایک شیخ نے بتایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے عبدالحمید بن عبدالرحمن کو یہ لکھا کہ تو نے مجھ سے حیرہ کے ان یہود و نصاری کے متعلق پوچھا ہے جو مسلمان ہو گئے ہیں اور انہوں نے جزیہ کی بڑی مقدار ادا کرنی ہے، تم مجھ سے ان کے سابقہ جزیہ کو وصول کرنے کی اجازت طلب کرتے ہو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو دعوت اسلام کے لئے مبعوث فرمایا تھا، ٹیکس وصول کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا تھا۔ پس جو یہود و نصاری میں سے اسلام قبول کرے اس کے مال سے زکوۃ وصول کی جائے گی لیکن اس پر جزیہ نہ ہوگا(3)۔ اگر کوئی یہ کہے کہ خراج اور جزیہ اور استرقاق (غلام بنانا) میں فرق کیا ہے حالانکہ یہ تمام چیزیں کفر پر عقوبت ہیں۔ پھر کیوں کہا جاتا ہے کہ جزیہ ساقط ہو جائے گا لیکن خراج اور غلامی ساقط نہ ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جزیہ ظاہری ذلت ہے اور اس کی بنیاد کافر کو ذلیل کرنا ہے اور خراج اس میں محنت و مشقت کا مفہوم ہے۔ چونکہ بادشاہ اور فوج کی حمایت اور حفاظت کے بغیر کوئی کسان کھیتی باڑی نہیں کر سکتا اس لئے اس سے فوجیوں کی حفاظت کا معاوضہ وصول کیا جاتا ہے اور غلام کا تعلق ایک شخص واحد کی ملکیت سے ہوتا ہے، جبکہ جزیہ اس کا تعلق شخص معین سے نہیں بلکہ یہ مفاد عامہ کے لئے ہوتا ہے۔

1۔ جامع ترمذی، جلد3 صفحہ27 (العلمیۃ)　2۔ جامع ترمذی، جلد3 صفحہ27 (العلمیۃ)　3۔ کتاب الخراج صفحہ157

اس کا حکم ملک خاص کی طرح نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جزیہ سال کی ابتداء میں ہی واجب ہو جاتا ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک قول یہی مروی ہے۔ اس لئے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد ذمہ (معاہدہ) کے بعد فوراً بھی جزیہ کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سال گزرنے سے پہلے مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی کافر سال کے دوران یا سال مکمل کرنے کے بعد مر جائے اور ابھی تک اس نے جزیہ ادا نہ کیا ہو تو امام صاحب اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے مرنے کے ساتھ جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کی موت سے جزیہ ساقط نہ ہوگا۔ امام مالک و شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل وہی ہے جو پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ یہ جزیہ دارالاسلام میں سکونت اور حفاظت جان کا بدل ہے اور وہ یہ دونوں چیزیں حاصل کر چکا ہے اس لئے ان کا بدل اس کے ذمہ قرض ہوگا جو اس کے ترکہ سے وصول کیا جائے گا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جزیہ ایک دنیوی سزا ہے اور دنیوی سزائیں مرنے کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں جیسا کہ حدود وغیرہ مجرم کے مرنے کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں۔

مسئلہ:۔ جب کوئی ذمی دو یا زائد سالوں کا جزیہ ادا نہ کرے تو امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے صرف ایک جزیہ وصول کیا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گزشتہ ہر سال کا جزیہ وصول کیا جائے گا۔ ان کی دلیل وہی ہے کہ وہ گزشتہ سالوں کا مفاد حفاظت جان اور دارالاسلام کی سکونت حاصل کر چکا ہے اس لئے اس کا بدل اس پر قرض ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ جزیہ محض ایک سزا ہے۔ اس سے مال لینا مقصود نہیں ہے بلکہ کفار کو ذلیل کرنا مقصود ہے اسی وجہ سے کسی کے نائب سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا بلکہ ہر ایک کو اپنے ہاتھ سے ادا کرنا لازمی ہوتا ہے۔ روزہ توڑنے کا کفارہ اس کے باوجود کہ یہ عبادت بھی ہیں لیکن ان میں عقوبت کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس لئے یہ ایک دوسرے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پس جزیہ جو عقوبت محضہ ہے کہ کیونکر متداخل نہ ہوگی ایک مرتبہ جزیہ وصول کرنے سے بھی توہین وذلت ہو جاتی ہے۔

مسئلہ:۔ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ بچوں اور دیوانوں پر جزیہ نہیں ہے کیونکہ وہ عقوبت وسزا کے اہل نہیں ہیں اور عورتوں پر بھی جزیہ نہ ہونے پر اتفاق ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اسلم سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ عورت، بچے سے جزیہ نہ لو اور صرف چار دینار پر چالیس درہم جزیہ لو(1) اس سے زیادہ وصول نہ کرو۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن اسلم عن ابیہ کی سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجناد کے امراء کو لکھا کہ صرف بالغ مردوں سے جزیہ وصول کرو اور عمر رضی اللہ عنہ عورتوں اور بچوں پر ٹیکس نہیں لگاتے تھے۔ ایک دوسرے طریق سے اس مفہوم میں مروی ہے کہ عورتوں اور بچوں پر جزیہ عائد نہ کرو۔(2)

مسئلہ:۔ غلام پر بھی جزیہ نہیں ہے خواہ وہ مکاتب ہو یا مدبر ہو یا ام الولد کا بیٹا ہو، کیونکہ ان کا مال نہیں ہوتا۔ ان کے سرداروں سے بھی ان کا حصہ وصول نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان کی وجہ سے پہلے مالکوں سے زیادہ ٹیکس وصول کیا جاتا ہے لیکن ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاموال میں عروہ سے جو روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو لکھا کہ جو یہودیت یا نصرانیت کا پیروکار ہو اس کو اپنے مذہب سے زبردستی نہیں ہٹایا جائے گا اور ہر بالغ شخص پر جزیہ ہوگا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو، غلام ہو یا لونڈی ہو۔ ہر ایک پر ایک دینار یا

1۔ کتاب الخراج صفحہ 153 (السلفیہ)

2۔ کتاب الاموال لابی عبیدۃ، جلد 1 صفحہ 201 (تحقیقات)

اس کی قیمت لازم ہوگی۔ ابن زنجویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ یہ دونوں روایات مرسل ہیں اور ضعیف ہیں ایک دوسری کی تائید تو کرتی ہے لیکن امت نے ان پر عمل اجماعاً ترک کر دیا ہے اس لئے ان دونوں کا اعتبار نہ ہوگا۔ اسی طرح ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا اہل ذمہ کا غلام نہ خریدو کیونکہ یہ اہل خراج ہیں ایک دوسرے کی طرف سے ادا کرتا ہے۔ یہ بھی متروک العمل ہے۔

مسئلہ:۔ جب کوئی ذمی جزیہ کی ادائیگی کا انکار کردے یا احکام اسلام کے اجراء کا انکار کردے یا کسی مسلمان کو قتل کردے یا مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر لوگوں کو جمع کرے یا نکاح کے نام پر کسی مسلمان عورت سے وطی کرے یا مسلمان عورت سے زنا کرے یا کسی مسلمان کو اسلام سے برگشتہ کرے یا مسلمانوں پر ڈاکہ ڈالے یا مشرکوں کا جاسوس بن جائے یا مسلمانوں کے خلاف کفار کی اعانت کرے یا مشرکین پر مسلمانوں کے راز افشاء کرے یا مسلمانوں کی خفیہ تدبیروں پر کفار کو مطلع کرے تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا عہد ٹوٹ جائے گا کیونکہ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے ابوعبیدہ بن جراح اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے دو کتابی شخصوں کو قتل کر دیا تھا جنہوں نے مسلمان عورت سے بدمعاشی کا ارادہ کیا تھا (1)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے سوید بن غفلہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں ہم امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک نبطی شخص آیا جسے مارا پیٹا گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا اور صہیب کو فرمایا دیکھو یہ کون شخص ہے؟ صہیب رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو وہ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے اسے مارا تھا۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے جب مارنے کی وجہ پوچھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ یہ ایک مسلمان عورت کے پیچھے جا رہا تھا اور اس نے اسے گدھے سے گرانے کے لئے اس کے گدھے کو لات ماری، لیکن جب وہ نہ گری تو اس نے دھکا دے کر اسے گدھے سے گرایا اور پھر اس کے ساتھ بدمعاشی کرنے لگا، اس وجہ سے میں نے اس کا یہ حشر کیا ہے جو آپ رضی اللہ عنہ دیکھ رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم بخدا ہم نے تمہارے ساتھ اس بات پر تو معاہدہ نہیں کیا تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے سولی پر لٹکانے کا حکم دیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! محمد ﷺ کے ذمہ کو پورا کرو۔ جس نے اس نبطی جیسا فعل کیا اس کے ساتھ ہمارا کوئی معاہدہ نہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ اس شخص کا عہد ٹوٹے گا جو جزیہ دینے سے انکار کرے گا اور ہمارے اسلامی احکام کے نفاذ کا منکر ہوگا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا عہد ٹوٹے گا جو جزیہ نہیں دے گا اور اسلام کے احکام کے اجراء کا انکار کرے گا اور مسلمانوں کے خلاف جو قوت جمع کرے گا ان کے علاوہ کسی صورت میں عقد ذمہ نہیں ٹوٹے گا لیکن اگر ان شروط مذکورہ کو عقد ذمہ کے وقت مقرر کیا گیا ہو اور پھر وہ ان کا ارتکاب کرے گا تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کسی مسلمان عورت سے زنا کرنے اور نکاح کے نام سے وطی کرنے اور ڈکیتی سے عقد ذمہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس کے علاوہ امور سے عقد ذمیت ٹوٹ جائے گا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے حضرت القاسم رحمۃ اللہ علیہ ڈکیتی کی صورت میں بھی عقد ذمہ کے ٹوٹنے کا فتویٰ دیتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں معاہدہ ذمیت صرف اس صورت میں ٹوٹے گا جب وہ ذمی دارالحرب میں چلا جائے یا کسی جگہ پر غلبہ کر کے ہمارے خلاف لڑنے کے لئے قوت حاصل کر لے، اس صورت میں وہ ہمارے خلاف جنگ کرنے

1۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 6 صفحہ 16-115 (المجلس العلمی)

والے ہوں گے اور عقد ذمیت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔اس کے علاوہ کسی صورت میں عقد ذمیت نہیں ٹوٹتا کیونکہ جنگ روکنے کی غایت جزیہ کا عائد کرنا ہے، اس کی ادائیگی نہیں ہے اور وہ جزیہ کا التزام کسی جرم کے باوجود بھی باقی ہے اور جس کے پاس لڑنے کی طاقت نہیں ہے اس کا جزیہ کی ادائیگی سے انکار کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ امام اس کو قید کرنے اور مارنے وغیرہ پر قادر ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو کافر اللہ تعالیٰ کا یا کتاب حکیم کا یا دین قویم کا یا رسول مکرم ﷺ کا ایسا الفاظ سے ذکر کرے جو شانِ الٰہی اور شانِ رسالت کے لائق نہ ہو یا جس میں کتاب مجید (قرآن) اور دین حنیف کی توہین ہو تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا، خواہ معاہدہ میں یہ مشروط ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر ذمی شان الٰہی اور شان رسالت میں ایسی گستاخی کرتا ہے جو ان کے کفر کے علاوہ ہے تو پھر بھی ان کا عہد ٹوٹ جائے گا۔ اکثر اصحاب الشافعی فرماتے ہیں اگر یہ شرط معاہدہ میں نہیں ہے تو عقد ذمیت نہیں ٹوٹے گا۔ لیکن اگر یہ شرط رکھی گئی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی شان میں گستاخی نہیں کریں گے اور پھر اس کا ارتکاب کریں تو معاہدہ ٹوٹ جائے گا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ شانِ سبوحیت اور شانِ رسالت میں گستاخی سے عہد ٹوٹ جائے گا کیونکہ مسلمان اگر ایسی گستاخی کرے تو اس کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ پس ذمی کا عہد امان بھی ٹوٹ جائے گا کیونکہ عقد ذمہ تو ایمان سے بہت کمزور ہے۔ صاحب ہدایہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے سے عہد امان نہیں ٹوٹتا کیونکہ حضور علیہ السلام کی شان اقدس میں گستاخی کرنا کفر ہے اور کفر جو پہلے متصل ہے وہ معاہدہ کرنے سے نہیں روکتا اور کفر طاری اس معاہدہ کو ختم نہیں کرے گا۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام صاحب کے قول کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہوئی ہے کہ یہود کا ایک ٹولہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو کہا السام علیکم (تم پر موت آئے) آپ ﷺ نے جواباً فرمایا وعلیکم (اور تم پر بھی موت آئے)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب مجھے ان کی بات سمجھ آئی تو میں نے کہا تم پر موت اور لعنت برسے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ رک جاؤ۔ اللہ تعالیٰ مہربان ہے اور ہر معاملہ میں مہربانی اور نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ نے سنا نہیں یہ کیا کہہ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے بھی وعلیکم کہہ دیا ہے (یعنی جواب تو میں نے ان کو ان کی زبان میں دے دیا ہے) ایک روایت میں صرف علیکم ہے واؤ ساتھ نہیں ہے۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے[1]۔ ایک روایت میں رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ یعنی میں نے ان پر لوٹا دیا ہے، میری ان کے حق میں بددعا قبول ہوگی اور ان کی میرے حق میں قبول نہ ہوگی۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہودیوں نے آپ ﷺ کی گستاخی کی تھی اگر گستاخی رسالت سے عہد ٹوٹتا تو آپ ﷺ انہیں قتل کر دیتے۔ الفتاویٰ میں ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کی گستاخی کرے گا اسے قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہ ہوگی خواہ وہ گستاخی کرنے والا مومن ہو یا کافر ہو۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی گستاخی کرنے سے ذمی کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے حفص بن عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت حفص رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ میں نے ایک راہب کو نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے سنا

1۔ صحیح بخاری، جلد 5 صفحہ 2308 (ابن کثیر)، صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 214 (قدیمی)

ہے۔ حضرت حفص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا! اگر میں ایسی بات سنتا تو میں اسے قتل کر دیتا ہم ان سے اس بات پر معاہدہ نہیں کرتے۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات منسوب کرتا ہے جو شان سبوحیت کے منافی ہے۔ لیکن وہ ایسی بات ہو جو ان کے اعتقادات میں شامل نہ ہو جیسا کہ یہود و نصاریٰ اللہ کا بیٹا مانتے ہیں اور پھر اس گستاخی کو برملا کرتے ہوں تو انہیں قتل کیا جائے گا اور ان کا عہد بھی ٹوٹ جائے گا۔ لیکن اگر وہ علی الاعلان گستاخی نہیں کرتے لیکن اس کا پتہ چل جاتا ہے اور وہ بزعم خویش اسے چھپائے ہوئے ہیں تو پھر ان کا معاہدہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ ان سے جنگ اور قتل کو روکنا جزیہ کے عطا کرنے پر ہے۔ لیکن وہ عطا کرنا اس بات سے مقید ہے کہ وہ ذلیل و رسوا ہو کر عطا کریں اور جزیہ کی ادائیگی پر جنگ کو روکنا نص سے ثابت ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ذلت کے ساتھ جزیہ کو قبول کرنا استمراری ہونا مراد ہے صرف جزیہ قبول کرنے کے وقت ذلت کا اظہار نہیں۔ لیکن جو برملا گستاخی کرتا ہے تو یہ اس جزیہ کی قبولیت کے منافی ہے جس کی وجہ سے اس کا قتل روکا گیا تھا کیونکہ یہ علی الاعلان گستاخی تو اس کافر کی سرکشی کی انتہا پر دلالت کرتی ہے (حالانکہ ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کرنے پر اس سے جنگ کو روکا گیا تھا)۔ وہ معاہدہ یہ تھا کہ وہ ذلیل و حقیر ہو کر جزیہ ادا کرتے رہیں۔ لیکن اگر وہ گستاخیاں کرتے ہیں تو پھر ان کے معاہدہ کا کوئی پاس نہ ہوگا اور یہود جن کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزرا ہے وہ ذمی نہ تھے بلکہ ان کے شر سے بچنے کے لئے بغیر مال کے ان سے صلح کی گئی تھی اور یہ صلح اس وقت تک تھی جبکہ اللہ تعالیٰ ان پر غلبہ عطا فرما دے کیونکہ قریظہ اور نضیر جو قریب رہنے والے یہودی تھے ان پر کبھی جزیہ عائد نہیں کیا گیا۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب کوئی ذمی مسلمانوں پر اس طرح غالب آجائے کہ وہ ہمیشہ ان کو مغلوب رکھے گا تو امام کے لئے حلال ہے کہ اس ذمی کو قتل کر دے یا دوبارہ اسے ذلت و رسوائی کی طرف لوٹا دے، واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر سے اور عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں سلام بن مشکم، نعمان بن اوفی، ابوانس، محمد بن دحیہ، شاس بن قیس اور مالک بن الضیف آئے اور کہنے لگے ہم آپ کی اتباع کیسے کر سکتے ہیں، جبکہ آپ نے ہمارا قبلہ چھوڑ دیا ہے۔ نیز آپ یہ بھی عقیدہ نہیں رکھتے کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾

"اور کہا یہود نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے [1] اور کہا نصرانیوں نے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے [2] یہ ان کی (بے سروپا) بات ہے ان کے موہوں سے نکلی ہوئی [3] نقل اتار رہے ہیں ان لوگوں کے قول کی جنہوں نے کفر کیا [4] پہلے ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ کدھر بھٹکے چلے جا رہے ہیں [5]"

[1] عاصم، کسائی اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے عزیر کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ عربی مصغر اسم ہے، بعض علماء فرماتے ہیں یہ عجمی ہے لیکن یہ اسم خفیف ہے، عربی اسم مصغر کے مشابہ ہے۔ اسی وجہ سے نوح، ہود اور لوط کی طرح اسے بھی منصرف بنایا گیا۔ عزیر ترکیب نحوی کے اعتبار سے مبتدا ہے اور اس کا مابعد خبر ہے، اس کی صفت نہیں ہے۔ باقی قراء نے عزیر کو بغیر تنوین کے پڑھا ہے اس بناء

پر کہ یہ غیر منصرف ہے اور اس میں دو سبب عجمہ اور تعریف پائے جاتے ہیں۔ یا اس لئے تنوین نہیں پڑھی کہ نون کو حرف لین کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ سے التقاء ساکنین لازم آتا ہے یا ترکیب نحوی کے اعتبار سے ابن صفت ہے اور خبر محذوف ہے مثلاً مَعْبُوْدُنَا یا صَاحِبُنَا۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قول غلط ہے کیونکہ یہ نسب کے تسلیم کرنے اور خبر مقصود کے انکار کو لازم کرتا ہے۔ (امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اللہ کو عزیر کی صفت بنانے کو اس لئے غلط قرار دیا ہے کیونکہ علماء معانی کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب کسی اسم کی صفت بیان کی جائے اور پھر اس کی خبر ذکر کی جائے تو حکم خبر کی طرف لوٹتا ہے، پس جو اس کا انکار کرے گا تو اس کا انکار خبر کی طرف لوٹے گا اور وہ وصف تسلیم شدہ ہوگا۔ پس اگر ان کے قول عزیر بن اللہ معبود کے ساتھ انکار متعلق ہوگا تو عزیر کے معبود ہونے کا انکار ہوگا اور آپ کا ابن اللہ ہونا تسلیم کرنا پڑے گا اور یہ عقیدہ کفر ہے)۔

عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عزیر علیہ السلام کو بیٹا کہنے والا یہود میں صرف ایک شخص تھا جس کا نام فنحاص بن عازوراتھا اسی شخص نے یہ بھی کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں(1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عطیہ العوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اس لئے کہا تھا کہ جب آپ ان کے درمیان موجود تھے تورات اور تابوت بھی ان کے پاس موجود تھا۔ انہوں نے تورات کے احکام کو پس پشت ڈال دیا تھا اور اپنی خواہشات پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کی پاداش میں تابوت کو اٹھا لیا اور تورات ان کے دلوں سے محو کر دی۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اور پورے خشوع و خضوع سے دعا مانگی کہ تورات ان کو واپس فرما دے۔ آپ علیہ السلام پورے اخلاص سے نماز ادا فرما رہے تھے کہ آسمان کی طرف سے ایک نور نازل ہوا پس اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو تورات عطا فرما دی۔ آپ نے اپنی قوم میں اعلان فرمایا اے میری قوم! اللہ تعالیٰ نے مجھے توراۃ عطا فرما دی ہے۔ لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور آپ علیہ السلام انہیں تورات کی تعلیم دینے لگے۔ کچھ مدت بعد اللہ تعالیٰ نے تابوت بھی واپس فرما دیا۔ جب انہوں نے تابوت دیکھا جس میں تورات رکھی ہوئی تھی تو انہوں نے اس تورات اور جو حضرت عزیر علیہ السلام نے سکھائی تھی اس کا موازنہ کیا انہوں نے حرف بحرف برابر پایا۔ کہنے لگے عزیر پر یہ نوازش صرف اس لئے ہوئی ہے کہ آپ اللہ کے بیٹے ہیں(2)۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں بخت نصر نے جب بنی اسرائیل پر غلبہ پایا تو اس نے تورات پڑھنے والوں کو قتل کر دیا۔ لیکن عزیر علیہ السلام اس وقت چھوٹے تھے اس لئے انہیں قتل نہ کیا جب بنی اسرائیل کچھ مدت بعد بیت المقدس پلٹے تو ان میں سے کسی کو تورات یاد نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے عزیر علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تا کہ انہیں تورات سکھائیں اور سو سال مردہ رہنے کے بعد تورات کا یاد ہونا آپ کی صداقت کی نشانی تھی۔ ہم نے حضرت عزیر علیہ السلام کا مفصل واقعہ سورۂ بقرہ میں اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا کے تحت بیان کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عزیر علیہ السلام کے پاس ایک فرشتہ پانی سے بھرا برتن لایا اور آپ کو پلا دیا، جونہی آپ نے وہ پیالہ پیا تورات آپ کے سینے میں منقش ہو گئی۔ جب عزیر علیہ السلام اپنی قوم کے پاس آئے اور فرمایا میں عزیر ہوں تو انہوں نے آپ کو تسلیم نہ کیا۔ انہوں نے کہا اگر آپ عزیر ہیں تو ہمیں تورات لکھوائیں۔ آپ نے انہیں تورات لکھوا دی۔ پھر ایک آدمی نے کہا میرے باپ نے مجھے اپنے باپ سے روایت کر کے بتایا تھا کہ تورات ایک مٹکے میں رکھ کر انگور کی بیل کے نیچے دفن کیا گیا تھا۔ لوگ اس مخصوص مقام پر پہنچے اس تورات کو نکال کر عزیر علیہ السلام کی لکھوائی ہوئی کتاب

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 66 (التجاریہ)   2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 67 (التجاریہ)

سے موازنہ کیا تو وہ حرف بحرف مساوی تھی۔ کہنے لگے اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو تورات اس لئے عطا فرمائی ہے کہ یہ اس کا بیٹا ہے۔ اس وقت یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔

ع علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے بعد اکیاسی سال دین اسلام کی تعلیمات پر کاربند رہے، قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، رمضان کے روزے رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ نصرانیوں اور یہودیوں کے درمیان جھگڑا شروع ہو گیا۔ یہود میں بونس نامی شخص بہت بہادر تھا۔ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے تمام پیروکاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر یہود سے کہنے لگا اگر عیسیٰ علیہ السلام حق پر تھے تو ہم نے ان کا انکار کیا گیا اور ہمارا ٹھکانا دوزخ بن گیا اور ہم بہت خسارہ اٹھانے والے ہیں اگر وہ جنت میں داخل ہو گئے اور ہم دوزخ میں داخل ہوئے۔ میں عیسائیوں کو راہ راست سے بھٹکانے کی ایک تدبیر اور حیلہ کرتا ہوں تاکہ وہ بھی دوزخ کا ایندھن بن جائیں۔ اس کا ایک گھوڑا تھا جس کا نام عقاب تھا اس پر سوار ہو کر وہ جنگ کرتا تھا۔ اس نے پہلے اپنے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیئے اور پھر اظہار ندامت کرنے لگا اور اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا۔ نصرانیوں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں تمہارا دشمن بونس ہوں۔ آسمان کی طرف سے مجھے ندا آئی ہے کہ تیری توبہ قطعاً قبول نہیں ہے بشیر طیکہ تو نصرانی ہو جا۔ میں نے اب توبہ کی ہے، وہ اسے اپنے عبادت خانہ میں لے گئے۔ وہ شخص ایک سال تک اس کمرے کے اندر رہا دن، رات میں کسی وقت بھی باہر نہ نکلا حتیٰ کہ اس نے ایک سال میں انجیل سیکھ لی پھر سال کے بعد باہر آ کر کہا مجھے ندا آئی ہے کہ تیری توبہ قبول ہو گئی ہے۔ عیسائیوں نے اس کی تصدیق کر دی اور اس سے اظہار عقیدت ومحبت کرنے لگے۔ پھر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور نسطور کو عیسائیوں پر اپنا خلیفہ مقرر کیا اور اسے سکھایا کہ عیسیٰ، مریم اور الٰہ یہ تینوں خدا ہیں۔ پھر روم کی طرف چلا اور انہیں لاہوت اور ناسوت کا تصور دیا اور کہا عیسیٰ علیہ السلام نہ انسان تھے اور نہ جسم تھے۔ وہ اللہ کے بیٹے تھے اور ایک یعقوب نامی شخص کو یہ عقیدہ تعلیم دیا۔ پھر ایک ملکا نامی شخص کو بلا کر بتایا کہ اللہ بھی ہمیشہ رہنے والا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جب اس نے یہ جان لیا کہ تمام اپنے اپنے عقیدہ کو راسخ کر چکے ہیں تو اس نے تینوں کو علیحدہ علیحدہ اپنے پاس بلا کر کہا تو میرا خلیفہ خاص ہے میں نے رات کو خواب میں عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے وہ مجھ سے بہت خوش ہیں اور ہر ایک کو یہ بتایا کہ کل میں اپنے آپ کو قتل کر دوں گا۔ تم لوگوں کو اپنے مسلک وعقیدہ کی دعوت دینا پھر وہ خودکشی کی جگہ چلا گیا اور کہا میں عیسیٰ علیہ السلام کی رضا کے لئے ایسا کر رہا ہوں۔ جب اس کے مرنے کے بعد تین دن گزر گئے تو ان تینوں خلفاء میں سے ہر ایک اپنے عقیدہ کی طرف دعوت دینے لگا، ہر ایک کے چند پیروکار بن گئے اور پھر وہ آپس میں لڑنے اور جھگڑنے لگے۔(1)

سے ہر بات منہ سے کی جاتی ہے لیکن افواھھم کے الفاظ کی زیادتی اس قول کے ان کی طرف منسوب ہونے کی تاکید اور مجاز کی نفی کے لئے کی گئی ہے، یا یہ شعور دلانے کے لئے کہ دلیل اور تحقیق سے عاری بات ہے، ایک مہمل بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلی ہے۔ اعیان میں کوئی ایسی چیز نہیں جو ان کی اس لایعنی بات کی تصدیق کرے۔

ہے یضاھئون کو عاصم نے ھاء کے کسرہ کے ساتھ مہموز پڑھا ہے اور باقی قراء نے ھاء کے ضمہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں۔ اس کا معنی ہے مشابہ ہونا۔ یہاں مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھا گیا ہے، یعنی ان کا یہ قول

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 67 (التجاریہ)

مشابہ ہے۔ من قبل اصل میں من قبلهم ہے۔ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نصاریٰ کا قول پہلے یہود کے قول کے مشابہ تھا۔ انہوں نے کہا المسیح ابن اللّٰه جیسا کہ یہود نے کہا تھا عزیر ابن اللہ۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کا قول مشرکوں کے قول کے مشابہ ہے جنہوں نے لات، منات اور عزیٰ کو خدا کی بیٹیاں کہا تھا۔ الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عیسائیوں کے کفر کو سابقہ امتوں کے کفر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ مشرکین عرب کے متعلق فرمایا كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قتیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عہد ہمایوں کے یہود و نصاریٰ وہی کچھ کہتے ہیں جو ان کے اسلاف نے کہا تھا یعنی کفران میں زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔(1)

ﮧ یہ ان کی ہلاکت کی بددعا ہے کیونکہ جسے اللہ تعالیٰ قتل کرے گا وہ یقیناً ہلاک ہوگا۔ یہ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی لعنهم اللّٰه (اللہ ان پر لعنت کرے) کیا ہے(2)۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی ان کے قول شنیع پر تعجب کرنا ہے۔

ﮨ اتنے روشن دلائل اور واضح براہین کے بعد یہ حق کو چھوڑ کر کیسے باطل کی طرف جارہے ہیں۔

اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

”انہوں نے بنالیا اپنے پادریوں ۱؎ اور اپنے راہبوں کو ۲؎ (اپنے) پروردگار اللہ کو چھوڑ کر ۳؎ اور مسیح فرزند مریم کو بھی ۴؎ حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں بجز اس کے کہ وہ عبادت کریں (صرف) ایک خدا کی ۵؎ نہیں کوئی خدا بغیر اس کے وہ پاک ہے ۶؎ اس سے جسے وہ اس کا شریک بناتے ہیں ۷؎“

۱؎ احبار سے مراد علماء اور قراء ہیں۔ یہ (حبر بفتحه الحاء و كسرها) کی جمع ہے۔

۲؎ نصاریٰ (عیسائیوں) کے وہ لوگ جو اپنے گرجوں میں عبادت کرتے رہتے ہیں۔

۳؎ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ان پادریوں اور راہبوں کی بات مانتے تھے اس لئے انہیں رب کہا گیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جیسا کہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح میں نقل کی ہے فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا جبکہ میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عدی اس بت کو اپنے گلے سے اتار کر پھینک دو۔ عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے وہ اتار دی۔ پھر میں آپ ﷺ کے قریب ہوا تو آپ ﷺ نے اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ تلاوت فرمائی۔ جب آپ ﷺ تلاوت سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی حضور ﷺ ہم اپنے علماء وصوفیاء کی عبادت تو نہیں کرتے آپ ﷺ نے فرمایا کیا وہ علماء اللہ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام نہیں کرتے اور تم بھی انہیں حرام سمجھتے ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کہتے ہیں اور تم ان کو حلال سمجھتے ہو۔ عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی واقعی یہ بات تو ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہی ان کی عبادت ہے(3)۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں دین کو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 68 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 68 (التجاریہ)

3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 68 (التجاریہ)، جامع ترمذی، جلد 5 صفحہ 259 (العلمیہ)

بادشاہوں، علماء سوء اور بے علم صوفیاء نے تبدیل کیا ہے۔

۴؎ اور انہوں نے مسیح بن مریم کو بھی خدا بنالیا۔

۵؎ انہیں حکم تھا کہ صرف ایک معبود کی عبادت کرو جو اللہ ہے اس کی نافرمانی میں کسی دوسرے کی اطاعت نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے جن کی اطاعت کا حکم دیا ہے، جیسے رسول مکرم ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین۔ ان کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

۶؎ یہ الٰھا کی دوسری صفت ہے یا توحید کی تقریر و اثبات کے لئے جملہ مستانفہ ہے۔

۷؎ اور جسے تم عبادت اور طاعت میں اس رب کریم کا شریک بناتے ہو وہ اس سے پاک ہے۔

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾

"(یہ لوگ) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو ۱؎ اپنی پھونکوں سے ۲؎ اور انکار فرماتا ہے اللہ مگر یہ کہ کمال تک پہنچا دے اپنے نور کو ۳؎ اگرچہ ناپسند کریں (اس کو) کافر ۴؎"

۱؎ نور اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اولاد سے پاک ہونے پر دلالت کرنے والی حجت ہے یا قرآن ہے یا نبوت محمد ﷺ ہے۔

۲؎ یعنی وہ جھوٹی افواہوں اور غلط پروپیگنڈا کے ذریعے یہ مذموم کوشش کرتے ہیں، اس جملہ میں یہ اشارہ ہے کہ قرآن کے روشن معجزہ کو باطل قرار دینے اور محمد ﷺ کی نبوت کے آفتاب جہاں تاب کو تکذیب کے ذریعے جھٹلانے میں ان کی حالت اس شخص کی مانند ہے جو سورج اور چاند کے نور کو پھونکوں سے بجھانا چاہتا ہے۔

۳؎ اللہ تعالیٰ تو صرف اپنے دین کو بلند اور اپنے کلمہ کو غالب کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اور جس حق کے ساتھ محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا اس کی تکمیل و ترویج چاہتا ہے۔

۴؎ یہ شرط ہے اور اس کا جواب ماقبل کلام کی دلالت کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾

"وہی (قادر مطلق) ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ۱؎ (کتاب) ہدایت ۲؎ اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر اگرچہ ناگوار گزرے (یہ غلبہ) مشرکوں کو ۳؎"

۱؎ رسولہ سے مراد محمد ﷺ ہیں۔

۲؎ یعنی آپ ﷺ کو کتاب ہدایت دے کر مبعوث فرمایا جس نے ہمارے لئے حلال حرام، فرائض و احکام سب بیان فرما دیئے اور ایسی تعلیمات سے آگاہ کیا جو دار السلام تک پہنچانے کی باعث ہیں۔

۳؎ دین الحق سے مراد اسلام ہے۔ لیظھرہ میں ضمیر کا مرجع بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ ہیں، یعنی یہ ہے کہ وہ

اپنے رسول مکرم ﷺ کو غالب کر دے دین کی تمام شاہراہوں پر تا کہ آپ پر دین کا کوئی گوشہ مخفی نہ رہ جائے۔ الدین پر الف لام جنسی ہے۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں لیظھرہ کی ہ ضمیر کا مرجع دین الحق ہے، یعنی دین اسلام کو دوسرے تمام ادیان پر غالب کر دے اور انہیں اس کے ساتھ منسوخ کر دے یا یہ معنی کہ دوسرے ادیان کے پیروکاروں پر اسے غالب کرے تا کہ تمام لوگ اس دین کی اطاعت کریں اور اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور الضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو سب لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اس وقت اس غلبہ کا اظہار ہوگا(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام کے سواء تمام ملل وادیان ختم ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں ظہور سے مراد دین اسلام کا بقیہ تمام ادیان پر اکثر اوقات میں غلبہ ہے جیسا کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ سطح زمین پر کوئی مٹی کا گھروندا یا اون کا خیمہ ایسا نہیں ہوگا جہاں اللہ تعالیٰ عزت والے کو عزت دینے اور ذلت والے کو ذلیل کرنے کے ساتھ کلمہ اسلام کو داخل نہیں فرمائے گا۔ پس جنہیں اللہ تعالیٰ عزت دے گا انہیں کلمہ پڑھنے کا شرف عطا فرمائے گا اور جو کلمہ نہیں پڑھیں انہیں ذلیل کرے گا حتیٰ کہ وہ کلمہ پڑھنے پر مجبور ہوں گے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی پھر تو دین سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے گا۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ پورا فرما دیا ہے حتیٰ کہ اکثر ممالک میں اور اغلب زمانوں میں تمام دوسرے دینوں والے اہل اسلام کے مطیع رہے ہیں اور یہ آیت کریمہ ہمیشہ ہمیشہ غلبہ کی حالت کا تقاضا نہیں کرتی۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ رات اور دن کا سلسلہ ختم نہ ہوگا کہ (ایک وقت ایسا آئے گا) کہ لات وعزیٰ کی پوجا کی جائے گی میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میرا خیال تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ کا ارشاد نازل فرما دیا ہے تو معاملہ مکمل ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا ہوگا (یعنی غلبہ اسلام رہے گا) جتنا وقت اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا چلائے گا۔ پس جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا وہ فوت ہو جائے اور صرف ایسے لوگ بچ جائیں جن میں کوئی خیر کا عنصر نہ ہوگا اور پھر لوگ اپنے آباء کے دین (شرک وکفر) کی طرف لوٹ جائیں گے(3)۔ الحسن بن الفضل فرماتے ہیں آیت کا معنی یہ ہے کہ براہین قاطعہ اور حجج قاہرہ کے ذریعے تمام پر دین اسلام کو غلبہ دے گا۔ بعض علماء فرماتے ہیں ان تمام ادیان پر غالب کرے گا جو نبی کریم ﷺ کے ارد گرد کے علاقہ میں تھے پس دین اسلام ان پر غالب آجائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تمام ادیان پر اس طرح غالب کر دیا ہے کہ ہر شخص پر عیاں ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ کا دین ہی حق ہے اور جو کچھ اس کے مخالف ہے وہ باطل ہے اور فرماتے اس طرح بھی غلبہ دیا کہ دو دین یعنی اہل کتاب اور امیوں کا دین کفر میں جمع تھے پھر رسول اللہ ﷺ نے امیین کو غلبہ دیا حتیٰ کہ انہوں نے اسلام کو بخوشی قبول کر لیا اور اہل کتاب کو قتل کر دیا اور قیدی بنا لیا حتیٰ کہ بعض ان میں سے بھی اسلام

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 69 (التجاریۃ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 69 (التجاریۃ) 3۔ صحیح مسلم، جلد 9 صفحہ 27 (العلمیۃ)

لائے اور بعض نے ذلت کے ساتھ جزیہ قبول کر لیا اور ان پر آپ ﷺ نے اپنا حکم جاری فرمایا۔ یہ تمام ادیان پر غلبہ کی ایک صورت ہے۔ یہ آیت کریمہ سابقہ آیت کے الفاظ ویابی اللّٰه الا ان یتم نورہ کا بیان ہے، اسی وجہ سے ولو کرہ المشرکون دوبارہ ذکر فرمایا(1) یہاں الکافرون کی بجائے المشرکون ذکر فرمایا تا کہ اس بات پر دلالت کرے کہ وہ رسول مکرم ﷺ کی رسالت کے انکار کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے کے برے عمل میں بھی ملوث ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳۴﴾

"اے ایمان والو! بیشک اکثر پادری اور راہب کھاتے ہیں لوگوں کے مال ناجائز طریقہ سے اور روکتے ہیں (لوگوں کو) راہ خدا سے 1۔ اور جو لوگ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اسے اللہ کی راہ میں 2۔ تو انہیں خوشخبری سنا دیجئے دردناک عذاب کی 3۔"

1۔ یعنی اہل کتاب کے علماء اور نصرانیوں کے راہب لوگوں سے مال بٹورتے ہیں اور پھر اس سے متمتع ہوتے ہیں۔ یہاں ذکر کھانے کا ہے لیکن مراد نفع حاصل کرنا اور وصول کرنا ہے کیونکہ کھانا اموال کا بہت بڑا نفع ہے۔ نیز اموال کے حصول کی بڑی غایت بھی اکل و شرب ہوتی ہے۔ یعنی وہ فیصلہ کرتے وقت رشوت لیتے ہیں اور کلام الٰہی میں نذرانوں کے حصول کی خاطر تحریف کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے تحریریں لکھ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کی صفات و کمالات پر مبنی آیات کو تبدیل کرتے ہیں۔ انہیں یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ اگر وہ نبی کریم ﷺ کی تصدیق کریں گے تو ان کے یہ نذرانے ختم ہو جائیں گے جو وہ مختلف طریقوں سے امراء و وزراء کو خوش کر کے اور غرباء اور سادہ لوح لوگوں کو دھوکہ دے کر بٹورتے ہیں۔ نیز ان علماء اور راہبوں کی دوسری برائی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو دین حق کی راہ سے منع کرتے ہیں۔

2۔ ظاہر تو یہی ہے کہ اسم موصول الذین سے مراد احبار اور رہبان ہے اور یہ مقدر الذین پر معطوف ہے جو کلام سابق سے مترشح ہو رہا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ وَيَنْتَفِعُوْنَ بِهَا وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَهَا اور ولا ینفقونھا کی ھا ضمیر کا مرجع مفہوم اور معنی ہے کیونکہ سونے اور چاندی میں سے ہر ایک دراہم و دنانیر کی شکل میں ہوتا ہے۔ یا اس سے مراد خزانے یا اموال ہیں۔ یا ضمیر کا مرجع الفضۃ ہے کیونکہ اکثر خرچ اسی کا ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے ان الفاظ میں یہ اشارہ ہے کہ سونے اور چاندی کی زکوۃ کے وقت نصاب کے اعتبار سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا اور ایک سے زکوۃ ادا کی جائے گی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک کو دوسرے کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا۔ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں اجزاء کے اعتبار سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا۔ جس شخص کے پاس دس مثقال سونا اور سو درہم (چاندی) ہوں اس پر تمام کے نزدیک زکوۃ واجب ہے اور اگر کسی کے پاس پانچ مثقال سونا ہو جس کی قیمت سو درہم یا اس سے زائد ہو تو چاندی کے نصاب کا اعتبار کیا جائے گا اس شخص پر امام صاحب کے نزدیک زکوۃ واجب ہوگی، صاحبین کے نزدیک واجب نہ ہوگی۔ نیز اس ارشاد میں یہ بھی اشارہ ہے کہ سارا مال

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 70 (التجاریہ)

خرچ کرنا راہ خدا میں واجب نہیں بلکہ بعض مال خرچ کرنا واجب ہے جیسے سونے اور چاندی میں سے چاندی کو خرچ کرنا، واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ نے تمام اموال میں سے صرف سونے اور چاندی کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ یہ دونوں بقیہ اشیاء کی ثمن بنتے ہیں اور بقیہ تمام اشیاء کا اندازہ ان کے ساتھ لگایا جاتا ہے، لیکن اس کا برعکس نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے اموال تجارت پر اس وقت زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جب وہ سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے۔ کسی دوسرے مال کے نصاب کے ساتھ اس کا اندازہ نہیں کیا جاتا۔ پس ان کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہوئے دوسرے اموال کا ذکر نہیں فرمایا اس لئے کہ اکثر دو جنسوں کو ہی خزانہ کیا جاتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ نہ کرنا بالکل خرچ نہ کرنے اور شیطان اور نفس کی پیروی میں خرچ کرنے کو شامل ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ کے راستہ سے روکیں) لیکن سابقہ آیت: ان كثيرا من الاحبار والرهبان الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بالکل خرچ نہ کرنا مراد ہے جیسا کہ یکنزون کے الفاظ بھی دلالت کرتے ہیں۔ انفاق فی سبیل اللّٰہ سے مراد فرضی زکوٰۃ، نفلی صدقہ اور نفقات واجبہ اور مستحبہ ہیں۔ جب کہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ادا کیے جائیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی مسلمان ثواب کی نیت سے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے تو اس کا یہ خرچ کرنا اس کے لئے صدقہ ہوتا ہے، متفق علیہ (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دینار جو اللہ کی راہ میں تو خرچ کرے ایک وہ دینار جو تو کسی غلام کو آزاد کرانے کے لئے خرچ کرے ایک وہ دینار جو تو مسکین پر صدقہ کرے اور ایک وہ دینار جو تو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے ان تمام میں سے زیادہ اجر و ثواب اس کا ہے جسے تو نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے (2)۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افضل دینار (از روئے اجر و ثواب) وہ ہے جو انسان خود خرچ کرتا ہے، جسے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے (3) اور جسے اللہ کی رضا کے لئے جہاد کی سواری پر خرچ کرتا ہے اور جسے راہ خدا میں اپنے دوستوں پر خرچ کرتا ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا میرے لئے اجر ہوگا اگر میں ابو سلمہ کے بچوں پر خرچ کروں جو میرے بھی بچے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ان پر خرچ کرو جو تم ان پر خرچ کرو گی اس کا تمہیں اجر ملے گا، (بخاری و مسلم) (4)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ اور ایک دوسری عورت نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا اپنے خاوندوں پر خرچ کرنے سے انہیں صدقہ کا ثواب ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا انہیں دو اجر ملیں گے ایک قرابت کا اجر اور دوسرا صدقہ کا اجر (بخاری و مسلم) (5)۔

؎ یعنی ناجائز ذرائع سے لوگوں کا مال بٹورنے والوں اور مال کو خزانہ کرنے والوں اور بالکل خرچ نہ کرنے والوں کو عذاب الیم کی بشارت دے دو۔ اس مفہوم کے اعتبار سے جو میں نے بیان کیا ہے آیت کا حکم اہل کتاب کے ساتھ مختص ہوگا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ سے اور دوسرے ائمہ سے دلالۃ النص کے ذریعے حکم کے اہل کتاب کے ساتھ مختص ہونے کو روایت کیا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ والذين يكنزون مستقل کلام ہو اور اہل کتاب کے ساتھ مختص نہ ہو۔ ابوذر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی خیال ہے۔ اس

1۔ صحیح بخاری، جلد 5 صفحہ 2047 (ابن کثیر)، صحیح مسلم، جلد 4 صفحہ 77 (العلمیہ)
2۔ صحیح مسلم، جلد 4 صفحہ 72 (العلمیہ)
3۔ صحیح مسلم، جلد 4 صفحہ 71 (العلمیہ)
4۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 533 (ابن کثیر)
5۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 533 (ابن کثیر)

تاویل کے مطابق سیاق کلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کے بعد فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ مقدر ہو۔ لیکن چونکہ آئندہ جملہ میں اس کا ذکر آ رہا تھا اس لئے پہلے جملہ میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

فائدہ:۔ مال کو خزانہ کرنے اور خرچ نہ کرنے پر عذاب کی بشارت دینا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس مال کے جمع کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے جس میں سے زکوۃ دی گئی ہو۔ اس بات پر علماء کا اجماع ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الاوسط میں، ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے الکامل میں، ابن مردویہ اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ کا قول نقل فرمایا ہے کہ جس مال کی زکوۃ ادا کی جائے وہ اس کنز کے زمرہ میں نہیں آتا(1) جس پر وعید بیان کی گئی ہے، امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل فرمایا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو مسلمانوں کو بہت بوجھ محسوس ہوا اور کہنے لگے ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے بال بچوں کے لئے کچھ نہ کچھ بچاتا نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی یہ گرانی حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ان پر اللہ تعالیٰ نے زکوۃ اس لئے فرض فرمائی ہے تا کہ تمہارے بقیہ مال پاک ہو جائیں(2)۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث ابوداؤد، ابویعلی، ابن ابی حاتم، حاکم، ابن مردویہ اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ میراث تم پر فرض کی گئی ہے تا کہ وہ تمہارے پسماندگان کو ملے(3)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے کوئی پرواہ نہیں اگر میرے پاس احد پہاڑ کی مثل سونا ہو جس کی تعداد مجھے معلوم ہو میں اس کی زکوۃ ادا کروں اور اللہ کی اطاعت میں اسے صرف کروں(4)۔ ابن ابی حاتم، حاکم، ابوالشیخ اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے علی بن ابی طالب سے موقوف حدیث روایت کی ہے کہ ہر وہ مال جو چار ہزار درہم سے زائد ہو وہ کنز ہے، خواہ اس کی زکوۃ ادا کی گئی ہو یا نہ ادا نہ کی گئی ہو اور جو اس مقدار سے کم ہے وہ نفقہ ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں جو ضرورت سے زائد ہے وہ کنز ہے کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا جبکہ آپ ﷺ کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ جب آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا رب کعبہ کی قسم وہ خسارہ پانے والے ہیں۔ میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یارسول اللہ ﷺ کون خسارہ پانے والے ہیں؟ فرمایا بہت زیادہ مالدار مگر وہ جو اس طرح اس طرح مال لوٹاتے ہیں (وہ خسارے میں نہیں ہیں)، یعنی جو آگے پیچھے، دائیں بائیں مال خرچ کرتے ہیں اور ایسے مالدار بہت کم ہیں۔ یہ حدیث بخاری مسلم نے نقل کی ہے(5)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ جس نے سونا اور چاندی ترکہ میں چھوڑا اسے قیامت کے روز اس سونے اور چاندی سے داغا جائے گا۔ اس حدیث کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں اور ابن جریر اور ابن مردویہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے(6)۔ میں کہتا ہوں اس حدیث کا مقصود یہ ہے کہ اسے داغا جائے گا اگر اس نے اس سونے اور چاندی کا حق ادا نہیں کیا ہوگا۔ اسی طرح سابقہ حدیث میں بھی یہی مراد ہے کیونکہ جن کے مال زیادہ ہوتے ہیں ان کی زکوۃ بھی زیادہ ہوتی ہے، اس لئے ان پر ضروری ہے کہ وہ ہر خیر اور نیکی میں دل کھول کر حصہ لیا کریں اور اپنا مال خرچ کیا کریں۔ اور جو

1۔ سنن کبریٰ از بیہقی، جلد 4 صفحہ 83 (الفکر)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 72 (التجاریہ)
3۔ سنن کبریٰ از بیہقی، جلد 4 صفحہ 83 (الفکر)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 72 (التجاریہ)
5۔ صحیح بخاری، جلد 6 صفحہ 2447 (ابن کثیر) مختصراً
6۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 89 (الامیریہ)

علماء یہ فرماتے ہیں کہ حاجات ضروریہ سے زائد مال کنز ہے وہ بطور دلیل حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ اہل صفہ سے ایک شخص فوت ہوا تو اس کے تہبند سے ایک دینار نکلا تو فرمایا ایک داغ ہے، پھر دوسرے کا وصال ہوا تو اس کی تہبند سے دو دینار نکلے آپ ﷺ نے فرمایا دو داغ ہیں۔ اس حدیث کو علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(1)

ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے کہ اصحاب صفہ میں سے ایک شخص کا وصال ہوا تو اس کی پگڑی کے پلو سے دو دینار ملے۔ ان کا ذکر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا دو داغ ہیں۔ مسعود بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص کی میت جنازہ کے لئے لائی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس نے کتنا مال بطور ورثہ چھوڑا ہے لوگوں نے کہا دو یا تین دینار آپ ﷺ نے فرمایا دو یا تین داغ۔ میں عبداللہ ابی القاسم سے ملا تو انہوں نے فرمایا یہ مال جمع کرنے کے لئے سوال کرتا تھا۔ اس حدیث کو بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی سے روایت کیا ہے(2)۔ میں کہتا ہوں جو ابو القاسم نے ارشاد فرمایا ہے ابی امامہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث کا محمل بھی وہی ہوگا۔ یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ جو صوفی بن گیا اور اس نے ہر چیز کو چھوڑ دیا ہو اور اس نے اللہ پر توکل کر لیا ہو اور اس کے اہل و عیال بھی نہ ہوں اس پر لوگوں کے حقوق بھی نہ ہوں تو اس کے لئے اپنی حاجت سے زائد مال رکھنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا (اپنے معاہدوں کو پورا کرو عہد کے متعلق پوچھا جائے گا)۔ اصحاب صفہ اس شان کے مالک افراد تھے (وہ کلیۃً اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور انہوں نے سب کچھ رب کی رضا کے لئے کر دیا تھا)۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول اس شخص پر محمول ہوگا جو صوفی ہو اور عیالدار ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ صوفیاء کے سرخیل تھے۔

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

”جس دن تپایا جائے گا (یہ سونا چاندی) [1] جہنم کی آگ میں پھر داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پشتیں [2] (اور انہیں بتایا جائے گا) کہ یہ ہے جو تم نے جمع کر رکھا تھا اپنے لئے تو [3] (اب چکھو (سزا اس کی) جو تم جمع کیا کرتے تھے“ [4]

[1] ھا ضمیر کا مرجع خزانہ یا درہم و دنانیر ہیں، یعنی ان خزانوں اور سونے چاندی کو آگ میں داخل کیا جائے گا اور ان پر آگ جلائی جائے گی۔ یا ھا ضمیر کا مرجع فضۃ (چاندی) ہے اور اس کا تخصیص کے ساتھ ذکر اس کے قرب کی وجہ سے ہے اور اس کا حکم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سونا اس حکم میں بدرجہ اولیٰ داخل ہے فعل کو مذکر ذکر کیا گیا ہے کیونکہ فعل جار مجرور کی طرف منسوب ہے۔ اصل میں یوم یحمی علیھا النار ہے۔ قاموس میں ہے الشمس و النار حمیا و حمیا۔ یعنی ان کی گرمی شدید ہے، امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اصل میں یحمی بالنار ہے لیکن مبالغہ کے لئے احماء کو النار کے لئے ذکر کیا گیا ہے پھر جب النار کو حذف کیا گیا اور اسناد النار سے علیھا کی طرف منتقل ہو گئی تو فعل کو مذکر ذکر کیا گیا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے رُفِعَتِ الْقِصَّةُ اِلَى الْاَمِيْرِ. لیکن جب القصہ کا لفظ ذکر نہیں کیا جاتا تو رُفِعَ اِلَى الْاَمِيْرِ کہا جاتا ہے۔

[2] یعنی اس سونے اور چاندی کو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں گرم کیا جائے گا اور پھر ان کے بدنوں کے سامنے والے اعضاء کو، پہلوؤں کو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 72 (التجاریہ)
2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 84 (الامیریہ)

اور پچھلے اعضاء کو داغ لگائے جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے بدن کے انگ انگ کو داغ لگائے جائیں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں ان مخصوص اعضاء (چہرے، پہلو اور پیٹھ) کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جب فقراء اور درویش لوگوں کو دیکھتے تو ناک بھوں چڑھاتے تھے اور جب کوئی فقیر ان کی مجلس میں آتا تو منہ پھیر لیتے اور پشت کر کے پلٹ جاتے تھے یا اس لئے ان مخصوص اعضاء کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ تمام اعضاء ظاہری میں سے بلند مرتبہ ہیں اور ان میں اعضاء رئیسہ دماغ، دل اور جگر ہوتے ہیں۔ ان کی چمڑیوں اور ان کے اعضاء کو قیامت کے روز بڑا کر دیا جائے گا تاکہ سارا مال ان کے اوپر آ جائے۔

۶ یہ جملہ حال ہے اور اس سے پہلے قول مقدر ہے۔ ان کو کہا جائے گا یہ وہی مال ہے جسے تم نفع اٹھانے کے لئے جمع کرتے تھے اور تم اس لئے جمع کرتے تھے کہ مشکل حالات میں اس سے مدد لو گے۔ یہ کلام بطور توبیخ ہے (یعنی جسے تم اپنی منفعت کے لئے جمع کرتے تھے یہ تو تمہارے لئے عین نقصان اور عذاب کا سبب تھا)۔

۷ یعنی اس اپنے خزانے کا وبال چکھو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے پاس سونا اور چاندی ہو لیکن وہ اس کا حق ادا نہیں کرتا تو قیامت کے روز اس کی تختیاں بنائی جائیں گی اور پھر انہیں جہنم کی آگ میں گرم کر کے اس شخص کے پہلو، پیشانی اور پشت پر داغ لگائے جائیں گے۔ جب وہ تختیاں ٹھنڈی ہو جائیں گی تو انہیں پھر گرم کیا جائے گا۔ یہ سب کچھ اس کے ساتھ اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی حتیٰ کہ بندوں کا فیصلہ ہو جائے گا وہ شخص اپنی راہ دیکھ لے گا یا جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اونٹوں والا اگر ان کا حق ادا نہیں کرے گا، (اور پانی پلانے کے دن ان کا دودھ دوہنا (اور مساکین کو عطا کرنا) اونٹوں کے حقوق میں سے ہے) تو قیامت کے روز اسے ایک کھلے میدان میں اونٹوں کے روندنے کے لئے لٹایا جائے گا۔ تمام اونٹ موجود ہوں گے ان میں سے ایک بچہ بھی مفقود نہ ہوگا۔ وہ اونٹ اپنے مالک کو پاؤں کے روندیں گے اور مونہوں کے ساتھ کاٹیں گے۔ جب ان کا ایک گلہ روند کر چلا جائے گا تو دوسرا گلہ روندنے کے لئے لوٹایا جائے گا اور یہ سزا اس کو اس دن ملتی رہے گی جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ حتیٰ کہ بندوں کا فیصلہ کر دیا جائے گا پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! گائے اور بکری کا کیا حکم ہے۔ فرمایا جو گاؤں اور بکریوں کا حق ادا نہیں کرے گا قیامت کے روز اسے ہموار میدان میں لٹایا جائے گا اور بکریوں اور گایوں میں سے ایک بھی غائب نہ ہوگی۔ ان میں کوئی الٹے سینگوں والی، کوئی منڈی اور کوئی ٹوٹے ہوئے سینگوں والی نہ ہوگی۔ وہ اسے اپنے سینگوں کے ساتھ ماریں گی اور پیروں کھروں کے ساتھ روندیں گی۔ جب اگلا حصہ روند کر گزر جائے گا تو پچھلے حصہ کو اس پر لوٹایا جائے گا (یعنی روندنے کا سلسلہ منقطع نہ ہوگا) اور یہ اس پر اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا پھر اسے جنت یا دوزخ کا راستہ دکھایا جائے گا۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے(1) اور یہ حدیث آیت کریمہ کی گویا تفسیر ہے اور اس حدیث میں وضاحت ہے کہ کنز وہ مال ہے جس کا حق ادا نہ کیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس کے لئے اس مال کو قیامت کے روز دو چتیاں والے سانپ کی شکل میں کر دیا جائے گا۔ قیامت کے دن وہ

1۔ صحیح مسلم، جلد 4 صفحہ 59 (العلمیہ)

سانپ اس کے اردگرد چکر لگائے گا۔ پھر وہ اس کی باچھوں کو پکڑ لے گا اور کہے گا میں تیرا مال اور میں تیرا خزانہ ہوں پھر آپ ﷺ نے وَلَا یَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ الآیہ تلاوت فرمائی (رواہ البخاری)(1)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس اونٹ، گائیں اور بکریاں ہوں گی اور وہ ان کے حقوق ادا نہیں کرے گا تو قیامت کے روز ان جانوروں کو بڑا اور موٹا کر کے لایا جائے گا۔ وہ اس شخص کو اپنے کھروں کے ساتھ روندیں گے، سینگوں کے ساتھ ماریں گے۔ جب دوسرا نکل گزر جائے گا تو پہلے کو پھر موڑ دیا جائے گا حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا، (بخاری و مسلم)(2)۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ اثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا فِیۡ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ مِنۡهَاۤ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ ۬ۙ فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِیۡهِنَّ اَنۡفُسَكُمۡ وَ قَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِیۡنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوۡنَكُمۡ كَآفَّةً ؕ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۶﴾

''بیشک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ماہ ہے کتاب الٰہی [1] میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو [2]۔ ان میں سے چار عزت والے ہیں [3]۔ یہی دین قیم ہے [4]۔ پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں اپنے آپ پر [5] اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں [6] اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے [7]''

[1] یعنی سال کے مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ماہ ہے۔ عند اللہ، عدۃ کے متعلق ہے کیونکہ وہ مصدر ہے، کتاب اللہ سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے یا اللہ کا حکم ہے اور فی کتاب اللہ ترکیب نحوی کے اعتبار سے اثنا عشر کی صفت ہے، ابوجعفر نے عشر کو شین کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ عام قراء شین کے فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

[2] یہ ظرف سابق میں جو ثبوت کا مفہوم و معنی ہے اس کے متعلق ہے یا کتاب کے متعلق ہے اگر اس کو مصدر مانا جائے۔ یعنی روزہ رکھنے، حج کرنے اور زکوٰۃ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک قمری مہینوں کا اعتبار ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد بارہ بتائی ہے اس سے زائد نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے روزوں کے لئے ایک مہینہ مقرر فرمایا اور حج کے لئے چند ماہ مقرر فرمائے اور زکوٰۃ کی ادائگی کے وجوب کو پورے بارہ مہینوں کے ساتھ معلق فرمایا۔

[3] ان مہینوں میں جنگ کی ابتداء کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، ایک مہینہ رجب ہے جو علیحدہ ہے۔ ذی القعدہ، ذی الحج اور محرم تینوں متصل ہیں۔

[4] قمری مہینوں کا اعتبار کرنا اور بارہ مہینے ہی شمار کرنا خواہش نفس اور دنیوی مصلحتوں کی خاطر کمی بیشی نہ کرنا محکم دین ہے اور یہی دین ابراہیمی ہے اس اعتبار کو ترک کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ نصاریٰ رمضان کے روزے چھوڑ دیتے تھے اور پھر موسم بہار میں پچاس دن کے روزے رکھتے تھے۔

[5] بعض علماء فرماتے ہیں فیھن میں ضمیر سال کے تمام مہینوں کی طرف راجع ہے۔ یعنی کسی مہینہ میں بھی اللہ کی نافرمانی نہ کرو اور ظاہر یہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 508 (ابن کثیر)
2۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 508 (ابن کثیر)

ہے کہ ضمیر کا مرجع چار ماہ ہیں کیونکہ عبارت میں وہی قریب ہیں اور فلا پر فاء تفریعیہ بھی اسی بات کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ ظلم سے نہی ان ماہ کی حرمت پر متفرع ہے اور ظلم سے مراد حرمت کو تار تار کرنا ہے اور ان مقدس مہینوں میں جنگ کرنا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حرمت والے مہینوں میں نیک اعمال کا اجر بہت زیادہ ہوتا ہے اور ان مہینوں میں ظلم کی سزا بھی دوسرے مہینوں کی بنسبت زیادہ ہوتی ہے۔ اگرچہ ظلم ہر حال میں جرم عظیم ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لا تظلموا فیھن سے مراد ان مہینوں میں حرام کو حلال سمجھنا اور غارت کرنا ہے (یعنی ان مہینوں غارت گری اور جنگ وجدل نہ کرو)۔ محمد بن اسحاق بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ حلال کو حرام نہ کرو اور حرام کو حلال نہ کرو جیسا کہ مشرک کرتے ہیں کہ وہ حرمت والے مہینوں کو ہٹا دیتے ہیں اور نفس کی پیروی میں اوقات شرعیہ میں تغیر و تبدل کرتے ہیں۔

ل کافۃ مصدر ہے کف عن الشی کا، یعنی اس نے اسے کام سے روک دیا چونکہ مجموعہ پر اضافہ روکتا ہے۔

ے اس جملہ میں ہر لحظہ خشیت الٰہی سے کانپنے والوں کو قرب الٰہی اور معیت خاصہ کی بشارت دی جا رہی ہے اور ان کے تقویٰ کے سبب ان کو نصرت و تائید کی ضمانت دی جا رہی ہے۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حرمت والے مہینوں میں جنگ کی حرمت کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں پہلے یہ گناہ کبیرہ تھا لیکن وقاتلوا المشرکین کے ارشاد کے ساتھ ان مہینوں میں جنگ حرمت منسوخ ہو گی۔ گویا مشرکین سے لڑنے کا حکم عام ہے۔ خواہ حرمت والے مہینے ہوں یا نہ ہوں۔ یہ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ عطاء الخراسانی، زہری اور سفیان الثوری رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے حنین میں ہوازن سے اور طائف میں ثقیف سے شوال اور ذی قعدہ میں جنگ لڑی تھی اور ان کا محاصرہ کیا تھا (1)۔ لیکن تو اس قاعدہ سے خوب آگاہ ہے کہ ناسخ اور منسوخ احکام متصل نہیں ہوتے اور یہ ارشاد متصل ہیں اس لئے قاتلوا المشرکین کافۃ کا ارشاد اربعۃ حرم ذالک الدین القیم کا ناسخ نہیں بن سکتا اور دوسری بات یہ ہے کہ قاتلوا المشرکین میں زمانہ کے اعتبار سے عموم نہیں ہے تاکہ یہ حرمت زمانیہ کے لئے ناسخ بن جائے اور مقتضی میں بھی عموم نہیں ہے اور یہ کہنا کہ حرمت والے مہینوں میں اور غیر حرمت والے مہینوں میں جنگ کرو اس تقدیر پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے طائف کا محاصرہ چھوڑ دیا تھا جب ذی القعدہ کا مہینہ شروع ہوا تھا، اگر ذی القعدہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے محاصرہ اور جنگ کی حدیث صحیح بھی ہو تو بھی نسخ کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اخبار آحاد کتاب کی ناسخ نہیں بن سکتیں۔ چوتھی یہ کہ یہ آیت کریمہ غزوہ طائف کے بعد 9ھ میں نازل ہوئی تھی جبکہ غزوہ طائف آٹھ ہجری میں ہوا تھا تو پھر یہ واقعہ ناسخ کیسے ہو سکتا ہے۔ پانچواں یہ کہ نبی کریم ﷺ ان مہینوں کی حرمت حجۃ الوداع کے موقع پر وصال سے اسی دن پہلے بیان فرمائی تھی۔ پس دوسرے مفسرین کا قول صحیح ہے کہ یہ غیر منسوخ ہے، ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عطاء بن ابی رباح قسم اٹھا کر فرماتے تھے کہ لوگوں کے لئے حرم میں اور حرمت والے مہینوں میں جنگ حلال نہیں ہے مگر یہ کہ ان اوقات میں یا حرم میں ان سے قتال کیا جائے تو ان کے لئے بھی لڑنا حلال ہے اور یہ آیت کریمہ منسوخ نہیں ہے (2) آئندہ ارشاد بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَّ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 74 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 74 (التجاریہ)

يُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۷﴾

"(حرمت والے مہینوں کو) ہٹا دینا[1] تو اور اضافہ کرنا ہے کفر میں[2] گمراہ کیے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ جو کافر ہیں[3] حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام کر دیتے ہیں اسی کو دوسرے سال[4] تا کہ پوری کریں گنتی ان مہینوں کی جنہیں حرام کیا ہے اللہ نے تاکہ اس حیلہ سے حلال کر لیں جسے حرام کیا ہے اللہ نے[5] آراستہ کر دیئے گئے ہیں ان کے لئے ان کے برے اعمال[6] اور اللہ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کفر اختیار کئے ہے ہے"

[1] نسیء بروز فعیل مصدر ہے جیسے السعیر اور الحریق مصدر ہیں۔ یا فعیل بمعنی مفعول ہے جیسے جریح بمعنی مجروح اور قتیل بمعنی مقتول استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی مؤخر کرنا ہے، یا مؤخر کیا گیا ہے۔ اسی سے النسیئة فی البیع ہے یعنی بیع میں ادھار کرنا۔ عرب کہتے ہیں انساء اللّٰه اجله یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دی۔ اسی طرح نسافی اجله استعمال ہوتا ہے۔ جمہور قراء نے اسے مہموز اللام اور مد کے ساتھ پڑھا ہے۔ ورش نے یاء شدیدہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اور ورش کی ایک قرأت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ یہ نسیان سے مشتق ہے۔ اس صورت میں النسیء کا معنی متروک ہوگا۔ بعض علما فرماتے ہیں اس کی اصل ہمزہ کے ساتھ ہے لیکن تخفیف کی وجہ سے ہمزہ حذف کیا گیا ہے اور النسیء سے مراد زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا وہ معمول ہے کہ وہ حرمت والے مہینوں کو دوسرے مہینوں سے تبدیل کر دیتے تھے۔ ابن جریر، ابی مالک رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں کہ وہ لوگ سال کے تیرہ مہینے بنا دیتے تھے، محرم کو صفر بنا دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (1)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دور جاہلیت کے لوگ حرمت والے مہینوں کی تعظیم کا اعتقاد رکھتے تھے اور انہوں نے یہ حکم دین ابراہیمی سے لیا تھا۔ چونکہ ان کی معیشت کا دارومدار شکار اور چوری ڈکیتی پر تھا جب انہوں نے تین ماہ متواتر پابندی کا حکم سنا تو ان پر یہ بہت گراں گزرا۔ بعض اوقات حرمت والے مہینوں میں جنگ کا نقارہ بج جاتا تھا تو وہ جنگ کو مؤخر کرنا ناپسند کرتے تھے۔ پس وہ اس مہینے کی حرمت کو دوسرے مہینے کی طرف منتقل کر دیتے تھے، محرم کی حرمت کو صفر تک مؤخر کر دیتے تھے۔ اس طرح وہ صفر میں جنگ و جدل حرام قرار دے دیتے تھے اور محرم میں حلال سمجھتے تھے۔ اسی طرح اگر صفر کی حرمت مؤخر کرنے کی ضرورت محسوس کرتے تو اسے ربیع الاول کی طرف مؤخر کر دیتے۔ اسی طرح وہ تحریم کو پورے سال میں اپنی خواہش کے مطابق تبدیل کرتے رہتے تھے۔ جب اسلام کا آفتاب جہاں تاب ظاہر ہوا تو محرم اپنے وقت پر واپس آ گیا جس وقت کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے متعین فرمایا تھا۔ یہ کام بہت طویل عرصہ بعد ہوا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا (2) حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے 10 ذی الحجہ کو ہمیں خطاب فرمایا اور فرمایا زمانہ اپنی ہیئت پر گھوم آیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن اس کی ہیئت متعین فرمائی تھی۔ سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار حرمت والے ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم متواتر ہیں اور رجب، جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا یہ کونسا مہینہ ہے ہم نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ ﷺ کچھ دیر خاموش ہو گئے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس مہینہ کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے پھر آپ نے فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کی کیوں نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے عرض کی اللہ اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 93 (الامیریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 74 (التجاریہ)

اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ ہم نے سوچا شاید آپ اس کا کوئی اور نام بتائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ البلدہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کی کیوں نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا یہ دن کونسا ہے؟ ہم نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش ہو گئے، ہم نے سوچا آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام بتائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ دسویں ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کی کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسے آج کا دن اس شہر میں (اور) اس مہینہ میں۔ تم یقیناً اپنے پروردگار سے ملاقات کرو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال پر باز پرس کرے گا خبردار میرے بعد گمراہی کی طرف نہ لوٹ جانا کہ بعض بعض کی گردنیں کاٹنے لگو۔ خبردار سنو، کیا میں نے احکام الٰہیہ کو پہنچا دیا ہے؟ تمام صحابہ کرام نے کہا جی ہاں، پھر آپ نے کہا اے اللہ تو بھی گواہ بن جا۔ جو موجود ہے غائب کو میرا پیغام پہنچا دے؟ کبھی سننے والے سے وہ زیادہ یاد کرنے والا ہوتا ہے جسے پیغام پہنچایا جاتا ہے (1) علماء فرماتے ہیں مشرکوں میں یہ حرمت کی تبدیلی کا سلسلہ جاری رہا وہ ایک سال ایک مہینہ میں حج کرتے اور دوسرے سال دوسرے مہینہ میں حج کرتے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ ہر مہینہ میں دو سال حج کرتے وہ ذی الحجہ میں دو سال حج کرتے، محرم میں دو سال حج کرتے پھر وہ صفر میں دو سال حج کرتے، اس طرح وہ تمام مہینوں میں حج کرتے رہے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر کا حج حجۃ الوداع سے پہلے دوسرے سال ذی قعدہ میں واقع ہوا تھا۔ پھر آئندہ سال نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع فرمایا تھا۔ آپ ﷺ کا حج اس مہینہ میں ہوا تھا جو حج کے لئے مشروع تھا یعنی ذی الحج۔ آپ ﷺ نے نو ذی الحجہ کو وقوف عرفات فرمایا تھا اور دسویں کے دن منیٰ میں خطبہ ارشاد فرمایا اور لوگوں کو بتایا کہ مہینوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا زمانے کی گردش سے منسوخ ہو چکا ہے اور اب حج انہیں تاریخوں پر لوٹ آیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کے وقت متعین فرماتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ان مہینوں کی محافظت کا حکم فرمایا تا کہ زمانہ آئندہ تبدیل نہ ہو۔ اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ سب سے پہلے مہینوں میں تبدیلی کس نے کی تھی۔ ابن عباس، ضحاک، قتادہ اور مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تبدیلی کرنے والے پہلے افراد بنو مالک بن کنانہ تھے۔ یہ تین افراد تھے ابو ثمامہ، جنادہ بن عوف اور ابن امیہ کنانی۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سب سے پہلے یہ جرم کرنے والا شخص بنی کنانہ سے تھا اور اس کا نام نعیم بن ثعلبہ تھا، یہ موسم حج میں لوگوں کا امیر ہوتا تھا جب لوگ لوٹنے کا ارادہ کرتے تو یہ خطاب کرتا اور کہتا جو میں فیصلہ کروں گا اسے کوئی رد کرنے والا نہیں ہے اور میرا وہ فیصلہ نہ معیوب ہے اور نہ گناہ ہے۔ مشرک اسے جواباً کہتے آپ نے بالکل درست کہا پھر اس سے مہینہ کی تبدیلی کا سوال کرتے۔ پس وہ کہتا اس سال صفر کا مہینہ حرام ہے، اس کا یہ جملہ سنتے ہی مشرک اپنی کمانیں اتار دیتے، نیزے کھول دیتے اور بھالے رکھ چھوڑتے۔ اور اگر وہ کہتا کہ صفر حلال ہے تو وہ اپنی کمانیں، نیزے اور بھالے باندھ لیتے اور غارت گری کرتے۔ نعیم بن ثعلبہ کے بعد جنادہ بن عوف اس منصب پر فائز ہوا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا تھا۔ عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں یہ بنی کنانہ سے تھا اور اسے القلمس کہا جاتا تھا۔ بنی کنانہ کا شاعر کہتا ہے ہم میں مہینہ کی تبدیلی القلمس کرتا تھا اور مشرک یہ تبدیلی ذی الحجہ میں اس وقت کرتے تھے جب عرب حج کے لئے جمع ہوتے تھے۔ جریر رحمۃ اللہ علیہ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے مہینوں میں تبدیلی کی ابتدا کی تھی وہ عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف تھا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف کو دیکھا جو بنی کعب کا جد اعلیٰ ہے وہ دوزخ میں اپنی انتڑیاں کھینچ رہا ہے۔ اسی تبدیلی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ (2)

1۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 1599 (ابن کثیر) 2۔ صحیح مسلم، جلد 6، صفحہ 15 (العلمیہ)

۲ یہ کفر میں زیادتی ہے کیونکہ اس تبدیلی میں حلال چیز کو حرام کرنا اور حرام کو حلال کرنا ہے، یہ کفر ہے اور پہلے ان کے کفر سے زائد ہے۔
۳ حمزہ، کسائی اور حفص رحمہم اللہ تعالیٰ نے یضل کو یاء کے ضمہ اور ضاد کے فتحہ کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یہ حضرت الحسن اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ کی قرأت ہے یعنی يُضِلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا النَّاسَ۔ اس کے ذریعے کافر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور باقی قراء نے یاء کے فتحہ اور ضاد کے کسرہ کے ساتھ مجرد سے معروف کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ وہ خود گمراہ تھے۔
۴ یحلونہ میں ہ ضمیر کا مرجع الشھر ہے جو النسیء سے مفہوم ہے، یعنی وہ ایک سال ایک مہینہ کو حلال کرتے اور دوسرے سال اسی مہینہ کو حرام قرار دیتے۔ یہ دونوں جملے یا تو الضلال کی تفسیر ہیں یا حال واقع ہو رہے ہیں۔
۵ لیوا طئوا، یحرمون کے متعلق ہے یا اس فعل کے متعلق ہے جو ان دونوں مذکورہ فعلوں کے مجموعہ پر دلالت کرتا ہے، یعنی وہ موافقت کی خاطر ایسا کرتے ہیں۔ مواطاۃ کا معنی موافقت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ چار مہینوں کی تعداد میں موافقت پیدا کرنے کے لئے ایسا کرتے تھے۔ پس جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہوتا اسے حلال کرتے تاکہ حرمت والے چار مہینوں کی تعداد میں زیادتی نہ ہو جائے۔ وہ صرف تعداد کی رعایت رکھتے تھے۔ وقت کی رعایت نہیں کرتے تھے۔
۶ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے ان کے برے اعمال کو اس طرح مزین کر کے پیش کیا ہے کہ وہ انہیں نیکیاں اور اچھائیاں تصور کرنے لگے ہیں، یا یہ معنی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے برے اعمال کو مزین کر دیا ہے، یعنی ان کو رسوا کیا ہے اور انہیں گمراہ کیا ہے، جیسا کہ واللہ لا یھدی القوم الکافرین کا قول مناسبت رکھتا ہے۔
۷ یہاں ھدایت سے مراد ھدایۃ موصلۃ الی الحق ہے۔ محمد بن یوسف صالحی لکھتے ہیں کہ محمد بن عمر و محمد بن سعید نے کہا ہے کہ نبطیوں کی ایک جماعت جو شام سے مدینہ طیبہ تیل سپلائی کرتی تھی انہوں نے مسلمانوں کو بتایا کہ رومی تمہارے خلاف ایک جمعیت بنا رہے ہیں اور ہرقل نے اپنے ساتھیوں کو ایک سال کا مشاہرہ دے دیا ہے اور ان کے ساتھ قبیلہ لخم، جزام، عاملہ، غسان اور دوسرے عرب قبائل بھی مل گئے ہیں اور ان کا ہراول دستہ بلقاء تک پہنچ گیا ہے، جبکہ یہ سارا جھوٹ تھا اس واقعہ کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے شام کی طرف خروج کا حکم دیا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند کے ساتھ عمران بن حصین سے روایت کیا ہے کہ عرب کے نصرانیوں نے ہرقل کو لکھا کہ یہ شخص جو نبوت کا مدعی ہے ہلاک ہو گیا ہے اور وہ قحط سالی میں مبتلا ہو گئے ہیں اور مال مویشی تباہ ہو چکے ہیں، اگر تو اپنے دین کی تشہیر چاہتا ہے تو موقع بڑا غنیمت ہے۔ اس نے اپنے عظماء میں سے ایک شخص کو چالیس ہزار کا لشکر دے کر بھیجا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے جہاد کا حکم فرمایا۔

ابن ابی حاتم اور ابو سعید نیشاپوری رحمہما اللہ تعالیٰ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ یہود نے رسول اللہ ﷺ کو کہا کہ اے ابوالقاسم اگر آپ واقعی سچے نبی ہیں تو شام کو چلے جائیے کیونکہ وہ انبیاء کرام کی رہائش گاہ ہے۔ آپ شام جانے کے ارادہ سے چل پڑے جب تبوک کے مقام پر پہنچے تو سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیات نازل ہوئی: وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ الخ۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن شیبہ اور ابن المنذر رحمہما اللہ تعالیٰ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے، ابن جریر نے سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مشرکوں کو مسجد حرام کے قریب آنے سے روکنے کا حکم دیا تو قریش نے کہا اگر مشرک ادھر نہ آئے تو ہماری منڈیاں اور بازار سونے ہو جائیں گے اور جو کچھ ہم مال کماتے تھے اس سے محروم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ

نے اہل کتاب سے جنگ کرنے کا حکم اس کمی کو پورا کرنے کے لئے دے دیا کہ اہل کتاب سے جہاد کرو حتیٰ کہ وہ یا تو مسلمان ہو جائیں یا اپنے ہاتھوں سے ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں، جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا وَ اِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ اسی طرح ایک اور ارشاد ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَ لْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً آپ ﷺ نے رومیوں سے قتال کا ارادہ فرمایا کیونکہ وہی سب سے قریب تھے اور وہی حق کی دعوت کے زیادہ مستحق تھے کیونکہ وہ اسلام کے زیادہ قریب تھے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ طائف سے لوٹے تو آپ ﷺ نے رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا(1)۔ محمد بن یوسف صالحی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں جب تبوک کے سال رومیوں سے نبی کریم ﷺ نے قتال کا ارادہ فرمایا تو یہ وقت نہایت تنگی اور عسر کا تھا۔ شدت کی گرمی تھی۔ شہروں میں خشکی تھی۔ دوسرا یہ کہ جب پھلوں کے پکنے اور چننے کا وقت ہوتا تھا تو لوگ اپنے درختوں کے پھلوں اور سایوں میں رہنا پسند کرتے تھے۔ ایسے وقت میں گھروں سے باہر جانے کو وہ ناپسند کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول مبارک تھا کہ آپ جب کسی غزوہ میں جانے کا پروگرام بناتے تو اس کا کنایۃً اور اشارۃً ذکر فرماتے لیکن غزوۂ تبوک کا ذکر آپ ﷺ نے اعلانیہ فرمایا تھا کیونکہ اس میں مشقت زیادہ تھی۔ گرمی کی حدت اپنے عروج پر تھی اور دشمن کی کثرت کا بھی چرچا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کا اظہار اس لئے فرمایا تا کہ لوگ خوب تیاری کر لیں پھر آپ ﷺ نے جہاد کا حکم فرمایا(2)۔ اسی طرح ابن ابی شیبہ، بخاری اور ابن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ نے کعب بن مالک سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے قریب قریب کے تمام عرب قبائل کو اپنے ساتھ شریک جہاد ہونے کی دعوت دی تھی۔ پس بہت سے لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ لیکن منافقین اور کچھ سست اور بوجھل لوگ مومنین میں سے پیچھے رہ گئے۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ذیل کی آیت نازل فرمائی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۳۸﴾

”اے ایمان والو!1 کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ جب کہا جاتا ہے تمہیں کہ نکلو راہ خدا میں تو بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو۔2 کیا تم نے پسند کر لی ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں۔ سو نہیں ہے سر و سامان دنیوی زندگی کا آخرت میں مگر قلیل ہے۔“

1۔ یہ پر عظمت و پر جلال خطاب ان مومنین کو ہے جو سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کر رہے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خطاب عام ہو اور منافقین کو بھی شامل ہو کیونکہ وہ زبانی کلامی ایمان لائے تھے، اگرچہ ان کے دل میں ایمان نہیں تھا۔

2۔ استفہام توبیخ کے لئے ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب میرا رسول تمہیں جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے راستہ میں نکلنے کا حکم فرما دیا ہے تو تم اپنے باغات اور آرام گاہوں کا پکڑے ہوئے ہو۔ اثاقلتم اصل میں تثاقلتم ہے، جس کا معنی بوجھل ہونا ہے، اور الی الارض، اثاقلتم کے متعلق ہے کیونکہ اس کے ضمن میں اخلاد اور میل کا معنی پایا جاتا ہے، اس لئے اس کو ”الیٰ“ کے صلہ کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 74 (التجاریہ)　2۔ تاریخ طبری، جلد 2 صفحہ 142 (روائع)

[3] کیا دنیا کی قلیل پونجی پر آخرت کی عظیم نعمتوں کے بدلے راضی ہو گئے ہو۔ یہ دنیا کا ساز و سامان تو آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں انتہائی حقیر ہے۔ یہ تو بہت جلد فنا ہونے والا ہے اور پھر جہاد کو ترک کرنے پر دنیا و آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا کرنے کی دھمکی دی۔

ابن ابی حاتم نے نجدہ بن نفیع سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عرب کے قبائل کو جہاد میں شرکت کی دعوت دی تو یہ چیز ان کو گراں گزری، اس وقت اللہ تعالیٰ نے ذیل کی آیت نازل فرمائی۔

إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾

"اگر تم نہیں نکلو گے تو اللہ عذاب دے گا تمہیں دردناک عذاب [1] اور بدل کر لے آئے گا کوئی دوسری قوم تمہارے علاوہ [2] اور تم نہ بگاڑ سکو گے اس کا کچھ [3] اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے [4]"

[1] یعنی اگر جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر میدان کارزار میں نہیں نکلو گے تو دنیا و آخرت میں تمہیں دردناک عذاب میں گرفتار کیا جائے گا۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ تم سے رحمت کی بارش روک کر عذاب دے گا اگر تم جہاد کو ترک کر دو گے۔

[2] اور تمہارا نام و نشان مٹا کر کوئی دوسری قوم کو اپنے دین متین کی خدمت کی سعادت عطا فرما دے گا جو قوم اطاعت شعاری اور تابعداری کی خوگر ہو گی۔ دوسری قوم سے مراد بعض علماء کے نزدیک اہل یمن ہیں اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں وہ اہل فارس ہیں۔

[3] اور دین کی نصرت و تائید میں تمہارا بوجھل پن کچھ حرج کا باعث نہ ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں ہٗ ضمیر کا مرجع رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ معنی یہ ہو گا کہ تم اس کاہلی اور سستی روی کی بناء پر رسول مکرم ﷺ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ سے خود عصمت اور نصرت کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کے وعدہ کا خلف محال ہے۔

[4] وہ تمہاری جگہ کسی اطاعت گزار قوم کی تبدیلی پر قادر ہے اور اسباب کو بدلنے اور بغیر تمہاری مدد کے اپنے رسول مکرم کی مدد کرنے پر بھی قدرت کاملہ رکھتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں جہاد میں کاہلی کا مظاہرہ کرنے والوں کے لئے سخت ناراضگی کا اظہار ہے کیونکہ مطلق عذاب کی وعید سنائی جو دنیا و آخرت دونوں کے عذاب کو شامل ہے۔ نیز کسی دوسری قوم کو یہ سعادت عطا کرنے کی دھمکی دی جو اطاعت و تابعداری کا پیکر ہو گی اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ دین متین کی مدد و نصرت تم پر منحصر نہیں وہ غنی اور بے نیاز ہے، جو چاہے گا تو یہ ابدی سعادت کسی اور کو بخش دے گا اور تمہیں محرومیوں کا شکار کر دے گا۔

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾

''اگر تم مدد نہ کرو گے رسول کریم کی تو (کیا ہوا) ان کی مدد فرمائی ہے خود اللہ نے جب نکالا تھا ان کو کفار نے۔ آپ دوسرے تھے دو سے [1] جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے [2] جب وہ فرمارہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے [3] پھر نازل کی اللہ نے اپنی تسکین ان پر [4] اور مدد فرمائی ان کے ایسے لشکروں سے جنہیں تم نے نہ دیکھا [5] اور کر دیا کافروں کی بات کو سرنگوں [6] اور اللہ کی بات ہمیشہ سربلند ہے [7] اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔''

[1] یعنی اگر تم رسول مکرم ﷺ کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ ان کی تائید فرمائے گا، جیسا کہ اس نے اس وقت مدد فرمائی تھی جب کفار نے آپ ﷺ کو مکہ سے نکالا تھا درآں حالیکہ آپ ﷺ دو میں سے دوسرے تھے۔ ثانی اثنین، نصرہ کی ضمیر منصوب سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی درآں حالیکہ آپ ﷺ کے ساتھ صرف ایک شخص تھا اور وہ ابوبکر تھے اور یہی دوسرے تھے۔ جزاء کو حذف کیا گیا ہے اور اس کے قائم مقام اس چیز کو رکھا گیا جو دلیل کی مانند تھی، یا یہ معنی کہ اگر تم اس کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی مدد و نصرت کو اپنے ذمہ واجب کر لیا ہے حتیٰ کہ اس نے اس وقت بھی اس کی مدد فرمائی تھی۔ پس ثابت ہوا کہ وہ کسی وقت بھی اس کو تنہا نہیں چھوڑے گا بلکہ اس کی نصرت ہمیشہ اسے شامل حال رہے گی۔ آیت میں نکالنے کی نسبت کفار کی طرف کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے دارالندوہ میں اکٹھے ہو کر آپ ﷺ کو قتل کرنے، یا گرفتار کرنے یا مکہ سے نکالنے کی سازش کی تھی۔ (یہ قصہ سورۂ انفال میں بالتفصیل گزر چکا ہے)۔ ہجرت کے اذن و اجازت کا سبب بھی سازش ہی تھی کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت فرمائی تھی۔

[2] مکہ کی نچلی سطح میں پہاڑ کے اندر جو سوراخ تھا، غار سے وہی مراد ہے۔ اذھما، اذاخرجہ کا بدل اول ہے اور اذ یقول بدل ثانی ہے۔ یقول کا فاعل نبی کریم ﷺ ہیں اور صاحب سے مراد سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام ترمذی اور بغوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق کو کہا تو میرا غار میں ساتھی تھا اور حوض کوثر پر بھی میرا ساتھی ہوگا (1)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ لیکن وہ میرے بھائی اور میرے ساتھی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھی (محمد ﷺ) کو اپنا خلیل بنایا ہے (2) حسن بن الفضل فرماتے ہیں جس نے یہ کہا کہ ابوبکر رسول اللہ ﷺ کے صحابی نہ تھے وہ کافر ہے کیونکہ اس نے نص قرآنی کا انکار کیا ہے اور دوسرے صحابہ کا اگر کوئی انکار کرے گا تو وہ بدعتی ہوگا کافر نہ ہوگا۔ (3)

[3] اللہ تعالیٰ کی یہ معیت غیر متکیف ہے۔ شیخ اجل الشہید مظہر فیوض الرحمٰن مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے یہی فضیلت کافی ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے بغیر کسی تفاوت کے اللہ تعالیٰ کی اس معیت کو ثابت کیا جو اپنے لئے ثابت فرمائی تھی جس نے سیدنا ابوبکر کی فضیلت کا انکار کیا اس نے اس آیت کریمہ کا انکار کیا اور کفر کا ارتکاب کیا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ حزن وملال بزدلی کی وجہ سے نہ تھا جیسا کہ رافضی (لعنھم اللہ) کہتے ہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچنے کے شبہ سے آپ کو غم اور اندیشہ لاحق ہوا تھا اور آپ نے کہا تھا کہ اگر میں قتل ہوں گا تو میں ایک شخص قتل

1۔ جامع ترمذی، جلد 5 صفحہ 572 (العلمیہ)، تقدیم وتاخیر کے ساتھ 2۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 273 (قدیمی)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 77 (التجاریہ)

ہوں گا لیکن اگر آپ ﷺ شہید ہو گئے تو پوری امت ہلاک ہو جائے گی۔ ہم احادیث غار میں ایسے دلائل ذکر کریں گے جو دلالت کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حزن اپنی ذات کی وجہ سے نہ تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی خاطر تھا۔

مکہ سے ہجرت کرنے کا واقعہ

موسیٰ بن عقبہ، ابن اسحاق، امام احمد، بخاری اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور ابن اسحاق اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسماء بنت ابی بکر سے روایت کیا ہے۔ بروایت بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے میں نے اپنے والدین کو ایک دین پر پایا ہے اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں صبح و شام رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف نہ لاتے ہوں۔ جب کفار نے مسلمانوں پر اذیتوں کی حد کر دی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے خواب میں تمہاری ہجرت کی جگہ دکھائی گئی ہے، وہ دو پتھریلے ٹیلوں کے درمیان کھجوروں والی جگہ ہے۔ پس لوگ مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے اور جو حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے وہ بھی مدینہ طیبہ لوٹ آئے، ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا ٹھہر جاؤ، مجھے امید ہے کہ مجھے بھی اجازت مل جائے گی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور ﷺ کیا آپ بھی امید رکھتے ہیں (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خاطر رک گئے تا کہ آپ ﷺ کے ساتھ سفر ہجرت کریں۔ آپ کے پاس دو اونٹنیاں تھیں جنہیں آپ نے چار ماہ کیکر کے درخت کی ٹہنیاں کھلائیں پھر ہم ایک دفعہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر زوال کے وقت بیٹھے تھے کہ اسماء نے کہا اے ابا جان وہ دیکھو رسول اللہ ﷺ سر ڈھانپے ایسے وقت میں تشریف لا رہے ہیں کہ پہلے کبھی اس وقت نہیں آئے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر استقبال کرتے ہوئے کہا حضور ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں آپ ﷺ کسی خاص معاملہ میں اس گھڑی تشریف لائے ہیں۔ حضور ﷺ تشریف لائے اجازت طلب کی جب اجازت ہوئی تو اندر تشریف لے گئے اور فرمایا اے ابوبکر جو لوگ تمہارے پاس ہیں انہیں کمرے سے نکال دے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور ﷺ یہاں کوئی تاڑنے والا جاسوس نہیں ہے۔ صرف یہ دو میری بیٹیاں موجود ہیں۔ بعض روایات میں ہے آپ نے عرض کی یہ آپ کے اہل ہیں یا رسول اللہ ﷺ (فداک امی و ابی) آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ہجرت کا حکم نازل کیا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر نے ساتھ چلنے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے قبول فرما لی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں ابوبکر کو روتے ہوئے دیکھا اور میں نے کبھی تصور ہی نہیں کیا تھا کہ کوئی شخص خوشی کی وجہ سے روتا ہے حتیٰ کہ میں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خوشی کی وجہ سے روتے ہوئے دیکھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپ ﷺ قبول فرما لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں قیمت کے بدلے لوں گا، میں اس اونٹ پر سوار نہیں ہوگا جو میرا نہیں ہے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا حضور یہ اونٹ آپ کا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اس ثمن کے ساتھ لوں گا جس سے تو نے خریدا ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی میں نے اتنے میں خریدا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اتنے میں خریدا۔ بخاری نے غزوۃ الرجیع میں لکھا ہے کہ وہ اونٹنی جدعاء (ناک کٹی ہوئی) تھی۔ واقدی نے اس کی قیمت آٹھ سو (درہم) بتائی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم نے دونوں حضرات کے لئے عمدہ زاد راہ تیار کیا اور ان دونوں

کے لئے ایک تھیلے میں دسترخوان اور کھانے کا سامان رکھ دیا۔ واقدی نے لکھا ہے کہ اس کھانے میں بھونی ہوئی بکری بھی تھی، اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنا نطاق (کمربند) کاٹا اور اس سے اس تھیلا کا منہ باندھ دیا۔ اسی وجہ سے ان کو ذات النطاقین کا لقب دیا گیا۔ ایک روایت میں ہے ذات النطاق (کمربند والی) کا لقب ذکر ہے(1)۔ محمد بن یوسف صالحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس حدیث میں تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ اسماء نے اپنے کمربند کے دو ٹکڑے کئے ایک سے زادِ راہ کے تھیلا کا منہ باندھا۔ اور ایک اپنی کمر سے باندھا اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا کو ذات النطاق اور ذات النطاقین کا لقب دیا گیا۔ پس ان دو اعتبار سے تثنیہ اور مفرد کے لفظ کے ساتھ لقب دیا گیا، ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنا کمربند کاٹا ایک ٹکڑے سے خوراک کے تھیلا کا منہ باندھا۔ اور دوسرے حصہ سے مشکیزہ کا منہ باندھا اسی وجہ سے آپ کا لقب ذات النطاقین پڑ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص اجرت پر لیا جو بنی بدیل سے تھا اور کفار قریش کے دین پر تھا پھر مسلمان ہوگیا تھا۔ یہ شخص رہنمائی کرنے میں ماہر تھا۔ دونوں نے اس شخص کو امین بنایا اور اپنی سواریاں اس کے سپرد کر دیں اور وعدہ لیا کہ تین دن کے بعد وہ سواریاں غارِ ثور پر لے آئے گا۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی اپنی ہجرت کی صورت حال بیان کی اور انہیں حکم دیا کہ تم میرے جانے کے بعد لوگوں کی امانتیں ادا کرنا جو میرے پاس موجود تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس مکہ کا ہر شخص امانت رکھتا تھا جس کو اپنی چیز کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا تھا کیونکہ آپ ﷺ کی امانت اور صداقت پر ہر ایک کو کامل وثوق تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق جبل ثور میں جو غار تھی اس میں تشریف لے گئے(2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے کہ یہ دونوں حضرات مکہ سے رات کے وقت نکلے تھے(3) ابن اسحاق اور واقدی رحمہما اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ یہ دونوں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کے پیچھے والے چھوٹے دروازے سے نکلے تھے۔ حضرت ابونعیم رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ بنت قدامہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب میں غیر معروف طریقے سے نکلا تو سب سے پہلے راستہ میں مجھے ابوجہل ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کی آنکھیں مجھے اور ابوبکر کو دیکھنے سے بند کر دیں۔ یہاں تک کہ ہم ابوجہل کے سامنے سے گزر گئے(4)۔ اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال پانچ ہزار درہم لے کر گئے تھے۔ البلادری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جس دن مسلمان ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا مال چالیس ہزار درہم تھا۔ پھر مدینہ طیبہ کو ہجرت کرتے ہوئے نکلے تو آپ رضی اللہ عنہ کا مال پانچ ہزار یا چار ہزار درہم تھا اور وہ سارا مال اپنے بیٹے عبداللہ کو دیکر بھیجا کہ وہ غار تک پہنچا ئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہمارے دادا ابوقحافہ ہمارے گھر تشریف لائے، اس وقت وہ بینائی کی نعمت سے محروم ہو چکے تھے۔ دادا جان نے کہا تم بخدا میرا خیال ہے کہ وہ سارا مال اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا ہرگز نہیں وہ تو ہمارے لئے مال کثیر چھوڑ گئے ہیں۔ فرماتی ہیں میں نے کچھ پتھر لئے پھر انہیں اس طاقچہ میں رکھا جہاں والد صاحب اپنا مال رکھا کرتے تھے۔ پھر میں نے ان کے اوپر کپڑا ڈال دیا۔ اس کے بعد میں نے دادا جان کا ہاتھ پکڑا اور کہا اپنا ہاتھ اس مال پر رکھو۔ فرماتی ہیں اس نے اپنا ہاتھ رکھا اور کہا اگر وہ تمہارے لئے مال چھوڑ گیا ہے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں، یہ تو اچھا ہوا۔ یہ تمہاری ضروریات کے لئے کافی ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں قسم بخدا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمارے لئے کچھ بھی چھوڑ کر نہیں گئے تھے لیکن میں نے دادا

1۔ صحیح بخاری، جلد 5 صفحہ 2187 (ابن کثیر)
2۔ صحیح بخاری، جلد 5 صفحہ 2188 (ابن کثیر)
3۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 209 (العلمیہ)
4۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 432 (العلمیہ)

جان کو تسلی دینے کے لئے ایسا کہا تھا(1)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں کہ جب صدیق اکبر اور رسول اللہ ﷺ غار کی طرف چلے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کبھی تو نبی کریم ﷺ کے آگے چلتے اور کبھی پیچھے چلتے، کبھی دائیں چلتے اور کبھی بائیں چلتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس انداز کی وجہ پوچھی تو عرض کی یارسول اللہ! جب میں سوچتا ہوں کہ کوئی آگے گھات میں نہ بیٹھا ہو تو آپ کے آگے ہو جاتا ہوں، جب یہ خیال کرتا ہوں کہ کوئی پیچھے سے طلب کرتا ہوا نہ آ جائے تو پیچھے چلنے لگتا ہوں۔ کبھی آپ کے دائیں اور کبھی بائیں ہو جاتا ہوں۔ مجھے آپ ﷺ کی حفاظت کی وجہ سے سکون نہیں آ رہا جب غار کے دہانے پر پہنچے تو ابوبکر نے عرض کی حضور ﷺ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے آپ ﷺ سے پہلے غار میں میں داخل ہوں گا اگر اس میں کوئی چیز ہو تو پہلے مجھ پر وارد ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے اور اپنے ہاتھ سے صفائی کرنے لگے جب کوئی سوراخ دیکھتے تو اپنا کپڑا پھاڑ کر اس سوراخ میں داخل کر دیتے اور اس کا منہ بند کر دیتے، پورا کپڑا پھاڑ کر سارے سوراخوں میں دے دیا۔ صرف ایک سوراخ بچ گیا آپ رضی اللہ عنہ نے اس پر اپنی ایڑی رکھ کر اسے بھی بند کر لیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ غار کے اندر تشریف لائے سانپوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ڈسنا شروع کر دیا اور درد کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔(2)

ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر رحمہما اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب دونوں غار کے دہانے پر پہنچے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے پاؤں ایک سوراخ میں داخل کر دیئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ اگر کوئی چیز کاٹنے گی یا ڈسے گی(3) تو مجھے ڈسے گی۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے جندب بن سفیان سے روایت کیا ہے کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں غار ثور ہی کی طرف چلے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ غار میں داخل نہ ہوں حتیٰ کہ میں اسے اچھی طرح صاف کر لوں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر کوئی زخم آ گیا۔ آپ اپنے ہاتھ سے خون صاف کرتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے تو ایک انگلی ہے جو اللہ کے راستہ میں زخمی ہوئی ہے اور اللہ کے راستہ میں تجھے تکلیف پہنچی ہے(4)۔ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب صبح کے وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کی چادر کہاں ہے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ میں نے ان سوراخوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے دبا دی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے عشق بے مثال کی یہ ادا دیکھ کر ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا کی اے اللہ ابوبکر کو میرے ساتھ درجہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی اے محبوب تیری دعا قبول ہو گئی ہے(5)۔ رزین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر کے پاس جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا تو آپ رونے لگے اور فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ میرے تمام اعمال صدیق اکبر کے اس ایک دن اور ایک رات کے برابر ہو جائیں، کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رات وہ ہے جس میں وہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں تنہا غار کی طرف چلے تھے پھر جب غار پر پہنچے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا قسم بخدا! آپ داخل نہ ہوں حتیٰ کہ میں پہلے داخل ہو جاؤں تا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے پہنچے آپ ﷺ اس میں مبتلا نہ ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اسے صاف کیا پھر اس غار میں کچھ سوراخ تھے اپنا ازار پھاڑ کر ان سوراخوں کو بند کیا لیکن دو سوراخ پھر بھی بچ گئے تو ان پر اپنے پاؤں رکھ لئے پھر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی۔ حضور ﷺ! تشریف لائیے۔ رسول اللہ ﷺ غار میں داخل ہوئے تو اپنا سر مبارک ابوبکر رضی اللہ

1۔ البدایۃ والنہایۃ، جلد 3 صفحہ 179 (السعادۃ)
2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 210 (العلمیہ)
3۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 434 (العلمیہ)
4۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 434 (العلمیہ)

عنہ کی گود میں رکھ کر سو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کسی چیز نے پاؤں پر ڈسا لیکن آپ نے حرکت نہ کی کہ کہیں آپ ﷺ کے آرام میں خلل نہ آ جائے۔ پس تکلیف کی وجہ سے آنسو رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس پر گرے تو آپ ﷺ بیدار ہو گئے اور پوچھا اے ابوبکر کیا ہوا؟ عرض کی حضور ﷺ! (میرے ماں باپ قربان ہوں) کسی چیز نے ڈس لیا ہے۔ حضور ﷺ نے فوراً تکلیف کی جگہ پر اپنا لعاب دہن مبارک لگایا تو تکلیف رفع ہو گئی لیکن یہی زہر آپ رضی اللہ عنہ کی موت کا سبب بنا تھا اور ابوبکر کا دن وہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو عرب کے قبائل مرتد ہو گئے اور کہنے لگے ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تم مجھے ایک رسی بھی نہ دو گے تو میں تم سے اس پر جہاد کروں گا۔ میں نے کہا اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ لوگوں سے الفت اور نرمی کا مظاہرہ کیجئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا جاہلیت میں تو بڑے جابر تھے اسلام میں بزدل ہو گئے ہو۔ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اور دین مکمل ہو گیا ہے، کیا دین میں کمی کی جائے گی اور میں بھی زندہ ہوں گا۔(1)

ابن سعد، ابونعیم، بیہقی اور ابن عساکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابی مصعب المکی سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں نے انس بن مالک، زید بن ارقم اور مغیرہ بن شعبہ سے ملاقات کی ہے اور میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غار میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے "راہ" کا درخت اس کے اوپر اگا دیا جس نے غار کا منہ ڈھانپ لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مکڑی کو بھیجا جس نے غار کے منہ پر جالا تن دیا جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اندر سے نظر نہ آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دو جنگلی کبوتروں کو حکم دیا کہ وہ غار کے منہ پر اپنا گھونسلہ بنا دیں۔ قریش کے نوجوان جب اپنی لاٹھیوں، ڈنڈوں اور تلواروں کے ساتھ وہاں پہنچے جبکہ ان کا رسول اللہ ﷺ سے صرف چالیس ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ ان میں سے کسی نے غار میں دیکھا تو اسے دو وحشی کبوتر نظر آئے۔ اس نے کہا اس میں کوئی شخص موجود نہیں ہے۔ آپ ﷺ اس کی یہ بات سن رہے تھے۔ پس آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف کو دور فرما دیا ہے، آپ ﷺ نے ان دونوں کبوتروں کے لئے برکت کی دعا فرمائی اور ان کی جزاء مقرر فرمائی۔ وہ دونوں کبوتر حرم میں پہنچے اور وہاں انڈے دیئے اور بچے نکالے حرم کے سب کبوتر ان کے بچے اور ان کی نسل سے ہیں(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مشرکین جب رسول اللہ ﷺ کے پاؤں کے نشان دیکھتے ہوئے پہاڑ تک پہنچے تو ان سے نشانات گم ہو گئے۔ وہ پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے اور غار کے اوپر سے گزرے انہوں نے غار کے اوپر مکڑی کا جالا دیکھا اور کہنے لگے اگر وہ اس میں داخل ہوئے ہوتے تو اس کے دروازہ پر مکڑی کا جالا نہ ہوتا۔ آپ ﷺ اس غار میں تین دن ٹھہرے رہے۔

حافظ احمد ابوبکر بن سعید القاضی رحمۃ اللہ علیہ جو نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں، انہوں نے مسند الصدیق میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ قریش رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرتے ہوئے آئے اور غار کے منہ پر مکڑی کا جالا دیکھا تو کہنے لگے اس میں تو کوئی داخل نہیں ہوا اور اس وقت رسول اللہ ﷺ اندر کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نگہبانی کر رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کی قوم آپ کو تلاش کر رہی ہے۔ قسم بخدا مجھے اپنے نفس کا کوئی غم نہیں ہے لیکن مجھے یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ کہیں آپ ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر خوف مت کیجئے اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔(3)

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 433 (العلمیہ)
2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 214 (العلمیہ)
3۔ البدایہ والنہایہ بحوالہ مسند الصدیق، جلد 3 صفحہ 181 (السعادۃ)

صحیحین میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی حضور ﷺ! ہم غار میں ہیں اگر کسی نے ان میں سے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا تو وہ اپنے پاؤں کے نیچے سب کچھ دیکھ لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر اس دو کے متعلق تیرا کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے(1)۔ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے الحلیہ میں عطاء بن میسرہ سے روایت کیا ہے کہ مکڑی نے دو مرتبہ جالا تنا تھا، ایک مرتبہ داؤد علیہ السلام پر جبکہ طالوت انہیں تلاش کر رہا تھا اور دوسری مرتبہ نبی کریم ﷺ پر جب آپ غار میں تھے(2)۔ البلاذری نے اپنی تاریخ میں اور ابوسعید نے ذکر کیا ہے کہ مشرکین نے ایک شخص مزدوری پر لیا جس کا نام علقمہ بن کرز بن ہلال الخزاعی تھا۔ یہ فتح مکہ کے سال مسلمان ہوا تھا۔ وہ انہیں قدموں کے نشانات پر لیکر غار ثور تک پہنچا جو مکہ کے نشیب میں ہے تو کہنے لگا یہاں قدموں کے نشانات ختم ہو گئے ہیں، اب پتہ نہیں وہ دائیں گئے ہیں یا بائیں۔ پھر وہ پہاڑ کے اوپر چڑھا۔ جب غار کے منہ پر پہنچے تو امیہ بن خلف نے کہا اس غار پر تو جالا تنا ہوا ہے جو محمد (ﷺ) کی پیدائش سے پہلے کا ہے۔ پھر اس نے وہاں پیشاب کر دیا۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ مشرکین نے جب رسول اللہ ﷺ کو مفقود پایا تو ہر طرف سوار ہو کر آپ ﷺ کی تلاش میں نکل پڑے اور کنوؤں پر رہنے والوں کی طرف بھی پیغام بھیج دیا اور بہت بڑے انعام کو بھی مقرر کیا۔ وہ اس پہاڑ پر چڑھ گئے جس کی غار میں نبی کریم ﷺ موجود تھے۔ حتیٰ کہ وہ غار کے اوپر پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی آوازیں سن لیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا اور رونے لگے، غم و اندوہ اور خوف طاری ہو گیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا۔(3)

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر سکینت اور اطمینان کو نازل فرمایا اسی وجہ سے آپ ﷺ نے لا تحزن ان اللہ معنا۔ فرمایا تھا۔ البلاذری نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، ابن مردویہ، البیہقی اور ابن عساکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق پر حضور ﷺ کے ارشاد لا تحزن ان اللہ معنا کے ساتھ اطمینان اور سکون نازل فرمایا تھا(4) کیونکہ حضور علیہ السلام پر تو پہلے سکون اور اطمینان کی کیفیت تھی۔ یہ قول بہتر ہے کیونکہ فانزل کی فا اس کی دلیل ہے۔ اس قول کے بہتر ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ضمیر کا اقرب کی طرف لوٹانا بہتر ہے۔

یہ ملائکہ کا ایسا لشکر تھا جنہوں نے کفار کے چہروں کو مارا اور آنکھوں کو دیکھنے سے محروم کر دیا۔ ابونعیم اسماء بنت ابی بکر رحمۃ اللہ علیہا سے روایت فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار کے دہانے پر ایک شخص کو دیکھا تو عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں، فرشتے اب اپنے پروں کے ساتھ پردہ کئے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ بیٹھا اور ان کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر اگر یہ تجھے دیکھ رہا ہوتا تو ایسا نہ کرتا۔ بعض علماء فرماتے ہیں فرشتوں نے کفار کے دلوں میں رعب اور ہیبت ڈال دی حتیٰ کہ وہ لوٹ گئے۔ مجاہد اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ملائکہ نے بدر کے روز آپ ﷺ کی اعانت کی تھی۔ پس یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے غار میں دشمنوں کے مکر کو آپ ﷺ سے پھیر دیا تھا۔ پھر یوم بدر کو ملائکہ کے ذریعے نصرت کا اظہار فرمایا۔

ابن عدی اور ابن عساکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان

1۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 1713 (ابن کثیر)
2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 432 (العلمیہ)
3۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 211 (العلمیہ)
4۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 214 (العلمیہ)

رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تو نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ کہا ہے، حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کی ہاں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا تم وہ اشعار سناؤ میں سنتا ہوں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار سنائے، وہ غار ثور میں دو میں سے دوسرا تھا جبکہ دشمن اس غار کے اردگرد گھوم رہے تھے اور پہاڑ کے اوپر چڑھے ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں اور یہ بات ساری دنیا جانتی ہے اور کسی فرد بشر کو آپ ﷺ نے آپ کے برابر مرتبہ نہیں دیا۔ حضور ﷺ یہ تعریف آمیز اشعار سن کر خوب مسکرائے حتیٰ کہ آپ ﷺ کی داڑھیں مبارکہ ظاہر ہوگئیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا حسان! صدیق اکبر واقعی ایسا ہے جیسا تو نے کہا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یہ دونوں حضرات تین راتیں اس غار میں رہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ رات ان دو حضرات کے پاس گزارتے تھے۔ آپ ایک زیرک نوجوان تھے، رات کے اندھیرے میں ان کے پاس پہنچ جاتے اور صبح پھر قریش کے ساتھ ہوتے اور یوں ظاہر کرتے کہ رات انہوں نے قریش کے ساتھ گزاری ہے۔ دن بھر قریش کی باتیں، مشورے اور مذموم سازشیں سنتے رہتے اور شام کو یہ سب باتیں بارگاہ رسالت میں عرض کرتے اور حالات و واقعات سے آگاہ کرتے(1)۔ ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا، شام کے وقت حضور ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مزاج کے مطابق کھانا تیار کر کے لے جاتیں۔ عامر بن فہیرہ جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے چرواہے تھے، دن بھر مکہ کے چرواہوں کے ساتھ بکریاں چراتے، پھر شام کو سارا ریوڑ غار کے پاس لے جاتا اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں تازہ دودھ پیش کرتا۔ وہ ہر رات ایسا ہی کرتا رہا جب تین راتیں گزر گئیں اور لوگ پرسکون ہوگئے تو وہ مزدور جو سواریاں پہنچانے کے لئے آپ ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اجرت پر لیا تھا وہ پہنچ گیا۔ دونوں حضرات سواریوں پر سوار ہوگئے۔ عامر بن فہیرہ جو عبداللہ بن طفیل رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، وہ بھی ساتھ ہی چل پڑا۔ حضرت عبداللہ بن طفیل رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماں کی طرف سے بھائی تھے۔ یہ غلام خدمت گزاری کے لئے ساتھ چلا تھا۔ راستہ کو جاننے والا شخص ان دونوں حضرات کو عسفان کے نشیبی علاقہ سے ساحل کے راستہ سے لیکر چل پڑا حتیٰ کہ وہ اسج پر پہنچا اور راستہ تبدیل کر لیا(2)۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم جب رات کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے تھے تو کیا کیا واقعات پیش آئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم ساری رات چلتے رہے حتیٰ کہ دوپہر تک چلتے رہے۔ راستہ میں ہمیں ایک طویل چٹان نظر آئی جس کا سایہ موجود تھا اور اس کے نیچے دھوپ نہیں لگتی تھی ہم اس کے نیچے ٹھہر گئے۔ پہلے میں چٹان کے پاس آیا اپنے ہاتھ سے اس جگہ کو درست کیا جہاں رسول اللہ ﷺ نے آرام فرمانا تھا، پھر میں نے اپنی پوستین نیچے بچھا دی جو میرے پاس تھی۔ اس کے بعد میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ یہاں آرام فرمائیں، میں اردگرد چوکیداری کرتا ہوں۔ آپ ﷺ محو خواب ہوگئے اور میں نگرانی کرنے لگا۔ اچانک ایک چرواہا اپنی بکریاں لیکر اسی چٹان کی طرف آیا جس کو ہم نے آرام کے لئے منتخب کیا تھا۔ میں اس چرواہے سے ملا اور اس سے اس کا پتہ پوچھا۔ اس چرواہے نے بتایا کہ میں مکہ کے ایک شخص کا غلام ہوں۔ اس نے اپنے مالک کا نام لیا تو میں پہچان گیا۔ میں نے پوچھا تیری بکریوں کے تھنوں میں دودھ ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا میرے لئے کچھ دودھ کر لے آؤ۔ اس نے کہا ٹھیک ہے، میں لے آتا ہوں۔ اس نے ایک بکری پکڑی تو آپ نے کہا اس کی کھیری سے پہلے مٹی اور تنکے وغیرہ جھاڑ لو۔ اس نے بمشکل ایک پیالہ دودھ نکالا۔ میرے پاس ایک لوٹا تھا جس میں میں نبی کریم ﷺ کے لئے پانی رکھتا تھا۔ اسی سے آپ ﷺ پانی نوش بھی فرماتے اور وضو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 80-79 (التجاریۃ)
2۔ البدایۃ والنہایۃ جلد 3 صفحہ 184 (السعادۃ)

بھی فرماتے اور اسکے منہ پر کپڑا باندھا ہوا تھا، میں نبی کریم ﷺ کے قریب آیا تو میں نے آپ ﷺ کو نیند سے بیدار کرنا اچھا نہ سمجھا۔ میں ٹھہر گیا حتیٰ کہ آپ ﷺ بیدار ہو گئے۔ میں نے دودھ میں پانی ملایا تا کہ وہ ٹھنڈا ہو جائے۔ پھر میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ دودھ نوش فرمالیجئے۔ آپ ﷺ نے وہ نوش فرمایا اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں ہوا۔ میں نے عرض کی وقت تو ہو گیا ہے، پھر ہم سورج کے ڈھلنے کے بعد چل پڑے(1)۔

طبرانی، حاکم، ابونعیم، ابوبکر الشافعی رحمہم اللہ تعالیٰ نے سلیط بن عمرو الانصاری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جا رہے تھے تو آپ ﷺ ابوبکر، عامر بن فہیرہ اور راستہ بتانے والا شخص، ام معبد خزاعیہ کے خیمہ کے پاس سے گزرے۔ یہ ام معبد ادھیڑ عمر کی تھی اور جوان عورتوں کی طرح پردہ نہیں کرتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ ایک زیرک اور پاکدامن عورت تھی۔ لوگوں کی خاطر قبہ کے فناء میں بیٹھتی تھی، لوگوں کو کھانا کھلاتی اور مشروبات پیش کرتی تھی۔ ان چاروں حضرات نے اس سے گوشت اور کھجوروں کے خریدنے کی غرض سے سوال کیا۔ لیکن اس کے پاس سے کچھ بھی نہ ملا کیونکہ وہ قحط کا زمانہ تھا۔ ام معبد نے کہا اگر ہمارے پاس کچھ ہوتا تو ہم تمہیں پریشان نہ کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کو خیمہ کے اندر ایک بکری دکھائی دی، آپ ﷺ نے پوچھا ام معبد یہ بکری کیوں کھڑی ہے؟ عرض کی یہ تکلیف کی وجہ سے ریوڑ کے ساتھ نہیں جا سکی آپ ﷺ نے پھر پوچھا کیا اس کا دودھ ہے؟ ام معبد نے عرض کی یہ تو بہت کمزور اور نحیف ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا اجازت ہے کہ میں اس کا دودھ دوہ لوں، ام معبد نے عرض کی (میرے ماں باپ آپ پر قربان) اگر آپ دودھ نکال سکتے ہیں تو نکال لیں۔ قسم بخدا یہ تو حاملہ بھی نہیں ہوئی۔ آپ اس کا دودھ نکال سکتے ہیں تو اجازت ہے، آپ ﷺ نے بکری کو اپنے پاس منگوایا، پھر اس کی کھیری اور پیٹھ پر اپنا دست یمن و برکت پھیرا۔ بسم اللہ شریف پڑھی اور ام معبد کے لئے بکری کے متعلق دعا فرمائی ہاتھ مبارک کھیری پر لگا تو دودھ اتنا کثرت سے اترا کہ بکری نے اپنی ٹانگیں پھیلا دیں۔ آپ ﷺ نے وہ برتن منگوایا جس سے ایک گروہ سیر ہو کر پی سکتا تھا۔ آپ نے اس برتن میں دودھ نکالا تو وہ لبالب بھر گیا۔ حتیٰ کہ اس کی جھاگ برتن کے منہ پر آگئی۔ آپ ﷺ نے پہلے ام معبد کو وہ دودھ پلایا، پھر اپنے اصحاب کو پلایا حتیٰ کہ سب سیر ہو گئے، پھر خود رسول اللہ ﷺ نے نوش فرمایا اور فرمایا سَاقِی الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا۔ قوم کا ساقی آخر میں پیتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے دوبارہ دودھ نکالا حتیٰ کہ برتن بھر گیا۔ وہ دودھ سے بھرا برتن اس کے پاس چھوڑا اور خود روانہ ہو گئے۔(2)

ابن سعد، ابونعیم رحمہما اللہ تعالیٰ ام معبد سے روایت کرتے ہیں فرماتی ہیں وہ بکری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک ہمارے پاس رہی جسے رسول اللہ ﷺ نے مس فرمایا تھا۔ یہ 18ھ کا زمانہ تھا اور سخت قحط اور خشک سالی تھی۔ لیکن ہم صبح و شام اس بکری کا دودھ نکالتے تھے جبکہ زمین پر کچھ بھی نہ اگتا تھا۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے ام معبد کا واقعہ کچھ زیادتی اور کمی کے ساتھ نقل فرمایا ہے اس میں ہے کہ شام کے وقت ام معبد کا بیٹا اپنی بکریاں لے کر آیا تو ام معبد نے اسے کہا یہ بکری اور چھری ان دو مہمانوں کے پاس لے جا اور انہیں بتا کہ میرے ابو نے کہا ہے کہ اس کو ذبح کر کے کھاؤ اور ساتھیوں کو کھلاؤ۔ نبی کریم ﷺ نے اس لڑکے کو فرمایا چھری لے جاؤ اور پیالہ لے آؤ۔ لڑکے نے عرض کی حضور! اس کا تو دودھ نہیں ہے یہ تو ابھی دودھ دینے کی عمر کو پہنچی ہی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور پیالہ لے

1۔ صحیح بخاری، جلد 3، صفحہ 24-1323۔ جلد 2، صفحہ 860 (ابن کثیر)

2۔ مستدرک حاکم، جلد 3 صفحہ 9 (النصر)، دلائل النبوۃ از ابونعیم، جلد 2 صفحہ 436 (العربیہ)

آئے۔ آپ ﷺ نے اس کی کھیری پر ہاتھ پھیرا اور پھر دودھ نکالنا شروع کر دیا حتیٰ کہ پیالہ بھر گیا، اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم دو راتیں ٹھہرے تھے اور پھر چلے گئے تھے۔ ام معبد نے آپ ﷺ کا نام مبارک رکھا۔ اس کی بکریاں کثیر ہوگئیں حتیٰ کہ وہ بکریاں لے کر مدینہ طیبہ پہنچ گئی۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے ریوڑ کے پاس سے گزرے تو اس کے بیٹے نے آپ رضی اللہ عنہ کو پہچان لیا، اور اپنی ماں سے کہا یہ تو وہی شخص ہے جو "المبارک" کے ساتھ تھا۔ ام معبد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور پوچھا اے عبداللہ وہ شخص کون تھا جو تیرے ساتھ تھا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ ام معبد نے کہا مجھے ان کے پاس لے جاؤ۔ حضور ﷺ نے اسے کھانا کھلایا اور کپڑے عطا فرمائے۔ اس بندہ نوازی اور حسن اخلاق کو دیکھ کر وہ مسلمان ہوگئی(1)۔ ہشام بن جیش کہتے ہیں حتیٰ کہ ام معبد کا خاوند ابو معبد حاملہ، کمزور بکریاں لیکر پہنچا۔ جب اس نے گھر میں دودھ کی فراوانی دیکھی تو حیران ہوگیا اور پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا ہے۔ بکریاں تو جنگل میں تھیں اور گھر میں کوئی دودھ دینے والی بکری نہیں تھی۔ ام معبد نے کہا قسم بخدا ایک مبارک شخص کی برکت سے یہ سب کچھ ہے۔ ابو معبد نے کہا اس کی صفات بیان کرو۔ ام معبد نے کہا میں نے ایک ایسا مرد دیکھا جس کا حسن ظاہر تھا، چہرہ چمکدار اور روشن تھا، حسن اخلاق کا پیکر تھا۔ نہ تو بڑھا ہوا پیٹ اس کو معیوب کر رہا تھا اور نہ پتلی گردن اور چھوٹا سر اس میں نقص پیدا کر رہا تھا۔ بڑا حسین بہت خوبرو، آنکھیں سیاہ اور موٹی موٹی، پلکیں لمبی لمبی، اس کی آواز گونج دار اور گرج دار تھی۔ گردن چمکدار اور ریش مبارک گھنی تھی۔ اس کے دونوں ابرو باریک اور ملے ہوئے تھے۔ جب وہ خاموش ہوتے تو پروقار ہوتے۔ جب محو گفتگو ہوتے تو چہرہ پرنور اور بارونق ہوتا، دور سے دیکھنے والے کو سب سے خوش شکل اور بارعب نظر آتے، قریب سے دیکھنے والے کو سب سے حسین وجمیل نظر آتے، ان کا کلام بڑا واضح تھا، نہ بے فائدہ کلام کرتے اور نہ بیہودہ باتیں کرتے۔ گفتگو یوں محسوس ہوتی جیسے موتیوں کی لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ قد درمیانہ تھا، نہ اتنا لمبا کہ آنکھوں کو برا لگے نہ اتنا ٹھگنا کہ نگاہیں حقیر سمجھیں۔ یوں لگتا دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ ہیں جو سب سے زیادہ سرسبز اور شاداب ہے۔ قدر و منزلت کے اعتبار سے بھی سب سے حسین تھے۔ ان کے ساتھی ان کے ارد گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے، اگر وہ بولتے تو سب پورے دھیان سے سنتے اور بالکل خاموش ہوجاتے۔ اور جب کسی بات کا حکم فرماتے تو فوراً تعمیل حکم کرتے، سب کے مخدوم اور سب کے لئے قابل احترام تھے۔ نہ تو ترش رو تھے اور نہ ان کی بات کی مخالفت کی جاتی تھی۔ ابو معبد نے جب یہ دلکش اور دلربا حلیہ اور خصائل سنے تو کہنے لگا قسم بخدا یہ تو وہی شخص ہے جس کا تذکرہ قریش نے ہمارے سامنے مکہ میں کیا ہے۔ اگر مجھے ان کی زیارت وملاقات کا شرف ہوگا تو میں ضرور ان کی معیت کا شرف حاصل کروں گا(2)۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا سفر شروع فرمایا تو ہمارے پاس قریش کے کچھ سرکردہ لوگ آئے جن میں ابوجہل بھی تھا۔ وہ سب ابوبکر کے دروازہ پر کھڑے ہوگئے۔ میں باہر نکلی تو انہوں نے مجھ سے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے، میں نے کہا قسم بخدا مجھے معلوم نہیں کہ ابو کہاں تشریف لے گئے ہیں۔ ابوجہل جو ایک بدزبان اور کمینہ فطرت انسان تھا اس نے ہاتھ اٹھایا اور میرے منہ پر تھپڑ اتنے زور سے مارا کہ میری کان کی بالی ٹوٹ کر دور جا گری(3)۔ فرماتی ہیں پھر وہ چلے گئے تین دن تک ہمیں پتہ نہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ کہاں تشریف لے گئے ہیں حتیٰ کہ مکہ کے نشیبی علاقہ سے جنوں میں ایک مرد شعر گنگناتے ہوئے آیا۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے آواز سنتے آرہے تھے لیکن وہ انہیں نظر نہیں آرہا تھا حتیٰ کہ وہ مکہ کے بالائی علاقہ سے

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 23-222 (العلمیہ)	2۔ البدایہ والنہایہ، جلد 3 صفحہ 192 (السعادۃ)	3۔ البدایہ والنہایہ، جلد 3 صفحہ 179

باہر نکل گیا۔ وہ جن یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔ "اللہ رب العرش دونوں ساتھیوں کو بہتر جزاء عطا فرمائے جنہوں نے ام معبد کے خیمہ میں قیلولہ کیا۔ دونوں ہدایت کے ساتھ اس کے خیمہ میں اترے جس کی وجہ سے مجھے بھی ہدایت مل گئی۔ وہ شخص دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہے جس نے محمد ﷺ کی رفاقت و سنگت اختیار کر لی۔ "بنی کعب کو اپنی لڑکیوں کا مقام مبارک ہو اور ان کی رہائش مومنین کے راستہ میں ہے تم اپنی بہن سے اس کی بکری اور اس کے برتنوں کے دودھ سے بھرنے کے متعلق پوچھو۔ تم اگر اس بکری کے متعلق پوچھو گے تو وہ گواہی دے گی کہ آپ ﷺ نے ایک حاملہ بکری کو منگوایا اور اس نے دوسری بکریوں سے کئی گنا زیادہ دودھ دیا، پھر وہ بکری آپ ﷺ اس عورت (ام معبد) کے پاس چھوڑ گئے تھے تا کہ دودھ دوہنے والا پانی پر اتارنے اور پانی سے نکالتے وقت دوہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن سند کے ساتھ ام معبد کے قصہ میں روایت کیا ہے کہ قریش رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرتے ہوئے ام معبد کے خیمہ میں پہنچ گئے۔ اس سے انہوں نے آپ ﷺ کے متعلق پوچھا۔ اور کہا کیا تو نے محمد (ﷺ) کو دیکھا ہے اس کی شکل و صورت ایسی ایسی تھی، ام معبد نے کہا تمہاری مراد ہمارا وہ مہمان ہے جس نے گابھن (حاملہ) بکری کا دودھ نکالا تھا، قریش نے کہا ہماری مراد بالکل وہی ہے (1)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے ہو سکتا ہے بکری کو خیمہ کے ایک کونہ میں دیکھا ہو پھر اس کا بیٹا بکریاں لے کر آیا ہو۔ بعد میں اس کا خاوند آیا ہو اور ام معبد نے اس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بیان کئے ہوں (2)۔ میں کہتا ہوں یہی وجہ ہے کہ قریش آپ کی تلاش میں یہاں تک پہنچ گئے تھے۔

سراقہ بن مالک کا واقعہ

امام احمد اور شیخین رحمہم اللہ تعالیٰ نے سراقہ بن مالک سے احمد اور یعقوب بن سفیان رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ روایت کیا ہے۔ حضرت سراقہ خود بیان فرماتے ہیں۔ ہمارے پاس قریش کے قاصد یہ پیغام لیکر آئے کہ جو شخص محمد ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قتل کرے گا یا انہیں زندہ گرفتار کر کے لائے گا اسے فی کس ایک سو اونٹنیاں بطور انعام دی جائیں گی۔ میں اپنی قوم بنو مدلج کی مجلس میں بیٹھا تھا جہاں یہ اعلان سنایا گیا۔ اسی اثناء میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا اے سراقہ میں نے تین اشخاص ساحل سمندر کی طرف جاتے ہوئے دیکھے ہیں، دوسری روایت میں ہے تین شتر سوار دیکھے ہیں۔ میرا خیال ہے وہ محمد ﷺ اور آپ کے ساتھی تھے۔ سراقہ کہتے ہیں میں جان گیا یہ وہی لوگ ہیں۔ میں نے اس شخص کو اشارہ کیا کہ خاموش ہو جاؤ۔ میں آہستہ سے وہاں سے اٹھا اپنے گھر آیا اور اپنی کنیز کو حکم دیا کہ میرا گھوڑا وادی کے بطن میں لے جا۔ میں خود اپنا نیزہ و شمشیر لیکر عقبی دروازہ سے باہر نکلا۔ میں نے اپنے نیزے کو زمین پر گھسیٹا اور نیزے کا اوپر والا حصہ نیچے کر دیا۔ ایسی کیفیت میں اپنے گھوڑے کے پاس پہنچا، اس پر سوار ہوا اور اسے تیزی سے دوڑاتا ہوا اس سمت کو روانہ ہو گیا۔ میں نے حضور کی پرچھائیں دیکھیں یعنی کچھ شبیہیں نظر آنے لگیں۔ جب میں بالکل قریب پہنچا تو میرے گھوڑے کو ٹھوکر لگی تو میں پرچکرا کر زمین پر گر گیا، میں فوراً اٹھا اور اپنے ترکش سے فال کے تیر نکالنے لگا کہ میں انہیں نقصان پہنچا سکتا ہوں یا نہیں۔ تیر نکالا تو اس پر لکھا تھا کہ میں انہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا یا میں انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ میں امید رکھتا تھا کہ میں اس فال کے تیر کی بات کو رد کر دوں گا اور سو اونٹنیاں ضرور حاصل کروں گا۔ میں دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور فال کے تیر کی پرواہ کئے بغیر گھوڑے کو پھر دوڑانے لگا۔ میں جب حضور کے اتنا قریب پہنچا کہ میں حضور کی تلاوت کی آواز بھی سن رہا تھا۔

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 224 (العلمیہ)
2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 224 (العلمیہ)

حضور علیہ السلام میری طرف بالکل متوجہ نہ ہوئے۔ صدیق اکبر ابوبکر مجھے بار بار تک رہے تھے۔ میرا گھوڑا اچانک گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا اور میں گر گیا۔ میں نے گھوڑے کو جھڑکا تو وہ فوراً اٹھا بمشکل اس نے زمین سے اپنے پاؤں نکالے جب اس نے پاؤں نکالے تو آسمان کی طرف دھوئیں کی مانند غبار بلند ہوا۔ پھر میں نے تیر نکالے تو وہ تیر نکلا جو مجھے ناپسند تھا۔ اس پر لکھا تھا کہ میں ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ انہیں مجھ سے بچا لیا گیا ہے اور یہ معاملہ بالکل عیاں ہے۔ میں نے امان کی درخواست کی اور میں نے کہا میری طرف دیکھو قسم بخدا میں تمہیں کوئی اذیت نہیں پہنچاؤں گا اور تم میری طرف سے کوئی ایسی بات نہ سنو گے جو تمہیں ناگوار ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو فرمایا اس سے پوچھو کیا چاہتا ہے۔ میں نے کہا آپ کی قوم نے آپ کی گرفتاری یا قتل پر انعام مقرر کیا ہے۔ پھر میں نے وہ سب باتیں بتائیں جو ان کے متعلق کر رہے تھے۔ پھر میں نے تو مال و متاع کی پیش کش کی لیکن آپ ﷺ نے قبول نہ فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور ہمارا راز فاش نہ کرنا۔ پھر میں نے عرض کی حضور میرے لئے ایک پروانہ امن لکھ دیں۔ آپ نے ابوبکر کو پروانہ امن لکھنے کا حکم فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے عامر بن فہیرہ کو حکم فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چمڑے کے ٹکڑے پر وہ پروانہ امن لکھ دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ آگے تشریف لے گئے (1)۔ جب مکہ فتح ہوا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اہل حنین کے معاملات سے فارغ ہوئے تو میں ہاتھ میں وہ امن کا پروانہ لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات کے لئے نکلا۔ میں انصار کے دستہ کے درمیان داخل ہوا تو انہوں نے مجھے نیزوں کی انیاں چبھونا شروع کر دیں وہ کہہ رہے تھے دور ہو، دور ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے میرے قریب آنے دو۔ میں قریب پہنچا تو آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ میں نے آپ کی پنڈلی کو دیکھا جو رکاب کے اندر تھی اور اس سے چادر ہٹی ہوئی تھی۔ میں نے اس نوازش نامہ کے ساتھ ہاتھ بلند کیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کا نوازش نامہ اور پروانہ امن ہے اور میں سراقہ بن مالک ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ وفا اور بھلائی کا دن ہے اسے میرے قریب آنے دو۔ میں قریب پہنچا تو میں نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر میں نے سوچا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ سوالات کر لوں، لیکن مجھے کچھ یاد نہ آیا، صرف اتنا ہی پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ گمشدہ اونٹ میرے اس حوض سے پانی پیتے ہیں جو میں اپنے اونٹوں کے لئے بھرتا ہوں، کیا ان گمشدہ اونٹوں کے پینے سے مجھے کوئی اجر و ثواب ملے گا؟ فرمایا ہاں، ہر زندہ جانور کو جس کا جگر تر ہو پانی پلانا باعث اجر ہے۔ سراقہ فرماتے ہیں میں اپنی قوم کے پاس واپس آیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں کچھ تحائف بھیجے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو اس واقعہ کے متعلق بیان دیا ہے وہ اس طرح ہے، فرماتے ہیں سراقہ ہمارے تعاقب میں تھا اور ہم پتھریلی زمین میں سفر کر رہے تھے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمارا تعاقب کرنے والا بالکل ہمارے قریب پہنچ چکا ہے میں رونے لگا آپ ﷺ نے پوچھا ابوبکر روتے کیوں ہو؟ میں نے عرض کی خدا کی قسم میں اپنے نفس کی خاطر نہیں رو رہا بلکہ حضور ﷺ کی خاطر گریہ طاری ہے کہ کہیں آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت یہ دعا فرمائی اَللّٰھم اکفناہ بماشئت (اے اللہ! جس طرح تیری مشیت ہو اسی طرح اس دشمن کے شر سے ہمیں بچا)۔ حضور ﷺ نے ادھر دعا فرمائی اور ادھر اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ چھلانگ لگا کر نیچے آ گیا اور کہا اے محمد یہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہوا ہے، اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا فرمائیں کہ وہ میری اس مشکل کو دور فرما دے قسم بخدا آپ کی تلاش میں آنے والے ہر شخص کو واپس لوٹا دوں گا۔ یہ میرا ترکش ہے اس سے کچھ تیر لے لیں

1۔ البدایۃ والنہایۃ، جلد 3 صفحہ 185 (السعادۃ)، الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 38-337 (العلمیۃ)، مصنف عبد الرزاق، جلد 5 صفحہ 392 (منشورات)

آپ جب میرے اونٹوں اور بکریوں والے علاقہ سے گزریں تو میرے کارندوں کو یہ تیر دکھا کر آپ جو کچھ لینا چاہیں لے لیں، اس بکیر استغناء نے فرمایا مجھے نہ تمہارے اونٹوں کی ضرورت ہے نہ تمہاری بکریوں کی۔ پھر آپ ﷺ نے اسے دعائیں دیکر واپس بھیج دیا۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا تو جس نے ملتا اسے یہی کہتا ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جو بھی راستہ میں ملتا اسے واپس لوٹا دیتا اور اس نے ہمارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا(1)۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ سراقہ جب واپس پلٹا تو قریش سے کہا کہ تم میری نظر کو تو جانتے ہو میں نے سارا علاقہ دیکھا ہے مجھے کچھ نظر نہیں آیا پس وہ اس کی بات سن کر واپس لوٹ گئے۔ ابن سعد اور البلاذری رحمہما اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ سراقہ قدید کے مقام پر منگل کے روز حضور علیہ السلام کے قافلہ سے ملا تھا۔ عروہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے اس قافلہ میں ملے جو شام سے تجارت کر کے واپس آ رہا تھا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سفید کپڑے پیش کئے(2)۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو طلحہ بن عبید اللہ شام سے مکہ کی طرف آ رہے تھے، جب ان کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے آپ ﷺ کو کپڑے پیش کئے۔ تو وہ کپڑے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہن لئے(3)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ کے علاقہ میں داخل ہونے لگے تو ابوبکر سے فرمایا لوگوں کو کسی حسن تدبیر سے ٹال دینا کیونکہ نبی کے لئے غلط بیانی کرنا صحیح نہیں ہوتا۔ پس جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا جاتا تو کون ہے تو فرماتے ایک حاجت منداور جب پوچھا جاتا تمہارے ساتھ کون ہے تو فرماتے راہبر ہے جو میری راہبری کرتا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو ابو بریدہ اسلمی اپنی قوم کے ستر افراد کی معیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تو کون ہے بریدہ نے کہا میرا نام بریدہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ہماری مہم کی گرمی ٹھنڈی ہو گئی ہے اور حالات ٹھیک ہو گئے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا تم کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے کہا اسلم قبیلہ سے تعلق ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابوبکر ہم محفوظ ہو گئے۔ پھر پوچھا بنی اسلم کی کس شاخ سے تعلق ہے؟ بریدہ نے کہا بنی سہم سے۔ حضور ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا اے ابوبکر تیرا تیر نکل آیا۔ جب صبح ہوئی تو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے محبوب رسول! آپ ﷺ پرچم لہراتے ہوئے مدینہ طیبہ میں قدم رنجہ فرمائیے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے اپنا عمامہ کھولا اور اسے نیزہ کی انی پر باندھ کر رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے چلنے لگے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ اخبار متواترہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سوموار کو مکہ سے نکلے تھے اور سوموار کو ہی مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تھے لیکن محمد بن موسیٰ خوارزمی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جمعرات کو مکہ سے نکلے تھے۔

الحافظ رحمۃ اللہ علیہ ان روایات میں اس طرح تطبیق کرتے ہیں کہ آپ ﷺ جمعرات کو مکہ سے نکلے تھے پھر غار سے آپ ﷺ کا خروج سوموار کو ہوا تھا کیونکہ آپ ﷺ نے تین دن غار میں قیام فرمایا تھا، یعنی جمعہ، ہفتہ اور اتوار غار میں رہے تھے اور سوموار کی رات یہاں سے پھر عازم سفر ہوئے تھے۔ میں کہتا ہوں شاید جمعرات کی رات وہ ہے جس میں قریش نے دارالندوہ میں آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا تھا اور آپ ﷺ (باذن الٰہی) اپنے گھر سے نکل کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 431 (العلمیہ) 2۔ مستدرک حاکم، جلد 3 صفحہ 11 (النصر) 3۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 226 (العلمیہ)

گئے تھے پھر ان کو ساتھ لے کر گھر کے عقبی دروازہ سے باہر تشریف لے گئے تھے۔

۷ اللہ تعالیٰ نے شرکیہ بات یا مشرکوں کی کفر کی طرف دعوت کو پست کر دیا۔ وہ اس طرح کہ اس نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کو کفار کی ایذا اور سازشوں سے مدینہ طیبہ بخیر و عافیت پہنچا کر خلاصی عطا فرمائی اور ان کی ساری سازشوں اور حیلہ طرازیوں کو خاک میں ملا دیا یا اس نے فرشتوں کے ذریعے کئی مقامات پر اپنے محبوب ﷺ کی تائید فرما کر کفر کا منہ کالا کر دیا یا اس طرح ان کی بات کو نیچا کر دکھایا کہ یہ بزعم خویش حضور ﷺ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ خصوصی تائید و حفاظت سے آپ ﷺ کو ان کے نرغے سے نکال کر لے گئے اور یہ دل کے اندھے وہیں کھڑے رہ گئے۔

۷ کلمة الله سے مراد کلمہ توحید اور دعوت اسلام ہے۔ یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے کلمة الذين كفروا پر عطف کی بناء پر منصوب پڑھا ہے جبکہ دوسرے قراء نے مبتدا کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے اور اس کی خبر هي العليا کو بنایا ہے۔ هي (ضمیر) فصل ذکر فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ اللہ کی بات بذات خود بلند مرتبہ ہے اگر کوئی دوسری بات بلند ہوگی تو اس کی توقیت کو ثبات اور دوام نہ ہوگا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کلمة الذين كفروا سے مراد کفار کی وہ سازش ہے جس میں انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرنے کا پروگرام طے کیا تھا اور کلمة الله سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ ہے جو اس نے اپنے محبوب کریم ﷺ سے کیا تھا کہ وہ ضرور اس کی مدد فرمائے گا۔

۸ اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو نافذ کرنے میں غالب ہے اور اس کے ہر فعل میں حکمت ہے۔

إِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

"(جہاد کے لئے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بوجھل ۱ے اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں ۲ے یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (اپنا نفع نقصان) جانتے ہو ۳ے"

۱ے یعنی جب جہاد کا اعلان عام ہو جائے تو خواہ تمہارے پاس میدان جہاد کی طرف نکلنے کی ساری سہولیات اور ضروریات جنگ موجود ہوں جیسے تندرست ہونا، جوان ہونا، قوت و نشاط کا ہونا، زادراہ اور سواری کا ہونا اور اعوان و اسلحہ کا ہونا وغیرہ، خواہ کوئی ایسی بندش اور عذر ہو جو جہاد کی طرف نکلنے سے ظاہراً مانع ہو جیسے تم مریض ہو، یا بوڑھے، کمزور ہو یا کم ہمت ہو اپنے اہل و عیال یا مال و جاگیر میں مصروف ہو۔ زادراہ اور اسلحہ کم ہو۔ اعلان عام ہو جائے تو رزم حق و باطل میں ہر صورت میں شریک ہو جاؤ، اعلان عام کی صورت میں تمہارا کوئی عذر اور بہانہ قابل قبول نہ ہوگا۔ حضرت حسن، ضحاک، قتادہ اور عکرمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال کا مقصود بھی یہی ہے کہ خواہ تم جوان ہو یا بوڑھے ہر صورت میں جہاد کی طرف نکلو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی خفافاً ثقالاً کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ خواہ تم میں ہمت ہو یا نہ ہو، اہل ثروت ہو یا تنگدست، ہتھیاروں کی کمی ہے یا فراوانی ہر صورت میں نکلو۔ عطیہ عوفی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں جہاد کے لئے نکلو خواہ سوار ہو کر نکلنا ممکن ہو یا پیدل۔ ابن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ثقیل سے مراد وہ شخص ہے جس کی زمین اور جاگیر ہو اور وہ اس کو چھوڑنا ناپسند کرتا ہو۔ حکیم بن عتبہ لکھتے ہیں خواہ تم کسی دنیوی و آخروی امر میں مشغول ہو یا بالکل فارغ ہو ہر صورت میں نکلو۔ الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خواہ تم تندرست ہو یا بیمار ہو۔ یمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمہارے پیچھے نیکو اولاد ہو یا نہ ہو تمہارے

خدام اور حواری کم ہو یا زیادہ ہر حال میں نکلو۔

ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تم غریب ہو یا غنی۔ بعض علماء فرماتے ہیں خواہ تم جہاد کا نقارہ سنتے ہی بلا تاخیر نکلو اور خوب غور و فکر اور تیاری کر کے نکلو(1)۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ جہاد کے لئے نکلے جبکہ آپ کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی تھی۔ آپ سے کہا گیا آپ یہ تکلیف کیوں کر رہے ہیں آپ تو بیمار ہیں اور دکھی ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے خفیف و ثقیل ہر ایک سے جہاد میں جانے کا مطالبہ کیا ہے۔ اگر میں جنگ نہیں کر سکوں گا تو کم از کم کثرت اجتماع کا باعث تو بنوں گا اور سامان کی حفاظت کروں گا۔ عطاء الخراسانی رحمۃ اللہ علیہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آیت کریمہ وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً کے ارشاد سے منسوخ ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو لوگوں کو اس پر عمل کرنا مشکل محسوس ہونے لگا اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ فرما دیا اور یہ ارشاد فرمایا لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى (2)۔ میں کہتا ہوں شاید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں نسخ سے مراد تخصیص ہو کیونکہ دونوں آیتیں بغیر کسی فاصلہ کے غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئیں پس اس حکم عام سے وہ لوگ خارج ہیں جو مرض، کمزوری، ناداری، یا سواری نہ رکھنے کی وجہ سے میدان جہاد میں نکلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور وہ لوگ جو بدنی اور مالی اعتبار سے جہاد جیسے کار عظیم میں شامل ہو سکتے ہیں، اگرچہ کچھ مشقت بھی ہو تو وہ اس حکم میں داخل ہیں اور یہ حکم جہاد کے لئے خلیفہ وقت کی طرف سے اعلان عام کی صورت میں ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ لیس علی الضعفاء کا ارشاد ایک یا دو دن بعد نازل ہوا ہو، اگرچہ اس کا نزول غزوہ تبوک کے سلسلہ میں ہوا ہو اور لوگوں پر حکم عام کو گراں سمجھنے کے بعد ہوا ہو۔ اس صورت میں لیس علی الضعفاء کا ارشاد حکم عام انفروا خفافاً الخ کا ناسخ ہوگا، (واللہ اعلم)

2۔ یعنی جانوں اور مالوں دونوں کے ساتھ یا صرف جانوں یا صرف مالوں کے ساتھ جیسا بھی ممکن ہو اللہ کے راستہ سے جہاد کرو کیونکہ جہاد میں شریک ہونا اور مقام شہادت پر فائز ہونا دنیوی لذتوں اور ترک جہاد کی ذلت سے کئی درجہ بہتر ہے۔

3۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم یہ جانتے ہو کہ خیر نفع بخش ہے اور شر وبال جان ہے اور تم یقین کر لو کہ یہ جہاد کا عمل تمہارے لئے بہتر ہے۔ یا یہ معنی کہ اگر تم جان لو کہ جہاد کرنا بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہر خبر سچی اور صداقت پر مبنی ہے۔ پس جہاد کی طرف جلدی کرو۔ محمد بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے لشکر کی تیاری کے لئے صدقہ و خیرات پیش کرنے پر برانگیختہ کیا تو سب سے پہلے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ چار ہزار درہم لیکر آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا اپنے اہل و عیال کے لئے بھی کچھ چھوڑا ہے عرض کی حضور ﷺ! ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے جنہوں نے اپنے گھر کا نصف اثاثہ پیش خدمت کیا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا اپنے اہل کے لئے کچھ باقی رکھا ہے، عرض کی حضور ﷺ! جتنا لیکر آیا ہوں اتنا ہی ان کے لئے چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے طلحہ بن عبید اللہ اور سعد بن عبادہ کو سواریاں عطا کیں۔ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دو سو اوقیہ سونا بارگاہ رسالت میں نذر کیا۔ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے 90 وسق کھجور پیش کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کے تیسرے حصہ کی ضروریات پیش کیں حتیٰ کہ یہ کہا جاتا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لشکر کی ہر ضرورت پوری کر دی ہے۔ محمد بن یوسف الصالحی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں لشکر کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 82 (التجاریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 83 (التجاریہ)

تھی۔ پس دس ہزار لشکریوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سامان دے کر تیار فرمایا۔ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے الدرر میں اور اس کی اتباع میں الاشارہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نو سو اونٹ اور سو گھوڑے پیش کیے تھے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کے موقع پر اتنا مال پیش کیا کہ کوئی آپ کا مقابلہ نہ کر سکا۔ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے باوثوق راویوں کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار درہم پیش کیے تھے۔ محمد بن یوسف الصالحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ دس ہزار درہم، اونٹوں، گھوڑوں اور زادِ راہ کے علاوہ تھے۔ الصالحی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جہاد کی خاطر اتنا بڑا مال پیش کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی راضی ہو جا۔ امام احمد، ترمذی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے عبدالرحمن بن سمرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ایک ہزار دینار لیکر آئے تو وہ آپ ﷺ کی جھولی میں ڈال دیئے آپ ﷺ ان دیناروں کو ہاتھ سے الٹ پلٹ رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی عمل آج کی اس کی خدمت کے بعد نقصان نہیں پہنچائے گا(1) آپ بار بار ان دیناروں کو جھولی میں ڈال کر اچھال رہے تھے۔ ابن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں منافق غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور آپس میں یہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس غزوہ کے بعد کبھی واپس نہ آئیں گے۔ پس وہ جہاد میں حاضر نہ ہونے کے بہانے بنانے لگے۔ محمد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں منافقین میں سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آئے اور جہاد میں بغیر کسی عذر کے حاضر نہ ہونے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی وہ تقریباً اسی افراد تھے۔ ان کی قلبی کیفیات کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ذیل کی آیت نازل فرمائی۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾

"اگر ہوتا وہ مال نزدیک یا سفر آسان تو ضرور پیچھے چلتے آپ کے [1] لیکن دور معلوم ہوتی ہے انہیں مسافت [2] اور ابھی قسم کھائیں گے اللہ کی (اور کہیں گے) کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور نکلتے تمہارے ساتھ [3] ہلاک کر رہے ہیں اپنے آپ کو [4] اور اللہ جانتا ہے کہ وہ قطعاً جھوٹے ہیں [5]"

[1] کان کا اسم مضمر ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے لَوْ كَانَ مَا دَعَوْا اِلَيْهِ عَرَضًا قَرِيْبًا، یعنی جس چیز کی طرف انہیں بلایا گیا وہ مال و متاع قریب ہوتا۔ یا یہ معنی کہ اگر مال غنیمت کا حصول قریب ہوتا یا سفر متوسط اور آسان ہوتا تو غنیمت کے لالچ میں یہ ضرور اس جہاد میں تمہاری موافقت کرتے۔

[2] لیکن دور معلوم ہوتی ہے انہیں مسافت۔ مسافت کو شقہ سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مسافت مشقت سے ہی طے کی جاتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں شقہ سے مراد وہ مقصود اور غایت ہے جس کا وہ ارادہ کرتے تھے۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 5 صفحہ 585 (العلمیہ)

۳ باللہ، سیحلفون کے متعلق ہے یا یہ منافقین کے کلام سے ہے۔ دونوں توجیہوں پر قول مراد ہوگا۔ یعنی وہ یہ کہتے ہوئے اللہ کی قسم اٹھاتے ہیں کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور جہاد میں شریک ہوتے یا یہ کہ جہاد میں شامل نہ ہونے والے معذرت کرتے ہوئے کہیں گے جب آپ تبوک سے واپس ہوئے قسم بخدا! اگر ہمیں طاقت ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ اس رزم حق و باطل میں شریک ہوتے۔ لخرجنا معکم جواب قسم اور جواب شرط کے قائم مقام ہے۔ یہاں استطاعت سے مراد جہاد میں ضرورت ہونے والے ساز و سامان کی تیاری ہے، یا بدنی استطاعت ہے۔ گویا وہ بیماری کا بہانہ کیے ہوئے تھے۔ یہ ایک معجزہ ہے کیونکہ جہاد سے واپسی کے بعد جو منافقین نے عذر بہانے پیش کرنے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے ہی بیان فرما دیا۔

۴ یہ سیحلفون سے بدل ہے یعنی جھوٹ بول کر، جھوٹی قسمیں اٹھا کر اور نبی کریم کی تابعداری نہ کر کے اپنے آپ کو عذاب الٰہی میں ڈال کر خود کو ہلاک کر رہے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ خرجنا کے فاعل سے حال ہو۔ معنی یہ ہوگا کہ ہم تمہارے ساتھ ضرور جہاد میں شریک ہوتے، اگرچہ گرمی کی شدت میں چلنے کی وجہ سے ہم ہلاک بھی ہو جاتے اور ہمیں خود اپنے نفسوں کو ہلاکت میں ڈالنا پڑتا۔ یہاں صیغہ غائب کا ذکر فرمایا کیونکہ ان کے متعلق خبر دی جا رہی ہے۔ اگر لَوِ اسْتَطَاعُوْا لَخَرَجُوْا فرمایا جاتا تب بھی درست تھا۔ عرب کہتے ہیں حَلَفَ بِاللّٰهِ لَيَفْعَلَنَّ وَلَا فَعَلَنَّ (یعنی اس نے قسم اٹھائی کہ وہ ایسا کرے گا اور اس نے قسم اٹھائی کہ میں ایسا کروں گا) غائب کی تعبیر اخبار کے حکم میں ہوتی ہے اور تکلم کا صیغہ حکایت کے طور پر ہوتا ہے۔

۵ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں کیونکہ وہ جہاد میں شریک ہونے کی بھرپور طاقت رکھتے تھے لیکن انہوں نے قلبی خباثت کی بناء پر عذر، بہانے پیش کیے تھے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾

”در گزر فرمایا اللہ نے آپ سے ۱؎ (لیکن) کیوں آپ نے اجازت دے دی تھی انہیں یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے آپ پر وہ لوگ جنہوں نے سچ کہا اور آپ جان لیتے جھوٹوں کو ۲؎“

۱؎ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اجازت دینے کے متعلق پوچھ گچھ کرنے سے پہلے آپ ﷺ پر لطف و مہربانی (اور تعظیم و تکریم میں مبالغہ کرنے) کے لئے پہلے ہی عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ فرما دیا (1)۔ میں کہتا ہوں ان کلمات سے کلام کے آغاز کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ کے دل میں خشیت الٰہی اور خوف خدا بہت زیادہ تھا اگر عتاب پہلے کیا ہوتا تو آپ کے فوت ہونے کا خدشہ تھا۔ بعض علماء فرماتے ہیں دعا سے کلام کا آغاز ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی اچھے معزز و محترم شخص سے کلام کرتا ہے تو وہ اس طرح کہتا ہے اللہ تجھے معاف کرے، میرے کام کے سلسلہ میں کیا کوشش فرمائی ہے۔ اللہ تجھ سے راضی ہو آپ کیوں تشریف نہ لائے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ تیرے ساتھ عفو کا معاملہ فرمائے (2)(i)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 83 (التجاریۃ)　　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 83 (التجاریۃ)

(i) قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں عفا کا مطلب غفر (گناہ بخشا) نہیں ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا عَفَا اللّٰهُ لَكُمْ عَنْ صَدَقَةِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ۔ یعنی گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ تم پر واجب نہیں ہے۔ تو یہاں بھی عفا کا معنی گناہ کی معافی نہیں بلکہ اظہار تعظیم و توقیر ہے۔ (جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے) قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی اسی طرح ہے، وہ فرماتے ہیں جو یہ کہتے ہیں عفو گناہ کے بعد ہوتا ہے وہ کلام عرب سے نابلد ہے فرماتے ہیں عفا اللہ عنک کا مطلب یہ ہے کہ آپ پر کوئی گناہ نام کی چیز لازم نہیں ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں...... (بقیہ اگلے صفحہ پر)

۲؎ آپ ﷺ نے ان کو جہاد سے پیچھے رہنے کی کیوں اجازت فرمادی۔ آپ ﷺ نے تھوڑا توقف کیوں نہیں فرمایا تاکہ کھل کر سامنے آجاتے جو عذر پیش کرنے میں سچے تھے اور ان کی خباثت قلبی کا آپ کو پتہ چل جاتا جو بغیر کسی وجہ کے عذر تراش رہے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس وقت تک رسول اللہ ﷺ منافقین کو نہیں پہچانتے تھے (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن میمون سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے رسول اللہ ﷺ نے دو ایسے کام کیے ہیں جن کے متعلق ابھی کوئی حکم نہیں پہنچا تھا۔ ایک منافقین کو پیچھے رہ جانے کی اجازت اور دوسرا بدر کے قیدیوں کا فدیہ لینا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کاموں پر عتاب فرمایا۔ جیسا کہ تم سن رہے ہو (2)۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔

لَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۴﴾

"نہ اجازت مانگیں گے آپ سے جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور روز قیامت پر کہ (نہ) جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے ۱؎ اور اللہ خوب جانتا ہے پرہیزگاروں کو ۲؎"

۱؎ یعنی جن کا دل نور ایمان سے منور ہے وہ جہاد سے پیچھے رہ جانے کی اجازت طلب نہیں کرتے بلکہ وہ تو میدان جہاد کی طرف بڑی تیزی سے بڑھتے ہیں بلکہ وہ تو اجازت کا بھی انتظار نہیں کرتے، چہ جائیکہ وہ پیچھے رہ جانے کی اجازت طلب کریں۔

۲؎ اس جملہ میں ان کے تقویٰ کی شہادت ہے اور ثواب کا وعدہ ہے۔

اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

"صرف وہی اجازت مانگتے ہیں آپ سے جو نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور روز قیامت پر ۱؎ اور شک میں مبتلا ہیں ان کے دل تو وہ اپنے شک میں ڈانواں ڈول ہیں ۲؎"

۱؎ اللہ تعالیٰ نے دونوں مقامات پر اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ ایمان ثواب کی امید کی وجہ سے جہاد سے محبت کا تقاضا کرتا ہے جس کے دل میں ایمان کی شمع فروزاں ہو وہ کبھی جہاد سے جی نہیں چراتا اور جہاں ایمان کی روشنی نہ ہو تو اسے ثواب کی امید نہ ہونے کی وجہ سے جہاد سے کتراتا ہے اور عذر پیش کرتا ہے۔

۲؎ ان کے دل عجیب مخمصے اور کشمکش میں مبتلا ہیں نہ تو دین کی حقانیت پر یقین اور نہ دین کو کھلے الفاظ میں رد کرنے کی جرأت۔ حیران و پریشان ہیں، کبھی تو مجاہدین کی صفوں میں شامل ہونے کا ارادہ کرتے ہیں کہ کہیں مسلمان کامیاب و کامران ہو کر لوٹ آئے تو ہماری اس

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 84 (التجاریۃ) 2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 441 (العلمیۃ)

(گزشتہ سے پیوستہ) نبی کریم ﷺ کو اجازت نہ دینے کی نہی اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچی ہی نہیں تھی تاکہ آپ کے اس فعل کو نہی کی مخالفت کی بناء پر معصیت شمار کیا جائے بلکہ اہل علم نے تو اسے عتاب سے ہی شمار نہیں کیا۔ جنہوں نے اس کو عتاب لکھا ہے انہوں نے غلطی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گناہ سے محفوظ رکھا اور آپ ﷺ کو اجازت دینے نہ دینے میں اختیار تھا۔

کوتاہی پر مسلمان ہمیں اذیت نہ پہنچائیں۔ کبھی بزعم خویش اس سوچ میں رہتے ہیں کہ جہاد میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں، یہ رسول مکرم ﷺ لوٹ کر واپس نہیں آئے گا، جنگ میں ہی ان کا کام تمام ہو جائے گا، یعنی منافقت کی بری خصلت کی وجہ سے بے چارے نہ ادھر شامل ہو سکتے ہیں اور نہ ادھر۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

"اور اگر انہوں نے ارادہ کیا ہوتا (جہاد پر) نکلنے کا تو انہوں نے تیار کیا ہوتا اس کے لئے کچھ سامان لیکن ناپسند کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے کھڑے ہونے کو اس لئے پست ہمت کر دیا انہیں اور کہہ دیا گیا تم بیٹھے رہو، بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ [1]"

[1] اے پیارے اگر ان دوغلی پالیسی رکھنے والے منافقین کا آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کا پروگرام ہوتا تو یہ سفر یا جہاد کے لئے کچھ سامان سفر تیار کرتے، جہاد کے لئے کچھ نیزہ و نیام، شمشیر و سنان کو تیز اور صیقل کرتے لیکن ان کی ہمیشہ کی روش کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کے جہاد میں شریک ہونے اور مجاہدین کی صفوں میں کھڑے ہونے کو پسند ہی نہیں فرمایا، ان کو بزدلی اور ان کی سب سے بڑی علامت سستی اور کاہلی کے ذریعے انہیں روک دیا۔ ولکن کرہ اللہ انبعاثھم استدراک اور پیدا شدہ وہم کے ازالہ کے لئے ہے جو وہم اور شبہ ولو ارادوا الخروج کے مفہوم سے پیدا ہو رہا تھا۔ گویا یوں ارشاد ہے وہ نہ نکلے لیکن وہ پست ہمت ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کا نکلنا ناپسند تھا اور اس نے ان کے اٹھنے کو پسند ہی نہیں فرمایا تھا۔

[2] فرمایا تم اپنے گھروں میں مریضوں اور اپاہجوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ مطلب ہے کہ تم اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اللہ نے ان کے دلوں میں جہاد میں شریک نہ ہونے کی جو کیفیت پیدا کر دی تھی یا شیطان نے جو ان کے دلوں میں وسوسہ پیدا کیا اس کو قعود کے امر کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ یا آپس میں کفار نے جو ایک دوسرے کو بیٹھنے کا حکم دیا تھا اس کی حکایت ہے یا رسول اللہ ﷺ نے انہیں جو اجازت دی تھی اس کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔

غزوۂ تبوک کی طرف رسول اللہ ﷺ کا خروج اور اکثر منافقین کا انکار

رسول اللہ ﷺ 9ھ کو رجب کے مہینہ میں مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ ثنیۃ الوداع میں فوجی کیمپ نصب کیا اور اس وقت آپ کے ساتھ تیس ہزار افراد تھے۔ محمد بن اسحاق، محمد بن عمر اور ابن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی لکھا ہے، اسی طرح الحاکم رحمۃ اللہ علیہ نے الاکلیل میں معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے، حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے الاکلیل میں ابوزرعہ الرازی سے روایت کیا ہے کہ تبوک کے لشکر میں ستر ہزار افراد تھے۔ دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ آگے جانے والے اور پیچھے سے پہنچنے والوں کی کل تعداد ستر ہزار تھی اور دس ہزار شہسوار تھے۔ عبدالرزاق اور ابن سعد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ خمیس کے روز تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ خمیس کو سفر کرنا آپ ﷺ پسند فرمایا کرتے تھے۔ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہ الانصاری کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب بنایا تھا۔ دراوردی نے ذکر کیا ہے کہ سباع بن عرفطہ کو خلیفہ بنایا تھا، محمد بن عمر نے مذکورہ حکایت کو ذکر

کرنے کے بعد لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ ابن ام مکتوم کو خلیفہ بنایا تھا اور فرماتے ہیں ہمارے نزدیک محمد بن مسلمہ کے خلیفہ بنانے کا قول مسلم ہے کیونکہ غزوہ تبوک کے علاوہ کسی غزوہ میں محمد بن مسلمہ غیر حاضر نہ تھے۔ بعض مؤرخین نے بطور خلیفہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نام لکھا ہے، مثلاً ابوعمر اور ان کی تبع میں ابن دحیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کیا ہے اور یہی زیادہ ثابت ہے۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے المصنف میں صحیح سند کے ساتھ سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تبوک کی طرف تشریف لے گئے تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا خلیفہ بنایا تھا(1)۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی اہل کی دیکھ بھال اور ان کے امور کی انجام دہی کے لئے مقرر فرمایا تو منافقین نے پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے لئے بوجھ سمجھتے تھے اور آپ ان سے ناراض تھے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ بے سروپا باتیں سنیں تو آپ نے ہتھیار سجائے اور تبوک کے راستہ پر روانہ ہو گئے۔ جب آپ ﷺ جرف کے مقام پر تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے جو کچھ منافقین نے بک بک کی تھی وہ سب کچھ آپ ﷺ کو بتایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ جھوٹے ہیں۔ میں نے تو اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے افراد کی نگرانی کے لئے تجھے نائب مقرر کیا ہے۔ آپ واپس پلٹ جائیں اور میرے اہل اور اپنے اہل میں آپ میرے خلیفہ اور جانشین ہیں۔ کیا تجھے یہ پسند نہیں اے علی۔ کہ تو میرے نزدیک اس طرح ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارون علیہ السلام تھے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی کے حکم کی تعمیل میں واپس تشریف لے گئے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے(2)۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی رسول اللہ ﷺ سے علیحدہ کوہ ذباب کے قریب نشیبی علاقہ میں اپنا کیمپ لگائے ہوئے تھا۔ جب تک آپ ﷺ ٹھہرے رہے وہ بھی ٹھہرا رہا لیکن جب آپ ﷺ نے تبوک کی طرف سفر شروع کیا تو اپنے منافقین چیلوں کے ساتھ واپس مدینہ طیبہ چلا گیا اور یہ شوشے اڑانے لگا کہ محمد (ﷺ) بنی الاصفر سے جنگ کرنے جا رہے ہیں حالانکہ گرمی شدید ہے، حالات بھی بڑے سخت ہیں، مسافت بھی بہت زیادہ ہے، قیصر روم کی فوجوں سے انہیں مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے محمد (ﷺ) بنی اصفر سے جنگ آزمائی کھیل سمجھتے ہیں قسم بخدا میں تو محمد ﷺ کے اصحاب کو پہاڑوں میں گرفتار دیکھ رہا ہوں۔ یہ ساری باتیں اس نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے وفا شعار غلاموں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لئے کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے بدفطرت ساتھیوں کے متعلق ذیل کی آیت نازل فرمائی۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

"اگر نکلتے تمہارے (لشکر) میں تو نہ زیادہ کرتے تم میں بجز فساد کے[ل] اور دوڑ دھوپ کرکے بیچ تمہارے درمیان فتنہ پردازی کرتے ہوئے اور تم میں ان کے جاسوس (اب بھی) موجود ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو ہے"

ل یعنی ان کا تمہارے ساتھ نکلنا بجز شر اور فساد کے کچھ فائدہ مند نہیں ہے کیونکہ یہ لشکر میں خوف و ہراس پھیلائیں گے، عین حالت جہاد میں کفار کی مدد کریں گے اور مومنین کو دھوکہ دیں گے۔ اس آیت کریمہ سے اب فساد کا وجود اور ان کے جہاد میں نکلنے کے وقت فساد کی زیادتی لازم نہیں ہے کیونکہ زیادتی اس اعم العام کی وجہ سے ہے، جس سے استثناء واقع ہوا ہے، اس شبہ کی بناء پر بعض علماء نے اسے مستثنیٰ

1۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 11 صفحہ 226 (منشورات) 2۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 1602 (ابن کثیر)، صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 278 (قدیمی)

منقطع بنایا ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ اس وقت یہ مستثنیٰ مفرغ بن جائے گا۔

۲۔ یعنی چغلی، ہزیمت یا رسوائی کو پھیلانے اور عام کرنے کے لئے اپنی سواریوں کو دوڑاتے۔ یہ وضع البعیر وضعاً سے مشتق ہے جس کا معنی تیز دوڑتا ہے۔ خلال کا معنی وسط اور درمیان ہے۔ بعض علماء نے اس جملہ کا یہ مفہوم لکھا ہے کہ وہ تمہارے درمیان ایسے امور اور باتیں پھیلانے کی کوشش کرتے جو تمہارے اتحاد اور نظم ونسق میں دراڑیں ڈال دیتے۔

۳۔ ان بدطینت اور کمینہ صفت لوگوں کا ارادہ یہ ہے کہ تمہارے درمیان اختلاف کی آگ بھڑکا کر یا تمہارے دلوں میں دشمن کا رعب ڈال کر فتنہ فساد برپا کریں۔ یہ جملہ اوضعوا کے فاعل سے حال ہے۔

۴۔ یعنی تم میں ایسے کمزور لوگ موجود ہیں جو ان کی باتیں سنتے ہیں اور ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ معنی قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے یا اس کا معنی جاسوسی کرنے والے ہیں جو تمہاری باتیں منافقین ومشرکین تک منتقل کرنے کے لئے سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے نہاں خانہ دل میں چھپے ہوئے بھیدوں کو جانتا ہے۔ وہ ان سب کو قیامت کے روز جمع فرمائے گا اور ان کے کرتوتوں کی انہیں جزا دے گا۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

''(اے حبیب) وہ کوشاں رہے فتنہ انگیزی میں پہلے بھی [1] اور الٹ پلٹ کرتے تھے آپ کے لئے تجویزیں یہاں تک کہ آ گیا حق اور غالب ہوا اللہ کا حکم اور وہ ناخوش تھے [2]''

[1] یہ تمہارے اندر پھوٹ ڈالنے اور مسلمانوں کو رسوا کرنے کی سازش جنگ احد کے موقع پر بھی کر چکے ہیں کیونکہ راستہ میں عبداللہ بن ابی تین سو افراد لیکر واپس پلٹ آیا تھا۔

[2] یہ بدبخت آپ کی دعوت کو ناکام کرنے اور پرچم اسلام کو سرنگوں کرنے کے لئے مختلف حیلے اور کارستانیاں کرتے رہے ہیں لیکن اب حق کا نور فروزاں ہو چکا ہے، دین حق کی تائید اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچ چکی ہے اور دین کی سرفرازی اور اسلام کی سربلندی ان کے نہ چاہنے کے باوجود بھی ظاہر ہو چکی ہے۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

''اور ان میں سے بعض کہتے ہیں اجازت دیجئے مجھے (کہ گھر ٹھہرا رہوں) اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے۔ خبردار فتنہ میں تو وہ گر چکے اور بیشک جہنم گھیرے ہوئے ہے کفاروں کو [1]''

[1] بعض منافقین نے آپ ﷺ سے جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت طلب کرتے ہوئے یہ کہا مجھے خود ہی شریک نہ ہونے کی اجازت دے دیجئے تاکہ میں آپ کے حکم کی نافرمانی کر کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ آپ مجھے آزمائش میں نہ ڈالیں خود ہی اجازت فرما دیں۔ یہ اجازت طلب کرنے والا جد بن قیس تھا۔ ابن المنذر، الطبرانی، ابن مردویہ اور ابونعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے مغفرت میں ابن عباس اور ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے جابر بن عبداللہ سے، محمد بن اسحاق اور محمد بن عمرو بن عقبہ نے اپنے مشائخ سے روایت کیا ہے کہ جد بن

قیس اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے جہاد میں شامل نہ ہونے کی رخصت عطا فرمادیں کیونکہ میں جاگیردار ہوں، جاگیر کی دیکھ بھال میرے لئے ضروری ہے اور میں اس کی نگرانی کی وجہ سے معذور ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیاری کرو تو پہلے ہی خوشحال ہے شاید تجھے بنی اصفر کی عورتوں میں کوئی عورت مال غنیمت میں مل جائے۔ جد بن قیس نے کہا حضور مجھے اجازت دے دیں اور مجھے آزمائش وفتنہ میں نہ ڈالیں قسم بخدا میری قوم خوب واقف ہے کہ میں عورتوں کے حسن وجمال کے بارے میں بہت کمزور ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے بنی اصفر کی عورتوں کو دیکھ لیا تو میں ضبط نفس نہیں کرسکوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے چہرہ اقدس موڑ لیا اور فرمایا ہم نے تجھے اجازت دے دی(1)۔ محمد بن عمرو نے یہ زائد لکھا ہے کہ جد بن قیس کا بیٹا عبداللہ بن جد اپنے باپ کے پاس آیا۔ یہ عبداللہ بدری صحابی تھے اور معاذ بن جبل کے اخیافی بھائی تھے۔ اس نے اپنے باپ سے کہا تو نے رسول اللہ ﷺ کا حکم کیوں تسلیم نہیں کیا، بخدا تو بنی سلمہ میں سب سے زیادہ مالدار ہے، نہ تو آپ خود جہاد میں شریک ہورہے ہیں اور نہ کوئی اپنی سواری پیش کی ہے۔ جد نے کہا بیٹا میں اس گرمی کی شدت اور باد سموم کے جھونکوں اور تنگ دستی اور کم سامانی کے عالم میں رومیوں کی فوج کے مقابلہ میں کیسے جاسکتا ہوں، قسم بخدا مجھے گھر میں رہتے ہوئے بھی رومیوں سے ڈر لگ رہا ہے۔ میں پھر ان سے جنگ کیسے کرسکتا ہوں۔ بیٹا میں گردش زمانہ کو جانتا ہوں، حالات مجھے بدلے بدلے دکھائی دے رہے ہیں۔ بیٹا یہ سن کر کہنے لگا قسم بخدا کچھ معقول عذر نہیں ہے، یہ سب منافقت ہے۔ قسم بخدا اللہ تعالیٰ ضرور اپنے رسول مکرم ﷺ پر قرآن نازل کردے گا اور آپ اسے پڑھیں گے۔ جد نے جھنڈا اٹھا کر اپنے بیٹے کو منہ پر مارا۔ بیٹا واپس آگیا اور باپ سے کوئی بات نہ کی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی۔ الطبرانی، ابن مردویہ اور ابونعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جد بن قیس کو فرمایا بنی اصفر (رومی) کے مقابلہ میں تیرا کیا موقف ہے؟ کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ میں عورتوں کا بہت شیدائی ہوں جب میں بنی اصفر کی عورتوں کو دیکھوں گا تو میں ان کی محبت میں گرفتار ہوجاؤں گا آپ مجھے اجازت فرمادیں اور مجھے ساتھ لے کر فتنہ میں نہ ڈالیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی(2)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو وہب (جد بن قیس) تیرا بنی اصفر (رومیوں) سے جنگ کا کیا پروگرام ہے ہوسکتا ہے تجھے ان کے کچھ قیدی اور باندیاں مل جائیں جد نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میری قوم خوب واقف ہے کہ میں عورتوں پر بہت جلد فریفتہ ہوجاتا ہوں، مجھے اندیشہ ہے کہ میں بنی اصفر کی عورتوں کو دیکھ کر دل کے ہاتھوں مجبور نہ ہوجاؤں، آپ مجھے یہاں رہنے کی اجازت دے دیں اور رومیوں کی عورتوں کے بارے آزمائش میں نہ ڈالیں۔ میں مالی طور پر تمہاری مدد کروں گا(3)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جہاد کرو تمہیں مال غنیمت میں رومیوں کی عورتیں ملیں گی۔ کچھ منافق کہنے لگے یہ تمہیں عورتوں کے لالچ میں آزمائش میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی(4)۔

مذکورہ روایات کے مطابق آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ مجھے رومیوں کی عورتوں کے فتنہ میں نہ ڈالیں میں ان کی محبت اور ضبط نفس کی کمی کی وجہ سے فتنہ اور گناہ میں مبتلا ہوجاؤں گا۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ مال ومتاع اور جاگیر کے سبب مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں کیونکہ میرے بعد ان کا کوئی نگران نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ مجھے جہاد میں شریک نہ ہونے کی

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 444 (العلمیہ)
2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 443، (العلمیہ)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 66 (التجاریہ)
4۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 443 (العلمیہ)

اجازت دے دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ حکم دیں اور میں آپ کے حکم کی مخالفت کروں، اس لئے اجازت نہ دے کر مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں۔ یہ فتنہ میں نہ ڈالنے کی آپ سے درخواست کر رہے ہیں حالانکہ یہ شرکت اور نافرمانی کے فتنہ میں پہلے ہی گر چکے ہیں اور یہ فتنہ جہاد میں نہ جانا اور نفاق کا اظہار ہے۔ قیامت کے روز جہنم میں گھرے ہوئے ہوں گے یا اب بھی جہنم کے اسباب ان کو گھیرے میں لئے ہوئے ہیں۔

إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُونَ ۝

"اگر پہنچے آپ کو کچھ بھلائی تو بری لگتی ہے انہیں اور اگر پہنچے آپ کو کوئی مصیبت تو کہیں کہ ہم نے درست کر لیا تھا اپنا کام پہلے ہی اور لوٹتے ہیں خوشیاں مناتے ہوئے [1]"

[1] اے جان عالم اگر کسی غزوہ میں تمہیں کامیابی اور غنیمت ملتی ہے تو ان منافقین کو بہت گراں گزرتی ہے اور اگر کسی معرکہ میں شکست یا تکلیف سے واسطہ پڑتا ہے (جیسا کہ جنگ احد میں ہوا تھا) تو اپنی عدم شرکت پر خوش ہوتے ہیں اور دانشمندی اور دور اندیشی کی خوب تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم تو اس مصیبت میں گرفتار ہونے سے پہلے ہی اپنی تدبیر اختیار کر چکے تھے جو ہمارے لئے مناسب اور بہتر تھی اور اپنے مجمع سے یا رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر جب واپس آتے ہیں تو مسلمانوں کی مصیبت پر بغلیں بجا رہے ہوتے ہیں۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

"آپ فرمائیے ہرگز نہیں پہنچے گی ہمیں کوئی تکلیف بجز اس کے جو لکھ دی ہے اللہ نے ہمارے لئے [1] وہی ہمارا حامی و ناصر ہے [2] اور اللہ پر ہی توکل کرنا چاہئے مومنوں کو [3]"

[1] اے پیارے محمد (ﷺ) انہیں فرما دیجئے کہ ہمیں تو صرف وہی کچھ ملے گا جو ہمارے پروردگار نے لوح محفوظ پر نصرت و فتح یا شہادت میں سے لکھ دیا ہے۔ کلام کا اسلوب یہ شعور دیتا ہے کہ ہمارے لئے تو دونوں حالتیں باعث خیر و برکت ہے۔ فتح و کامیابی ملے تب بھی ہم اپنے رب کی اس عطا پر شاداں و فرحاں اور مرتبہ شہادت ملے تو اس پر بھی ہم نازاں اور خوش ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ما کتب اللہ لنا کے الفاظ ذکر نہیں فرمائے بلکہ انداز تکلم بدل دیا۔

[2] وہ اللہ ہی ہمارے ہر کام کا متولی اور وہی ہمارا مددگار ہے۔ اس لئے کوئی بھی تقدیر ہو ہمارے لئے بہتر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ مومن کی ہر حالت خیر ہے اور ہر حالت میں خیر ہونے کی سعادت صرف مومن کو میسر ہے۔ اگر مومن کو کوئی نعمت ملے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے پس یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے (1) اس حدیث کو امام احمد اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے صہیب سے اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

[3] علی اللہ محذوف کلام کے متعلق ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی لِيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلُوْا عَلَيْهِ۔ اس کلام میں تاکید ہے۔ فاء کا ذکر اس بات کا شعور دیتا ہے کہ مومنوں کو صرف اور صرف اپنے مالک و خالق پر بھروسہ کرنا چاہئے کیونکہ وہی ان کا کارساز ہے اور وہی سب کچھ کرنے پر قادر بھی ہے۔ مومنین کی شان کو زیبا نہیں کہ وہ کسی دوسرے کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھیں۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 9 صفحہ 98 (العلمیۃ)

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾

”فرمائیے کیا تم منتظر ہو ہمارے متعلق (کہ ہم مارے جائیں، یہ مرنا نہیں) مگر ایک بھلائی ان دو بھلائیوں سے (جن کے ہم خواہاں ہیں) [1] اور ہم انتظار کرتے ہیں تمہارے لئے کہ پہنچائے تمہیں اللہ عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے [2] پس تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں [3]“

[1] اے پیارے محمد (ﷺ) ان کافروں یا منافقین سے پوچھو تو سہی کہ کیا تم منتظر ہو کہ ہمیں کوئی ایک بھلائی مل جائے۔ نادانو! ہمارے لئے تو جنگ کی دونوں (فتح اور شہادت) حالتوں کا انجام بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید ہونا تمہارے خیال میں اگرچہ برا ہے لیکن ہمارے لئے تو یہ جنت کے حصول اور ابدی و سرمدی زندگی کا موجب ہے اور جنگ کی دوسری حالت فتح و کامرانی تو یہ بھی ہمارے لئے بہتر ہے کیونکہ اس میں ہماری نصرت کا پھریرا بلند ہوگا اور مال غنیمت بھی ملے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جو شخص اس کے راستہ میں نکلا ہو اور اس کے جہاد کے لئے نکلنا مجھ پر ایمان لاتے اور میرے رسولوں کی تصدیق کی وجہ سے ہو تو میں اسے اجر اور مال غنیمت کے ساتھ بخیر و عافیت واپس لوٹاؤں گا یا مرتبہ شہادت پر فائز فرما کر جنت میں داخل کروں گا۔ لفظ تردید، ہمیشہ ایک ہی حالت کو مانع ہے جمع کو مانع نہیں ہے۔ تربصون اصل تتربصون کا ایک تا کو حذف کیا گیا ہے۔

[2] ہاں اگر تم نے توبہ نہ کی تو ہم بھی تمہارے متعلق دو سزاؤں کے منتظر ہیں یا تو اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے دن عذاب میں گرفتار کرے گا اگر خدانخواستہ تم دنیا میں کامیاب ہو بھی گئے۔ یا وہ ہمارے ہاتھوں تمہیں عذاب میں مبتلا کرے گا، یعنی ہمارے ہاتھوں تم کفریہ عقائد پر قتل ہو جاؤ گے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار رہو گے۔ اس تقدیر پر خطاب مطلق کفار کو ہوگا اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ خطاب صرف منافقین کو ہے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے گا جیسا کہ اس نے تم جیسی منافق گزشتہ قوموں کو ہلاک کیا تھا۔ پس اگر تم اس نفاق پر مر گئے تو وہ تمہیں دوزخ کا عذاب دے گا اور دوسری صورت یا یہ ہوگی کہ تم نے اگر کفر کا اظہار کر دیا تو کفر پر تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔

[3] پس تم ہمارے انجام کا انتظار کرو اور ہم تمہاری عاقبت کے منتظر ہیں۔ حضرت الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تم شیطان کے جھوٹے وعدوں کا انتظار کرو اور ہم رحمٰن کے سچے وعدہ کے منتظر ہیں کہ وہ اپنے دین کو ضرور غلبہ عطا فرمائے گا۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۖ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾

”فرمائیے خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا تم سے [1] بیشک تم ایک نافرمان قوم تھے [2]“

[1] طوعا او کرها پر نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعنی اللہ اور رسول کی طرف سے لازم کئے بغیر خوشی سے خرچ کرو یا مجبور ہو کر خرچ کرو، الزام کو اکراہ کہا گیا ہے کیونکہ وہ منافق تھے اور ان پر خرچ کا الزام اجبار و اکراہ کی طرح شاق تھا۔ انفقوا صیغہ امر ہے لیکن بمعنی خبر ہے یوں مفہوم یہ ہے کہ خواہ تم خوشی سے خرچ کرو یا مجبور ہو کر تمہارے صدقات اور مالی امداد قبول نہ کی جائے گی۔ اس انداز

اور اسلوب میں حکم میں مبالغہ پیدا کرنے کا مفاد ہے۔ یعنی دونوں طرح سے خرچ کرو عدم قبولیت میں دونوں طریقے برابر ہیں۔ گویا انہیں حکم دیا گیا ہے کہ تم آزما ؤ اور ایک مرتبہ خوشی سے خرچ کرو اور ایک مرتبہ مجبوراً خرچ کرو اور پھر دیکھو ان سے کوئی چیز قبول ہوتی ہے۔ یہ جد بن قیس کا جواب ہے جس نے کہا تھا کہ آپ مجھے اجازت دے دیں اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں، میں تمہاری مالی اعانت کروں گا۔ دونوں طریقوں سے خرچ کرنے کی قبولیت کی نفی فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے مالی اعانت قبول نہ فرمائی۔ اسی طرح ائمہ بھی آپ کے بعد اس شخص سے مالی امداد نہ لیں گے جس کے متعلق معلوم ہو جائے گا کہ یہ منافق ہے۔ دوسری عدم قبولیت کی صورت یہ کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے مال قبول نہیں فرمائے گا اور نہ انہیں اس خرچ کا ثواب عطا فرمائے گا۔

۲؎ تم مسلمانوں کے گروہ سے خارج ہو۔ یہ جملہ مستقل کلام کی حیثیت سے عدم قبولیت کی علت ہے اور اس کا مابعد اسی عدم قبولیت کا بیان اور ثبوت ہے۔

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝۵۴

"اور نہیں منع کیا ہے انہیں کہ قبول کئے جائیں ان سے ان کے اخراجات سوائے اس کے کہ انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور نہیں آتے نماز ادا کرنے کے لئے مگر سست ۱؎ اور نہیں خرچ کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناخوش ہیں ۲؎"

۱؎ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے یقبل کو یاء کے ساتھ اور باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اس کا فاعل نفقات مونث غیر حقیقی ہے، ان یقبل منع کا فاعل ہے اور اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا فاعل ہے، یعنی ان کے اخراجات کی قبولیت سے مانع ان کا اللہ اور اس کے رسول کا انکار ہے اور سستی کے ساتھ اور دکھاوے کی نماز پڑھنا ہے۔ لا یاتون کا عطف کفروا پر ہے۔

۲؎ وہ اللہ کے راستہ میں خرچ بھی کرتے ہیں تو بے دلی سے اور مجبور ہو کر کیونکہ انہیں ثواب اور اجر کی توقع نہیں ہوتی اور زکوٰۃ کو ترک کرنے پر انہیں سزا کا اندیشہ نہیں ہے وہ زکوٰۃ کو اپنے ذمہ ایک چٹی اور ٹیکس سمجھتے ہیں اور اس کی ادائیگی نہ کرنا غنیمت سمجھتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ پہلی آیت میں انفقوا طوعاً او کرھاً فرمایا، یعنی وہ خوشی سے یا مجبوراً خرچ کریں۔ لیکن یہاں وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ فرما کر کلیۃً ان کے خرچ کی نفی فرما دی کہ وہ خوشی سے کبھی خرچ کرتے ہی نہیں۔ ان دونوں آیتوں میں تطبیق کیسے ہوگی۔ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ طوعاً سے وہاں مراد رسول کی طرف سے الزام کے بغیر ان کا خرچ کرنا ہے اور وہ خرچ کرنا بھی ان کا ریا کاری اور نمود و نمائش پر مبنی تھا۔ ان کا وہ خرچ کرنا بھی کراہت اور اضطرار کی بناء پر تھا وہ رغبت اور اختیار سے خرچ نہیں کر رہے تھے۔ یا یہ کہا جائے گا کہ وہاں طوعاً کا وصف علی سبیل الفرض ہے اور یہ سلب علی سبیل التحقیق ہے، یعنی بالفرض وہ خوشی سے بھی خرچ کریں تو ان کی وہ اعانت قبول نہ کی جائے گی اور اس آیت میں معنی یہ ہے کہ وہ یقیناً اکراہ و اجبار کی حالت میں خرچ کرتے ہیں۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ

الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

"سو نہ تعجب میں ڈال دیں تمہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد، یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں ان چیزوں سے دنیوی زندگی میں[1] اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ کافر ہوں[2]"

[1] اعجاب اس خوشی اور سرور کو کہتے ہیں جو کسی اچھی اور پسندیدہ چیز پر ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو انہیں مال و دولت، اور اہل و عیال کی فراوانی اور کثرت عطا کی ہے یہ کوئی ہمارا انعام نہیں ہے بلکہ یہ ظاہری ٹاٹھ باٹھ، نوٹوں کی جھنکار اور اولاد کی کثرت عذاب الٰہی کے قریب کرنے کے لئے ہیں اور ان کے لئے باعث تباہی اور بربادی ہیں۔ جیسا کہ آگے خود ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ انہیں مال دولت کی فراوانی کے ذریعے اس دنیا میں عذاب کے اندر گرفتار رکھنا چاہتا ہے۔ وہ اس مال کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کے لئے حیلے اور مکاریاں کریں گے پھر اس کی حفاظت میں طرح طرح کی مشکلات و مصائب برداشت کریں گے اور خرچ کرنے میں انہیں تکلیف محسوس ہوگی اور ایسے شخص کے لئے اس دولت کو چھوڑ جانا جو اس کی تعریف نہیں کرتا اس پر انہیں حسرت و پریشانی ہوگی۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آیت میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیر پر عبارت اس طرح ہے: فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْآخِرَةِ عَلٰى كَسْبِهَا وَجَمْعِهَا وَحِفْظِهَا وَاِنْفَاقِهَا عَلٰى وَجْهٍ غَيْرِ مَشْرُوْعٍ. یعنی ان کے پاس دولت کی چہل پہل، اولاد کی کثرت دنیا میں آپ کو تعجب میں نہ ڈالے، حقیقت میں انہیں اللہ تعالیٰ آخرت میں اس دولت کے جمع کرنے، حفاظت کرنے اور غیر مشروع طریقہ پر خرچ کرنے پر عذاب دینا چاہتا ہے۔

[2] زھوق کا معنی مشکل سے نکلنا ہے، یعنی ان کی روحیں ان کے بدنوں سے جدا ہوتی ہیں تو دولت کے ترک پر متاسف اور غمگین ہوتی ہیں، کیوں وہ لذت آمیز چیزوں میں مشغول رہے اور مبدا و معاد میں غور و خوض نہیں کیا۔ پس یہ انہیں آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ آیت کریمہ معتزلہ کے اس قول کے بطلان پر دلالت کرتی ہے کہ جو چیز بندے کے لئے باعث اصلاح ہے اس کا کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے ان کفار کو اموال اور اولاد اس لئے عطا فرمائی تاکہ انہیں عذاب دے اور کفر پر موت دے۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾

"اور قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں لیکن وہ ایسی قوم ہیں جو ڈرتے رہتے ہیں[1]"

[1] وہ زبان سے اللہ کی قسمیں اٹھا کر کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے زمرہ سے ہیں حالانکہ ان کے دل کفر کی غلاظت سے متعفن ہیں۔ انہوں نے اسلام کا لبادہ اس لئے اوڑھا ہوا ہے کہ ان کے ساتھ بھی وہ سلوک نہ ہو جو مشرکین کے ساتھ ہوتا ہے۔

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾

"اگر مل جائے انہیں کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا گھس بیٹھنے کی جگہ تو (دیکھے گا) وہ منہ پھیر لیں گے اس طرف منہ زوری کرتے ہوئے[1]"

۱ یعنی اگر کوئی مضبوط قلعہ میں انہیں پناہ ملے یا کوئی ایسی قوم پائیں جو انہیں امن دے یا کسی پہاڑ میں چھپنے کے لئے غار میسر آجائے یا کوئی ایسی جگہ پالیں جس میں بمشکل داخل ہوا جاسکتا ہے تو یہ بھاگ کر اس میں داخل ہو جائیں اور منہ زور گھوڑے کی طرح کسی چیز کی پرواہ کئے بغیر بھاگتے چلے جائیں۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ دولت ایمان و یقین سے محروم تمہاری سنگت کو مجبوری سے اختیار کئے ہوئے ہیں، یہ تمہارے ساتھ رہنا انتہائی ناپسند کرتے ہیں۔ اگر انہیں خلاصی کا کوئی ذریعہ نظر آجائے تو تمہیں فوراً چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ مغارات، مغارۃ کی جمع ہے جس کا معنی وہ جگہ ہے جہاں چھپ کر بیٹھا جاتا ہے۔ عطاء نے اس کا معنی تہہ خانہ لکھا ہے۔ مدخلاً اصل میں متدخلا تھا۔ ایسی جگہ جہاں بآسانی داخل نہیں ہوا جاسکتا جیسے گوہ کا سوراخ۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾

”اور بعض ان میں سے طعن کرتے ہیں آپ پر صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں ۱ سو اگر انہیں دیا جائے ان سے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں نہ دیا جائے ان سے تو اس وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں ۲“

۱ لمزہ اور ھمزہ کا معنی کسی پر نکتہ چینی کرنا اور عیب لگانا ہے۔ یعقوب نے یلمزک کو میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ آپ صدقات کی تقسیم میں عدل نہیں فرماتے۔ شیخین اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حنین کے روز ہوازن کا مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو آپ ﷺ نے بعض عرب کے رئیسوں کو زیادہ حصہ عطا فرمایا تو ایک انصاری نے اٹھ کر کہا یہ تقسیم عادلانہ نہیں، اس میں رضا الٰہی کو مدنظر نہیں رکھا گیا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم بخدا میں یہ بات حضور ﷺ کو ضرور عرض کروں گا۔ جب میں نے بتایا تو آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا حتیٰ کہ چہرار نگنے والی گوند کی طرح ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب اللہ اور اس کا رسول عدل نہیں کرتا تو پھر کون عدل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ تکلیف پہنچائی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا (1)۔ محمد بن عمر فرماتے ہیں یہ طعن کرنے والا شخص معتب بن قشیر منافق تھا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر سے، شیخین اور احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہوازن کا مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ اسی اثناء میں ایک شخص اٹھا، ابن عمر اور ابوسعید رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت کے مطابق یہ ذوالخویصرہ تھا جو تمیم سے تھا۔ آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور اس سے پوچھا تیرا کیا خیال ہے؟ کہنے لگا میرے خیال میں آپ ﷺ عدل سے تقسیم نہیں کر رہے۔ عدل کرو (اور برابر تقسیم کرو)۔ ایک روایت میں ہے کہ اس منافق نے کہا یا رسول اللہ انصاف کرو تو آپ ﷺ کو غصہ آگیا اور فرمایا تیرے لئے ہلاکت ہو، اگر میں عدل نہیں کروں گا تو کون کرے گا؟ اگر میں عدل نہیں کروں گا تو میں یقیناً خائب و خاسر ہوں گا۔ ایک اور روایت میں ہے اگر میرے ہاں عدل نہ ہو گا تو کسی کے پاس عدل نہ ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے اجازت فرمائیں، میں اس منافق کا سر قلم کر دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی پناہ لوگ یہ کہیں گے کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں، اسے چھوڑ دو، بیشک اس کے کچھ ساتھی ایسے ہوں گے جو تم میں سے اپنی نماز کا ان کی نماز کے ساتھ اور اپنے روزہ کا ان کے روزہ کے ساتھ موازنہ کرے گا تو

1۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 1576 (ابن کثیر)، صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 40-339 (قدیمی)

وہ اپنی نماز کو ان کی نماز اور اپنے روزے کو ان کے روزہ کے مقابلہ میں حقیر سمجھے گا۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے سینوں سے تجاوز نہیں کرے گا۔ دین سے وہ اس طرح نکلے ہوئے ہوں گے جیسے تیر شکار سے نکلتا ہے، اس کے بھالے کو دیکھا جاتا ہے تو اس پر کچھ نظر نہیں آتا، پھر اس کے دستہ کو دیکھا جاتا ہے تو اس پر بھی کچھ نہیں ہوتا، پھر اس کے پر اور بھالے کے درمیان کی جگہ کو دیکھا جاتا ہے تو اس پر بھی کچھ نشان نہیں ہوتا۔ پھر اس کے کسی بھی ٹکڑے کو دیکھا جاتا ہے تو اس میں کچھ نظر نہیں آتا حالانکہ وہ گوبر اور خون سے گزر چکا ہوگا اور ان کی علامت یہ ہے کہ ان کا ایک شخص کالا سیاہ ہوگا جس کے بازو عورت کے پستان یا اس کے گوشت کے لوتھڑے کی مانند ہوں گے۔ وہ لوگ دین سے پھر جائیں گے اور تمام لوگوں سے بہتر گروہ کے خلاف خروج کریں گے۔ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ علی بن ابی طالب نے ان سے جہاد کیا تھا اور میں آپ کے لشکر میں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو تلاش کروایا تو میں نے اس شخص کو بعینہٖ انہیں علامات کے ساتھ پایا جو حضور ﷺ نے بیان فرمائی تھیں (1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صاحب اسباب النزول نے لکھا ہے کہ یہ آیت ذی الخویصرہ تمیمی کے بارے نازل ہوئی ہے جس کا نام خرقوص بن زہیر تھا اور یہ خارجیوں کا لیڈر تھا(2)۔ آیت کا ظاہر اس قول کی تائید نہیں کرتا کیوں کہ آیت صدقات کی تقسیم پر طعن کرنے والے کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جبکہ ذی الخویصرہ تمیمی اور معتب بن قشیر جن کا ذکر مذکورہ صحیح احادیث میں ہوا ہے۔ ان کا واقعہ حنین کے موقع پر مال غنیمت کی تقسیم پر پیش آیا اور یہ آیت کریمہ غزوۂ حنین کے بعد غزوہ تبوک میں نازل ہوئی۔ میرے نزدیک اس آیت کریمہ کا نزول اس صدقات کے متعلق ہے جو مسلمان غزوۂ تبوک کی تیاری کے لئے پیش کر رہے تھے، واللہ اعلم۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ آیت منافقوں کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی جس کا نام ابوالخواص تھا۔ اس نے کہا تھا تقسیم عدل کے ساتھ نہیں ہوئی(3)۔

ع اِذَا مفاجاتیہ ہے اور فاء جزائیہ کے قائم مقام ہے۔ بعض علماء نے یہ معنی لکھا ہے کہ اگر انہیں زیادہ دیا جائے تو خوش ہوتے ہیں اور کم ملے تو چیں بجبیں ہوتے ہیں۔ اس قول کے حامیوں کی دلیل وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

"اور (کیا اچھا ہوتا) اگر وہ خوش ہو جاتے اس سے جو دیا تھا انہیں اللہ اور اس کے رسول نے اور کہتے کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ لے عطا فرمائے گا ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اس کا رسول ہم تو اللہ کی طرف ہی رغبت کرنے والے ہیں ع۔"

لے یعنی کتنا اچھا ہوتا کہ اللہ کا محبوب جو صدقہ وغنیمت عطا فرماتا اس پر یہ خوش ہوتے اللہ کا ذکر تعظیم کے لئے ہے اور اس بات پر آگاہ کرنے کے لئے ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے اور اس بات کا بھی اس آیت سے شعور ملتا ہے کہ جس طرح اللہ کی قضا وقدر سے راضی ہونا واجب ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے ہر فعل سے بھی خوش اور مطمئن ہونا واجب ہے۔

ع عطاء الٰہی اور بخشش نبوی پر خوش ومسرور ہوتے اور یہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے ہماری کفایت فرمائے گا اور دوسرے

1۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 1582 (ابن کثیر)، صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 341 (قدیمی) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 88 (التجاریہ)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 88 (التجاریہ)

طریقوں سے اللہ اور اس کا رسول ہمیں عطا فرمائے گا اور ہم اس کے فضل اور اس کے محبوب ﷺ کی جود و عطا سے غنی ہونے کے امیدوار ہیں یہ پوری آیت کریمہ شرط ہے اور اس کا جواب محذوف ہے لکان خیراً لھم۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مصارف زکوٰۃ بیان فرمائے تاکہ جو غیر مستحق ہیں لیکن زکوٰۃ لینے کا لالچ کرتے ہیں ان کا حرص ختم ہو جائے، اور یہ ظاہر ہو جائے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے جو تقسیم کی ہے وہ بالکل درست اور عدل پر مبنی ہے، کیونکہ اس نے ان لوگوں کو صدقات عطا فرمائے جو مستحق تھے۔

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

”زکوٰۃ تو صرف ان کے لئے ہے جو فقیر مسکین ۱؎ اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والے ہیں ۲؎ اور جن کی دلداری مقصود ہے ۳؎ نیز گردنوں کو آزاد کرانے ۴؎ اور مقروضوں کے لئے ۵؎ اور اللہ کی راہ میں ۶؎ اور مسافروں کے لئے ۷؎ یہ سب فرض ہے اللہ کی طرف سے ۸؎ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا دانا ہے ۹؎“

۱؎ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ طعن کرنے والے نے طعن زکوٰۃ کی تقسیم پر کیا تھا غنائم کی تقسیم پر نہ تھا۔ میں کہتا ہوں آیت سے مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف غرباء و فقراء ہیں غنی لوگ اس کے مستحق نہیں ہیں۔ فقیر، وہ محتاج شخص ہوتا ہے جو غنی کی ضد ہوتا ہے خواہ اس کے پاس کچھ مال ہو یا نہ ہو۔ یہ مسکین اور دوسری اصناف سے عام ہے۔

اکثر احناف کا یہ قول ہے کہ جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو وہ فقیر ہے۔ اور میں نے جو آیت کا مراد لکھا ہے وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب مہذب کے مطابق ہے کیونکہ آپ مقروض اور غازی سب میں فقر اور افلاس کا اعتبار کرتے ہیں اور میرے قول کی دلیل حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ غربت و فقر تمام اصناف کو شامل ہے، اس واقعہ کو امام بخاری، مسلم اور اصحاب سنن رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا تم اہل کتاب کی قوم سے ملو گے انہیں لا الہ الا اللّٰہ وانی رسول اللّٰہ کی دعوت دینا۔ اگر وہ تمہاری یہ بات تسلیم کر لیں تو انہیں اسلام کے یہ احکام بتانا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس کو مان لیں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالدار لوگوں سے لی جائے گی اور فقراء کو دی جائے گی۔ اگر وہ یہ حکم تسلیم کر لیں تو تم ان کے عمدہ مال وصول نہ کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے (۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرضی زکوٰۃ میں صفت ایمان کا اعتبار کیا جائے گا پس کسی کافر فقیر کو خواہ وہ ذمی ہو یا حربی اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ ابن شبرمہ اور زہری رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کی تائید میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ کی تفسیر میں منقول ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا فقراء سے مراد اہل کتاب کے اپاہج اور معذور لوگ ہیں۔ لیکن بعد کے لوگوں کا ان کے قول کے خلاف اجماع ہو گیا ہے اس لئے زہری اور ابن شبرمہ رحمہما اللہ علیہ کا قول کمزور ہو گیا ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ حدیث اخبار احاد میں سے ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصول کے مطابق اس کے

۱۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 505 (ابن کثیر)، صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 36 (قدیمی)

ساتھ قرآن پر زیادتی جائز نہیں ہے تو پھر فقراء میں ایمان کی شرط کا اضافہ اس خبر واحد سے کیسے جائز ہو سکتا ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے حربی بالا جماع خاص کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ (اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں ....) جب آیت مخصوص البعض ہو گئی تو مزید تخصیص خبر واحد کے ساتھ بھی جائز ہے اور نفلی صدقات کافروں کو دینا جائز ہیں اور اس پر اجماع ہے اور اجماع کی دلیل یہ ارشاد ہے لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث زکوٰۃ مفروضہ کے متعلق ہے، نفلی صدقات کے بارے نہیں ہے، حربی (مسلمانوں سے جنگ کرنے والا) کو نفلی صدقات دینے بھی جائز نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ اور صدقات واجبہ مثلاً فطرانہ، کفارات، نذریں ان کا حکم ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرضی زکوٰۃ والا ہے کیونکہ ان کے نزدیک فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجبی صدقات کافر کو دینے جائز ہیں کیونکہ واجب کا درجہ ان کے نزدیک فرض سے کم ہے اور حدیث معاذ رضی اللہ عنہ ان کو شامل نہیں ہے کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کیے گئے تھے۔ پس اس میں واجبی صدقات کا شامل نہیں ہیں۔ جب فقیر، مسکین اور دوسری اصناف سے اہم ہے تو اس لئے دوسری اصناف کا اس پر عطف کیا گیا ہے اور یہ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے جیسا کہ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى میں ہے اور یہ اسلوب اہمیت کی زیادتی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ہم مساکین وغیرہ الفاظ کے معانی بیان کریں گے تاکہ ان کے ذکر کے ساتھ وجہ اہتمام ظاہر ہو جائے۔ مسکین سے مراد وہ فقیر ہے جو اصرار کے ساتھ لوگوں سے سوال نہیں کرتا اور یہ سکون اور سکینہ سے مشتق ہے یعنی وہ سوال کے لئے حرکت نہیں کرتا۔ اس معنی کی دلیل بخاری اور مسلم کی حدیث ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے اردگرد گھومتا رہے ایک یا دو لقمے، ایک یا دو کھجوریں اسے پھراتی رہے بلکہ مسکین وہ ہے جو ایسی غنا نہ پائے جو اسے مستغنی کر دے اور اس کے ظاہر سے بھی غربت محسوس نہ ہو کہ اس پر لوگ صدقہ کریں اور خود بھی لوگوں سے بھیک نہ مانگتا ہو (1)۔ اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ مسکین فقیر کی ایک قسم ہے اس کو زکوٰۃ دینا دوسری اصناف کی نسبت زیادہ بہتر اور اہم ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ٘ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ٘ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ٘ لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا اگر یہ کہا جائے کہ مسکین کا اطلاق تو مانگنے والے فقیر پر بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ کی حدیث میں ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں بنی اسرائیل کے تین اشخاص برص والے، گنجے اور اندھے کا ذکر ہے۔ اس طویل حدیث میں ہے کہ ایک مسکین آدمی نے کہا "میرے سفر کے سب ذرائع مفقود ہو چکے ہیں آج میرے لئے اپنے مقصود تک پہنچنا اللہ اور تیری مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ میں تجھ سے اس ذات کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جس نے تجھے یہ خوبصورت شکل اور خوبصورت جلد عطا فرمائی ہے، ایک اونٹ دے دے تو میرا سفر بآسانی طے ہو سکتا ہے" (2)۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سابقہ حدیث میں آیت کا مراد بیان کیا گیا ہے، غنی کا لغوی مفہوم بیان نہیں کیا گیا اور دوسری حدیث میں مسکین کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے۔ مسکین کے مفہوم میں یہ ضروری نہیں کہ اس کے پاس کچھ مال بھی ہو جیسا کہ بعض شوافع کا قول ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس مال بالکل نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ مال ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفارات میں جہاں دس مسکینوں اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم فرمایا ہے وہاں بالاجماع مطلقاً

1۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 538 (ابن کثیر)　　2۔ صحیح بخاری، جلد 3 صفحہ 77-1276 (ابن کثیر)، صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 408 (قدیمی)

فقیر مراد ہے، خواہ اس کے پاس کچھ مال ہو یا بالکل نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ تو وہ شخص جو فقر کی وجہ سے زمین سے چمٹا پڑا ہو، یہ ارشادات ان علماء کے اقوال کا رد کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ مال ہو اور اسی طرح مسکین کے مفہوم میں یہ بھی مترشح نہیں ہوتا کہ اس کے پاس بالکل مال نہ ہو جیسا کہ بعض احناف کا قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ دلالت کرتا ہے کہ کشتی ان کی ملک میں تھی لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں مساکین کہا ہے اور یہ کہنا کہ کشتی انہوں نے اجرت پر لی تھی یا عاریۃً لی تھی یا رحم کرتے ہوئے ان پر لفظ مساکین کا اطلاق کیا گیا، یہ تمام توجیہیں بلا دلیل نص کو ظاہر سے پھیرنے کے مترادف ہیں۔ یہ ایک استدلال کیا جاتا ہے کہ مسکین، فقیر سے بہتر حال ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فقر سے پناہ مانگی ہے۔ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور متفق علیہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کی ہے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے حاکم اور ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابوبکرہ، ابوسعید اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، نبی کریم ﷺ نے یہ دعا مانگی اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مجھے مسکینی کی حالت میں موت عطا کرنا۔ اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید سے روایت کیا ہے۔(1)

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ وہ فقر جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پناہ مانگی ہے وہ نفس کا فقر ہے اور صحیح میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ غنیٰ تو صرف نفس کا غنیٰ ہے(2) یا جس چیز سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پناہ مانگی وہ فقر کا فتنہ ہے، نہ کہ فقر کی حالت۔ اسی طرح جس مسکینی کا آپ ﷺ نے سوال کیا وہ نفس مسکنت نہیں بلکہ اس کی بعض صفات مراد ہیں مثلاً صبر، توکل، اور رضا وغیرہ۔ یا یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت انس اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہم کی احادیث کی اسناد ضعیف ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے اور ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے جب دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جس حالت پر وصال ہوا وہ اس دعا کی حالت سے مختلف تھی۔ کیونکہ وصال کے وقت آپ کفایت کرنے والے تھے۔ تو اس نے اس حدیث کو موضوعات احادیث میں شمار کیا (کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اگر دعا کی ہوتی تو آپ کی دعا رد نہ ہوتی)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنگدست پایا تو غنی کر دیا۔ یہ بھی دلیل ہے کہ آپ غنی تھے۔

ع جو لوگ صدقات کی وصولی پر مقرر کیے جاتے ہیں انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے فقراء کی اصناف شمار فرمایا لیکن یہ مجاز اً ہے خواہ یہ وصول کرنے والے غنی ہوں یا فقیر ہوں ان کو زکوٰۃ کے مال سے مشاہرہ دینا جائز ہے کیونکہ یہ صدقات کے وصول کرنے اور انہیں تقسیم کرنے میں فقراء کے وکیل ہوتے ہیں اور ان فقراء کے امور میں مشغول ہوتے ہیں۔ پس فقراء پر ان کی کفالت واجب تھی پس یہ حکماً فقراء ہیں۔ زکوٰۃ اکٹھی کرنے والوں کو دی جانے والے مشاہرہ کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں زکوٰۃ کے افسر اور اس کے معاونین کو صدقات کا آٹھواں حصہ دیا جائے گا، خواہ اس کا عمل زیادہ ہو یا کم ہو اور اس قول کی بنا اس پر ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام مصارف زکوٰۃ کو برابر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔ ہم اس قول کا رد عنقریب ان شاء اللہ پیش کریں گے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر ائمہ یہ فرماتے ہیں کہ عامل کو اس کے کام کے مطابق معاوضہ دیا جائے گا۔ اگر ایک دن کام کرے

1۔ جامع ترمذی، جلد 4 صفحہ 499 (العلمیہ)		2۔ مستدرک حاکم، جلد 4 صفحہ 327 (النصر)

گا تو اسے ایک دن کا معاوضہ دیا جائے گا اور اگر ایک سال کام کرے گا تو اسے ایک سال کا معاوضہ بقدر کفایت دیا جائے گا کیونکہ غنی کے لئے زکوٰۃ میں کوئی حق نہیں ہے اور عامل کو صرف اتنا حصہ ملے گا جو اس کے عمل کی وجہ سے فقراء پر واجب تھا۔ پس اس کی اجرت مال زکوٰۃ سے ادا کی جائے گی جو مال ان فقراء کا حق ہے۔ سارا مال زکوٰۃ عامل کو دینا بالاجماع جائز نہیں ہے۔ اگر اس کی تنخواہ اتنی ہو کہ کل مال زکوٰۃ پر حاوی ہو تو اس کو کل وصول ہونے والے مال کا نصف دیا جائے گا، نصف سے زائد نہ دیا جائے گا کیونکہ اگر نصف سے زیادہ لے گا تو وہ اپنی ذاتکا عامل ہو گا فقراء کا عامل نہ ہو گا کیونکہ اکثر کل کے حکم میں ہوتا ہے۔ اگر سارا مال عامل لے جائے تو زکوٰۃ وصول کرنے کا مقصود فوت ہو جائے گا اور اس کی کفایت فقراء پر واجب بھی نہ ہو گی۔

سے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جن لوگوں کو تالیف قلب کے طور پر زکوٰۃ دی جاتی ہے ان کی دو قسمیں ہیں: 1۔ مسلمان، 2۔ کفار۔ پھر مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں، 1:۔ ایک وہ جو اسلام میں داخل تو ہو چکے ہوں لیکن ان کی نیتیں ابھی ضعیف اور کمزور ہوں۔ حضور ﷺ ان کی خاطر داری کے لئے زکوٰۃ کے مال سے انہیں حصہ عطا فرماتے تھے۔ جیسا کہ آپ نے عیینہ بن بدر اقرع بن حابس اور العباس بن مرداس کو زکوٰۃ سے مال عطا فرمایا تھا۔ یا وہ لوگ جو اسلام قبول کر چکے ہوں اور ان کی نیتیں بھی اسلام کے متعلق قوی ہوں، جیسے نومسلم قوم کے سرداروں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مال دیا مثلاً عدی بن حاتم، زبرقان بن بدر وغیرہ ان کو اس لئے عطا فرمایا تا کہ ان کی قوم بھی اسلام کی طرف مائل ہو اور ان جیسے دوسرے سردار بھی حلقہ اسلام میں داخل ہوں، تو امام کے لئے جائز ہے کہ وہ ان لوگوں کو مال غنیمت کے خمس کے خمس سے حصہ دے اور مال فئی میں سے نبی کریم ﷺ کا جو حصہ تھا وہ انہیں عطا کرے۔ نبی کریم ﷺ اس طبقہ کے لوگوں کو مال غنیمت سے عطا فرماتے تھے زکوٰۃ سے نہیں دیتے تھے، 2:۔ دوسری قسم مسلمانوں کی وہ ہے جن کو تالیف قلب کے طور پر مال دیا ہے وہ قوم جو کفار کے مقابلہ میں ایسی جگہ ہوں جہاں مسلمان لشکر اس مقامی آبادی کی مدد کے بغیر بڑی مشکل سے کفار کی چوکیوں تک پہنچے ہوں اور وہ قوم ایمانی کمزوری اور حالات کی کمزوری کی وجہ سے خود جہاد نہ کرتی ہو، تو ایسے لوگوں کو غازیوں کے مال سے امام کے لئے حصہ دینا جائز ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں امام ان کو زکوٰۃ میں مؤلفۃ القلوب کے حصہ سے مال دے(1)۔ روایت ہے کہ عدی بن حاتم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی قوم سے تین سو اونٹ زکوٰۃ کے لیکر آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں تیس اونٹ عطا فرمائے۔ کفار میں سے ان لوگوں کو خاطر داری کے لئے مال دیا جاتا ہے جن کے شر اور اذیت کا اندیشہ ہو یا جن کے اسلام قبول کرنے کی توقع ہو، تو ایسے لوگوں کو امام ان کے شر سے بچنے کے لئے عطا کرے یا اسلام کی طرف ترغیب دلانے کے لئے عطا کرے۔ حضور نبی کریم ﷺ ایسے لوگوں کو خمس کے خمس سے عطا فرماتے تھے۔ جیسے آپ ﷺ نے صفوان بن امیہ کی اسلام کی طرف رغبت دیکھی تو آپ ﷺ نے اسے مال عطا فرمایا۔ موجودہ زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت و شوکت عطا فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس چیز سے غنی فرما دیا ہے۔ اس لئے اب تالیف قلب کے لئے کسی مشرک کو مال عطا نہیں کیا جائے گا۔ اکثر علماء فرماتے ہیں اب مؤلفۃ القلوب ختم ہو چکے ہیں اور ان کا حصہ ساقط ہو چکا ہے۔ عکرمہ اور امام شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی قول مروی ہے۔ امام مالک، الثوری، اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور اصحاب رائے کا بھی یہی نظریہ ہے اور علماء کی ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ ان کا حصہ ثابت ہے۔ امام حسن بصری، زہری، ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین علیہم السلام اور ابوثور کا یہی قول مروی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر ایسا کرنے کی مسلمانوں کو ضرورت ہو تو دے سکتے ہیں(2)۔ اکثر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 91 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 91 (التجاریہ)

کتب میں ہے کہ مؤلفۃ القلوب کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کا حصہ ساقط ہو گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا فرما دی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی ایک روایت مروی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اگر کسی شہر یا باڈر پر ایسی ضرورت ہو تو امام ان کو حصہ دے سکتا ہے کیونکہ علت پائی جائے گی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی مروی ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا اصح مسلک یہی ہے۔ اکثر شوافع کا مسلک وہ جو ہے المنہاج میں ہے کہ مؤلفۃ القلوب وہ ہیں جو اسلام قبول کریں لیکن ان کا ابھی تک اعتقاد پختہ نہ ہو یا وہ ایسا عظیم آدمی ہو کہ اس کو مال دینے سے دوسرے لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کی توقع ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافر کو تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے جیسا کہ کافر فقراء و مساکین کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے۔ ابوحنیفہ اور ان کے مقلدین مسلمان فقیر کو خاطر داری اور تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ اصل مسئلہ مالدار مسلمان کو بطور تالیف قلب مال دینے کا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غنی مسلمان کو تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ دینی جائز ہے کیونکہ ان کے نظریہ کے مطابق تمام مصارف زکوٰۃ میں فقر کا اعتبار نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مالدار مسلمان کو تالیف قلب کے طور پر مال دینے کے حق میں نہیں ہیں کیونکہ ان کے نزدیک تمام مصارف زکوٰۃ میں فقر و افلاس کا اعتبار ہے۔ اس بحث سے مسئلہ اظہر من الشمس ہو گیا کہ علماء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ کے مال دینے کا حکم اب بھی باقی ہے اور منسوخ نہیں ہے۔ منسوخ ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ ناسخ موجود نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس پر محمول ہے کہ کافر کو تالیف قلب کے لئے عطا کرنا منسوخ ہے تو اس کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی کسی کافر کو تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ کا مال دیا ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ مسلم اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ صفوان خود کہتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے مال عطا فرمایا اور آپ ﷺ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ مبغوض تھے آپ ﷺ مجھے عطا فرماتے رہے حتیٰ کہ آپ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے (1)۔ یہ بالکل صریح ہے کہ آپ ﷺ نے اسے حالت کفر میں مال عطا فرمایا تھا۔ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے الصحابہ میں وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے اسے قبول اسلام سے پہلے عطا فرمایا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صفوان بن امیہ کو حنین کے مال غنیمت سے عطا فرمایا تھا اور اس وقت صفوان کافر تھا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دعویٰ کہ صفوان بن امیہ کو آپ ﷺ نے زکوٰۃ سے مال دیا تھا۔ وہم ہے اور صحیح یہ ہے کہ صفوان کو آپ ﷺ نے مال کے غنیمت کے خمس میں سے وہ خمس دیا تھا جو آپ ﷺ کا اپنا حصہ تھا۔ امام بیہقی، ابن سید الناس اور ابن کثیر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی قول پر اعتماد کیا ہے۔ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے نسخ کے بیان میں طبرانی کی سند سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول روایت کیا ہے کہ جب عیینہ بن حصین آپ کے پاس آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ارشاد پڑھا الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (یعنی آج تالیف قلب والا دور نہیں ہے)۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ مؤلفۃ القلوب حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 254 (قدیمی)

لیکن جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو ان کا حصہ ختم ہو گیا۔ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عیینہ اور اقرع دونوں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس زمین طلب کرنے کے لئے آئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک خط لکھ کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ خط پھاڑ دیا اور فرمایا یہ تو رسول اللہ ﷺ تمہیں اسلام پر مضبوط کرنے کے لئے دیتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا فرمائی ہے اور تم سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بے نیاز کر دیا ہے۔ پس اب اگر تم اسلام پر قائم رہو گے تو فبہا ورنہ تلوار تمہارے اور ہمارے درمیان فیصل ہوگی۔ وہ دونوں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹ گئے اور کہا خلیفہ تم ہو یا عمر، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر وہ چاہیں تو وہی ہیں، پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید کی اور یہ سب کچھ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا لیکن کسی نے اس پر انکار یا ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ میں کہتا ہوں اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ناسخ ہونے کا احتمال نہیں رکھتا اور نہ ہی فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ مؤلفۃ القلوب کے حصہ کے نسخ پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ مؤلفۃ القلوب والی آیت سے از روئے نزول کے مقدم ہے کیونکہ سورۂ توبہ نزول کے اعتبار سے سب سورتوں سے مؤخر ہے اور سورۂ کہف مکیہ ہے اور عیینہ اور اقرع کا واقعہ زکوٰۃ کے بارے نہیں زمین کے متعلق ہے۔ پس مؤلفۃ القلوب کے حصہ کے منسوخ ہونے کا حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ جب یہ ثابت ہے کہ اس کا حکم باقی ہے اور منسوخ نہیں ہے لیکن مؤلفۃ القلوب سے کافر مراد نہیں ہیں بلکہ یہ حکم مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی کافر کو تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ کا مال دینا ثابت نہیں ہے۔ پس ہم کہتے ہیں جب مؤلفۃ القلوب سے کافر کو خارج کیا گیا تو غنی بھی ان احادیث کی وجہ سے خارج ہوگا جو غنی کے لئے زکوٰۃ کے حلال نہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث صراحۃً ہمارے اس قول کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس میں آپ ﷺ نے فرمایا صدقات ان کے مالداروں سے لئے جائیں گے اور ان کے فقراء پر لوٹائے جائیں گے (1)۔ جب غنی مؤلفۃ القلوب سے خارج ہو گیا تو حکم صرف فقراء مسلمانوں کے لئے باقی ہوگا۔ پس یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ مؤلفۃ القلوب بھی فقراء کی صنف سے ہیں، فقراء پر مؤلفۃ القلوب کا عطف اہتمام میں زیادتی کے لئے عطف الخاص علی العام کے طور پر ہے۔

پیچھے حرف جار لام تھا لیکن یہاں فی حرف جار ذکر فرمایا ہے۔ یہ اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے کہ مساکین، عاملین اور مؤلفۃ القلوب کی نسبت آئندہ چاروں مصارف زکوٰۃ، صدقات کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ فی ظرف کے لئے ہے گویا یہ ظاہر فرمایا کہ زکوٰۃ دینے کے ہی زیادہ مستحق ہیں ان میں زکوٰۃ کو رکھا جائے۔ امام ابوحنیفہ، الشافعی اور احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک فی الرقاب سے مراد مکاتب (وہ غلام ہے جسے اس کا مالک کہے کہ اتنا مال کما کر دے دو تو تم آزاد ہو) غلام ہیں۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی قول روایت کیا ہے۔ یہ یقیناً فقراء کے زمرہ میں آتے ہیں، اگرچہ ان کے پاس نصاب کے برابر مال موجود بھی ہو لیکن وہ اداء کتابت کے لئے کافی نہ ہو۔ پس ان کی گردنیں آزاد کرنے کے لئے ان کی معاونت کی جائے گی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ۔

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ اس سے مراد مطلق غلام ہیں (مکاتب مراد نہیں ہیں) آپ کے نزدیک زکوٰۃ کے مال سے مطلق غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جائے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہ قول مروی ہے لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس قول

1۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 505 (ابن کثیر) صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 36 (قدیمی)

سے رجوع کرلیا تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر سے حجت پکڑی ہے۔ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاموال میں ابی الاشرس کے طریق سے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی شخص اپنا مال زکوٰۃ حج کرنے کے لئے کسی کو دے دے، یا اس مال سے غلام خرید کر آزاد کر دے۔ اس اثر کو ابو معاویہ عن الاعمش عن ابن عباس کی سند سے (1) اور ابوبکر بن ابی عیاش عن الاعمش عن ابی نجیح عن مجاہد عن ابن عباس کی سند سے بھی نقل کیا ہے۔ فرمایا تم اپنے مال زکوٰۃ سے غلام آزاد کرو۔ ابو معاویہ عبدہ بن سلمان کی متابع ہم نے یحییٰ بن معین کے فوائد میں ابوبکر بن علی المروزی عن عبدہ عن الاعمش عن ابی الاشرس کی سند سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما زکوٰۃ کا مال نکالتے اور پھر فرماتے اس سے حج کے لئے ہمارا سامان تیار کرو۔ المیمونی کہتے ہیں میں نے ابوعبداللہ سے پوچھا کیا آدمی اپنے زکوٰۃ کے مال سے غلام خرید کر آزاد کرسکتا ہے یا پھر اسے مسافروں پر خرچ کرسکتا ہے تو ابوعبداللہ نے فرمایا ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی طرح فرماتے تھے اور مجھے کوئی ایسی دلیل معلوم نہیں جو اس سے منع کرے۔ الخلال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں احمد بن ہاشم نے ہمیں بتایا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ پہلے میرا بھی یہی نظریہ تھا کہ زکوٰۃ کے مال سے غلام آزاد کئے جاسکتے ہیں لیکن پھر میں نے اس قول سے رجوع کر لیا پھر آپ پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے حجت پیش کی گئی تو فرمایا وہ قول مضطرب ہے۔ پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حق ولاء مسلمانوں کے لئے ہے اور ایک روایت آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ حق ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے (ولاء سے مراد وہ مال ہے جو غلام چھوڑ کر مرے اور اس کا کوئی وارث بھی موجود نہ ہو) الحافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کو اعمش سے سند میں اختلاف کی وجہ سے مضطرب کہا ہے۔ الحافظ ابن حجر نے الرقاب کی تفسیر میں ایک تیسرا قول بھی نقل کیا ہے کہ رقاب کے حصہ کے دو حصے کئے جائیں گے ایک حصہ سے اس مکاتب کو دیا جائے گا جو مسلمان ہو اور دوسرے حصہ سے وہ غلام خرید کر آزاد کئے جائیں گے جو نماز اور روزہ کے پابند ہوں۔ ابن ابی حاتم اور ابوعبیدہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کتاب الاموال میں صحیح سند کے ساتھ زہری سے روایت کیا ہے کہ زہری نے عمر بن عبدالعزیز کو اسی طرح لکھ کر بھیجا تھا، واللہ اعلم۔ (2)

میں کہتا ہوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ فرمانا کہ صدقات ان کے مالداروں سے لئے جائیں گے اور ان کے فقراء پر لوٹائے جائیں گے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید نہیں کرتا کیونکہ غلام خرید کر آزاد کرنے میں فقراء پر لوٹانا نہ پایا جائے گا۔ دوسری بات یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی مضطرب ہے، جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اگر یہ قول صحیح بھی ہو تو حجت نہیں بن سکتا کیونکہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے میں آپ کی روایت نہیں ہے۔ ہم نے رکاب کی تفسیر جو مکاتب غلام سے کی ہے اس تفسیر پر وہ روایت دلیل ہے جو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں محمد بن اسحاق عن الحسن البصری کے طریق سے بیان کی ہے کہ ایک مکاتب غلام نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا، جبکہ آپ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اے امیر المومنین لوگوں کو میری اعانت کی ترغیب دیں۔ تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس کی اعانت کی ترغیب دی، لوگوں نے غلام کی خدمت شروع کر دی کسی نے عمامہ دیا کسی نے ہار دیا، کسی نے انگوٹھی دی حتیٰ کہ بہت سا مال جمع ہو گیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس مال کو جمع کرو اور بیچ دو۔ پھر آپ نے اس مکاتب کا زر مکاتبت عطا کیا اور جو مال بچ گیا وہ غلاموں کی آزادی کے

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 451 (العلمیۃ)

2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 451 (العلمیۃ)

لئے دیا، لوگوں کو واپس نہ کیا (1) اور فرمایا لوگوں نے یہ مال غلاموں کی گردنیں آزاد کرنے کے لئے دیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ امام احمد رحمۃ اللہ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کوئی ایسا عمل فرمایئے جو مجھے جنت کے قریب کردے اور دوزخ سے دور کردے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ عمل تو جان آزاد کرنا اور گردن چھڑانا ہے۔ اس شخص نے عرض کی کیا یہ دونوں عمل برابر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ گردن آزاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تو اکیلا اس کو آزاد کرے اور گردن چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ تو اس کی قیمت میں معاونت کرے (2)۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث کوئی دلیل نہیں ہے کہ آیت میں رقاب سے مراد وہی ہے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، واللہ اعلم۔

ﷺ بالاتفاق غارمین سے مراد مقروض لوگ ہیں، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر ائمہ نے مدیون کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے:

1:۔ وہ مقروض جنہوں نے کسی گناہ اور برائی کے لئے قرضہ نہیں لیا تھا یعنی کسی جائز ضرورت کے لئے لیا تھا، لیکن اب اس قرضہ کو ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، ایسے لوگوں کو زکوۃ کا مال دیا جاسکتا ہے جبکہ ان کے پاس اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے مال نہ ہو۔ اگر ان کے پاس اتنا مال موجود ہو کہ وہ قرض ادا کر سکتے ہوں تو پھر انہیں زکوۃ کا مال نہیں دیا جائے گا، 2:۔ دوسرے وہ مقروض جنہوں نے نیکی اور جھگڑوں میں صلح کرانے کے لئے قرض لیا ہو، انہیں زکوۃ کا مال دیا جاسکتا ہے اگر چہ وہ مالدار بھی ہوں، 3:۔ تیسرے وہ مقروض جو کسی معصیت کے لئے یا اسراف کے لئے قرضہ لیتے ہیں، ان کو زکوۃ کے مال سے نہیں دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر اس مقروض کو زکوۃ کا مال دیا جاسکتا ہے جس کے پاس قرض ادا کرنے کے بعد نصاب کی مقدار مال نہ بچتا ہو کیونکہ آیت کے الفاظ عام ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مقروض فقیر ہوتا ہے کیونکہ اس کا مال قرضہ میں مشغول ہوتا ہے۔ اس میں بھی وہ اختلاف ہے جو سفر رخصت کے بارے میں ہے۔ ہر وہ مقروض جس کے پاس قرضہ ادا کرنے کے بعد بھی نصاب کی مقدار مال ہو تو امام ابوحنیفہ، مالک اور احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے زکوۃ دینا جائز نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس مقروض کو زکوۃ دی جائے گی جس نے اطاعت و نیکی کی خاطر قرضہ لیا ہو۔

ﷺ فی کے کلمہ کا تکرار رقاب اور غارمین سے متصل قسموں کی ترجیح کے اظہار کے لئے ہے۔ امام شافعی، ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ اور جمہور علماء کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو جنگ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں لیکن ان کے پاس سامان جہاد نہیں ہے، امام احمد اور محمد بن الحسن رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ حاجی ہیں جو حج کرنا چاہتے ہیں لیکن زاد سفر پاس نہیں ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی حجت وہ روایت ہے جو خود امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ام معقل سے روایت کی ہے، فرماتی ہیں ابو معقل رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حج کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، جب گھر آئے تو ام معقل فرماتی ہیں میں نے اسے کہا تجھے معلوم ہے کہ مجھ پر حج لازم ہے، (مجھے بھی ساتھ لے جایئے) وہ دونوں چل کر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پہنچے۔ ام معقل نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھ پر حج لازم ہے اور ابی معقل کے پاس ایک اونٹ ہے (انہیں فرمائیں کہ یہ مجھے دے دیں) ابو معقل نے کہا حضور ﷺ! یہ تو میں نے اللہ کے راستہ میں دے دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ انہیں عطا کردو تاکہ یہ اس پر سوار ہو کر حج کریں کیونکہ حج بھی فی سبیل اللہ کی مد میں آتا ہے (3) اس روایت کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن مہاجر ہے جس پر جرح کی گئی ہے۔ بعض

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 113 (الامیریہ) 2۔ الترغیب والترہیب، جلد 3 صفحہ 32 (الفکر) 3۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 272 (نور محمد)

روایات میں ہے کہ حضرت ام معقل نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ مسئلہ ابو معقل کی وفات کے بعد پوچھا تھا۔ اسی حدیث کو ابوداؤد اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری سند سے ام معقل سے اس طرح روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کا پروگرام بنا رہے تھے۔ تو ہمارا ایک اونٹ تھا۔ جسے ابو معقل نے راہ خدا میں صدقہ کر دیا تھا۔ ہمیں تکلیف پہنچی اور ابو معقل وصال کر گئے تھے۔ نبی کریم ﷺ حج پر تشریف لے گئے۔ پھر جب آپ ﷺ حج سے فارغ ہو گئے تو میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے ام معقل تو ہمارے ساتھ حج کے لئے کیوں نہیں آئی تھی۔ عرض کی حضور ﷺ! ہم نے تیاری مکمل کر لی تھی لیکن ابو معقل کا وصال ہو گیا تھا اور وہ اونٹ جس پر انہوں نے حج کرنا تھا اسے ابو معقل نے اللہ کے راستہ میں دینے کی وصیت فرما دی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے اس پر سوار ہو کر حج کیوں نہ کیا۔ حج بھی تو فی سبیل اللہ کی مد میں آتا ہے(1)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول کی تائید میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث پیش کی ہے جس میں ہے کہ تم خالد پر ظلم کر رہے ہو انہوں نے تو اپنے ہتھیار اور اسلحہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کیا ہوا ہے(2)۔ میں کہتا ہوں جب فقر تمام مصارف زکوٰۃ میں لازم ہے تو بہتر یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کو حاجیوں اور نمازیوں میں خاص نہ کیا جائے بلکہ اس کو عام رکھا جائے اور اس سے نیکی اور بھلائی کے تمام راستے ہو سکتے ہیں۔ پس جس نے طالب علم پر زکوٰۃ کا مال خرچ کیا ہے اس نے فی سبیل اللہ کی مد میں خرچ کیا ہے۔

یہ ابن السبیل سے مراد مسافر ہے۔ مسافر کی دو حیثیتیں ہیں، یا تو وہ اس نصاب کا مالک ہوگا جو زکوٰۃ لینے سے مانع ہوتا ہے یا وہ اس نصاب کا مالک نہ ہوگا۔ اس دوسری صورت میں مسافر کو زکوٰۃ دینی بالاتفاق جائز ہے، خواہ وہ سفر میں ہو یا سفر کا ارادہ رکھتا ہو۔ جیسے کسی کا سفر کا ارادہ ہو لیکن فقیر ہونے کی وجہ سے سفر نہ کر سکتا ہو اور پہلی صورت یعنی جبکہ وہ مالک نصاب ہو اور اتنی مقدار مال موجود ہو کہ جس شہر میں جانا چاہتا ہے پہنچ سکتا ہو، ایسے شخص کو حالت سفر میں یا سفر کا ارادہ کئے ہو دونوں صورتوں میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ اگر مسافر کے وطن میں مال کثیر ہو لیکن حالت سفر میں مال موجود نہیں ہے، یعنی اس کے پاس اتنا مال نہیں جو نصاب کو پہنچتا ہو اور نہ ہی اتنا مال ہے کہ جس کے ذریعے وہ اس شہر تک پہنچ سکے جہاں اس کا مال موجود ہے تو ایسے شخص کو بالاتفاق زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آیت کریمہ میں ابن السبیل سے یہی مسافر مراد ہے۔ پس وہ فقر جو زکوٰۃ لینے کی اباحت کے لئے معتبر ہے، وہ موقع پر فقیر ہونا ہے مال کا مالک ہونا زکوٰۃ لینے کے منافی نہیں ہے اگر پاس مال موجود نہ ہو۔ اگر کوئی شخص کسی جگہ مقیم ہو اور اس کا مال اپنے وطن میں ہو تو وہ بھی مسافر کے حکم میں ہے اور وہ قرض دینے والا جس کا مقروض اقراری ہو لیکن مفلس ہو تو وہ قرض دینے والا بھی مسافر کے حکم میں ہے۔ محیط میں اسی طرح لکھا ہے اگر کسی کا اپنے وطن میں کثیر مال موجود ہو اور حالت سفر میں اس کے پاس اتنا کم مال ہے کہ جو نصاب کو نہیں پہنچتا لیکن قبضہ میں موجود مال کے ساتھ اپنے اس شہر تک پہنچ سکتا ہے جس میں اس کا مال موجود ہے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ لینی بالاتفاق جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے مال تک پہنچنے پر قادر ہے۔ پس گویا وہ اس کے قبضہ میں ہے اور اگر کسی کے قبضہ میں اتنا مال ہو جو نصاب کو پہنچتا ہو لیکن اتنی مقدار میں نہ ہو جس کے ساتھ وہ منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہو۔ خواہ وہ حالت سفر میں ہو یا سفر کا ارادہ رکھتا ہو خواہ اس کا مال اس سے دور ہو یا دور نہ ہو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زکوٰۃ کو مباح کرنے والی چیز فقر ہے اور یہ صاحب نصاب فقیر نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر اس

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 73-272 (نور محمد) 2۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 534 (ابن کثیر) صحیح مسلم، جلد 4 صفحہ 49 (العلمیہ)

شخص کے پاس سفر کے ارادہ کے وقت اتنا مال موجود نہ ہو جس کے ساتھ وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکے تو اس کے لئے زکوۃ لینا مباح ہے کیونکہ ابن السبیل، فقیر کے علاوہ ایک مصرف زکوۃ ہے جس میں فقر کا اعتبار نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں یہ ساتوں مصارف زکوۃ فقراء کی اقسام ہیں اور مصرف فقراء ہی ہیں۔ ان تمام قسموں کو فقر کی شرط کے بغیر زکوۃ دینی جائز نہیں ہے، مگر عاملین زکوۃ کے لئے فقیر ہونا شرط نہیں ہے ان کو زکوۃ کے مال سے تنخواہ دینی جائز ہے، اگر چہ وہ غنی بھی ہوں کیونکہ عاملین کو حقیقت میں دینے والے فقراء ہیں اور وہ فقراء کے مال سے لینے والے ہوتے ہیں جن فقراء پر ان کی محنت کی اجرت دینی لازم تھی (حقیقۃً زکوۃ کے مال سے وہ نہیں لیتے) فقراء صرف ان مذکورہ اصناف میں منحصر نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان اصناف کا ذکر ان کی اہمیت کی خاطر فرمایا ہے کیونکہ ان اصناف کو دوسرے فقراء پر فضیلت ہے، پس آیت سے مراد یہ ہے کہ زکوۃ کا مصرف فقراء ہیں لیکن زکوۃ ادا کرتے وقت کوئی ایسا سبب دیکھنا چاہئے جو زکوۃ لینے والوں کی دوسرے فقراء پر ترجیح کا باعث ہو۔ پس مسکین جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا وہ سائلین (سوال کرنے والوں) سے اولیٰ اور افضل ہے کیونکہ وہ زیادہ ضرورت مند ہے۔ مسافر، مقیم سے زیادہ حاجت مند ہوتا ہے، غازی، حاجی، مکاتب اور مؤلفۃ القلوب دوسرے فقراء کی نسبت زکوۃ کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں کیونکہ ان کو زکوۃ دینے میں حج پر اعانت ہوگی جو اسلام کا ایک اہم ترین رکن ہے اور مجاہد کو دینے سے جہاد پر معاونت ہوگی جو اسلام کے کوہان کی چوٹی ہے اور غلام کو گردن چھڑانے کے لئے دینا کثیر نیکیوں کی ترویج کا باعث ہے۔ آیت کریمہ میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں ہے کہ فضیلت کے اسباب ان امور میں منحصر ہیں بلکہ فضیلت کے اسباب اور بھی ہیں۔ یہ امور میں نے بطور تمثیل لکھے ہیں۔ جیسے قرابت وغیرہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہتر صدقہ وہ ہے جو غنا کی صورت میں دیا جائے اور صدقہ کر دینے کی ابتداء اپنے عیال سے کر۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حکیم بن حزام سے روایت کی ہے(1)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ دینار جو تو اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور وہ دینار جو تو غلام آزاد کرانے پر صدقہ کرے اور وہ دینار جو تو مسکین پر صدقہ کرے اور وہ دینار جو تو اپنے اہل پر خرچ کرے، ان سب میں سے زیادہ اجر اس دینار کا ہے جو تو نے اپنے اہل پر خرچ کیا ہے۔ اس حدیث کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے(2) میمونہ بنت الحارث سے مروی ہے، فرماتی ہیں میں نے حضور نبی کریم ﷺ کے عہد ہمایوں میں ایک لونڈی آزاد کی۔ پھر میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو یہ اپنے ماموؤں کو دیتی تو تیرا اجر بہت زیادہ ہوتا، (بخاری ومسلم)(3)

سلیمان بن عامر سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسکین پر صدقہ کرنا صدقہ ہے اور ذی رحم محرم پر دوہرا صدقہ ہے، ایک صدقہ اور دوسرا صلہ رحمی۔ اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(4) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا یارسول اللہ ﷺ مجھے اپنے مال میں سے بیرحاء کا باغ بہت پسند ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صدقہ کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ نیکی میرے لئے ذخیرہ ہوگی، یارسول اللہ ﷺ! آپ اسے مشیت الٰہی کے مطابق استعمال فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا خیال تو یہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 518 (ابن کثیر)، صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 332 (قدیمی)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 322 (قدیمی)
3۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 916 (ابن کثیر)، صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 323 (قدیمی)
4۔ جامع ترمذی، جلد 3 صفحہ 47 (العلمیہ)، سنن نسائی، جلد 1 صفحہ 361 (نور محمد کارخانہ تجارت)

ہے کہ اس باغ کو اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کردے، پس ابوطلحہ نے اپنی قریبی رشتہ داروں میں اور اپنے چچازاد بھائیوں میں تقسیم کردیا، (متفق علیہ)(1) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رشتہ ولادت اور زوجیت رکھنے والوں کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے کیونکہ ان کی املاک کے منافع شرعاً اور عرفاً متصل ہوتے ہیں (اور زکوٰۃ میں جو کامل طور پر کسی کو مالک بنانا شرط ہے) وہ بیوی، بچوں کو دینے سے متحقق نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَوَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰى یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال سے تجھے غنی کردیا۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ۔ تو اور تیرا مال تیرے باپ کے لئے ہے۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رشتہ ولادت کے علاوہ بقیہ تمام رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے بلکہ رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا بہتر ہے کیونکہ اس میں صدقہ کے ساتھ صلہ رحمی بھی ہے، پس بھائی، بہنیں، چچے، پھوپھیاں، ماموں، خالائیں سب کو زکوٰۃ کی نیت سے مال دینا جائز ہے اگرچہ وہ اس شخص کی کفالت میں بھی ہوں اور قاضی نے ان کا خرچ اس شخص پر مقرر نہ کیا ہو۔ اگر قاضی نے ان کا خرچ مقرر کیا ہو تو پھر زکوٰۃ کی نیت سے ان کو مال دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح ایک واجب میں دوسرے واجب کی ادائیگی لازم آئے گی جو جائز نہیں ہے لیکن اگر خرچ میں اس رقم کو شمار نہ کرے اور علیحدہ ان کے حوالہ کردے تو جائز ہے کیونکہ پھر تملیک کا وجود کامل ہوگا۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کا نفقہ (خرچ) انسان پر لازم ہو اس کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ خرچ کرنا پہلے ہی زکوٰۃ دینے والے پر واجب ہے۔ قریبی رشتہ داروں کا مسئلہ سورۂ بقرہ میں وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ کے تحت ہم نے تفصیل سے بیان کردیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے قول کے مطابق ہے۔ ولادت کے رشتہ داروں اور بیوی کو زکوٰۃ نہ دینے کی علت املاک کا اتصال ہے اور یہ املاک کا اتصال رشتہ ولادت اور زوجیت میں پایا جاتا ہے لیکن صاحبین کے نزدیک بیوی کا اپنے خاوند کو زکوٰۃ دینا خلاف قیاس جائز ہے اور اسی قول میں انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی حدیث کی اتباع کی ہے، وہ فرماتی ہیں میں مسجد میں تھی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا جبکہ آپ ﷺ عورتوں سے مخاطب تھے کہ صدقہ کرو، اگرچہ اپنے زیورات سے بھی ہو۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور کچھ یتیموں پر مال خرچ کرتی تھی جو یتیم آپ کی پرورش میں تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھو کہ کیا جو میں تجھ پر اور ان یتامیٰ پر جو مال خرچ کرتی ہوں جو میری پرورش میں ہیں وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے قائم مقام ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ خود ہی رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرلیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی تو میں نے وہاں ایک انصاری عورت کو پایا جو میری طرح کا مسئلہ پوچھنا چاہتی تھی۔ ہمارے پاس سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ گزرے تو ہم نے ان سے کہا کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیجئے کہ کیا جو میں اپنے خاوند پر اور اپنے زیر کفالت یتیموں پر خرچ کرتی ہوں وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے قائم مقام ہو جائے گا۔ ہم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ بھی کہا کہ ہمارا نام ذکر نہ کرنا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور مسئلہ پوچھا آپ ﷺ نے پوچھا وہ عورتیں کون ہیں، فرمایا کون زینب ہے، فرمایا ایک تو زینب ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضرت عبداللہ بن مسعود

1۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 531 (ابن کثیر)، صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 323 (قدیمی)

کی بیوی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس کے لئے دو اجر ہیں، ایک قرابت کا اور دوسرا صدقہ کا(1)۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم، نسائی اور طحاوی رحمہم اللہ تعالی وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں کچھ الفاظ مختلف ہیں۔ طیالسی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ وہ یتیم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بھتیجے اور بھانجے تھے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے اس طرح روایت کی ہے کہ ایک کے پاس اضافی مال ہے جبکہ اس کی کفالت میں یتیم بھتیجے ہیں اور دوسری کے پاس اضافی مال ہے اور اس کا خاوند غریب و نادار ہے، الخ۔ صاحبین فرماتے ہیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا قول ایجزنی عنی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ صدقہ واجبہ کے متعلق سوال تھا کیونکہ اجزاء کا لفظ صدقہ واجبہ میں استعمال ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ سوال صدقہ نافلہ کے متعلق تھا کیونکہ نفلی صدقہ پر نبی کریم ﷺ برانگیختہ فرماتے تھے اور اس کی بہت زیادہ ترغیب دیتے تھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا قول یجزی، اگرچہ فقہاء کے عرف جدید میں غالبا صدقہ واجبہ کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن فقہاء کے الفاظ میں یہ عام معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے کہ کیونکہ اجزاء کا معنی کفایت بھی ہے۔ پس معنی یہ ہوگا کہ کیا صدقہ کے مقصود یعنی قرب الہی کا تحقق اور صدقہ کے مراد کا تحقق پایا جائے گا اگر میں اپنے خاوند پر صدقہ کردوں۔ پس نفلی صدقہ مراد لینے سے قیاس، معارضت سے سلامت ہو جائے گا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے نفلی صدقہ کی تاویل پر دوسری روایات سے حجت پیش کی ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے حضرت رائطہ بنت عبداللہ جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی، سے روایت کیا ہے۔ حضرت رائطہ رضی اللہ عنہا دست کاری کیا کرتی تھیں اور عبداللہ بن مسعود کے پاس کوئی مال و دولت نہ تھا۔ ان کی بیوی رائطہ ان پر اور ان کی اولاد پر خرچ کیا کرتی تھیں۔ حضرت رائطہ رضی اللہ عنہا نے عبداللہ بن مسعود سے کہا قسم بخدا تو نے اور تیری اولاد نے مجھے صدقہ کرنے کی نیکی سے محروم کر دیا ہے، میں تمہاری وجہ سے صدقہ نہیں کر سکتی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تیرے لئے یہ پسند نہیں کرتا کہ تجھے ہم پر خرچ کرنے سے اجر نہ ملے۔ پس دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا۔ حضرت رائطہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں ایک دستکار عورت ہوں، اپنی دست کاری میں سے کچھ فروخت کر کے انتظام چلاتی ہوں، جبکہ میرے بچوں اور میرے خاوند کے پاس کچھ نہیں ہے۔ میرا سارا مال ان پر خرچ ہو جاتا ہے۔ میں ان کی وجہ سے صدقہ کرنے کی نیکی سے محروم ہوں، کیا ان پر خرچ کرنے سے مجھے صدقہ کا اجر ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو تو ان پر خرچ کرے گی اس کا اجر ہوگا، تو ان پر ضرور خرچ کیا کر(2)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رائطہ سے مراد زینب ہی ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی کیونکہ حضور ﷺ کے زمانہ میں حضرت زینب کے علاوہ عبداللہ کی کوئی اور بیوی نہ تھی(3)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دو سندوں سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن صبح کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد میں عورتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے عورتوں کی جماعت! میں نے عقل و دین میں ناقص چیزوں میں سے کوئی چیز تم سے زیادہ دانشمندوں کی عقل کو زائل کرنے والی نہیں دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ تمہاری تعداد قیامت کے روز دوزخ میں زیادہ ہے پس تم جس قدر طاقت رکھتی ہو اللہ تعالی کا قرب حاصل کرو۔ ان عورتوں میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی بیٹھی تھی۔ وہ جب ابن مسعود کے پاس واپس

1۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 198 (وزارت تعلیم)
2۔ شرح معانی الآثار، جلد 1 صفحہ 308 (وزارت تعلیم)
3۔ شرح معانی الآثار، جلد 1 صفحہ 308 (وزارت تعلیم)

آئیں تو حضور ﷺ کا ارشاد انہیں سنایا پھر اپنی چادر لیکر چل پڑیں۔ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا یہ زیورات اٹھا کر کہاں جارہی ہو، عرض کی میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں قرب حاصل کرنے کے لئے جارہی ہوں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے دوزخیوں میں سے نہ بنائے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ادھر آ، یہ مال وزر مجھ پر اور میرے بچوں پر صدقہ کردے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا نہیں بخدا میں یہ بارگاہ رسالت میں لے جاؤں گی۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اس مال کو عبداللہ بن مسعود (یعنی اپنے خاوند) اور اس اولاد پر خرچ کرو، وہ بھی اس کے مستحق ہیں(1)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت فرمائی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے موقع پر عیدگاہ میں تشریف لائے، پھر نماز سے فارغ ہوکر وعظ فرمایا اور لوگوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا، فرمایا اے لوگو! صدقہ کرو۔ پھر عورتوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا! اے عورتوں کے گروہ! صدقہ کرو میں سب سے زیادہ تمہیں دوزخ میں دیکھتا ہوں، عورتوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہم دوزخ میں زیادہ کیوں، ہیں فرمایا تم لعنت زیادہ کرتی ہوں اور اپنے شوہروں کی نافرمانی کرتی ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا میرے پاس زیورات ہیں میں انہیں صدقہ کرنا چاہتی ہوں۔ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا میں اور میری اولاد تیرے اس صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا عبداللہ نے سچ کہا ہے تیرا خاوند اور تیری اولاد تیرے صدقہ کے زیادہ مستحق ہے(2)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ تمام روایات دلیل ہیں کہ یہ صدقہ نافلہ تھا، کیونکہ پہلی حدیث میں ہے کہ میں ایک ایسی عورت ہوں جو اپنے ہاتھ سے کام کرتی ہوں۔ صراحۃً دلیل ہے کہ آپ ایسے نصاب کی مالک نہ تھیں جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ دوسری حدیث دلالت کرتی ہے کہ اس نے تمام زیور صدقہ کیا تھا، تو تمام زیور بطور زکوٰۃ نہیں بلکہ بطور نفل دیا جاتا ہے، یہ تینوں احادیث دلالت کرتی ہیں کہ انہوں نے اپنی اولاد کو صدقہ دیا تھا، حالانکہ علماء کا اجماع ہے کہ عورت کے لئے اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عورت کا اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینے کے عدم جواز پر اجماع قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک زکوٰۃ دینے سے مانع زکوٰۃ دینے والے پر زکوٰۃ لینے والے کے خرچ کا وجوب ہے، ورنہ باپ کے ہوتے ہوئے اولاد کا نفقہ ماں پر لازم نہیں ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے پورے زیور کو صدقہ کرنے سے استدلال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ممکن ہے اس پورے زیور کا بطور زکوٰۃ دینا واجب ہو۔

میں کہتا ہوں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی کی احادیث کو ایک واقعہ پر محمول کرنا تکلف ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ دو بلکہ کئی مختلف واقعات ہیں۔ جیسا کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کیونکہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ میں عیدگاہ کی طرف رسول اللہ ﷺ کا نکلنا اور واقعہ ہے اور مسجد میں نماز صبح سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ کا وعظ و نصیحت کرنا اور واقعہ ہے اور یتامیٰ پر خرچ کرنا، اپنی اولاد پر خرچ کرنے کے علاوہ واقعہ ہے۔ اور بعض طرق میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھ پر اور میری اولاد پر صدقہ کر اور بعض میں ہے کہ اگر تو ایسا کرے تو میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تیرے لئے اس میں اجر نہ ہو، جب ہم ان کو دو واقعات فرض کریں تو ظاہر یہی ہے کہ ایک واقعہ میں آپ کا سوال صدقہ واجبہ کے متعلق تھا کیونکہ ایک مرتبہ نفلی صدقہ کا حکم جاننے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا حضور ﷺ سے دوبارہ سوال کرنے کا احتمال نہیں ہوسکتا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے سوال پر آپ

1۔ شرح معانی الآثار، جلد 1 صفحہ 308 (وزارت تعلیم) 2۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 197 (وزارت تعلیم)

ﷺ کا مطلقاً یہ فرمانا کہ خاوند پر صدقہ کرنے سے تجھے دو اجر ملیں گے، صدقہ کے اجزاء کے عموم پر دلالت کرتا ہے، واللہ اعلم۔ زکوٰۃ کے ترجیحی اسباب میں سے ایک پڑوس بھی ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبرئیل مجھے پڑوسی کے متعلق وصیت کرتا رہا حتیٰ کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ وہ ہمسایہ کو وارث بنا دیں گے (1)۔ اس حدیث کو امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح امام احمد، بخاری، مسلم اور اصحاب سنن رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم شوربہ والا سالن پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈالو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال کرو (2)۔ اس حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (3)۔ اسی طرح مستحقین زکوٰۃ میں سے زیادہ مستحق عیالداری کی وجہ سے زیادہ حاجت مند ہونا بھی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افضل صدقہ بھوکے شخص کو سیر کر کے کھانا کھلانا ہے۔ اس حدیث کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح ایک ترجیحی سبب سائل کا سوال کرنا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اَمَّا السَّآىٕلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے (4) اس حدیث کو حضرت امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح سند صحیح کے ساتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الہرماس بن زیاد سے روایت کی ہے۔ ام بجید سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سائل کو کچھ دے کر لوٹاؤ اگرچہ جلا ہوا بکری کا کھر بھی ہو (5)۔ اس حدیث کو امام مالک اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ترمذی اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے مرسلاً روایت کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ سب سے برا آدمی کون ہے، سب سے برا وہ شخص ہے جس سے اللہ کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ عطا نہ کرے (6)۔ یتیم ہونا اور قیدی ہونا بھی اسباب ترجیح میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا۔

مذکورہ بالا اسباب ترجیح کے علاوہ بھی آیات واحادیث کے ذریعے اسباب ترجیح معلوم ہوتے ہیں اور جو میں نے لکھا ہے کہ تمام مصارف زکوٰۃ فقراء کی اصناف ہیں۔ یہ میرا قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر ائمہ کی رائے کے موافق ہے کیونکہ انہوں نے تمام اصناف میں فقر کی شرط لگائی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آٹھوں اصناف میں سے ہر ایک مستقلاً زکوٰۃ کا مستحق ہے تمام میں فقر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ مولفۃ القلوب۔ مکاتب، مدیون (مقروض) غازی اور ابن سبیل (مسافر) کو زکوٰۃ دینی جائز ہے، اگرچہ وہ غنی بھی ہوں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ کی مرسل حدیث ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ کسی غنی کے لئے حلال نہیں ہے لیکن پانچ افراد کو غنی ہونے کے باوجود زکوٰۃ لینی جائز ہے، 1:۔ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والا، 2:۔ زکوٰۃ کا مال جمع کرنے والا یا مقروض، 3:۔ یا وہ شخص جو صدقہ کے مال کو اپنے مال سے خرید لے، 4:۔ یا وہ شخص جس کا پڑوسی مسکین ہو، 5:۔ مسکین پر صدقہ کیا جائے اور پھر وہ مسکین غنی کو صدقہ کر دے (7)۔ اس حدیث کو امام مالک اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 329 (قدیمی) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 329 (قدیمی) 3۔ شعب الایمان: 3367 (العلمیہ)

4۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 235 (وزارت تعلیم) 5۔ سنن نسائی، جلد 1 صفحہ 357 (وزارت تعلیم)

6۔ سنن نسائی، جلد 1 صفحہ 358 (وزارت تعلیم) 7۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 231 (وزارت تعلیم)

نے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث سند اور متن دونوں اعتبار سے مضطرب ہے۔ سند میں اضطراب اس طرح ہے کہ زید بن اسلم پر اختلاف ہے۔ بعض محدثین فرماتے ہیں انہوں نے عطاء سے مرسلاً روایت کی ہے، جیسا کو موطا میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور موطا سے ابوداؤد نے نقل کی ہے۔ بعض محدثین فرماتے ہیں زید بن اسلم نے لیث سے یہ حدیث بیان کی ہے بعض نے اس کی سند اس طرح لکھی ہے عن زید عن عطاء عن ابی سعید۔ یہ سب روایات ابوداؤد میں ہیں۔ متن میں اضطراب اس طرح ہے کہ روایت مذکورہ کے الفاظ ایک تو وہ ہیں ہم نے ذکر کر دیے ہیں اور ابوداؤد نے عمران البارقی عن عطیہ عن ابی سعید کی سند سے اس طرح روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ (زکوٰۃ) کسی غنی کے لئے حلال نہیں ہے لیکن اللہ عزوجل کے راستہ میں یا مسافر یا فقیر پڑوسی جس پر صدقہ کیا گیا ہو اور وہ فقیر تمہیں دے دے یا وہ فقیر اس مال سے تمہاری دعوت کرے(1)۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بعض محدثین فرماتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ اگر ثابت ہو تو حضرت معاذ کی حدیث کے برابر نہیں ہے جسے اصحاب کتب ستہ نے روایت کیا ہے۔ اگر اس کی قوت مان بھی لی جائے تو پھر بھی حدیث معاذ راجح ہے کیونکہ حدیث معاذ میں منع کا حکم ہے جبکہ اس حدیث میں اباحت کا حکم ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث میں تاویل بھی کی گئی ہے کیونکہ غازی کے لئے زکوٰۃ کا مال لینا مشروط ہے کہ اس کو سرکاری دفتر سے کچھ نہ ملتا ہو اور نہ اس نے مال فئی سے کچھ لیا ہو، حالانکہ حدیث میں عموم ہے یہ قیود نہیں ہیں۔ مؤول حدیث غیر مؤول حدیث کے مقابلہ میں کمزور اور ضعیف ہوتی ہے۔ حضرت زیادہ بن الحارث الصدائی کی حدیث میں ہے، فرماتے ہیں میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور میں نے آپ ﷺ سے بیعت کی۔ یہ ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں ہے ایک شخص آیا اور حضور ﷺ سے عرض کی حضور ﷺ! مجھے صدقہ کے مال سے عطا فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے صدقات کے متعلق کسی نبی اور کسی غیر نبی کے حکم کو پسند نہیں فرمایا حتیٰ کہ خود ہی ان کے متعلق حکم فرمایا اور ان کی آٹھ اصناف مقرر فرمائیں اگر تو ان آٹھ اصناف سے تعلق رکھتا ہے تو میں تمہیں عطا کردوں گا۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے(2)۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ یہ عبداللہ بن عمر بن غانم الافریقی سے مروی ہے جس کو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھول الحال لکھا ہے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے متھم کہا ہے۔ عبدالرحمن بن زیاد نے شیخ کہا ہے، ابن معین اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے لیس بالقوی لکھا ہے۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ جب زکوٰۃ کا مصرف فقراء ہیں اور بقیہ تمام اصناف اس کی انواع ہیں تو ان میں سے کسی ایک صنف کو زکوٰۃ کا مال دینے کے جواز میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے یا کسی ایک شخص کو تمام مال زکوٰۃ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح اگر ہم ان اصناف کو فقراء سے علیحدہ اصناف تصور کریں تب بھی ایک صنف اور ایک شخص کو کل مال زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمام اصناف کی موجودگی میں بعض کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام اصناف مصارف کو دینا واجب ہے، اگر امام تقسیم کرے اور عامل زکوٰۃ بھی ہو تو تمام اصناف کو زکوٰۃ دی جائے گی۔ اگر عامل نہ ہو تو ساتوں قسموں میں تقسیم ہوگی۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ چھ قسموں میں تقسیم کی جائے گی کیونکہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ ساقط ہو گیا ہے۔ اگر تمام اقسام موجود نہ ہوں تو جو موجود ہیں ان کو زکوٰۃ ملے گی لیکن ہر قسم کو برابر حصہ دیا جائے گا۔ جب امام زکوٰۃ کا مال تقسیم کرے تو حاصل شدہ مال زکوٰۃ سے ہر ہر صنف کے ہر ہر فرد کو زکوٰۃ دے۔ اسی طرح مالک خود اگر زکوٰۃ

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 231 (وزارت تعلیم)

2۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 230 (وزارت تعلیم)

تقسیم کرے تو وہ بھی تمام اصناف کو ادا کرے اگر وہ شہر کے مستحقین پر انحصار کرے اور ان پر مال پورا ہو جائے۔ اور اگر یہ تمام اصناف کے ہر ہر فرد پر مال پورا نہ ہو تو ہر صنف کے تین افراد کو دینا واجب ہے بشرطیکہ ان میں سے تین یا زیادہ موجود ہوں۔ اور اگر کسی صنف کا صرف ایک فرد پایا جائے تو اس کی صنف کا سارا مال اسے دے دیا جائے گا بشرطیکہ وہ استحقاق کی حد سے خارج نہ ہو جائے۔ اگر اس کی حاجت پوری ہو جائے اور مال کچھ بچ جائے تو باقی اصناف میں وہ مال لوٹا دیا جائے گا۔ اصناف کے درمیان مال کی برابر تقسیم واجب ہے، کسی صنف کے افراد میں برابری واجب نہیں۔ لیکن اگر امام تقسیم کرے اور تمام افراد کی حاجات بھی برابر ہوں تو امام کو فرق کرنا حرام ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ الام میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد للفقراء میں لام استحقاق کے لئے ہے، پس اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھوں مصارف زکوٰۃ کا استحقاق ذکر فرمایا ہے۔ اس لئے ہر صنف کو دینا واجب ہے اور ہر صنف کو معرف بلام اور جمع ذکر فرمایا ہے، اس لئے ہر صنف کے ہر ہر فرد کو دینا واجب ہے (کیونکہ لام استغراقی ہے)۔ اگر ممکن ہو اس طرح کہ ہر صنف کے افراد شہر میں منحصر ہوں، اور مال ان پر پورا تقسیم ہوتا ہو، اگر تمام افراد میں تقسیم کرنا ممکن نہ ہو تو تین افراد کو پایا جائے گا تا کہ جمع کا تصور باقی رہے۔

ہم (احناف) کہتے ہیں آیت کریمہ میں لام تعریف استغراق کے لئے نہیں ہے کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ ہر صدقہ کو پورے عالم کے فقراء پر صرف کرنا واجب نہیں ہے اور شہر کے فقراء کے ساتھ استغراق کی تخصیص ایک اختراعی امر ہے۔ اسی طرح جب شہر کے فقراء کا حصر ممکن نہ ہو تو تین سے زیادہ افراد کی طرف زکوٰۃ کا پھیرنا بالاجماع واجب نہیں ہے۔ اگر لام استغراقی ہوتا تو ہر ہر فرد کو زکوٰۃ دینا واجب ہوتا، یا جتنے افراد کا استیعاب ممکن ہوتا۔ مثلاً اگر ہر صنف کا حصہ سو درہم ہوں اور شہر کے فقراء کا حصر ممکن نہ ہو تو سو فقیروں کو دینا واجب ہو تین پر اکتفاء جائز نہ ہو۔ پس معلوم ہوا کہ لام جنس کا ہے اور لام جنس جمعیت کے منافی ہے پس معنی یہ ہے کہ جنس فقیر زکوٰۃ کی مستحق ہے، خواہ کوئی فرد بھی ہو، اگر ہم تسلیم کر لیں کہ جمعیت باقی ہے تو جمع کا مقابلہ جمع کے ساتھ اس بات کا مقتضی ہے کہ آحاد پر آحاد کو تقسیم کیا جائے۔ لام جر استحقاق کے لئے ہونا ممنوع ہے کیونکہ لام کا حقیقی معنی اختصاص ہے اور اختصاص، ملک اور استحقاق سے اعم ہے۔ پس لام یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہی لوگ مصارف زکوٰۃ ہیں ان کے علاوہ نہیں، ہمارے مذہب کی تائید بہت سی احادیث اور آثار بھی کرتے ہیں۔ بیہقی اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس صنف کو تو زکوٰۃ دے دے گا تیری طرف سے ادائیگی ہو جائے گی(1)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ فرضی صدقات وصول کرتے اور ایک ہی مصرف زکوٰۃ پر صرف کر دیتے تھے۔ ابوعبیدہ نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ جو چیز احناف کے قول کی صحت پر دلالت کرتی ہے کہ آیت کے نزول کے بعد نبی کریم ﷺ کے پاس مال آیا تو آپ ﷺ نے ایک ہی صنف مؤلفۃ القلوب کو عطا فرما دیا، یعنی اقرع بن حابس، عیینہ بن حصین، علقمہ بن علاثہ اور زید بن الخیل کو عطا فرمایا تھا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جو سونا بھیجا تھا وہ بھی ان لوگوں میں تقسیم فرما دیا تھا(2)۔ اہل یمن سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی۔ پھر جب دوسری مرتبہ مال آیا تو دوسری صنف یعنی قرضداروں میں تقسیم فرما دیا اور جب قبیصہ بن مخارق کچھ مانگنے کے لئے آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا قبیصہ ٹھہرو، جب صدقہ ہمارے پاس آئے گا تو ہم تمہیں دینے کا حکم فرمائیں گے، جبکہ اس سے قبل آپ ﷺ دوسروں کا تاوان اپنے ذمہ لے چکے تھے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں اس روایت کے خلاف ہمیں کوئی قولی یا فعلی روایت نہیں

1۔ معرفۃ السنن والآثار از بیہقی: 13273 (دار الوعی)
2۔ کتاب الاموال، جلد 1 صفحہ 515 (الکلیات الازہریۃ)

ملتی۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت عمر، حضرت حذیفہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ کئی صحابہ کرام اور تابعین سے ایک صنف کو زکوٰۃ کا مال دینے کا جواز مروی ہے۔ ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے اور ہمارے بعض شوافع علماء کا بھی مختار یہی قول ہے، میرے شیخ اور میرے والد صاحب بھی یہی فتویٰ دیتے تھے کہ آیت کریمہ اس بات کا بیان ہے کہ زکوٰۃ کا مال ان اصناف کے علاوہ اور کسی کو نہ دیا جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان پر تقسیم کرنا واجب ہے۔(1)

مسئلہ:۔ غنی جو مذکورہ اصناف میں سے نہیں ہے اسے بالاجماع زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے لیکن جو غنی مذکورہ اصناف میں سے ہے اس کو زکوٰۃ دینے یا نہ دینے میں اختلاف ہے اور غنی کی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے جس کے لئے زکوٰۃ لینی جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غنی وہ ہے جو کسی بھی مال کے اعتبار سے مالک نصاب ہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں جس کے پاس صبح وشام کا کھانا ہو اس کے لئے زکوٰۃ لینی جائز نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے، جو سوال کرے درآں حالیکہ اس کے پاس اتنا مال ہو جو اسے لوگوں سے مستغنی کر دے تو وہ اپنے لئے آگ میں اضافہ کر رہا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! وہ غنا کیا ہے جو سوال کرنے سے مانع ہے فرمایا صبح وشام کے کھانے کی مقدار(2)۔ اس حدیث کو حضرت ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے سہیل بن حنظلہ سے روایت کیا ہے، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں جو شخص چالیس درہم کا مالک ہو اس کے لئے زکوٰۃ لینی جائز نہیں ہے۔ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے سوال کیا درآں حالیکہ اس کے پاس اوقیہ کی قیمت موجود ہو تو اس اصرار کے ساتھ سوال کیا۔ میں نے سوچا کہ میری اونٹنی یاقوتہ تو اوقیہ سے زیادہ ہے میں مسئلہ دریافت کرنے کے لئے لوٹا لیکن پھر سوال نہ کر سکا۔ ہشام رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ زائد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد ہمایوں میں اوقیہ چالیس درہم کا تھا(3)۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ عمرو شعیب سے اور شعیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس چالیس درہم ہوں اور پھر وہ لوگوں سے سوال کرے تو وہ ملحف ہے(4)۔ (یعنی اصرار کے ساتھ سوال کرنے والا ہے جو ممنوع ہے) بعض علماء فرماتے ہیں جو پچاس درہموں کا مالک ہو اس کے لئے صدقہ حلال نہیں ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت مروی ہے(5)۔ اسحاق اور ابوثور رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس اتنا مال ہو جو اسے لوگوں سے مستغنی کر دے اور پھر وہ سوال کرے تو قیامت کے روز اس حالت آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہ ہوگا۔ عرض کی گئی یارسول اللہ ﷺ سوال سے مانع کونسی غنا ہے فرمایا پچاس درہم یا ان کی قیمت کے برابر سونا(6)۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی وغیرہما نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے بعض علماء کے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ جو احادیث تم نے ذکر کی ہیں یہ سب اس شخص کے لئے سوال کرنے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں جس کے پاس صبح وشام کا کھانا ہو یا چالیس یا پچاس درہم اس کے پاس موجود ہوں۔ بغیر سوال کے زکوٰۃ لینے کے عدم جواز پر دلالت نہیں کرتی ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو شخص اتنی مقدار مال پائے کہ ایک وقت کے لئے کفایت کرے تو اس کے لئے مانگنا جائز نہیں ہے لیکن اگر بغیر مانگے اسے کوئی زکوٰۃ دے تو اس کے لئے لینا جائز ہے کیونکہ صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی

1۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کازرونی، جلد 3 صفحہ 154 (الفکر)
2۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 230 (وزارت تعلیم)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 230 (وزارت تعلیم)
4۔ سنن نسائی، جلد 1 صفحہ 363 (وزارت تعلیم)
5۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 466 (صادر)
6۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 229 (وزارت تعلیم)

حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی چیز عطا فرماتے تو میں عرض کرتا یارسول اللہ ﷺ یہ ان لوگوں کو عطا فرمائیں جو مجھ سے زیادہ حاجت مند اور نادار ہیں، فرمایا جب کوئی مال تجھے ملے جبکہ تو اس کا آرزومند نہ ہو اور نہ تو اس کا سوالی ہو تو وہ مال لے لیا کرو جس کا تمہارا نفس خواہش مند نہ ہو(1)۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صبح و شام کا کھانا میسر تھا ورنہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ نادار ہوتے اور رسول اللہ ﷺ سے بغیر سوال کے صدقہ لینے کا انہیں حکم فرمایا۔

امام مالک، الشافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ زکوٰۃ کی حرمت میں کفایت کا اعتبار کرتے ہیں۔ یعنی اگر ضرورت کو پورا کرنے والا مال موجود نہ ہو تو صدقہ لینا جائز ہے، اگرچہ اس کے پاس قنطار (مال کا ڈھیر) موجود ہو لیکن اگر بقدر ضرورت مال موجود ہے تو پھر زکوٰۃ لینی جائز نہیں ہے، اگرچہ وہ بقدر ضرورت مال تھوڑا بھی ہو۔ پس ایک شخص کمائی کر رہا ہو تو ایک درہم کے ہوتے ہوئے بھی غنی ہوگا اور دوسرا شخص کمزوری اور عیال کی کثرت کی وجہ سے ہزار درہم کے ہوتے ہوئے بھی فقیر ہوگا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب لکھا ہے کہ اس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس کے لئے اور اس کے عیال کے لئے ایک سال تک کے لئے کافی ہو تو وہ غنی ہے(2) کیونکہ حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا سوال کرنا صرف تین آدمیوں کے لئے حلال ہے ایک وہ جو کسی فیصلہ میں اپنی قوم کا تاوان اپنے ذمہ لے چکا ہو پس وہ اس تاوان کی ادائیگی کے لئے اس وقت تک سوال کر سکتا ہے یہاں تک کہ وہ ادا کر دے۔ پھر سوال کرنے سے رک جائے۔ دوسرا وہ شخص جس کی کھیتی پر کوئی آفت گری ہو اور اس کو بالکل نیست و نابود کر دیا ہو، تو وہ سوال کر سکتا ہے یہاں تک کہ اس کی زندگی کا معمول درست ہو جائے پھر سوال کرنے سے رک جائے۔ تیسرا وہ شخص جس کے متعلق قبیلہ کے تین افراد فیصلہ کر دیں کہ اس کا دیوالیہ ہو گیا ہے اور آفت لاحق ہو چکی ہے، تو اس کے لئے بھی سوال کرنا حلال ہے۔ یہاں تک کہ زندگی معمول پر آجائے۔ ان تین صورتوں کے علاوہ کسی صورت سوال کرنا جائز نہیں ہے اے قبیصہ جو اس کے علاوہ صورتوں میں سوال کرے گا وہ حرام کھائے گا۔ اس حدیث کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(3)

حضرت امام حسین بن علی بن ابی طالب علیہما السلام فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سائل کا حق ہے اگرچہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے(4) اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما نے روایت کیا ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ پہلی حدیث دلالت کرتی ہے کہ مانگنا اس وقت تک مباح ہوتا ہے جب تک بقدر ضرورت مال نہ ہو اور جس کے پاس بقدر ضرورت مال موجود ہو، اگرچہ وہ چالیس درہم نہ بھی ہوں تو پھر بھی زکوٰۃ لینی اس کے لئے حلال نہیں ہے اور دوسری حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سائل اگرچہ گھوڑے پر آئے پھر بھی اس کا حق ہے، بلاشبہ یہ حکم حاجت کی صورت میں ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ جس کو ضرورت ہو اگرچہ اس کے پاس ہزار درہم بھی ہوں اس کو زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں احادیث کا مدعی سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ پہلی حدیث سوال کرنے کی اباحت اور حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے مانگنا حرام ہے اور ضرورت کے وقت مانگنا جائز ہے اور جس کو کوئی آفت لاحق ہو تو وہ زندگی کے معمول پر آنے تک سوال کر سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں زندگی کے معمول پر آنے کا مطلب ایک دن اور رات کی ضروریات کو پورا کرنے پر قادر ہو۔ جیسا کہ سہیل بن حنظلہ

1۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 334 (قدیمی)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 68 (الفکر)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 334 (قدیمی)
4۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 235 (وزارت تعلیم)

کی حدیث میں ہے۔ جب زندگی معمول پر آ جائے تو پھر مانگنا حلال نہیں ہے۔ ایسے شخص کو اگر کوئی بغیر سوال کے زکوٰۃ دے تو اس کے لئے لینا جائز ہے کیونکہ انما الصدقات للفقراء کا ارشاد عموم پر دلالت کرتا ہے۔ دوسری حدیث میں سائل کے حق کا بیان ہے اور وَلَوْ جَاءَ عَلٰی فَرَسٍ (اگرچہ سائل گھوڑے پر سوار ہو کر آئے) کا ارشاد مبالغہ پر محمول ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گھوڑا اس کی حوائج اصلیہ سے ہو مثلاً وہ شخص مجاہد ہو اور کبھی گھوڑے کا مالک مقروض ہوتا ہے اور اس کا گھوڑا نصاب کو نہیں پہنچتا، ان احتمالات کی موجودگی میں یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ غنی کو زکوٰۃ دینی جائز ہے کیونکہ غنی کو زکوٰۃ نہ دینے پر نصوص قطعیہ موجود ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غنی وہ ہوتا ہے جس کے پاس ضروریات اصلیہ سے فارغ نصاب موجود ہو کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ صدقہ مالداروں سے لیا جائے گا اور ان کے فقراء پر لوٹا دیا جائے گا۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ ان کو مال زکوٰۃ دیا جائے گا جو دینے والوں کے علاوہ ہوں گے۔ پس ثابت ہو گیا کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہو اس کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے لیکن زکوٰۃ دینے سے مانع ہونے میں نامی اور غیر نامی مال میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ اوقیہ اور وہ مال جو اس کی قیمت کے برابر ہو ان کا حکم برابر ہے۔ وجوب زکوٰۃ میں نامی (بڑھنے والا مال) اور غیر نامی (نہ بڑھنے والا) مال میں فرق ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ کھیتی باڑی کی ضرورت کے جانور، بوجھ لادنے والے جانور اور پالتو جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قدرت میسرہ کو زکوٰۃ کے وجوب کے لئے شرط قرار دیا ہے۔ ہم نے زکوٰۃ نہ عطا کرنے کے لئے اس نصاب کو شرط قرار دیا ہے جو حاجات اصلیہ سے فارغ ہو (یعنی اس شخص کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے جس کے پاس نصاب زکوٰۃ موجود ہو اور وہ ضروریات زندگی سے فارغ ہو) کیونکہ وہ نصاب جو حاجت و ضرورت کے لئے ہو وہ نہ ہونے کی مانند ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جو پانی پیاس بجھانے کے لئے ہو اس کے ہوتے ہوئے بھی تیمم جائز ہے۔ پس ایسا مقروض جس کے پاس نصاب موجود ہو اس کے لئے زکوٰۃ لینی جائز ہے جبکہ اس کا وہ نصاب اس کے قرضہ سے فاضل نہ ہو، اسی طرح مجاہد اور مسافر کے پاس سواری کے لئے گھوڑا ہو جس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہو یا وہ عالم جس کے پاس ایسی کتب ہوں جن کی اسے مطالعہ اور تدریس کی ضرورت ہو یا وہ شخص جس کے پاس رہائش کے لئے مکان ہو جو نصاب کو پہنچتا ہو۔ (تو ان تمام افراد کے لئے زکوٰۃ لینی جائز ہے کیونکہ یہ سب اشیاء ان کی حاجات اصلیہ ہیں۔) حضور نبی رحمت ﷺ کا ارشاد کہ صرف پانچ آدمیوں کے لئے زکوٰۃ حلال ہے مجاہد مقروض اور مسافر کا یہی محمل ہے۔

مسئلہ:۔ فقیر جب کمانے پر قادر بھی ہو تو اسے زکوٰۃ دینی جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد انما الصدقات للفقراء فقراء کے عموم پر دلالت کرتا ہے، امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک کمانے پر قدرت رکھنے والے فقیر کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا غنی اور طاقت ور، مضبوط شخص کے لئے صدقہ (زکوٰۃ) لینا حلال نہیں ہے(1) اس حدیث کو امام احمد، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد، ترمذی اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے حسن سند کے ساتھ روایت کی ہے، اسی حدیث کو دار قطنی نے العلل میں حدیث پائی ہے۔ ابو یعلیٰ نے طلحہ سے روایت کی ہے امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کی دوسری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس صدقہ کا مال آیا تو لوگ لینے کے لئے آ گئے آپ ﷺ نے فرمایا کسی غنی اور صحت

1۔ جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 83 (وزارت تعلیم)

مند شخص کے لئے صدقہ کا مال لینا صحیح نہیں ہے اور نہ ہی طاقتور مزدور کے لئے صدقہ لینا جائز ہے (1)۔ اس حدیث کو امام احمد اور دار قطنی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ تیسری دلیل عبید اللہ بن عدی کی حدیث ہے کہ دو آدمیوں نے انہیں بتایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں صدقہ کا مال مانگنے کے لئے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو نظر گھما کر دیکھا تو آپ ﷺ نے انہیں مضبوط جسم پایا آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دیتا ہوں لیکن صدقہ کے مال میں غنی اور طاقتور، کمانے پر قدرت رکھنے والے شخص کا کوئی حصہ نہیں ہے (2)۔ اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ صاحب التنقیح نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ کتنی عمدہ حدیث ہے، بلحاظ سند بہت اچھی ہے۔ یہی حدیث ابن عدی نے کامل میں ابن عمر سے اور سنن ترمذی میں حبشی بن جنادہ سے مروی ہے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابی زمیل عن رجل من بنی ہلال کے واسطہ سے بھی روایت کیا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ میں عبدالرحمٰن سے بھی یہی حدیث مروی ہے۔

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کی ان روایات کا ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر تندرست قوی شخص کو زکوۃ دینی جائز نہ ہوتی تو آپ ﷺ یہ نہ ارشاد فرماتے کہ اگر تم دونوں چاہو تو میں تمہیں دے دیتا ہوں۔ آپ ﷺ کا یہ فرمانا صراحۃً دلیل ہے کہ طاقتور، تندرست فقیر کو زکوۃ دینی جائز ہے۔ اسی طرح ہماری دلیل حضرت عمر بن خطاب کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی چیز عطا فرماتے تو میں عرض کرتا یا رسول اللہ ﷺ یہ انہیں عطا فرمائیں جو مجھ سے زیادہ محتاج ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب تو اس کا خواہش مند نہ ہو اور تو سوالی بھی نہ ہو اور مال تجھے ملے تو لے لو اور اسے اپنی ملکیت بنا لو۔ جو نہ ملے تو اس کا پیچھا نہ کرو (3) یہ حدیث متفق علیہ ہے اور سالم عن ابن عمر عن ابیہ کے طریق سے مروی ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ مال لے لو، خوشحالی حاصل کرو اور اس کو آگے صدقہ بھی کرو۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کسی سے نہ کوئی چیز مانگتے تھے اور جو چیز آپ کو دی جاتی تھی اسے واپس بھی نہ کرتے تھے (4)۔ اگر یہ کہا جائے نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کام کی اجرت یعنی زکوۃ کا مال اکٹھا کرنے کی اجرت عطا فرمائی تھی فقر اور غربت کی وجہ سے نہیں دی تھی۔ اسی وجہ سے تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔ یہ مال لے لو خوشحالی حاصل کرو اور صدقہ بھی کرو۔ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں تصریح ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے انہیں مال زکوۃ پر مقرر ہونے کی بناء پر دیا تھا۔ حضرت ابوحمید الساعدی سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے صدقہ کے مال پر مامور کیا تھا جب میں فارغ ہوا اور کام کو مکمل کر لیا تو آپ نے مجھے کام کی اجرت لینے کا حکم فرمایا میں نے عرض کی جناب میں نے تو اللہ کی رضا کے لئے کام کیا ہے اور میرا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا جو تجھے دیا جا رہا ہے لے لو کیونکہ میں رسول اللہ ﷺ کے عہد ہمایوں میں زکوۃ کے کام پر مامور تھا تو مجھے جب اجرت دینے لگے تو میں نے بھی تیری طرح کہا تھا لیکن آپ ﷺ نے مجھے فرمایا جب تجھے کوئی چیز بغیر سوال کے ملے تو کھا لو اور اسے صدقہ بھی کرو (5)۔ میں کہتا ہوں، اعتبار ہمیشہ لفظ کے عموم کا ہوتا ہے، خاص واقعہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ جب الفاظ عام ہیں کہ جب تیرے پاس مال آئے اور تو اس کا خواہش مند نہ ہو تو لے لو۔ احادیث میں غور فکر سے صراحۃً یا دلالۃً ظاہر ہوگا کہ نبی کریم ﷺ نے سائل کو صدقہ دیا، اگرچہ وہ صحیح و سلامت بھی ہوتا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے، فرماتے ہیں میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے

1۔ سنن الدار قطنی، جلد 2 صفحہ 119 (المحاسن)
2۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 231 (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 334 (قدیمی)
4۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 334 (قدیمی)
5۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 335 (قدیمی)

ساتھ چل رہا تھا اور آپ ﷺ کے اوپر ایک موٹے حاشیہ والی نجرانی چادر تھی۔ ایک اعرابی (بدو) آیا اور اس نے سختی کے ساتھ اس چادر کو کھینچا، اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے آپ ﷺ کی گردن پاک پر اس چادر کے نشان پڑ گئے۔ بدو نے کہا اے محمد جو تمہارے پاس اللہ کا مال ہے اس میں سے مجھے دیجئے۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیئے اور پھر اسے عطا کرنے کا حکم بھی دیا(1)۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بہت سی احادیث اس حدیث کی شاہد ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ تمام احادیث جو ہم نے ذکر کی ہیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ طاقتور فقیر کو صدقہ دینا جائز ہے، خواہ وہ فقیر سوال کرے یا نہ کرے اور اگر وہ سوال نہ کرے تو تب بھی اسے دینا جائز ہے لیکن سوال کرنا اور سوال کر کے لینا مکروہ ہے۔ پس آپ ﷺ نے جو تندرست آدمی کے لئے صدقہ کے حلال نہ ہونے کی جو نفی فرمائی ہے وہ سوال کرنے کی حلت کی نفی اور جو مانگنے پر دیا جائے اس صدقہ کے حلال نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ وہ احادیث جو حلت کی نفی پر دلالت کرتی ہیں وہ مانگنے کی صورت میں ہیں، واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ اکثر ائمہ کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے لئے واجبی اور نفلی کوئی صدقہ حلال نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نفلی صدقہ کے متعلق دو اقوال ہیں اور امام احمد سے بھی اسی طرح کا قول مروی ہے۔ جمہور علماء کی حجت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ راستہ میں ایک کھجور کے پاس سے گزرے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر مجھے اس کے صدقہ ہونے کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کھجور کو کھالیتا(2)۔ اس حدیث کو بخاری مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی کھانا لایا جاتا تو آپ پوچھتے کیا یہ ہدیہ ہے یا صدقہ ہے۔ اگر بتایا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو آپ ﷺ صحابہ کرام سے فرماتے تم کھاؤ اور خود نہ کھاتے اور اگر عرض کی جاتی کہ حضور ﷺ ہدیہ ہے تو آپ اپنے ہاتھ سے صحابہ کرام کے ساتھ کھانا شروع فرماتے، (متفق علیہ)(3)۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کی سند سے اسی طرح روایت کی ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کی آل کے لئے بھی صدقہ (زکوۃ، عشر وغیرہ) حلال نہیں ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی کھجور سے ایک کھجور لی اور اپنے منہ میں ڈال دی۔ نبی کریم ﷺ نے کخ کخ فرمایا تا کہ وہ کھجور پھینک دیں پھر فرمایا تجھے معلوم نہیں ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے اقارب پر صدقہ حرام و حلال ہونے میں علماء کے چار مختلف اقوال ہیں:۔(4)

1۔ آپ کے قریبی رشتہ داروں کے لئے فرضی، نفلی سب صدقات جائز ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک یہی روایت مروی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت اسی طرح منقول ہے لیکن اس قول کی تائید دلیل شرعی سے نہیں ہوتی مگر وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت کے خمس کا خمس، زکوۃ کے عوض اپنے اقارب کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ جب آپ ﷺ کے وصال کے بعد مال غنیمت کے پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ ساقط ہو گیا تو صدقہ کی حرمت بھی ساقط ہو گئی۔

2۔ آپ ﷺ کے اقارب کے لئے فرضی اور نفلی صدقات لینا مطلقاً منع ہیں۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے امام طحاوی اور ابن ہمام رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی قول کو پسند کیا ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد عام ہے ہم آل محمد (ﷺ)

1۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 337 (قدیمی)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 344 (قدیمی)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 345 (قدیمی)
4۔ بخاری شریف، جلد 1 صفحہ 202 (وزارت تعلیم اسلام آباد)

صدقہ نہیں کھاتے۔ ایک روایت میں ہے ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں ہے(1)۔ اس کو مسلم، طبرانی اور طحاوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور رشد بن مالک سے روایت کیا ہے، اسی طرح امام احمد اور طحاوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قصہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

3۔ آل رسول کے لئے فرضی صدقات جائز ہیں اور نفلی صدقات جائز نہیں ہیں۔ یہ صرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ واجب لازم حق ہوتا ہے اس کے لینے سے ذلت نہیں ہوتی جبکہ نفلی چیز لینے سے تذلیل ہوتی ہے۔ یہ قول مذکورہ احادیث کی بناء پر مردود ہے۔

4۔ آل رسول کے لئے نفلی صدقات جائز ہیں فرضی جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب مشہور یہی ہے۔ شوافع اور حنابلہ کا بھی صحیح قول یہی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت اسی طرح مروی ہے۔ امام مالک سے چار اقوال مروی ہیں اور سب مشہور ہیں۔

اس چوتھے قول کی توجیہ یہ ہے کہ مذکورہ احادیث طیبہ فرضی صدقہ پر محمول ہیں۔ اسی طرح مطلب بن ربیعہ بن الحارث کی حدیث ہے کہ ربیعہ اور عباس بن عبدالمطلب اکٹھے ہوئے اور مشورہ کیا کہ ہم ان اپنے دو جوانوں (یعنی مجھے اور فضل بن عباس) کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں کیوں نہ بھیجیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں صدقہ پر مامور فرمائیں اور انہیں بھی وہ اجرت ملے جو لوگوں کو ملتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انہیں نہ بھیجو لیکن ہم نے آپ کی بات کی طرف دھیان نہ دیا۔ مطلب بن ربیعہ کہتے ہیں ہم دونوں چل پڑے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، اس دن آپ ﷺ زینب بنت جحش کے پاس تھے، ہم نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہم بالغ ہوگئے ہیں۔ آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ نیکوکار ہیں تمام سے زیادہ تعلقات کو قائم رکھنے والے ہیں ہم آپ ﷺ کی بارگاہ میں اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہمیں صدقہ (زکوٰۃ) اکٹھا کرنے کی ڈیوٹی عطا فرمائیں تاکہ ہم اسے دوسرے لوگوں کی طرح ادا کر کے مشاہرہ حاصل کریں جس طرح دوسرے حاصل کرتے ہیں۔ راوی فرماتے ہیں کافی دیر آپ ﷺ خاموش رہے اور پھر فرمایا صدقہ (زکوٰۃ) آل محمد کے لئے مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ لوگوں کی میل کچیل ہے آپ ﷺ نے فرمایا محمیہ بن جزء کو بلاؤ جن کا تعلق بنی اسد سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں خمس پر مقرر کر رکھا تھا اور فرمایا نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب کو بلاؤ۔ جب وہ دونوں آگئے تو محمیہ کو فرمایا اس تم اپنی بیٹی کا نکاح فضل بن عباس سے کردو اور نوفل بن الحارث کو فرمایا تم اپنی بیٹی کا نکاح مطلب بن ربیعہ سے کر دو اور پھر محمیہ کو فرمایا ان دونوں کا مہر خمس سے اتنا اتنا ادا کردو۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے(2)۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ ہاشمی کے لئے صدقہ (زکوٰۃ) لینا جائز نہیں ہے، اگر چہ وہ زکوٰۃ جمع کرنے پر مامور بھی ہو۔ جب عامل ہونے کے باوجود بھی نہیں لے سکتا تو عام ہاشمی کیسے لے سکتا ہے۔ لیکن یہ حدیث فرضی صدقہ کے متعلق ہے کیونکہ فرضی زکوٰۃ کی وصولی کے لئے آپ ﷺ لوگوں کو بھیجتے تھے۔ نفلی صدقہ کے جواز پر دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جسے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت فرمایا ہے کہ مدینہ طیبہ کا قافلہ پہنچا تو آپ ﷺ نے ان سے کچھ سامان خریدا اور پھر چاندی کے چند ہو تیہ نفع لیکر اسے فروخت کر دیا اور پھر وہ بنی عبدالمطلب کی بیواؤں میں صدقہ کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا جب تک کسی چیز کی میرے پاس قیمت نہ ہوگی میں آئندہ کبھی نہ خریدوں گا(3)۔ اسی طرح نفلی

1۔ شرح معانی الآثار، جلد 1 صفحہ 300 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 344 (قدیمی)
3۔ شرح معانی الآثار، جلد 1 صفحہ 297 (وزارت تعلیم)

صدقہ کے جواز پر وہ حدیث شریف بھی ہے جسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عن ابراہیم بن محمد عن جعفر بن محمد عن ابیہ علیہم السلام کی سند سے روایت کی ہے۔ آپ ﷺ مکہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان موجود کنوؤں سے پانی پیتے تھے۔ پوچھا گیا حضور ﷺ! آپ صدقہ کا پانی پیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہم پر صرف فرضی صدقہ حرام ہے (یہ کنویں نفلی صدقات ہیں) اور یہ کہنا کہ اوقاف کے صدقات کا حکم دوسرے صدقات کے خلاف ہے۔ یہ ایک ایسا قول ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر واقعی ان صدقات اور اوقاف کے صدقات کا حکم مختلف ہوتا تو آپ صراحۃً فرما دیتے کہ ان کا حکم دوسرے صدقات کے حکم سے مختلف ہے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ فرمایا ہم پر صدقہ حرام ہے۔ اسی طرح نفلی صدقہ کے جواز پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہم وارث نہیں بناتے جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے(1) اور رسول اللہ ﷺ اپنے اہل بیت کو حیات ظاہری کے دور میں ایک سال کا خرچ عطا فرماتے تھے اور جو بچ جاتا اسے اللہ تعالیٰ کے مال کی طرح راہ خدا میں صرف فرماتے۔ اسی طرح سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر، سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد رسول اللہ ﷺ کے عمل کے مطابق عمل کرتے تھے۔ پس ثابت ہو گیا کہ بنی ہاشم کیلئے ہر صدقہ حرام نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ اکثر ائمہ کے نزدیک ہاشمی سے ہاشمی کا زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہاشمی سے ہاشمی زکوٰۃ لے سکتا ہے کیونکہ ہاشمیوں پر صدقہ حرام ہونے کی علت یہ کہ وہ لوگوں کا میل کچیل ہے اور لوگوں سے مراد غیر ہاشمی ہیں۔ پس اپنے صدقات یعنی ہاشمیوں کے صدقات لینے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں ہاشمیوں کا شرف تمام لوگوں کے میل کچیل کی حرمت کا تقاضا کرتا ہے، خواہ وہ ہاشمیوں کا میل کچیل ہو یا غیر ہاشمیوں کا۔

مسئلہ:۔ جن پر صدقہ (فرضیہ) حرام ہے وہ بنو ہاشم کے پانچ خاندان ہیں:۔ یعنی حضرت علی، حضرت عباس، جعفر، عقیل اور حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کی آل اولاد۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے امام شافعی فرماتے ہیں، بنو مطلب بھی ان میں شامل ہیں کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے مال غنیمت کے پانچویں میں ذوی القربیٰ کے حصہ میں شریک کیا تھا۔ جیسا کہ ہم نے جبیر بن مطعم کی حدیث، خمس کے مسائل میں بیان کی ہے۔

مسئلہ:۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہاشمیوں کے غلاموں پر بھی زکوٰۃ حرام ہے۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی اصح مذہب یہی ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں ان کے موالی (غلاموں) پر صدقہ حرام نہیں ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بنی ہاشم کے سوا اور کسی کو ان کے موالی کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔ ہماری دلیل حضرت ابی رافع کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنی مخزوم کا ایک شخص صدقہ پر مقرر فرمایا۔ اس شخص نے ابو رافع کو کہا کیا تم میرے ساتھ اس کام میں شریک کیوں نہیں ہو جاتے تاکہ تجھے بھی اس سے اجرت ملے۔ ابو رافع فرماتے ہیں میں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت لوں گا۔ میں نے جب آپ ﷺ پر یہ معاملہ پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہم آل محمد ہیں، ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں ہے اور کسی قوم کا غلام ان میں سے ہوتا ہے(2) اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور ابو رافع کا نام ارقم بن ابی الارقم ہے، واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ ایک شہر کا صدقہ دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 435 (وزارت تعلیم)

2۔ جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 83 (وزارت تعلیم)

اہل یمن کے مالداروں سے صدقہ لینا ہے اوران کے فقراء کی طرف لوٹاتا ہے۔عمر بن عبدالعزیز سے حکایت ہے کہ وہ صدقہ جو خراسان سے شام کو لایا گیا تھا آپ نے وہ پھر خراسان واپس بھیج دیا تھا۔

۵ یہ آیت کریمہ کے مفہوم کے لئے مصدر موکد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے صدقات فرض فرمائے ہیں یا یہ للفقراء کی ضمیر مستکن سے حال ہے۔

۶ اللہ تعالیٰ انسانوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور صدقات کی اس تقسیم میں اس کی حکمت کارفرما ہے اور وہ ہر چیز کو اپنے مناسب مقام پر رکھتا ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾

"اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو (اپنی بدزبانی سے) اذیت دیتے ہیں نبی (کریم) کو اور کہتے ہیں یہ کانوں کا کچا ہے ۱؎ فرمایئے وہ سنتا ہے جس میں بھلا ہے ۲؎ تمہارا، یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مومنوں (کی بات) پر ۳؎ اور سراپا رحمت ہے ۴؎ ان کے لئے جو ایمان لائے تم میں سے ۵؎ اور جو لوگ دکھ پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لئے دردناک عذاب ہے ۶؎"

شانِ نزول:۔ ابن ابی شیبہ، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سدی سے نقل کیا ہے کہ چند منافق لوگ جمع ہوئے جن میں خلاس بن سوید بن الصامت، فحشی بن حمیر اور ودیعہ بن ثابت بھی شامل تھے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرنے کا پروگرام بنایا، بعض افراد نے انہیں اس حرکت سے باز رہنے کو کہا اور انہوں نے یہ کہا کہ ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں محمد ﷺ کو ہماری باتوں کی خبر نہ ہو جائے اور ہم پر کوئی وبال نہ آ پڑے تو جولاہ وہ بدقماش کہنے لگے محمد (ﷺ) کانوں کے کچے ہیں ہم قسمیں اٹھالیں گے اور وہ ہماری بات مان جائیں گے۔ خلاس نے کہا ہم کہیں گے جو چاہیں گے پھر ہم ان کے پاس جا کر اپنی باتوں سے پھر جائیں گے اور سفید انکار کر دیں گے۔ ہم قسمیں اٹھائیں گے اور محمد (ﷺ) ہماری باتوں کو سچ تسلیم کر لیں گے کیونکہ محمد (ﷺ) کانوں کے کچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔(1)

۱؎ یعنی وہ نبی کریم ﷺ کی غیبت کرتے ہیں اور آپ کی باتوں پر طنز کرتے ہیں اور آپ کی شان اقدس میں نازیبا کلمات کہتے ہیں اور پھر جب انہیں اس بات سے منع کیا جاتا ہے کہ کہیں آپ ﷺ تک تمہاری یہ گستاخیاں اور بدکلامیاں پہنچ نہ جائیں تو کہتے ہیں یہ نبی کانوں کا کچا ہے، اسے جو کہا جاتا ہے سن لیتا ہے اور اس کی تصدیق کر دیتا ہے اور تسلیم کر لیتا ہے۔ کلام میں مبالغہ پیدا کرنے کے لئے اذن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گویا کثرت سے سننے کی وجہ سے اس کا سراپا سننے کا آلہ بن گیا ہے۔ جس طرح جاسوس کو ہر وقت تاڑنے اور تاک میں رہنے کی وجہ سے عین (آنکھ) کہا جاتا ہے یا اس کی تقدیر ذو اذن سامعۃ ہے یعنی سننے والے کانوں والا۔ یا یہ کہا جاتا ہے

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 453 (العلمیہ)

کہ اذن بروزن فعل اذِنَ اُذُناً سے مشتق ہے جس کا معنی سننا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبتل بن حارث رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا تھا اور آپ ﷺ کی باتیں بڑے غور سے سنتا تھا اور پھر منافقین کو جا کر بتاتا تھا تو اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ محمد بن اسحاق نے نبتل کا یہ حلیہ لکھا ہے اس کا رنگ کالا، بکھرے پراگندہ بال، سرخ آنکھیں، جلے ہوئے رخسار اور قبیح شکل تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شیطان کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اسے دیکھ لے۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتیں سن کر منافقین کو پہنچاتا ہے، جب اسے اس برے فعل اور منافقانہ کردار سے منع کیا گیا تو اس نے کہا محمد (ﷺ) کانوں کے کچے ہیں جو کچھ انہیں بتایا جائے مان جاتے ہیں۔ ہم جو چاہیں گے کہیں گے پھر ہم ان کے پاس جھوٹی قسمیں اٹھا دیں گے، پس وہ ہماری بات مان جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرما دی۔(2)

[2] اللہ تعالیٰ نے ان بدزبانوں کے جواب میں فرمایا وہ سنتا ہے جس میں تمہارا بھلا ہے عام قرأت میں اذن خیر کی طرف مضاف کر کے پڑھا گیا ہے، جیسے عرب کہتے ہیں رجل صدق مراد سخاوت اور اصلاح ہوتی ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہاں میرا محبوب سنتا ہے لیکن اس کا سننا ہی بہتر ہے، یا یہ معنی کہ وہ تمہاری خیر وصلاح کو سنتا ہے برائی اور فساد کو نہیں سنتا۔ وہ عذر پیش کرنے والوں کے عذر قبول فرماتا ہے، وہ غیبت اور نمیمت جیسی بدکلامی کو نہیں سنتا (تو یہ اس کا خلق عظیم ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن عزت دار اور کریم النفس ہوتا ہے، فاجر خبیث اور کمینہ ہوتا ہے(3) اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو صحیح کہا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ حق اور نیک باتوں کو سنتا ہے اور ان باتوں کو سنتا ہے جس کا سننا اور قبول کرنا واجب ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں سنتا۔ اعمش اور البرجمی نے ابوبکر سے روایت کرتے ہوئے اذن خیر دونوں الفاظ کو مرفوع پڑھا ہے، یعنی اذن موصوف اور خیر صفت ہے یا خیر اس لئے مرفوع ہے کہ وہ خبر ثانی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کا تمہاری باتوں کو سننا اور تمہاری تصدیق کرنا تمہاری تکذیب کرنے سے بہتر ہے۔

[3] حسن ظن کی بناء پر جو بھی اسلام کا اظہار کرتا ہے وہ اس کی بات تسلیم کرتا ہے۔ یا یہ معنی کہ وہ خلوص کے پیکر مومنین کی تصدیق کرتا ہے منافقین کی تصدیق نہیں کرتا، لیکن اپنے خلق عظیم کی صفت کا اظہار کرتے ہوئے ان سے اعراض کر کے ان کے عذر قبول کرتا ہے۔ یہاں ایمان کے فعل کو باحرف سے جر ہے اسم جلالت کی طرف متعدی کیا گیا ہے کیونکہ یہاں ایمان سے مراد کفر کی ضد ہے اور مومنین کی طرف لام سے متعدی کیا گیا ہے کیونکہ یہاں مراد ان کی تصدیق کرنا ہے جو تکذیب کی ضد ہے۔

[4] رحمة کو حمزہ نے خیر پر عطف کرتے ہوئے مجرور پڑھا ہے یعنی اذن خیرٍ و رحمةٍ۔ اور باقی قراء نے اذن پر عطف کی بناء پر مرفوع پڑھا ہے۔

[5] یعنی جو ایمان کا اظہار کرتا ہے اس پر وہ اپنی شفقت و رحمت فرماتے ہوئے اس کی بات کو قبول کرتا ہے اور اس کے رازوں اور دل میں جو سازشیں وہ چھپائے ہوتا ہے ان کی حقیقت کو آشکارا نہیں کرتا۔ اس آیت کریمہ میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ وہ تمہاری باتوں کو، تمہارے حال اور تمہاری بدباطنی سے بے خبر ہو کر نہیں بلکہ تم پر شفقت و مہربانی کرتے ہوئے قبول کرتا ہے، یا یہ معنی کہ مخلص اور وفا شعار غلاموں کے لئے رحمت ہے کیونکہ اس نے انہیں کفر کی گھٹا ٹوپ وادیوں سے نکال کر شاہراہ ایمان پر پہنچا دیا اور آخرت میں وہ ان کی

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 453 (العلمیہ)　　2۔ البدایہ والنہایہ، جلد 3 صفحہ 238 (مطبعۃ السعادۃ)

3۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 18 (وزارت تعلیم)

شفاعت بھی فرمائے گا اور انہیں دوزخ سے بچا کر جنت کی ابدی نعمتوں میں پہنچا دے گا۔

۳ جو رسول کریم ﷺ کی دل آزاری کرتے ہیں ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کا از راہ شفقت بات کا مان لینا اور ان کے عذر قبول کرنا کچھ مفید نہیں ہے۔ مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ ذیل کی آیت کریمہ منافقین کے ایک گروہ کے متعلق نازل ہوئی جو غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے، پھر جب رسول اللہ ﷺ کامیاب و کامران واپس لوٹے، تو معذرت کرتے ہوئے اور جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہوئے آگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قلبی حقیقت کا پردہ چاک کرتے ہوئے یہ ارشاد نازل فرمایا۔(1)

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝

"(منافق) قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کی تمہارے سامنے تا کہ خوش کریں تمہیں ۱ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہے کہ اسے راضی کریں ۲ اگر وہ ایمان دار ہیں ۳"

۱ اپنی روسیاہیوں اور بدنیتی کو چھپانے کے لئے اپنے عذروں کو قسموں کے ساتھ مؤکد کرتے ہیں اور اس لئے بھی جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں تا کہ تم ان سے خوش ہو جاؤ۔ کم ضمیر کا مرجع مومنین ہیں۔

۲ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہیں کہ اطاعت و اخلاص کے ذریعے ان کی رضا اور خوشنودی تلاش کی جائے۔ یرضوہ میں ہ ضمیر کا مرجع اسم جلالت ہے کیونکہ اللہ کی خوشنودی چھوٹے ایمان کے ساتھ تو متحقق ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کی رضا کا دارومدار تو اطاعت شعاری اور اخلاص نیت پر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے وَاللّٰہُ احقُّ ان یُّرضُوہُ وَالرَّسُوْلُ کَذٰلِکَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اسے وہ راضی کریں اور اسی طرح رسول مکرم بھی زیادہ مستحق ہے کہ اسے راضی کریں۔ بعض علما فرماتے ہیں ہ ضمیر کا مرجع اللہ اور رسول میں سے ہر ایک ہے اور ضمیر واحد ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا میں کوئی تفاوت اور فرق نہیں ہے، گویا وہ دونوں ایک ہی شی ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں ہ ضمیر کا مرجع رسول کریم ﷺ ہیں کیونکہ کلام رسول کریم ﷺ کو اذیت دینے اور اس کے راضی کرنے کے متعلق ہو رہی ہے۔

۳ یہ شرط ہے اور اس کی جزاء کو حذف کیا گیا ہے کیونکہ سیاق کلام اس پر دلالت کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم واقعی ایمان و ایقان کی دولت سے بہرہ ور ہو چکے ہو تو اطاعت شعاری اور اخلاص نیت سے اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی حاصل کرو لیکن جو ازل سے بد بخت تھے انہوں نے نہ تو اللہ اور اس کے رسول کو راضی کیا اور نہ اخلاص کے ساتھ ایمان قبول کیا۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝

"کیا وہ نہیں جانتے کہ ۱ جو کوئی مخالفت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی ۲ تو اس کے لئے آتش جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں یہ بہت بڑی رسوائی ہے ۳"

۱ انہ میں ہ ضمیر شان ہے، یعنی جو محاذ جنگ کی طرف دعوت ملنے کے بعد پیچھے رہ جاتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 74 (الفکر)

یہ اس کا نحوکا تا جہنم ہے۔ محادا ۃ باب مفاعلہ ہے اور یہ حد سے مشتق ہے جس کا معنی طرف اور جانب ہے کیونکہ مخالف اپنے دشمن کے مقابلہ میں الگ مخالف سمت میں محاذ بناتا ہے۔

یعنی ترکیب نحوی اس طرح ہے کہ اَنّ کاہ ضمیر اسم ہے اور مَن شرطیہ ہے جس کا جواب فان له نار جهنم ہے۔ پھر یہ جملہ شرطیہ پہلے اَنّ کی خبر ہے، پھر ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ جو لحق ہے پھر مبتدا خبر مل کر لم یعلموا کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے یا علم بمعنی عرف ہے اور یہ ایک مفعول کے قائم مقام ہے یا دوسرا اَنّ پہلے اَنّ کی تاکید کے لئے ہے، اس صورت میں خبر محذوف کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ لیکن یہ ترکیب ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ مؤکد اور تاکید کے درمیان فاصلہ ہو جائے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فان له نار جهنم معطوف ہو انه پر اور جواب شرط محذوف ہو، تقدیر عبارت اس طرح ہوگی، مَنْ یُحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یَهْلِکْ جو اللہ اور اس کی مخالفت کرے گا وہ ہلاک ہوگا۔

یعنی دوزخ کی آگ کا ایندھن بننا اور ہلاک ہونا بہت بڑا خسارہ ہے اور بہت بڑی رسوائی ہے۔ یہ آیت کریمہ، الله و رسوله احق ان یرضوه کے ارشاد کی علت کے مقام پر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل نہ کرنا اور اس کی مخالفت کرنا دوزخ کی آگ تک پہنچاتا ہے۔ جبکہ کسی غیر کی رضا کا نہ چاہنا اس سزا کا موجب نہیں کسی شاعر کا یہ قول کتنا عمدہ ہے۔

کاش صرف تو میرے لئے شریں کلام ہوتا اور محبت آمیز لہجہ میں محو گفتگو ہوتا اور میری ساری زندگی تیرے میٹھے بول کے عوض تلخ و ترش ہوتی، کاش تو مجھ سے راضی ہوتا اور سارا عالم مجھ سے ناراض ہوتا کاش میرے اور تیرے درمیان یہ محبت کا علاقہ قائم و دائم رہتا اور میرے اور دوسرے لوگوں کے تعلقات خراب ہوتے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ذکر کیا ہے کہ یحلفون بالله لكم ليرضوكم کا ارشاد منافقین کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوا جن میں خلاس بن سوید بھی تھا۔ نبی کریم ﷺ کی شان میں انہوں نے گستاخی کی اور کہا جو محمد ﷺ کہتے ہیں اگر یہ حق ہے تو پھر ہم گدھوں سے بھی زیادہ برے ہیں۔ عامر بن قیس نے یہ اس کی بات رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ذکر کردی۔ ان شاء اللہ ہم بعد میں یہ قصہ ذکر کریں گے۔

یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

"ڈرتے رہتے ہیں منافق کہ کہیں نازل (نہ) کی جائے اہل ایمان پر کوئی سورۃ جو آگاہ کردے انہیں جو کچھ منافقوں کے دلوں میں ہے [1] آپ (انہیں) فرمایئے کہ مذاق کرتے رہو۔ یقیناً اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم خوفزدہ ہو [2]"

1۔ یعنی منافقین کو ہر وقت یہ خدشہ رہتا کہ کہیں اللہ تعالیٰ کسی صورت کے ذریعے مومنین کو ہمارے قلبی حسد اور عداوت پر مطلع نہ فرما دے اور ہمارا پردہ فاش نہ ہو جائے۔ تنبھم میں ھم ضمیر کا مرجع مومنین ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ تمام ضمائر کا مرجع منافقین ہوں کیونکہ ان کے متعلق نازل ہونے والا کلام ان کے اوپر نازل ہونے والے کی طرح ہے کیونکہ وہ ان پر پڑھا گیا اور اس کے ذریعے ان پر حجت قائم کی گئی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ آپس میں مسلمانوں کے متعلق بک بک کرتے اور یہ سب باتیں مسلمانوں سے مخفی کرتے اور ساتھ ساتھ انہیں یہ کھٹکا بھی لگا رہتا کہ ہمارے متعلق کہیں قرآن نازل نہ ہو جائے (1)۔ یہ ارشاد دلیل ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 75 (الفکر)

صداقت کے متعلق متردد تھے اور رسوائی اور ذلت کا ہر وقت خوف رہتا تھا کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہوئے تو ہمارا پردہ چاک ہو جائے گا۔ بعض علما فرماتے ہیں وہ آپس میں بیٹھ کر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اس قول کی تائید قل استھزء وا کا ارشاد کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ استہزاء کا حکم بطور دھمکی دیا کہ تم پوشیدہ اور نجی محافل میں مذاق اڑا لو اللہ تعالیٰ ضرور ظاہر فرمائے گا جس سے تم خوفزدہ ہو تمہیں جو سورت کے انزال یا اپنی بدکاریوں کے اظہار کا خدشہ ہے وہ اللہ تعالیٰ ضرور بے نقاب کر دکھائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے منافقین میں سے ستر افراد کے نام اور ان کے آباء کے نام کا ذکر نازل فرمایا تھا لیکن پھر مومنین پر رحم فرماتے ہوئے ان کے اسماء منسوخ کر دیئے تا کہ وہ ایک دوسرے کو عار نہ دلاتے رہیں اور شرمسار نہ کرتے رہیں کیونکہ منافقین کی اولاد ایمان لا چکی تھی۔(1)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ منافقین میں سے بارہ افراد کے متعلق نازل ہوئی۔ جو ایک گھاٹی میں اس غرض سے چھپے ہوئے تھے کہ جب آپ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آئیں گے تو ہم آپ ﷺ پر حملہ بول دیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے۔ جبرئیل امین نے رسول اللہ ﷺ کو اس ساری سازش سے آگاہ کر دیا۔(2)

اس واقعہ کی تفصیل امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابی الطفیل سے، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حذیفہ سے ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے جبیر بن مطعم سے ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے الضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ اور ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے اور محمد بن عمر نے اپنے شیوخ سے اس طرح روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپسی پر راستہ میں تھے کہ بعض منافقین نے یہ سازش تیار کی کہ آپ ﷺ کو گھاٹی سے راستہ میں پھینک دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ پس وہ موقع کی تلاش میں رہے، جب رسول اللہ ﷺ نے وادی میں چلنے کا ارادہ کیا تو وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ چلنے لگے پروگرام یہ طے کیا کہ جب آپ ﷺ وادی میں پہنچیں گے تو ہم سواری سے اٹھا کر وادی میں گرا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ان تمام سازشوں اور مکاریوں سے آگاہ فرما دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ اس وادی میں پہنچے تو ایک شخص نے آواز دی کہ رسول اللہ ﷺ نے وادی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ پس کوئی دوسرا وادی کے راستہ میں نہ چلے، وادی کے بطن میں چلو تمہارے لئے یہ راستہ آسان ہے اور یہ راستہ وسیع بھی ہے۔ وہ منافقین جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی تھی ان کے سوا باقی سب وادی کے بطن میں چلے ان سازشیوں نے جب یہ آواز سنی تو اپنے منصوبہ کو پایہ تکمیل پہنچانے کے لئے تیار ہوئے اور اپنے چہرے ڈھانپ لئے۔ رسول اللہ ﷺ گھاٹی میں چلے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ تم آگے سے اونٹنی کی مہار پکڑو اور حذیفہ بن یمان کو فرمایا کہ تم اسے پیچھے سے ہانکو۔ رسول اللہ ﷺ گھاٹی میں چل رہے تھے کہ آپ ﷺ کو لوگوں کی آہٹ سنائی دی، منافقین نے اوپر سے تیر اندازی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کو انہوں نے بھگا دیا حتیٰ کچھ سامان بھی گر گیا۔ حمزہ بن عمرو اسلمی گھاٹی میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ رات اندھیری تھی۔ حمزہ فرماتے ہیں میری پانچوں انگلیوں میں جو شگاف تھے وہ چمکنے لگے حتیٰ کہ ان کو روشنی میں ہم کوزہ، رسی اور اس قسم کی دوسری اشیاء اکٹھی کرتے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ آنے والے لوگوں کو پیچھے لوٹا دو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کی طرف لوٹے جبکہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس پر غصہ کا اظہار تھا۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نوک دار چھڑی تھی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کی سواریوں کے مونہوں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 75 (الفکر)

2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 75 (الفکر)

پر مارنا شروع کر دیا اور فرمایا اے اللہ کے دشمنو! دور ہو جاؤ، پیچھے ہٹو۔ منافقین کو پتہ چل گیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے دجل وفریب پر مطلع ہو گئے ہیں فوراً گھاٹی سے اترے اور لشکر کے ساتھ مل گئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ واپس رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ تم سواری کو پیچھے سے مارو اور عمار کو حکم دیا کہ تم آگے چلو پس جلدی جلدی چل کر وادی کے اوپر چڑھ گئے اور رسول اللہ ﷺ وادی سے باہر تشریف لائے اور لوگوں کا انتظار کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا جن کو تم نے پیچھے دھتکارا ہے کیا ان میں سے کسی کو پہچانتے ہو۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے صرف ان کی اونٹنیوں کو پہچانا ہے کیونکہ انہوں نے منہ لپیٹے ہوئے تھے، رات کی تاریکی کی وجہ سے میں انہیں نہیں پہچان سکا۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا! تمہیں پتہ ہے ان کا ارادہ کیا تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمیں تو کچھ علم نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا انہوں نے سازش کی تھی کہ میرے ساتھ چلیں اور جب میں گھاٹی کے اوپر چڑھوں تو تیراندازی کر کے مجھے نیچے پھینک دیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان بدبختوں کے نام مع ولدیت بتا دیئے ہیں۔ میں ان شاء اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے متعلق بتاؤں گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ ان کے متعلق یہ حکم کیوں نہیں دیتے کہ جب وہ آئیں تو ہم ان کی گردنیں کاٹ دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ لوگ یہ کہیں کہ محمد (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے "میں ناپسند کرتا ہوں کہ عرب یہ کہیں کہ جب اپنے ساتھیوں کے ذریعے کامیاب ہو گئے تو انہیں قتل کرنا شروع کر دیا بلکہ اللہ تعالیٰ آگ کے شعلہ کے ذریعے ہماری مدد فرمائے گا۔" آپ ﷺ نے دونوں صحابہ کو ان منافقین کے نام بتائے اور پھر فرمایا یہ اسماء ظاہر نہ کرنا جب صبح ہوئی تو اسید بن الحضیر نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ گزشتہ رات وادی میں چلنے سے آپ کو کس چیز نے روکا تھا حالانکہ یہ راستہ گھاٹی سے آسان تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو یحییٰ کیا تمہیں معلوم ہے یہ منافق میرے متعلق کیا منصوبہ بنائے ہوئے تھے اور ان کا کیا پروگرام تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ وہ میرے پیچھے پیچھے چلیں اور جب رات خوب تاریک ہو جائے تو میری سواری کا تنگ کاٹ دیں اور اسے دلدلی زمین میں گرا دیں، قریب تھا کہ وہ مجھے اونٹنی سے گرا دیتے۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ لوگ جمع ہیں اور اتر چکے ہیں آپ ہر قبیلہ کو حکم دیں کہ ان میں سے جس شخص نے یہ برا ارادہ کیا ہے اسے قتل کر دے۔ پس ہر قبیلہ اپنے اپنے اس فرد کو قتل کر دے گا، حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کی اے پیارے آقا! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا آپ مجھے ان لوگوں کے نام بتائیں میں ابھی ان کے سر آپ کے قدموں میں پیش کر دوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسید! میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ لوگ کہیں کہ محمد (ﷺ) کا جب مشرکین سے مقابلہ ختم ہو گیا ہے تو اپنے اصحاب کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور ﷺ! وہ تو منافق ہیں وہ تو آپ کے اصحاب نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا وہ لا الہ الا اللّٰہ کی شہادت نہیں دیتے۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے کہا یہ کلمہ تو وہ پڑھتے ہیں لیکن گستاخ رسول کی شہادت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں ان کی اس ظاہری شہادت کی وجہ سے انہیں قتل نہیں کرتا۔(1)

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ؟۔ عبد اللہ بن سعد

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 466 (العلمیہ)

بن ابی سرح، 2۔ ابو حاضر اعرابی، 3۔ عامر ابو عامر، 4۔ جلاس بن سوید بن الصامت کو بلاؤ۔ جلاس بن صامت وہ شخص ہے جس نے اپنے جیسے منافقوں میں بیٹھ کر یہ کہا تھا کہ ہم گھاٹی میں رات کو محمد (ﷺ) پر تیر اندازی کر کے ہی سکون کا سانس لیں گے۔ اگر محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ ہم سے بہتر ہیں تو پھر ہم بکریاں ہوئے اور وہ ہمارا چرواہا۔ پھر ہم تو سب بے عقل ہوئے اور وہی ایک دانشمند ٹھہرا۔ پھر آپ ﷺ نے مجمع بن جاریہ ملیح التیمی کو بلانے کا حکم دیا۔ ملیح التیمی وہ بدبخت ہے جس نے کعبہ سے خوشبو چرائی تھی اور مرتد ہو کر بھاگ گیا تھا، ملک حجاز میں بھاگتا رہا لیکن اسے کچھ بھائی نہیں دیتا تھا کہ وہ کہاں جائے، پھر آپ ﷺ نے حصر بن نمیر کو بلایا یہ وہ کمینہ شخص ہے جس نے صدقہ کی کھجوروں کی چوری کی تھی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اسے فرمایا تجھے اس بری حرکت پر کس چیز نے برانگیختہ کیا تھا۔ اس نے کہا میرا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اس سازش پر مطلع نہیں فرمائے گا۔ اب جب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہماری اس فریب کاری پر مطلع فرما دیا ہے تو آج میں صدق دل سے گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، اس سے پہلے میں آپ پر دل سے ایمان نہیں لایا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے اس بات کو سن کر معاف فرما دیا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ طعمہ بن ابیرق اور عبداللہ بن عیینہ کو بلاؤ۔ عبداللہ بن عیینہ وہ شخص ہے جس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ آج کی رات جاگ لو ہمیشہ کے لئے سلامت رہو گے۔ قسم بخدا! اس شخص (محمد ﷺ) کو قتل کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے پھر آپ ﷺ نے عبداللہ کو کہا اگر میں قتل ہو جاتا تو تمہیں میرے قتل سے کتنا نفع ملتا۔ اللہ کا دشمن کہنے لگا اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمن پر فتح و کامرانی عطا فرمائی ہے۔ اس کی وجہ سے ہم خیر و خوبی کے ساتھ ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ اور آپ کی طرف سے ہمیشہ خیر و خوشحالی میسر ہے۔ آپ ﷺ نے اسے بھی چھوڑ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مرہ بن ربیع کو بلاؤ، یہ وہ بدطینت و بدفطرت شخص ہے جس نے عبداللہ بن ابی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا، راستہ کے کانٹا کو ہٹا دو، اس کے بعد سب نعمتیں ہماری ہوں گی۔ ایک فرد کے قتل سے تمام لوگ امن و سکون کی زندگی بسر کریں گے۔ آپ ﷺ نے مرہ بن ربیع سے کہا یہ بک بک تو نے کیوں کی تھی۔ کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں نے کوئی بات کہی ہوتی تو آپ کو علم ہوتا میں نے تو ان باتوں میں سے کوئی بھی نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر ان بارہ افراد کو جمع کیا جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا تھا اور آپ کو قتل کرنے کی سازش تیار کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ان کی باتوں اور ان کے ظاہر و باطن کی سب کیفیتوں سے آگاہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو اپنے علم کے ذریعے اس پورے واقعہ پر مطلع فرما دیا تھا۔ ارشاد الٰہی وھموا بمالم ینالوا سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بارہ اشخاص نفاق اور اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت میں مر گئے(1)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے بددعا فرمائی۔ عرض کی اے اللہ ان پر دبیلہ کا تیر برسا۔ دبیلہ اس آگ کے شعلہ کو کہتے ہیں جو رگ دل پر گرتا ہے اور انسان کو ہلاک کر دیتا ہے(2)۔ امام مسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے ساتھیوں میں بارہ افراد منافق ہیں۔ یہ جنت میں داخل نہ ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ ان میں سے آٹھ کے لئے تو وہ آگ کا شعلہ کافی ہو گا جو ان کے کندھوں کے درمیان گرے گا حتیٰ کہ ان کے سینوں سے نکل جائے گا(3)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ چودہ یا پندرہ آدمی تھے(4)۔ یہ واقعہ تبوک

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 467 (العلمیہ)
2۔ دلائل النبوۃ، جلد 5 صفحہ 261 (العلمیہ)
3۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 369 (قدیمی)
4۔ دلائل النبوۃ، جلد 5 صفحہ 262 (العلمیہ)

سے مدینہ طیبہ کی طرف واپسی پر پیش آیا تھا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾

"اگر آپ دریافت فرمائیں ان سے تو کہیں گے بس ہم تو صرف دل لگی اور خوش طبعی کر رہے تھے آپ فرمایئے (گستاخو!) کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے تم مذاق کیا کرتے تھے۔"

لئن میں لام قسم کے لئے ہے، یعنی قسم بخدا اگر آپ ان سے اس مذاق کے متعلق دریافت کریں جو یہ آپ کے ساتھ اور قرآن کے ساتھ کرتے ہیں حالانکہ یہ آستین کے سانپ آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں چل رہے ہیں۔ یہ کہیں گے اجی ہم تو دل لگی اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ تو اے محبوب مکرم ان کو زجر وتوبیخ فرمایئے ان کے استہزاء پر جو یہ اس ذات سے کر رہے ہیں جس سے استہزاء کرنا قطعاً صحیح نہیں ہے اور ان پر حجت کو لازم کرتے ہوئے اور ان کی غیر معقول جھوٹی معذرتوں کا اعتبار کرتے ہوئے فرمایئے کہ بے شرمو! اللہ تعالیٰ اس کے بابرکت کلام کی آیات اور اس کے رسول کریم ﷺ سے تم استہزاء کرتے ہو۔ کلام کا اسلوب دلالت کر رہا ہے کہ وہ گویا اپنے مذاق کے معترف تھے اسی وجہ سے انہیں زجر وتوبیخ کی گئی اور جس کے ساتھ استہزاء اور مذاق کیا گیا اس پر حرف تقریر یعنی ہمزہ استفہام داخل کیا گیا اور یہ انداز کلام استہزاء کے ثبوت کے بعد ہو سکتا ہے کہ انہوں نے پہلے استہزاء کیا ہے۔ میں کہتا ہوں ان کا یہ کہنا انما کنا نخوض ونلعب بھی استہزاء کا اعتراف ہے۔ معنی یہ ہے کہ ہماری باتوں سے جو استہزاء کا مفہوم سمجھا گیا ہے یہ ہم نے مسافت کی کلفتوں کو بھلانے اور بطور دل لگی راستہ کی مسافت بسہولت طے کرنے کے لئے کی تھیں۔ ہمارا ارادہ مذاق اڑانا اور استہزاء کرنا نہ تھا۔ ابن ابی حاتم رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص غزوۂ تبوک کے موقع پر مجلس میں بیٹھا تھا اور کہنے لگا ہم نے ان قرآن کے قاریوں جیسا پیٹو، جھوٹا اور میدان جنگ میں بزدل نہیں دیکھا۔ دوسرے آدمی نے کہا تو نے غلط کہا ہے اور سفید جھوٹ بولا ہے۔ تو منافق ہے، میں تمہاری یہ باتیں رسول اللہ ﷺ کو بتاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو قرآن کی آیات نازل ہو گئیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے اس شخص کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے کجاوہ کے ساتھ لٹکا ہوا تھا اور پتھر اسے زخمی کر رہے تھے، وہ کہہ رہا تھا ہم تو دل لگی اور خوش طبعی کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کیا تم اللہ تعالیٰ، اس کی آیات اور اس کے رسول سے مذاق کرتے ہو (1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کی ہے اور اس شخص کا نام عبد اللہ بن ابی ذکر کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت لکھی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ منافقین میں سے کچھ لوگ غزوۂ تبوک کے موقع پر کہنے لگے یہ شخص شام کے محلات کو فتح کرنا چاہتا ہے جبکہ شام کے محلات بہت دور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو اس بات پر مطلع فرما دیا آپ منافقین کے پاس آئے اور فرمایا تم نے ایسا ایسا کہا ہے۔ وہ کہنے لگے ہم تو جی دل لگی کر رہے تھے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ امام بغوی نے اس آیت کا شان نزول کلبی، قتادہ اور مقاتل رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ غزوۂ تبوک میں چل رہے تھے اور تین منافق آپ ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے۔ ان میں سے دو

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 455 (العلمیہ)
2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 19-118 (الامیریہ)

قرآن اور صاحب قرآن کا مذاق اڑا رہے تھے اور تیسرا ہنس رہا تھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ یہ کہہ رہے تھے کہ محمد (ﷺ) کا یہ خیال ہے کہ وہ رومیوں پر غالب آ جائیں گے اور ان کے شہر فتح کر لیں گے۔ یہ چیز عقل سے کتنی بعید ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ کہتے تھے محمد (ﷺ) یہ کہتا ہے ہمارے مدینہ میں مقیم صحابہ کے متعلق قرآن نازل ہوا ہے حالانکہ یہ ان کی اپنی کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو ان کی باتوں پر مطلع فرما دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا قافلہ کو روکو آپ نے ان منافقوں کو بلایا اور فرمایا تم نے ایسا ایسا کہا ہے تو وہ کہنے لگے ہم تو دل لگی کر رہے تھے۔ یعنی جس طرح قافلے باتوں اور لہو ولعب کے ذریعے راستہ کی مسافت قطع کرتے ہیں ہم بھی اسی قسم کی کلام کر رہے تھے (ہمارا مقصود مذاق کرنا نہ تھا)(1)۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ سے تبوک کی طرف عازم سفر تھے۔ محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر کا بیان ہے کہ منافقین کا ایک گروہ مال غنیمت کے لالچ میں غزوۂ تبوک کے سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا۔ ان منافقین میں یہ افراد بھی تھے ودیعہ بن ثابت بنی عمرو بن عوف کا بھائی، جلاس بن الصامت، مخشی بن حمیر جس کا تعلق قبیلہ اشجع سے تھا جو بنی سلمہ کا حلیف تھا۔ محمد بن عمرو نے ثعلبہ بن حاطب کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ یہ منافق آپس میں کہنے لگے کل اسی جگہ کچھ لوگ زنجیروں میں جکڑے ہوئے پہاڑوں میں پڑے ہوں گے یہ باتیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق غلط افواہیں پھیلانے، مومنین کو ہراساں کرنے کے لئے کی تھیں۔ جلاس بن عمرو جو ام عمیر کا خاوند تھا اور ام عمیر کا بیٹا عمیر اس کی پرورش میں تھا۔ اس نے کہا قسم بخدا اگر محمد ﷺ سچے ہیں تو ہم گدھوں سے بھی برے ہیں قسم بخدا مجھے یہ پسند ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارے جائیں لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ ہم واپس پلٹیں تو تمہاری ان باتوں کی وجہ سے ہمارے متعلق قرآن نازل ہو چکا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے عمار بن یاسر کو فرمایا یہ لوگ جل گئے ہیں، ان سے ان کی باتوں کے متعلق دریافت کرو، اگر یہ انکار کریں تو تم کہنا کہ تم نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔ عمار ان کے پاس پہنچے اور انہیں سب کچھ بتا دیا۔ پس وہ منافقین معذرت کرتے ہوئے آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، ودیعہ بن ثابت نے کہا جبکہ وہ اونٹنی کے کجاوہ کو پکڑے ہوئے تھا اور اس کے پاؤں پتھروں اور کنکروں پر لگ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ ودیعہ کہہ رہا تھا یا رسول اللہ ﷺ ہم تو دل لگی کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل فرمائی، ولئن سالتھم الخ۔(2)

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾

”(اب) بہانے مت بناؤ[1] تم کافر ہو چکے (اظہار) ایمان کے بعد[2] اگر ہم معاف بھی کر دیں ایک گروہ کو[3] تم میں سے تو عذاب دیں گے دوسرے گروہ کو کیونکہ وہی (اصلی) مجرم تھے[4]“

1۔ یعنی تم جھوٹے عذر مت پیش کرو اللہ تعالیٰ کو تمہارا جھوٹ معلوم ہے، تم نے رسول مکرم کو اذیت دے کر اور اس کی شان اقدس میں گستاخی کر کے ایمان کے اظہار کے بعد کفر کا اظہار کیا ہے۔

2۔ محمد بن اسحاق نے لکھا ہے جس شخص کو توبہ کرنے اور اخلاص کی بناء پر معاف کیا گیا تھا وہ صرف مخشی بن حمیر الاشجعی تھا۔ یہ ان کا مذاق

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 76 (الفکر)

2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 445 (العلمیہ)

سن کر ہنستا تھا لیکن خود ایسا کرتا نہیں تھا اور وہ ان منافقین سے ایک طرف چلتا تھا، ان کی بعض باتیں سن کر انکار بھی کرتا تھا۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو اس نے اپنے نفاق سے توبہ کرلی۔ اس نے کہا: اے اللہ میں ایسی آیت سن رہا ہوں جس سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہوگئی ہیں، جسموں پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے اور دل ٹوٹنے لگتے ہیں اے اللہ مجھے اپنے راستہ میں شہادت کی موت عطا فرما تا کہ کوئی یہ نہ کہتا پھرے کہ میں نے اسے غسل دیا تھا میں نے اسے دفن کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمالی تھی اور وہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے اور کسی مسلمان کو ان کی شہادت گاہ کا علم نہ تھا۔ مخشی نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی تھی یارسول اللہ میرا اور میرے باپ کا نام بدل دو تو آپ ﷺ نے اس کا نام عبدالرحمٰن یا عبداللہ رکھا۔

۳؎ عاصم نے نعف کو نون کے فتحہ اور فاء کے ضمہ کے ساتھ اور نعذب کو نون کے فتحہ اور ذال کے کسرہ کے ساتھ معروف متکلم کا صیغہ پڑھا ہے اور طائفۃ کو مفعول کی بنا پر منصوب پڑھا ہے۔ باقی قراء نے نعف کو یاء مضمومہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یعذب کو تاء مضمومہ اور ذال مفتوحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی صیغہ واحد غائب مجہول اور طائفۃ کو مرفوع پڑھا ہے۔

۴؎ یہ اصلی مجرم تھے کیونکہ انہوں نے نفاق پر اصرار کیا تھا اور رسول مکرم کی دل آزاری کی تھی اور ان کی شان میں گستاخی کی تھی، اس لئے اس طائفہ کو ہم سزا دیں گے (یہ قابل معافی مجرم نہیں ہیں)۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ یَقْبِضُوْنَ اَیْدِیَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِیَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾

"منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک جیسے ہیں ۱؎ حکم دیتے ہیں برائی کا اور روکتے ہیں نیکی سے اور بند رکھتے ہیں اپنے ہاتھ (حقیقت یہ ہے کہ) انہوں نے بھلا دیا ہے اللہ کو تو اس نے بھی فراموش کر دیا ہے انہیں ۲؎ بیشک منافق ہی نافرمان ہیں ۳؎"

۱؎ منافق مرد اور منافق عورتیں شرک، نفاق اور ایمان کے دائرہ سے دور ہونے میں ایک جنس ہیں، اس میں ان کی جھوٹی قسموں کی تکذیب ہے اور ماھم منکم (یہ تم میں سے نہیں ہیں) کے ارشاد کا ثبوت اور تقریر ہے اور اس کے بعد والی کلام اس پر دلیل کی طرح ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ منافقین کی حالت مومنین کی حالت کے بالکل برعکس ہے اور یہ منافق ایک دوسرے کے اعمال و کردار میں بالکل مشابہ ہیں۔

۲؎ یہ شرک، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی نافرمانی کا حکم دیتے ہیں اور ایمان و اطاعت سے منع کرتے ہیں لوگوں کو کہتے ہیں اس شدید گرمی کے موسم میں جہاد کے لئے نہ نکلو۔ گویا وہ یہ بھول چکے ہیں کہ ان کا کوئی خالق بھی ہے جو ان سے ان کے کرتوتوں کی بازپرس فرمائے گا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اطاعت الٰہی سے غفلت برتی تو اللہ نے انہیں ان بداعمالیوں کے نتیجہ میں اپنی توفیق سے محروم کر دیا، دنیا میں ہدایت کی نعمت اور آخرت میں اپنی رحمت کا مستحق نہ ٹھہرایا اور انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا۔

۳؎ یہ منافق ایمان و اطاعت کے دائرہ سے بالکل باہر ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ هِیَ حَسْبُهُمْ ۚ

وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾

”وعدہ کیا ہے اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار سے دوزخ کی آگ کا ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں۔ یہی کافی ہے انہیں ۱؎ نیز لعنت کی ہے ان پر اللہ نے اور انہی کے لئے ہے دائمی عذاب ۲؎“

۱؎ یعنی منافق مردوں، عورتوں اور کفار کے لئے دوزخ میں ہمیشہ رہنا مقدر کر دیا گیا ہے، یہی آگ کے بھڑکتے شعلے ان کے کفر و نفاق کی سزا ہیں۔ یہ دلیل ہے کہ اس آگ کا عذاب بہت بڑا عذاب ہے، اور وہ ایسا عذاب ہے کہ اس پر اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

۲؎ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور ان کو ذلیل و رسوا فرمائے گا اور ان کو دائمی عذاب دیا جائے گا، اس دائمی عذاب سے مراد وہ عذاب ہے جس کا آخرت میں ملنے کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے یا دنیا کا عذاب ہے، جو وہ نفاق کی وجہ سے تکلیف برداشت کر رہے تھے کہ ان کا ظاہر باطن کے مخالف تھا اور وہ ہر لحہ خوفزدہ رہتے تھے کہ کہیں ہماری قلعی کھل نہ جائے اور ذلت و رسوائی سے ہر وقت ہراساں و ترساں رہتے تھے اور انہیں یہ کھٹکا بھی رہتا تھا کہ اگر ان کے بد باطنوں پر حضور مطلع ہو گئے تو مسلمانوں کی طرف سے تکلیف اور شدت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾

”(منافقو) تمہاری حالت بھی ایسی ہے ۱؎ جیسے ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے وہ زیادہ تھے تم سے قوت میں اور مال اور اولاد کی کثرت میں ۲؎ سو لطف اٹھایا انہوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے ۳؎ اور تم نے بھی لطف اٹھایا اپنے (دنیوی) حصہ سے اسی طرح جیسے لطف اٹھایا انہوں نے جو تم سے پہلے ہو گزرے اپنے (دنیوی) حصہ سے اور (لذتوں میں) ۴؎ تم بھی ڈوبے رہے جیسے وہ ڈوبے رہے تھے ۵؎ یہی وہ لوگ ہیں ضائع ہو گئے جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اور یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ۶؎“

۱؎ كَالَّذِيْنَ میں ک مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر محل رفع میں ہے، یعنی اے اہل نفاق تم بھی بالکل گزرے ہوئے کفار کی مثل ہو، یا ک مفعول مطلق کی بنا پر محل نصب میں ہے تقدیر کلام اس طرح ہوگی فَعَلْتُمْ اَيُّهَا الْمُنَافِقُوْنَ فِعْلًا مِّثْلَ فِعْلِ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِكُمْ۔ یعنی اے منافقو! تم نے اپنے سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی طرح کا عمل کیا، انہوں نے بھی حکم الٰہی سے روگردانی کی اور تم نے بھی اعراض کیا۔ تم پر بھی لعنت ہو جیسے ان پر لعنت ہوئی۔

۲؎ تم سے پہلے کافر قوت و دفاع میں اور مال و اولاد میں تم سے زیادہ تھے۔ اس جملہ میں ان منافقوں کی کفار سے مشابہت کا بیان ہے اور ان کی حالت کو ان کی حالت سے تمثیل دی گئی ہے۔

۳؎ دنیا کے حصہ اور دنیاوی لذتوں سے لطف اندوز ہوئے۔ خلاق، خلق سے مشتق ہے جس کا معنی اندازہ کرنا ہے، خلاق وہ حصہ جو کسی

کے لئے مقدر کیا جاتا ہے۔

اے منافقو! تم بھی اپنے پیشرووں کی طرح دنیا کی فانی لذتوں سے بہرہ اندوز ہو لو۔ اللہ تعالیٰ نے مخاطبین کی مذمت کی تمہید کے لئے پہلے کفار کی مذمت فرمائی کہ وہ دنیوی لذتوں سے متمتع ہوئے جو اللہ تعالیٰ کا باعث نہ تھیں اور انہوں نے ہمیشہ رہنے والی لذتوں کے حصول سے اعراض کیا یہ لوگ ان کے مشابہ ہیں اور ان کے نقوش پا پر چل رہے ہیں۔

تم بھی باطل اور لہو میں اسی طرح دنیوی لذتوں میں ڈوبے رہے جیسے وہ ڈوبے رہے۔ الذی سے پہلے یا تو مصدر محذوف ہے، یعنی کالخوض الذی خاصوا یا الفوج موصوف محذوف ہے۔ (یہ ترکیب اس لئے کی گئی ہے کیوں کہ یہاں قیاس اور قاعدہ نحوی کے مطابق الذین ہونا چاہئے تھا، لیکن الذی استعمال ہوا تو مصنف نے اس کی دو توجیہیں بیان فرما دیں تاکہ سوال کی گنجائش نہ رہے اور تیسری توجیہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ الذی اصل میں الذین تھا تخفیفاً نون گرا دی گئی ہے)۔

ایسے لوگ نہ دنیا میں ثواب کے مستحق ہیں اور نہ آخرت میں ان کے اعمال اکارت جائیں گے اور یہی لوگ دنیا و آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں، یعنی جس طرح تم سے پہلے لوگوں کے اعمال ضائع ہو گئے اور خسارہ میں مبتلا ہوئے، بالکل اسی طرح تمہارے بھی ضائع ہیں اور تم نقصان اٹھانے والے ہو، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ ایک ایک بالشت اور ایک ایک ہاتھ اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کی بل میں داخل ہوئے تو تم بھی ان کی اتباع کرو گے۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ پہلے لوگوں سے آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ فرمایا اور کون ہیں (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ لوگ نہیں ہیں مگر وہی۔ اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے۔ الحاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگ بھی پہلے لوگوں کے طریقوں پر بالشت بالشت، اور ہاتھ ہاتھ چلو گے حتیٰ کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کی بل میں داخل ہوا ہوگا تو تم بھی داخل ہو گے اور اگر ان میں سے کسی نے اپنی بیوی سے راستہ میں جماع کیا ہوگا تو تم بھی ایسا کرو گے (2)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم راستہ اور ہدایت میں بنی اسرائیل کے زیادہ مشابہ ہو، تم بالکل عمل میں ان کے مطابقت کرو گے مگر مجھے یہ معلوم نہیں کہ تم بچھڑے کی پوجا کرو گے یا نہیں۔ (3)

أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ۚ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

"کیا نہ آئی ان کے پاس خبر ان لوگوں کی جو ان سے پہلے گزرے (یعنی) قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور وہ بستیاں جنہیں الٹ دیا گیا تھا آئے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لیکر۔ اور نہ تھا اللہ (کا یہ دستور) کہ ظلم کرتا ان پر بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے۔"

1۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 491 (وزارت تعلیم)
2۔ مستدرک حاکم، جلد 4 صفحہ 502، حدیث: 8404 (العلمیہ)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 79 (الفکر)

۱؎ باتهم میں هم ضمیر کا مرجع منافقین ہیں، خطاب سے غائب کے صیغہ کی طرف التفات کیا گیا ہے۔ الذین من قبلهم مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے پیغمبروں کی نافرمانی کو اپنا شعار بنایا اور احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ اس نافرمانی اور غلط روش کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا۔ آگے ان تباہ شدہ قوموں کی وضاحت فرمادی کہ وہ قوم نوح تھی جنہیں ان کے کفر کی وجہ سے طوفان کے ذریعے تباہ کیا گیا۔ قوم عاد کو باد صرصر کے ذریعے تہس نہس کر دیا گیا، قوم ثمود کو کڑک کے ذریعے نیست و نابود کیا گیا۔ قوم ابراہیم کو نعمتوں کے سلب کرنے، نمرود کو مچھر کے ذریعے ہلاک کرنے اور اس کے ساتھیوں کو بھی مختلف عذابوں میں مبتلا کرنے کے ساتھ تباہ کیا گیا۔ اصحاب مدین سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے جنہیں چھتری والے دن آگ کے ذریعے راکھ کر دیا گیا۔ مؤتفکات سے مراد قوم لوط کے دیہات میں جن کو الٹ دیا گیا تھا، اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا اوپر کر دیا گیا تھا اور کنکروں کی بارش برسائی گئی تھی۔ یہ سب قومیں جن کا تذکرہ ہوا ہے ان کی راہنمائی کرنے اور انہیں شاہراہ ہدایت پر چلانے کے لئے ان کے رسول بالکل واضح معجزات کے ساتھ تشریف لائے، لیکن انہوں نے ان کو جھٹلایا اور انہیں ہلاک کر دیا۔

۲؎ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور سنت نہیں ہے کہ وہ کسی کو بغیر جرم کے سزا دے، لیکن جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ان کے ارشادات کو درخور اعتنا نہ سمجھا جیسا کہ تمہارا کردار ہے اے منافقو! تو ہم نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ اے میرے محبوب کی مخالفت پر کمر بستہ رہنے والو تم بھی ڈرو مبادا تم پر بھی اسی قسم کا عذاب نازل ہو جائے۔

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

"نیز مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں حکم کرتے ہیں نیکی کا اور روکتے ہیں برائی سے اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی یہی لوگ ہیں جن پر ضرور رحم فرمائے گا اللہ۱؎ بیشک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۲؎"

۱؎ مومن مرد اور مومن عورتیں دین کی سربلندی اور اطاعت الٰہی میں ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں، ایمان و اطاعت کی تبلیغ ان کا شیوہ ہے، شرک، نفاق، رسول مکرم ﷺ کی نافرمانی اور جسمانی شہوات کی اتباع سے منع کرتے ہیں، نماز کو حقوق ظاہری اور باطنی کے ساتھ پورے اہتمام سے ادا کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہر معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی وہ بلند بخت ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ضرور رحم فرمائے گا۔ سین جو سیرحمهم سے پہلا آیا ہے یہ فعل کے وقوع کی تاکید کے لئے ہے۔

۲؎ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے کہ کوئی امر اس کی قدرت کے اظہار کے سامنے آڑ اور رکاوٹ نہیں ہے اور ہر کام میں اس کی خاص حکمت کارفرما ہوتی ہے، وہ ہر چیز کو اپنے مناسب مقام پر رکھتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

"وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے باغات کا، رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں۔ یہ ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ نیز (وعدہ کیا ہے) پاکیزہ مکانات کا سدا بہار باغوں میں ۱؎ اور رضائے خداوندی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے ۲؎ یہی تو بڑی کامیابی ہے ۳؎"

۱؎ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً سے ایسے مکان مراد ہیں جن میں زندگی بڑی پاکیزہ ہوتی ہے یا نفس ان میں خوش رہتا ہے۔ عدن کا معنی کسی چیز کا ہمیشہ کسی جگہ پر ٹھہرا رہنا ہے۔ عرب کہتے ہیں عدن بالمکان۔ جب کوئی مکان میں ہمیشہ سے قیام پذیر ہو۔ صاحب مدارک فرماتے ہیں عدن جنت کے اعلیٰ درجہ کا نام ہے اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہے جنت عدن التی وعد الرحمن اور یہ نحو کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ اسماء معرفہ کی صفت جملوں کے ساتھ بیان کرنی ہو تو پہلے ان سے الذی اور التی کو استعمال کیا جاتا ہے، یہ جنت میں ایک شہر ہے۔ میں کہتا ہوں عدن کے علم (نام) ہونے کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے ابن المبارک، الطبرانی اور ابوالشیخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے عمران بن حصین اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کریمہ کے متعلق دریافت کیا گیا (یعنی ومساکن طیبہ فی جنات عدن) تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ ایک موتیوں کا محل ہے جس میں سرخ یاقوت کے ستر گھر ہیں اور ہر گھر میں سبز زمرد کے ستر کمرے ہیں اور ہر کمرے میں پلنگ ہیں اور ہر پلنگ پر ہر رنگ کے ستر بستر ہیں اور ہر بستر پر ایک بیوی ہے جو آہو چشم حور ہے اور ہر کمرہ میں ستر دستر خوان ہیں اور ہر دستر خوان پر ہر قسم کا کھانا ہے اور ہر کمرہ میں ستر خادم اور ستر خادمائیں ہیں اور مومن کو ہر صبح خوراک ملے گی اور ہر مکان میں ملے گی (1)۔ ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العظمۃ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار چیزیں اپنے دست (قدرت) سے پیدا کی ہیں: 1۔ عرش، 2۔ عدن، 3۔ قلم، 4۔ آدم علیہ السلام۔ پھر فرمایا ہر چیز کو کن فرمایا تو وہ ہو گئی۔ بزار، ابن جریر اور دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ المؤتلف والمختلف میں اور ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابودرداء کی حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد روایت کیا ہے کہ عدن اللہ کا گھر ہے جسے کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہے اور نہ کسی انسانی دل میں اس کا تصور آیا ہے، اس میں صرف انبیاء کرام، صدیقین اور شہداء رہائش پذیر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مبارک ہوا سے جو تیرے اندر داخل ہونے کی سعادت سے بہرہ ور ہوا۔ (2)

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو جنتیں ایسی ہیں جن کے برتن اور مزید جو کچھ ان میں ہے سب چاندی کے ہیں، دو جنتیں ایسی ہیں جن کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سب سونے کا ہے، جنت عدن میں لوگوں کے لئے دیدار الٰہی سے مانع صرف اس کی کبرائی کا حجاب ہوگا جو اس کے چہرہ پر ہے (3)۔ امام احمد، طیالسی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو دوسرے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ جنات الفردوس چار ہیں دو سونے کی ہیں (4) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کبریاء کی رداء سے مراد اس کا صفت کبریاء اور عظمت سے ڈھکا ہوا ہوتا ہے، کیونکہ اس کی عظمت و کبریائی کی وجہ سے مخلوق کا کوئی فرد اس کے اذن کے بغیر اس کا دیدار نہیں کر سکے گا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ابن مسعود نے فرمایا کہ جنت عدن، جنت کے درمیان میں ہے، عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک محل ہے جسے عدن کہا جاتا ہے، اس کے ارد گرد بڑے بڑے برج اور

1۔ معجم کبیر، جلد 18 صفحہ 61-160 (العلوم والحکم)
2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 124 (الامیریہ)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 100-99 (قدیمی)
4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 416 (صادر)

سبزہ زار ہیں ان کے پانچ ہزار دروازے ہیں، اس میں صرف نبی یا صدیق یا شہید داخل ہوگا۔ حضرت الحسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عدن ایک سونے کا محل ہے جس میں صرف نبی یا صدیق یا شہید یا عادل حکمران داخل ہوگا۔ عطاء بن السائب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عدن جنت میں ایک نہر ہے جس کے کناروں پر دوسری جنتیں ہیں۔ مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں عدن جنت میں اعلیٰ درجہ ہے جس میں تسنیم کا چشمہ ہے اور اس کے اردگرد دوسری جنتیں ہیں وہ ان سے ڈھکا ہوا ہے اور جب سے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا ہے وہ چھپا ہوا ہے حتیٰ کہ اس میں اس کے اہل یعنی انبیاء کرام، صدیقین، شہداء، صالحین اور جن کو اللہ چاہے گا وہ داخل ہوں گے، اس میں موتیوں، یاقوت اور سونے کے محلات ہیں۔ عرش کے نیچے سے پاکیزہ ہوا چلے گی اور عدن میں موجود افراد کے پاس وہ سفید کستوری کے ڈھیر داخل کرے گی(1)۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض علماء نے لکھا ہے کہ جنتیں سات ہیں:۔ 1۔ دار الخلد، 2۔ دار الجلال، 3۔ دار السلام، 4۔ جنۃ عدن، 5۔ جنۃ الماوی، 6۔ جنۃ نعیم، 7۔ الفردوس۔ بعض علماء نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی بناء پر چار جنت لکھے ہیں کیونکہ اس حدیث میں صرف چار جنتوں کا ذکر ہے۔ حکیم ترمذی نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ دو جنت مقربین کے لئے اور دوسرے دو جنت اصحاب یمین کے لئے ہیں۔ ہر جنت میں کئی درجات کئی منازل اور کئی دروازے ہیں۔ آیت کریمہ میں عطف تغایر کا تقاضا کرتا ہے، اس لئے یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ ہر ایک لئے متعدد جنتیں ہوں یا تمام کے لئے بطور تقسیم مجموعی وعدہ ہو۔ یا عطف تغایر وصفی پر مبنی ہے، یعنی ذات ایک ہے وصف مختلف ہیں، گویا پہلے اس جنت عدن کا یہ وصف بیان فرمایا کہ جن مکانوں کا تصور تمہارے ذہن میں اس جنت کے مکانات اور محلات ان سے کہیں زیادہ خوش کن ہیں تاکہ پہلی آواز کے ساتھ ہی ان کی طبائع مائل ہو جائیں۔ پھر دوسرا وصف بیان فرمایا کہ اس کی زندگی بہت پر لطف ہوگی اور ہر قسم کی کدورتوں سے معری اور منزہ ہوگی جن کدورتوں سے دنیا کے مکان خالی نہیں ہوتے۔ ان محلات و مکانات میں عیش طرب کا ہر سامان ہوگا، جس میں دل کا سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے، پھر تیسرا وصف بیان فرمایا کہ وہ مکانات دائمی ہوں گے، علیین کے جوار میں وہ قائم و ثابت ہیں ان پر فنا اور تغیر کا گزر محال ہے، پھر اہل ایمان پر اس نعمت عظمیٰ کا ذکر فرمایا جو سب نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔

ع۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی سب نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائیں گے اے اہل جنت وہ عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار ہم حاضر ہیں اور تیری سعادت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم (میری ان جنتوں اور نعمتوں میں) خوش ہو، وہ عرض کریں گے کیا وجہ ہے کہ ہم خوش نہ ہوں جبکہ تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہیں ان سے بھی بہتر نعمت عطا کروں گا، وہ عرض کریں گے ان سے بہتر کونسی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تم پر اپنی رضا کو اتارتا ہوں پھر میں کبھی تم پر ناراض نہ ہوں گا(2) (1)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الاوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل فرمائی ہے اور اسے صحیح بھی کہا ہے جب اہل جنت، جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کیا تم مجھ سے کسی چیز کا سوال

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 81 (الفکر) 2۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 969 (وزارت تعلیم)

(1) حدیث شریف میں جو آیا ہے کو کسی مخلوق کو ایسی نعمتیں تو نے عطا نہیں کیں تو مخلوق سے مراد ملائکہ ہیں کیونکہ جن وانس میں سے دوزخی اور اللہ تعالیٰ پر اعتقاد نہ رکھنے والے مراد لینا جائز ہی نہیں ہے۔

کرتے ہو کہ میں تمہاری نعمتوں میں اضافہ کردوں، وہ عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار جو تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے اس سے بہتر کیا ہے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اللہ کی خوشنودی اور رضا تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔(1)

سے یہ رضاء الٰہی یا سابقہ سب نعمتیں مل جانا بہت بڑی کامیابی ہے کیونکہ ان کے مقابلہ میں ہر نعمت حقیر اور بے وقعت ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٧٣﴾

"اے نبی کریم! جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں کے ساتھ اور سختی کیجئے ان پر اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ا۔"

ا۔ اے نبی مکرم ﷺ کفار و منافقین سے تلوار کے ساتھ جہاد کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور الضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں زبان سے جہاد کرنے کا حکم ہو رہا ہے کہ نرم لہجہ میں نہیں بلکہ ان سے تند انداز گفتگو اپناؤ (کیونکہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے)۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ حدود کے قائم کرنے کا حکم ہے۔ ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نبی کریم کو حکم ہو رہا ہے کہ ہاتھ سے جہاد کرو اگر یہ نہ ہو سکے تو زبان سے جہاد کرو، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے کرو اور فرمایا منافق سے سخت منہ سے بات کرو۔ ان بدبختوں کا آخرت میں ٹھکانا جہنم ہے، عطاء فرماتے ہیں اس آیت کریمہ نے معافی اور درگزر کے تمام احکامات کو منسوخ کر دیا ہے۔

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ ۖ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٧٤﴾

"قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انہوں نے یہ نہیں کہا ا۔ حالانکہ یقیناً انہوں نے کہی تھی کفر کی بات ۲۔ اور انہوں نے کفر اختیار کیا اسلام لانے کے بعد ۳۔ اور انہوں نے ارادہ بھی کیا ایسی چیز کا جسے وہ نہ پا سکے اور نہیں خشمناک ہوئے وہ مگر اس پر کہ غنی کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے ۴۔ سو اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ بہتر ہوگا ان کے لئے ۵۔ اور اگر وہ روگردانی کریں تو عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ عذاب الیم دنیا اور آخرت میں ۶۔ اور نہیں ہوگا ان کا روئے زمین میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار ۷۔"

ا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس ابھی ایک شخص آئے گا جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ پس فوراً ایک نیلی آنکھوں والا شخص آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا تو اور تیرے ساتھی میرے متعلق بدزبانی کیوں کرتے ہو، تو وہ اٹھ کر چلا گیا اور پھر

1۔ مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 781، حدیث 18773 (الفکر)

اپنے ساتھیوں کو لیکر آ گیا، سب نے قسمیں اٹھادیں کہ ہم نے یہ باتیں نہیں کہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے درگزر فرمایا (1) تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جلاس بن سوید بن الصامت ان افراد میں تھا جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ سے الگ ہو گئے تھے۔ اس نے کہا اگر یہ شخص محمد (ﷺ) سچا ہے تو ہم گدھوں سے بھی برے ہیں، عمیر بن سعد نے اس کی یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتادی، تو جلاس اپنی بات سے مکر گیا اور قسم اٹھادی کہ میں نے یہ بات نہیں کی۔ پس یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی۔ جلاس نے توبہ کرلی اور بہت اچھی توبہ کی۔ کعب بن مالک سے بھی ابن ابی حاتم نے اسی طرح نقل کیا ہے، ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کعب سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں عروہ سے اسی طرح نقل کی ہے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اسی طرح ذکر کیا ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ جلاس بن سوید کے بارے نازل ہوئی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا آپ نے منافقین کا ذکر فرمایا اور ان کو ناپاک اور رجس فرمایا اور ان کے عیوب بیان فرمائے، جلاس نے کہا اگر محمد (ﷺ) سچا ہے تو ہم گدھوں سے بھی زیادہ برے ہیں، عامر بن قیس نے اس کی بات سن لی، حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بالکل ٹھیک ہے، محمد ﷺ سچے ہیں اور تم گدھوں سے بھی برے ہو، جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو عامر بن قیس نے جلاس کی ساری گفتگو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتادی۔ جلاس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ مجھ پر جھوٹا بہتان لگا رہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو فرمایا کہ تم منبر کے پاس قسم اٹھاؤ۔ جلاس عصر کے بعد منبر کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی اور عامر نے میرے متعلق جھوٹ بولا ہے، پھر عامر اٹھے انہوں نے قسم اٹھادی کہ اس نے یہ بات کہی تھی اور میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ پھر حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے آسمان کی طرف اپنے ہاتھ بلند کئے اور یہ دعا کی اے اللہ اپنے سچے نبی پر ہماری سچائی کو نازل فرما، اس دعا پر رسول اللہ ﷺ اور تمام مومنین نے آمین کہی۔ اسی وقت جبرئیل علیہ السلام لوگوں کے بکھرنے سے پہلے یہ آیت کریمہ لیکر پہنچ گئے۔ جب فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَكُ خَیْرًا لَّهُمْ پر پہنچے تو جلاس کھڑا ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں اللہ کا کلام سن رہا ہوں کہ اس نے مجھ پر توبہ پیش کی ہے۔ عامر بن قیس اپنی بات میں سچا ہے، واقعی میں نے یہ بات کی تھی۔ اب میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اس جرم کی معافی چاہتا ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی توبہ قبول فرمائی اور پھر جلاس نے اپنی توبہ کی خوب پاسداری کی اور اس کے حسب تقاضے مکمل کئے (2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں زید بن ارقم نے ایک منافق شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا، جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اگر یہ شخص سچا ہے تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچائی گئی تو کہنے والے نے انکار کر دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں ہمیں بتایا گیا کہ دو شخص جن میں سے ایک کا تعلق قبیلہ جہینہ سے تھا اور دوسرے کا تعلق قبیلہ غفار سے تھا اور جہینہ انصار کے حلیف تھے۔ یہ آپس میں لڑ پڑے غفاری شخص جہنی پر غالب آ گیا۔ عبداللہ بن ابی الاوس نے کہا اپنے بھائی کی مدد کرو قسم بخدا ہماری محمد کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کہا تھا اپنے کتے کو موٹا کرو (یہ تجھے ہی کاٹے گا)۔ اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹے تو عزت والا ذلیل کو اس سے نکال دے گا۔ ایک

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 128 (الامیریہ)

2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 88-82 (الفکر)

مسلمان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ بات پہنچا دی۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی الاوس کو بلا کر پوچھا اس نے قسم اٹھا کر کہا کہ میں نے یہ بات نہیں کی اس وقت اللہ تعالیٰ نے یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا کا ارشاد نازل فرمایا۔ یہ واقعہ غزوۂ بنی مصطلق کا ہے، ہم نے سورۂ منافقین میں ذکر کر دیا ہے۔

۲۔ كَلِمَةَ الْكُفْرِ سے مراد بعض علماء فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ کو سب و شتم کرنا ہے۔ بعض فرماتے ہیں اس سے مراد جلاس کا قول ہے کیونکہ اس نے کہا تھا اگر محمد ﷺ سچے ہیں تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ بعض فرماتے ہیں ان کا یہ قول ہے کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا۔

۳۔ اسلام کو ظاہر کرنے کے بعد کفر کا اظہار کیا اور انہوں نے ارادہ کیا جس کو وہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ بارہ منافق تھے جو تبوک کے راستہ میں گھاٹی پر ٹھہرے ہوئے تھے تاکہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیں، جبرئیل امین آئے اور فرمایا کہ آپ ایک شخص کو بھیجیں جو ان بد ارادہ رکھنے والوں کی سواریوں کو مار مار کر واپس لوٹا دے۔ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اسی کام پر مامور فرمایا۔ یہ واقعہ پہلے تفصیل سے گزر چکا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اسود نامی شخص نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ مجاہد فرماتے ہیں منافقوں نے اس مسلمان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا جس نے ان کی یہ بات سن لی تھی کہ محمد ﷺ سچے ہیں تو ہم گدھوں سے بدتر ہیں۔ تاکہ وہ ان کا راز افشا نہ کرے (1)۔ بعض علماء فرماتے ہیں غزوۂ بنی مصطلق میں منافقوں نے رسول کریم ﷺ اور مومنین کو نکالنے کا ارادہ کیا تھا (اس ارادہ سے وہ ارادہ مراد ہے)۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں منافقوں نے کہا تھا کہ جب ہم مدینہ طیبہ لوٹیں گے تو ہم عبداللہ بن ابی کے سر پر ریاست کا تاج سجائیں گے لیکن وہ اس ارادہ میں کامیاب نہ ہوئے۔(2)

۴۔ اس انتقام و عداوت اور ناپسندیدگی کی اور کوئی وجہ نہیں سوائے اس کے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان پر فضل و کرم فرمایا (جس کی وجہ سے یہ بد فطرت اور کمینے لوگ بگڑ گئے) فضل و احسان ہر صاحب دل کے نزدیک محبوب و مرغوب چیز ہے جو محبت و فرمانبرداری کا موجب ہے، نہ کہ عداوت و انتقام کا۔ یہ جملہ هموا کے فاعل سے حال ہے اور ان کے خبث باطنی اور بدنیتی کو بیان کر رہا ہے کیوں کہ انہوں نے احسان کے مقابلہ میں عداوت و احسان فراموشی کا ثبوت دیا تھا۔ ابن جریر اور ابو الشیخ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مولیٰ بن عدی بن کعب نے انصاری آدمی کو قتل کر دیا تو حضور ﷺ نے اس پر بارہ ہزار درہم دیت کا فیصلہ فرمایا۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جلاس کا غلام قتل ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی دیت بارہ ہزار درہم مقرر فرمائی تو وہ غنی ہو گیا۔ اس کے متعلق یہ ارشاد اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ نازل ہوا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ کے مدینہ طیبہ میں قدم رنجہ فرمانے سے پہلے بہت تنگ اور فقر کی زندگی گزارتے تھے۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو غنائم کے ملنے کی وجہ سے وہ خوشحال اور مالدار ہو گئے۔(3)

۵۔ اگر وہ اپنے کفر اور نفاق سے توبہ کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے، پہلے گزر چکا ہے کہ یہی آیت کریمہ جلاس کی توبہ کا باعث بنی۔

۶۔ اگر وہ توبہ اور اخلاص سے اعراض کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں رسوائی اور ذلت یا قتل کا دردناک عذاب دے گا اور آخرت میں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 83 (الفکر) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 83 (الفکر) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 83 (الفکر)

بھڑکتی آگ سے ان کی تواضع کی جائے گی۔

یعے ان کے لئے کوئی مددگار اور معاون نہ ہوگا جو انہیں اس عذاب یعنی قتل اور رسوائی سے بچا سکے گا۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ اور اسی طرح ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، طبرانی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے شعب الایمان میں ابوامامہ الباہلی سے روایت کیا ہے کہ ثعلبہ بن حاطب الانصاری رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تیرے لیے رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ کافی نہیں ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میں چاہتا کہ یہ پہاڑ میرے ساتھ سونا بن کر چلیں تو میرے ساتھ چلتے، اس نے پھر وہی عرض کی یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے مالدار کردے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو برحق نبی مبعوث فرمایا اگر مجھے دولت ملی تو میں ہر حقدار کو اس کا حق ادا کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ ارْزُقْ ثَعْلَبَۃَ مَالًا یا اللہ ثعلبہ کو مالدار کردے۔ راوی فرماتے ہیں اس نے چند بکریاں خریدیں تو دعائے نبوت کی برکت سے ایسی بڑھیں جیسے کیڑے بڑھتے ہیں، بکریوں کی کثرت کی وجہ سے ثعلبہ پر شہر کا ماحول تنگ ہوگیا۔ وہ شہر سے دور چلا گیا اور ایک وادی میں بکریوں کو بٹھانے لگا۔ وہ نگاتار بڑھتی چلی گئیں۔ پہلے وہ ظہر اور عصر کی نماز رسول اللہ ﷺ کی معیت میں پڑھتا تھا اور بقیہ نمازیں اپنے ریوڑ میں پڑھتا تھا۔ پھر وہ بکریاں اتنی زیادہ ہوگئیں کہ ان کی دیکھ بھال اور ان کی کثرت کے باعث مصروفیات اتنی بڑھیں کہ وہ اب صرف جمعہ کو حاضر ہوتا تھا۔ جب مزید بڑھ گئیں تو نہ جمعہ کو حاضر ہوسکتا تھا نہ جماعت میں۔ جب جمعہ کا دن ہوتا تو لوگوں سے مل کر حالات دریافت کرتا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ان کا تذکرہ فرمایا اور پوچھا ثعلبہ کو کیا ہوا (کبھی نظر نہیں آیا)۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ثعلبہ اپنی بکریاں لیکر وادی میں ٹھہرا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا ویح ثعلبہ یا ویح ثعلبہ یا ویح ثعلبہ (ثعلبہ ہلاک ہوگیا ثعلبہ ہلاک ہوگیا، ثعلبہ ہلاک ہوگیا) اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا حکم نازل فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص بنی سلیم کا اور ایک شخص جہینہ کا زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر فرمائے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں افراد کو قابل زکوٰۃ جانوروں کی عمریں لکھ کر دیں اور زکوٰۃ وصول کرنے کا طریقہ بھی تحریر کردیا اور حکم دیا کہ ثعلبہ بن حاطب اور بنی سلیم کے فلاں شخص سے صدقات وصول کریں۔ وہ دونوں شخص ثعلبہ کے پاس آئے اور زکوٰۃ کا سوال کیا اور رسول اللہ ﷺ کی تحریر پڑھ کر سنائی، ثعلبہ نے کہا یہ تو ٹیکس ہے (جو غیر مسلموں پر ہوتا ہے) اس میں اور جزیہ میں کیا فرق ہے۔ اب تم دونوں آگے چلے جاؤ، جب دوسرے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرکے فارغ ہو جاؤ تو پھر میری طرف لوٹ آنا۔ وہ چلے گئے، جب سلمی شخص کو حضور ﷺ کے کارندوں کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے موٹے تازے، عمدہ جانور چن کر زکوٰۃ کے طور پر پیش کردیئے۔ جب ان کارندوں نے وہ عمدہ جانور دیکھے تو کہنے لگے تجھ پر یہ تو لازم نہ تھے۔ اس نے کہا تم لے لو، میرا نفس اس ادائیگی پر پوری طرح مطمئن اور خوش ہے۔ وہ دونوں افراد لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرکے پھر ثعلبہ کے پاس پہنچ گئے۔ ثعلبہ نے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ کی لکھی ہوئی تحریر دکھاؤ۔ اسے پڑھا تو کہنے لگا یہ زکوٰۃ بھی تو جزیہ (ٹیکس) ہے۔ یہ زکوٰۃ بالکل جزیہ کے مترادف ہے۔ تم دونوں اب واپس جاؤ میں کچھ سوچ لوں۔ راوی فرماتے ہیں جب وہ دونوں شخص واپس آئے تو ان کے کلام کرنے سے پہلے حضور ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا یا ویح ثعلبہ یا ویح ثعلبہ یا ویح ثعلبہ (ثعلبہ ہلاک ہوگیا) پھر سلمی

شخص (جس نے زکوۃ کے لئے عمدہ جانور بطیب خاطر دیئے تھے) کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ بعد میں ان دونوں کارندوں نے ثعلبہ کا طرزِ عمل بتایا(1)۔ اللہ تعالیٰ نے ثعلبہ کے متعلق یہ ذیل کی آیت نازل فرمائی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾

"اور کچھ ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے وعدہ کیا اللہ کے ساتھ کہ اگر اس نے دیا ہمیں اپنے فضل سے [1] تو ہم دل کھول کر خیرات دیں گے اور ضرور ہو جائیں گے نیکو کاروں میں [2]"

[1] منھم کی ضمیر کا مرجع منافقین ہیں۔ لنصدقن اصل میں لنتصدقن تھا، تاء کو صاد میں مدغم کیا گیا ہے۔

[2] ابن جریر، ابن مردویہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے العوفی کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس ارشاد کا یہ مطلب روایت کیا ہے کہ وہ اہل صلاح جیسا عمل کرے گا، یعنی صلہ رحمی، زکوۃ، صدقات واجبہ اور مستحبہ کو رضائے الٰہی کے لئے ادا کرے گا۔

فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

"پس جب اس نے عطا فرمایا انہیں اپنے فضل سے تو کنجوسی کرنے لگے اس کے ساتھ اور روگردانی کر لی اور وہ منہ پھیرنے والے ہیں [1]"

[1] یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے تو وہ اس مال پر سانپ بن کر بیٹھ گئے اور حقوق الٰہی ادا کرنے سے باز رہے اور اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول سے منہ پھیر لیا اور منافق قوم کی اعراض کرنا پرانی عادت ہے۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

"پس اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے نفاق جما دیا ان کے دلوں میں اس دن تک جب ملیں گے اس کو اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف ورزی کی اللہ سے جو وعدہ انہوں نے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے [1]"

[1] اللہ تعالیٰ یا بخل نے ان کا انجام بداعتقادی پر کر دیا، اور یہ بداعتقادی ان کے دلوں میں یوں راسخ ہو گئی کہ زکوۃ کے وجوب کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس اسلام کے بنیادی رکن کو جزیہ کے مترادف سمجھتے تھے اور یہ نفاق اس وقت تک ان کے دلوں میں جما رہے گا جب تک کہ یہ مر کر اللہ سے ملاقات کریں گے یا اپنے اعمال کی جزاء پائیں گے۔ ملاقات کے دن سے مراد قیامت کا دن ہے یا قبر میں پہنچنے کا دن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ کی توفیق سے محروم کر دیا، یہ اب نفاق کی نحوست پر ہی مریں گے اور یہ سزا انہیں اس لئے دی گئی کیونکہ انہوں نے تصدیق اور صلاح کا جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور جھوٹ بولتے تھے۔ وعدہ خلافی کے ضمن میں جھوٹ بھی ہوتا ہے۔ اس لئے یہ دو اعتبار سے قبیح اور قابل مذمت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بولتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے، جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرتا ہے(2)۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ مسلم کے الفاظ آخر میں وان صام وصلی زائد ہیں، یعنی اگرچہ وہ نمازی اور روزہ دار بھی ہو اور اپنے آپ کو مسلمان بھی گمان کرتا ہو۔ امام بغوی اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابی امامہ کی مذکورہ بالا حدیث میں ثعلبہ کے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 85-84 (الفکر)   2۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 10 (وزارت تعلیم)

متعلق آیت کے نزول کا ذکر کیا ہے۔ اس میں بیان کیا ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے پاس ثعلبہ کا ایک رشتہ دار بیٹھا تھا۔ وہ یہ آیت سن کر فوراً ثعلبہ کے پاس پہنچا اور اسے کہا اے ثعلبہ تو ہلاک ہو گیا، تیرے متعلق اس طرح قرآن نازل ہوا ہے، ثعلبہ دوڑتا ہوا نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا اور عرض کی حضور ﷺ! میرا صدقہ قبول فرمالیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ ثعلبہ نے اپنے سر میں مٹی ڈالنی شروع کر دی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ سب تیرے عمل کا نتیجہ ہے، میں نے تجھے حکم دیا تھا، تو نے میری بات نہیں مانی تھی۔ جب حضور ﷺ نے اس کا صدقہ قبول نہ کیا تو مایوس ہو کر گھر لوٹ آیا، پھر جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی آپ میرا صدقہ قبول فرمالیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو صدقہ رسول اللہ ﷺ نے قبول نہیں کیا میں وہ قبول کرلوں؟ (یہ ناممکن ہے)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وصال تک اس کی زکوٰۃ قبول نہ کی، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو ثعلبہ پھر حاضر ہوا اور عرض کی قبلہ میرا صدقہ قبول فرمالیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو صدقہ تجھ سے نہ رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا اور نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قبول فرمایا میں قبول کرلوں (یہ ناممکن ہے)۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وہ صدقہ قبول نہ فرمایا، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو ثعلبہ حاضر ہوا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے بھی وہ قبول نہ فرمایا۔ ثعلبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہلاک ہو گیا تھا۔ (1)

حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر اور قتادہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ثعلبہ انصار کی ایک مجلس میں آیا اور انہیں گواہ بنا کر کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل سے مال عطا فرمائے تو میں اس مال میں سے ہر حقدار کا حق ادا کروں گا اور صدقہ وخیرات کروں گا اور اس کے ساتھ قرابت داری کو قائم رکھوں گا۔ ثعلبہ کا چچا زاد بھائی مر گیا تو وہ مال کا وارث بنا لیکن جو کچھ اس نے بھری مجلس میں وعدہ کیا تھا پورا نہ کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل فرمادی۔ الحسن اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ ثعلبہ بن حاطب اور معتب بن قشیر کے بارے نازل ہوئی، ان دونوں کا تعلق بنی عمرو بن عوف سے تھا۔ یہ دونوں ایک مجمع میں آئے اور کہنے لگے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں مال عطا فرمائے تو ہم صدقہ وخیرات کریں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے رزق عطا فرمایا تو بخل کرنے لگے۔

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿٧٨﴾

"کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کے راز کو اور ان کی سرگوشی کو اور یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے سارے غیبوں کو[1]"

1۔ لم یعلموا کی ضمیر کا مرجع یا تو منافقین ہیں یا من عاھد اللہ ہے، یعنی جب انہوں نے اپنے قلبی میلان کے خلاف اظہار کیا تو انہیں معلوم نہ تھا اللہ تعالیٰ تو اس نفاق کو بھی جانتا ہے جو وہ اپنے نہاں خانہ دل چھپائے ہوئے ہیں یا اس ارادہ کو بھی جانتا ہے جو وہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرنے کا اپنے ذہنوں میں کیے ہوئے ہیں اور وہ ان کی طعن وتشنیع کو بھی جانتا ہے جو آپس میں بیٹھ کر کرتے ہیں۔ یا یہ جو زکوٰۃ کو ٹیکس کہتے ہیں اس کو بھی جانتا ہے، اس سے تو کوئی چیز مخفی نہیں ہے، (وہ ہمہ بین اور ہمہ دان رب ہے)۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو ہم اس وقت اپنی پیٹھوں پر مزدوری کیا کرتے تھے۔ ایک شخص صدقہ کرنے کے لئے بہت سا مال لایا تو منافقین نے کہا یہ ریاکاری اور نمائش کے لئے

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 131 (الامیریہ)

اتنا مال لایا ہے، پھر ایک نادار شخص ایک صاع (کھجور) لیکر آیا تو منافق کہنے لگے اللہ تعالیٰ اس شخص کے ایک صاع کھجور کے صدقہ سے مستغنی ہے(1) اس وقت یہ ذیل کی آیت نازل ہوئی۔

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۹﴾

"جو لوگ (ریاکاری کا) الزام لگاتے ہیں خوشی خوشی خیرات کرنے والوں پر مومنوں سے اور جو (نادار) نہیں پاتے بجز اپنی محنت ومشقت کی مزدوری کے تو یہ ان کا بھی مذاق اڑاتے ہیں اللہ تعالیٰ سزا دے گا انہیں اس مذاق کی اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔"

یلمزون کا معنی یعیبون ہے، یعنی عیب لگاتے ہیں۔ اسم موصول (الذین) مذمت کی بناء پر مرفوع یا منصوب ہے، یا سخر منهم کی ضمیر سے بدل ہے یا مبتدا ہے اور اس کی خبر سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ہے۔ المطوعین اصل میں المتطوعین تھا، تاء کو طاء میں ادغام کردیا گیا، اس کا معنی رغبت کرنے والے ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مفسرین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صدقات پیش کرنے پر برانگیختہ کیا تو عبدالرحمٰن بن عوف چار ہزار درہم لیکر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرا کل مال آٹھ ہزار تھا جن میں سے چار ہزار آپ ﷺ کی خدمت میں لایا ہوں، اسے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صرف فرمائیں۔ چار ہزار درہم میں اپنے اہل وعیال کے لئے چھوڑ آیا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیرے اس مال میں بھی برکت دے جو تو نے راہ خدا میں دیا ہے اور اس مال میں بھی برکت دے جو تو نے اپنے اہل عیال کے لئے چھوڑا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کی دعا کی برکت سے ان کے مال میں اتنی برکت فرمائی کہ جس دن آپ کا وصال ہوا تو آپ کی دو بیویوں کا آٹھواں حصہ ایک سو ساٹھ ہزار درہم بنتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک بیوی نے 80 ہزار درہم چوتھائی حصہ پر صلح کر لی تھی جب کہ ان کا حق اس سے بھی زیادہ بنتا تھا۔ اسی دن عاصم بن عدی عجلانی نے ایک سو وسق کھجور صدقہ کئے تھے اور ابو عقیل انصاری نے ایک صاع کھجور پیش کیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے ساری رات پانی کھینچنے کی مزدوری کرتے ہوئے گزاری ہے جس کی اجرت مجھے دو صاع کھجور ملے ہیں۔ ایک صاع میں نے گھر والوں کے لئے رکھا ہے اور دوسرا صاع آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُسے فرمایا اس صاع کو صدقہ کے ذخیروں پر بکھیر کر ڈال دو۔ تو منافق اس ایثار وقربانی پر جلنے لگے اور الزام لگانے لگے کہ عبدالرحمٰن اور عاصم نے فقط ریاکاری اور اپنی فیاضی کی شہرت کے لئے اتنا بڑا مال دیا ہے، اور اللہ اور اس کا رسول ابی عقیل کے اس تھوڑے سے صدقہ سے بے نیاز ہیں۔ اس نے محض اس لئے صدقہ دیا ہے تا کہ ان کی غربت کا ذکر ہو جائے اور اسے صدقہ دیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ المطوعین سے مراد عبدالرحمٰن اور عاصم ہیں اور اَلَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ سے مراد ابوعقیل ہیں(2)۔ میں کہتا ہوں یہ واقعہ امام احمد، ابن جریر اور ابن مردویہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور عبدالرحمٰن کی ایک بیوی کا ایک حصہ سے مصالحت کرنے کا واقعہ الطبرانی نے ابوعقیل کی حدیث سے بیان کیا ہے، عبدالرحمٰن کی بیوی کا نام تماضر تھا۔ یہی واقعہ بالکل اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابوسعید الخدری، ابوعقیل، عمیرہ بنت سہل بن رافع رضی اللہ عنہم

1۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 190 (وزارت تعلیم)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 88-87 (الفکر)

سے بھی مروی ہے۔ ان تمام روایات کو ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔

۱؎ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں سے استہزاء کرنے والوں کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا، ان میں سے ایک کو داخل ہونے کے لئے کہا جائے گا تو وہ اپنے کرب وغم کے ساتھ آئے گا۔ جب دروازہ کے قریب پہنچے گا تو دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ ان سے اسی طرح کا معاملہ ہوتا رہے گا حتیٰ کہ ان میں سے ایک کے لئے جنت کا دروازہ کھلا ہوگا پھر اسے داخل ہونے کو کہا جائے گا لیکن وہ مایوسی کی وجہ سے آگے نہیں بڑھے گا(1)۔ اللہ تعالیٰ ان مسخروں کو ان کے کفر اور مذاق کی سزا اور دردناک عذاب سے دے گا۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عبداللہ جو عبداللہ بن ابی منافق کا بیٹا تھا، وہ مخلص لوگوں میں سے تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی حضور ﷺ میرا باپ مرض موت کی حالت میں ہے اس کے لئے دعا فرمائیں، آپ ﷺ نے اپنے وفا شعار غلام کی دلجوئی کے لئے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے حق میں دعا کر دی(2) اللہ تعالیٰ نے اس وقت ذیل کی آیت نازل فرمائی۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

"آپ بخشش طلب کریں ان کے لئے یا نہ کریں اگر آپ بخشش طلب کریں ان کے لئے ۱؎ ستر بار جب بھی نہ بخشے گا اللہ تعالیٰ انہیں ۲؎ یہ محض اس لئے ہے کہ انہوں نے انکار کیا اللہ کا اور اس کے رسول (مکرم) کا اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا نافرمان قوم کو ۳؎"

۱؎ یعنی رسول مکرم ﷺ کا منافقین کے لئے بخشش طلب کرنا یا نہ کرنا منافقین کو فائدہ نہ دینے میں برابر ہے۔ یہاں امر بھی خبر ہے۔

۲؎ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ستر مرتبہ سے زیادہ دعا کروں گا۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ آپ کا ان کے لئے استغفار کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔ امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اسی کے ہم معنی حدیث روایت کی ہے، ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ، مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے العوفی کے واسطہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنے رب کا کلام سن رہا ہوں، اس نے مجھے ان کے متعلق رخصت دی ہے، قسم بخدا میں ستر مرتبہ سے زیادہ ان کے لئے استغفار کروں گا۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دے۔ تو اس وقت یہ ارشاد نازل ہوا کہ آپ ﷺ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں انہیں کچھ مفید نہیں(3)۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضور نبی رحمت ﷺ نے سبعین (ستر) کے لفظ سے عدد مخصوص سمجھا کیونکہ یہی اصل ہے اور یہ سمجھا کہ یہ حد ہے اور اس کے بعد کا حکم اس کے مخالف ہے، (یعنی ستر مرتبہ منع ہے اور زیادہ مرتبہ دعا کرنا منع نہیں ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ سبعین سے مراد کثرت ہے، مخصوص حد نہیں ہے۔ سات، ستر اور سات سو کے کلمات کا استعمال کثرت کے معنی میں عام ہے کیونکہ سات عدد کی تمام اقسام پر مشتمل ہے(4) کیونکہ عدد قلیل بھی ہوتا ہے اور کثیر بھی۔ پس تین سے کم قلیل ہے اور

1۔ شعب الایمان، جلد 5 صفحہ 311 (العلمیہ)
2۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کازرونی، جلد 3 صفحہ 161 (الفکر)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 88 (العلمیہ)
4۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کازرونی، جلد 3 صفحہ 162 (الفکر)

تین اور اس سے زائد کثیر ہے اور کثیر کا کم از کم فرد تین ہے اور آخر کی کوئی غایت و حد نہیں ہے۔ اسی طرح عدد کی دو قسمیں ہیں جفت اور طاق پہلا جفت عدد دو ہے اور پہلا طاق عدد تین ہے اور ایک عدد نہیں ہے، اور سات ان دونوں قسموں میں پہلی جمع کثیر ہے کیونکہ اس میں تین طاق عدد ہیں اور تین جفت عدد ہیں اور دس حساب کا کمال ہے کیونکہ جو دس سے زائد ہیں وہ دس پر اکائیوں کا اضافہ ہے مثلاً احد عشر، ثلثة عشر (بارہ، تیرہ) اسی طرح بیس تک اور بیس، دس کا دوگنا ہے اور تیس دس کا تین گنا ہے، اسی طرح سو تک ہے، پس ستر کثرت اور جفت طاق کی نوع کا جامع ہے۔ سات سے کثرت اور دس پر حساب مکمل ہوتا ہے، لہٰذا ستر ہر جانب سے کثیر اعداد کا کم سے کم مجموعہ ہے اور کثرت عدد کی کوئی غایت و انتہا نہیں ہے، اس لئے ستر کہنے سے اس معنی کی تخصیص جائز ہے، گویا یہ عدد تمام کا عدد ہے۔
ع مغفرت و بخشش سے مایوس کرنے کی وجہ ہماری طرف سے بخل نہیں اور نہ اے محبوب تیری ذات میں کوئی قصور ہے بلکہ یہ اپنے کفر طاری کے سبب ہماری بخشش کے اہل ہی نہیں رہے اور اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ وہ کفر میں سرکش گھوڑوں کی طرح دوڑنے والوں کو ہدایت کا نور عطا نہیں فرماتا۔ واللّٰہ یھدی القوم الفاسقین سابقہ حکم پر دلیل کی طرح ہے کیونکہ کافر کی مغفرت کا دارومدار کفر سے توبہ اور حق کی طرف متوجہ ہونے پر ہے لیکن جو کفر میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے اور کفر کی غلاظت جس پر تہہ در تہہ جمی ہوئی ہے اس سے نہ کفر دور ہوتا ہے اور نہ وہ ہدایت پاتا ہے۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْۤا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝

”خوش ہو گئے پیچھے چھوڑے جانے والے اپنے (گھر) بیٹھے رہنے پر۱ اللہ کے رسول کی (جہاد پر) روانگی کے بعد اور ناگوار تھا انہیں کہ جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے راہ خدا میں۲ اور (دوسروں کو بھی) کہتے مت نکلو اس سخت گرمی میں۳ فرمائیے دوزخ کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے۴ کاش! وہ کچھ سمجھتے ہے۵“

۱ یہ غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے والوں کی کمزوریوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ المخلف کا معنی متروک ہے (چھوڑا ہوا)۔ خلاف رسول اللّٰہ کا معنی ابوعبیدہ نے یہ کیا ہے کہ رسول اللہ کے بعد۔ بعض علماء فرماتے ہیں خلاف بمعنی المخالفة ہے۔ اس صورت میں اس پر نصب علت ہونے یا حال ہونے کی بناء پر ہے، یعنی وہ رسول کریم ﷺ کی مخالفت پر خوش ہوئے جبکہ وہ آپ ﷺ کی مخالفت کرنے والے تھے۔ بمقعدھم کا معنی جنگ سے پیچھے رہ کر بیٹھ جانا ہے۔
۲ اس کلام میں اشارہ ہے کہ مسلمانوں نے تو اپنے فانی مال اور نفسوں کے نذرانے پیش کر کے رضاء الٰہی حاصل کر لی ہے اور مال اور نفسوں پر رضاء الٰہی کو ترجیح دی ہے، لیکن منافقین اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مالی خدمت یا جانی قربانی دینے کو ناپسند کرتے ہیں۔
۳ منافقین میں ایک برائی یہ بھی تھی کہ وہ دوسروں کو بھی جہاد میں شمولیت سے منع کرتے تھے کہتے دیکھو کتنی سخت گرمی ہے، کلیجہ منہ کو آ رہا ہے، اتنا طویل سفر ہے، نیز بے سروسامانی ہے، دشمن اسلحہ سے لیس ہے، اس لئے نہ جاؤ۔
۴ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھ جہاد میں نکلنے کا حکم فرمایا اور

اس وقت سخت گرمی کا موسم تھا۔ ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! گرمی بڑی شدید ہے ایسے موسم میں جانا بہت مشکل ہے، اس لئے آپ ﷺ اس گرمی میں نہ نکلیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا قل نار جھنم اشد حرا۔ اے محبوب آپ فرما دیجئے کہ دوزخ کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے(1)۔ تم کتنے جاہل ہو کہ تم نے ارشاد الٰہی کی مخالفت کر کے اس دوزخ کی آگ کو ترجیح دی ہے۔ اس ارشاد میں منافقوں کو جاہل اور احمق تصور کیا گیا ہے کیونکہ جو اپنے آپ کو ایک لحہ کی تکلیف سے بچاتا ہے اور اس کے سبب اپنے آپ کو بڑی مصیبت میں گرفتار کرتا ہے وہ احمق ترین آدمی ہے۔

ے یفقھون کا معنی یعلمون ہے۔ یعنی کاش وہ جانتے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مصحف ابن مسعود میں اسی طرح ہے(2)۔ یعنی کاش وہ جان لیتے جو انہیں اس مخالفت کے نتیجہ میں سزا ملے گی۔ یا یہ معنی کہ کاش وہ جان لیتے کہ وہ آگ کتنی سخت اور خوفناک ہے تو وہ اطاعت رسول پر مخالفت کو ترجیح نہ دیتے۔ محمد بن یوسف صالحی لکھتے ہیں کہ جد بن قیس اور دوسرے منافق مسلمانوں کو جہاد میں جانے سے روکتے تھے۔ جد بن قیس نے جہاد کے حکم میں کمزوری پیدا کرنے اور حق میں شک ڈالنے اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق جھوٹی افواہیں پھیلانے کی غرض سے جبار بن صخر اور بنی مسلمہ کے دوسرے ساتھیوں سے کہا کہ اس شدید گرمی میں نہ نکلو۔ اللہ تعالیٰ نے قل نار جھنم اشد حرا کا ارشاد فرمایا(3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سخت گرمی کے موسم میں تبوک کی طرف تشریف لے گئے تو بنی سلمہ نے ایک شخص سے کہا اس گرمی میں نہ نکلو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے قل نار جھنم اشد حرا کا ارشاد نازل فرمایا(4)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں ابن اسحاق عن عاصم بن عمر ابو قتادہ وعبداللہ بن ابی بکر بن حزم کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ ایک منافق آدمی نے کہا اس گرمی میں نہ نکلو۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت یہ ارشاد نازل فرمایا۔

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا ۚ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾

"تو انہیں چاہئے کہ ہنسیں تھوڑا اور روئیں زیادہ یہ سزا ہے جو وہ کمایا کرتے تھے"

لے منافقین جب جہاد میں شریک ہونے سے پیچھے رہ گئے اور وہ اپنے پیچھے رہ جانے پر بغلیں بجارہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے کہا دنیا میں کم ہنسو۔ قلیلا یا تو مصدر کی صفت ہونے کی وجہ سے مفعول مطلق ہے یا زمانہ کی صفت ہونے کی وجہ سے مفعول فیہ ہے۔

ے اور آخرت میں انہوں نے کثرت سے رونا ہے، یہ ظاہراً امر ہے لیکن معنیٰ خبر ہے، ان کی دنیا و آخرت کی حالت کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ دنیا میں ہنسی خوشی کر لیں، آخرت میں انہوں نے رونا ہی رونا ہے، خبر کو امر کی صورت میں ذکر فرمانے میں یہ حکمت ہے تا کہ دلیل بن جائے کہ ایسا ہونا حتمی ہے۔ ہنسنا اور رونا یا تو حقیقت پر محمول ہیں، یا خوشی اور غم سے کنایہ ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ آخرت میں ان کی حالت کا بیان ہو اور قلت سے مراد عدم ہو، یعنی آخرت میں ان کا ہنسنا بالکل نہ ہوگا اور رونا کثرت سے ہوگا۔

سے جزاء فعل محذوف یجزون کا مصدر ہے، یعنی دنیا میں جو وہ کمایا کرتے تھے یہ اس کی جزاء ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا کا یہ مفہوم روایت کیا ہے کہ دنیا قلیل ہے اس میں جتنا چاہیں ہنس لیں، جب دنیا کی مدت ختم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی پیشی ہوگی تو اس وقت لگا تار روئیں گے اور ان کا رونا اس وقت ختم ہی

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 139 (الامیریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 89 (الفکر)
3۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 437 (العلمیہ) 4۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 139 (الامیریہ)

نہ ہوگا۔ ابن ماجہ، ابو یعلی، بیہقی اور ہناد رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ دوزخیوں پر رونا مسلط کیا جائے گا، وہ روتے رہیں گے حتیٰ کہ ان کے آنسو خشک ہو جائیں گے، پھر خون آنا شروع ہو جائے گا، پھر ان کے چہروں پر کھائیاں قسم کی بن جائیں گی، اگر ان میں کشتیاں چھوڑی جائے تو وہ چلنے لگیں(1)۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دوزخی اتنا روئیں گے کہ اگر ان کے آنسوؤں کے سیلاب میں کشتیاں چلائی جائیں تو وہ چلنے لگیں۔ وہ خون کے آنسو بہائیں گے۔(2)

ابن ابی الدنیا اور الضیاء نے صفۃ النار میں زید بن رفیع سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ دوزخی جب آگ میں داخل ہوں گے تو روئیں گے کچھ زمانہ آنسو بہائیں گے پھر کچھ وقت پیپ کے آنسو روئیں گے، دوزخ کے داروغے انہیں کہیں گے اے بدبختو! تم نے دنیا میں رونا چھوڑ دیا تھا، کیا آج کوئی ہے جس سے تم فریاد کرو۔ پس وہ باواز بلند کہیں گے اے ہمارے آباء کے گروہ، اے ہماری ماؤں کی جماعت، اے ہماری اولاد ہم اپنی قبروں سے پیاسے اٹھے ہیں اور کافی وقت ہمارا اسی پیاس کی تکلیف میں گزر چکا ہے۔ آج ہم سخت پیاسے ہیں، ہم پر کچھ پانی انڈیلو! یا اس میں سے کچھ عطا کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمایا ہے۔ چالیس برس تک انہیں کوئی جواب نہ دیا جائے گا۔ پھر جواب ملے گا تمہارا یہی ٹھکانا ہے، پس یہ جواب سن کر ہر راحت سے مایوس ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ لوگ دنیا میں تھوڑا ہنسیں۔ ہنسنے کا امر اباحت کے لئے ہے اور اس سے زیادہ ہنسنے کی کراہت کا شعور ملتا ہے کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور دنیا میں خوف خدا کی وجہ سے زیادہ رویا کریں تا کہ رونا گناہوں کا کفارہ بن جائے اور اس رونے سے گناہوں کی سیاہی دھل جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے تھوڑا اور روتے زیادہ(3)۔ اس حدیث کو امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور صحیح بھی کہا ہے اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں تمہارے لئے کوئی کھانا، پینا قابل برداشت نہیں ہے۔ طبرانی، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابوالدرداء سے اس طرح روایت کیا ہے اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم روتے زیادہ ہنستے کم اور جنگلوں کی طرف نکل جاتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تضرع وزاری کرتے اور تم نہ جانتے کہ تم نجات پاجاؤ گے یا نہیں۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم زیادہ روتے اور ہنستے کم، نفاق ظاہر ہوگا، امانت اٹھ جائے گی، رحمت ختم ہو جائے گی، امین کو متہم کیا جائے گا، اسے امانتیں سونپی جائیں گی جو امین نہ ہوگا اور تمہارا سیاہ کار شرف تم میں تاریک رات کی طرح فتنے پیدا کر دے گا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے، اے لوگو! گریہ زاری کرو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو رونے والا منہ بناؤ کیونکہ دوزخی دوزخ میں روئیں گے حتیٰ کہ ان کے آنسو ان کے رخساروں پر یوں چلیں گے جیسے وہ کھائیوں میں چل رہے ہیں حتیٰ کہ آنسو ختم ہو جائیں گے پھر خون بہنا شروع ہو جائے گا اور رونے کی وجہ سے آنکھیں اتنی کھل جائیں گی کہ اگر ان میں کشتیاں چلائی جائیں تو وہ چلنے لگیں(4)۔ امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم

1۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 330 (وزارت تعلیم)　　2۔ مستدرک حاکم، جلد 4 صفحہ 605 (العصر)۔

3۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 960 (وزارت تعلیم)　　4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 90-89 (الفکر)

وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے اور تم اپنے عورتوں سے بستروں پر لطف اندوز نہ ہوتے اور تم جنگلوں کی طرف نکل جاتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تضرع وزاری کرتے (1)۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس بندہ مومن کی آنکھوں سے خشیت الٰہی کی وجہ سے آنسو نکلتا ہے، اگرچہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہو پھر اسے اس آنسو کے نکلنے کی وجہ سے کچھ تکلیف محسوس ہو تو اللہ اس شخص کو آگ پر حرام کر دیتا ہے۔(2)

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ﴿۸۳﴾

"(اے حبیب!) پھر اگر لے جائے آپ کو اللہ تعالیٰ ان کے کسی گروہ کے پاس پھر وہ اجازت طلب کریں آپ سے جہاد پر نکلنے کی تو آپ فرمایئے نہیں نکلو گے تم میرے ہمراہ کبھی اور ہرگز جنگ نہیں کرو گے میری معیت میں کسی دشمن سے تم نے تو (خود) پسند کیا تھا (گھر) بیٹھ رہنا پہلی مرتبہ[1] تو اب بیٹھے رہو پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ [2]"

[1] پہلے معیَ کو ابو بکر، حمزہ اور کسائی نے یاء کے سکون کے ساتھ اور باقی قراء نے یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دوسرے معیَ کو حفص نے یاء کے فتحہ کے ساتھ اور دوسرے قراء نے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ لن تخرجوا اور لن تقاتلوا کلام میں مبالغہ پیدا کرنے کے لئے خبر کی شکل میں ذکر کئے گئے ہیں لیکن معنیٰ نہی ہیں۔ غازیوں کے رجسٹر سے ان کے نام کاٹ دینا بطور سزا ہے۔

[2] خالفین سے مراد پیچھے رہ جانے والے ہیں، یعنی عورتوں، بچوں، مریضوں اور اپاہجوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ چونکہ یہ تمام افراد جہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے اس لئے یہ تو پیچھے رہنے والے ہیں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ بغیر عذر کے پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھ رہو، بعض علماء نے خالفین کا معنی مخالفین کیا ہے۔ الفراء فرماتے ہیں خالف کا معنی مخالفت کرنا ہے (3)۔ شیخین نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی منافق مر گیا تو اس کا بیٹا عبداللہ جو مخلص ایماندار تھا آیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ اپنی قمیص عطا فرمائیں جس میں عبداللہ بن ابی کو کفن دیا جائے آپ ﷺ نے عطا فرما دی۔ پھر اس نے عرض کی حضور ﷺ اس کی نماز جنازہ بھی پڑھا دیں۔ آپ ﷺ نماز پڑھانے کے ارادہ سے اٹھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ اس کی نماز پڑھنے جا رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے، فرمایا "ان کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو ان کے لئے ستر مرتبہ استغفار کرو" تو میں ستر سے زیادہ مرتبہ اس کے لئے استغفار کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور ﷺ! وہ تو منافق ہے لیکن آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھ دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ پر یہ آیت نازل فرمائی۔(4)

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ

1۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 55 (وزارت تعلیم)
2۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 319 (وزارت تعلیم)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 90 (الفکر)
4۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 368 (قدیمی)

رَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

"اور نہ پڑھیے نماز جنازہ کسی پر ان میں سے جو مر جائے کبھی ۱؎ اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر ۲؎ بیشک انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول مکرم کے ساتھ اور وہ مرے اس حالت میں کہ وہ نافرمان تھے ۳؎"

۱؎ صلاۃ سے مراد میت کے لئے دعا اور استغفار کرنا ہے۔ نماز جنازہ بھی چونکہ دعا اور استغفار پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے اسے صلوۃ سے تعبیر کیا گیا۔ ابداً لَا تَصلِّ کی ظرف ہے، بعض علماء نے مات کو ظرف بنایا ہے، یعنی جو کفر پر ابدی موت مر جائے۔ ابدی موت اس لئے فرمایا کیونکہ کافر کا زندہ ہونا عذاب دینے کے لئے ہوگا نہ کہ نعمتوں سے متمتع ہونے کے لئے، تو گویا کافر زندہ ہوا ہی نہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کافر کے متعلق فرمایا لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى۔

۲؎ آپ کسی کافر کی قبر پر دفن کرنے یا اس کی قبر کی زیارت کرنے کے لئے کھڑے نہ ہوں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب میت کو دفن کر لیتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہوتے اور میت کے لئے دعا فرماتے۔ اسی وجہ سے منافق کی قبر پر کھڑے ہونے سے منع فرما دیا۔

۳؎ یہ نماز پڑھنے اور قبر پر نہ کھڑے ہونے کی نہی کی علت ہے یا منافقین کی ابدی موت کی تائید کے لئے علت ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جب عبداللہ بن ابی ابن سلول فوت ہوا تو رسول اللہ ﷺ کو نماز جنازہ کے لئے عرض کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ منافق تھا اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں اس نے فلاں دن یہ کہا تھا، فلاں دن ایسا کہا تھا۔ آپ نے اس کی بہت گستاخیاں اور بے وفائیاں شمار کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے منافقین کے بارے اختیار دیا گیا ہے، اگر مجھے معلوم ہو کہ میرے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ اس کے لئے استغفار کروں گا۔ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی جب واپس تشریف لائے (1) تو فوراً یہ سورۂ براءت کی دو آیتیں نازل ہوئیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تشریف لائے جب عبداللہ بن ابی کو دفن کیا جا چکا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے نکالنے کا حکم دیا تو وہ باہر نکالا گیا۔ آپ ﷺ نے اس کا سر اپنے گھٹنے پر رکھا اور اپنا لعاب اس کے منہ میں ڈالا اور اپنی قمیص اسے پہنائی (2)۔ بخاری و مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی یعنی رئیس المنافقین کا بیٹا عبداللہ جو مصلحین میں سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا جبکہ عبداللہ بن ابی یعنی اس کا باپ مرض موت میں تھا۔ عرض کی حضور ﷺ میرے باپ کے لئے استغفار فرمائیں۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا و استغفار کر دی۔ الحاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ اسی طرح بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے الدلائل میں اسامہ بن زید سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی نے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی مرض کی حالت میں بلایا اور بخشش کی دعا کے لئے عرض کی اور یہ بھی کہا کہ مجھے اپنے جسم سے متصل کپڑے میں کفن دیں اور نماز جنازہ بھی خود پڑھائیں۔ جب عبداللہ بن ابی مر گیا تو آپ ﷺ نے اپنی قمیص بھیجی تا کہ اس میں اسے کفن دیا جائے، پھر آپ ﷺ نماز پڑھانے کے لئے چلے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے

1۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 182 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 368 (قدیمی)

روایت کیا ہے کہ جب بدر کے دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ قید ہو کر آئے تو آپ کے اوپر قمیص نہ تھی۔ ان کے قد کے لئے لمبے ہونے کی وجہ سے صرف عبداللہ بن ابی کی قمیص فٹ آئی آپ ﷺ نے اسے وہ پہنادی۔ پھر اس قمیص کا بدلہ حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو اس موقع پر عطا فرمایا(1)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے صحابہ کرام کی طرف عبداللہ بن ابی منافق سے ایسا حسن سلوک کرنے پر گفتگو ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی سزا سے میری نماز اور میری قمیص اسے کچھ فائدہ نہ دے گی، قسم بخدا میں نے تو یہ حسن سلوک اس لئے کیا ہے کہ اس کی قوم کے ہزار آدمی اس خلق عظیم کو دیکھ کر مسلمان ہو جائیں۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ایک روایت میں یہ ہے کہ جب اس کی قوم کے افراد نے دیکھا کہ عبداللہ بن ابی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قمیص سے برکت حاصل کر رہا ہے تو ہزار آدمی مسلمان ہو گئے تھے(2)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد تادم وصال آپ ﷺ کسی منافق کی نہ نماز جنازہ پڑھی اور نہ کسی منافق کی قبر پر کھڑے ہوئے۔(3)

وَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَاَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الدُّنۡيَا وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾

”اور نہ تعجب میں ڈالیں آپ کو ان کے مال اور ان کی اولاد یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں ان سے دنیا میں اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ کافر ہوں ۱؎“

۱؎ تاکید کے لئے اس کلام کو مکرر ذکر فرمایا ہے اور یہ حقیقت ہے آنکھیں مال و اولاد کی طرف شوق سے دیکھتی ہیں، انسانی نفس ان کی آرزو کرتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے تاکید اً بار بار ان دنیاوی اشیاء کو دیکھ کر مرعوب ہونے سے منع فرمایا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلا کلام کسی اور فریق کے متعلق ہو اور یہ کسی اور کے بارے ہو۔

وَاِذَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِهِ اسۡتَاۡذَنَكَ اُولُوا الطَّوۡلِ مِنۡهُمۡ وَقَالُوۡا ذَرۡنَا نَكُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِيۡنَ ﴿۸۶﴾

”جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورۃ (جس میں حکم ہوتا ہے کہ) ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو اللہ کے رسول کے ہمراہ تو اجازت طلب کرنے لگتے ہیں آپ سے جو طاقت والے ہیں ان میں سے اور کہتے ہیں رہنے دیجئے ہمیں تاکہ ہوں ہم پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ ۱؎“

۱؎ جب کوئی قرآن کی سورت نازل ہوتی ہے۔ سورۃ سے مراد سورۃ کا بعض بھی ہو سکتا ہے۔ امنوا سے پہلے ان مفسرہ بھی ہو سکتا ہے، ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں ایمان سے مراد جہاد کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پیروی کرنا ہے۔ اولو الطول سے مراد صاحب ثروت اور خوشحال لوگ ہیں، منہم میں ہم ضمیر سے مراد منافقین ہیں۔

رَضُوۡا بِاَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَـوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۸۷﴾

”انہوں نے یہ پسند کیا کہ ہو جائیں پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ ۱؎ اور مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر ۲؎ تو وہ کچھ

1۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 422 (وزارت تعلیم)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 91 (الفکر)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 92 (الفکر)

نہیں سمجھتے ۳؎ "

۱؎ خوالف جمع ہے خالفة کی یعنی انہوں نے گھروں میں بیٹھی ہوئی عورتوں کے ساتھ پیچھے رہ جانے کو پسند کیا۔ الخالفه اس کو بھی کہتے ہیں جس میں خیر اور بھلائی کا پہلو نہ ہو۔ عرب کہتے ہیں فُلَانٌ خَالِفَةُ قَوْمِه یعنی فلاں شخص اپنی قوم کے شرارتی لوگوں سے زیادہ فسادی اور شرارتی ہے۔

۲؎ جب اپنی کوتاہیوں اور روسیاہیوں کو اطاعت رسول کے ذریعے دور نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جس کی وجہ سے اب ان کے لئے نیکی اور بدی میں خط امتیاز کھینچنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔

۳؎ یہ کہ دن جہاد کی عظمت اور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کی سعادت کو سمجھ ہی نہیں سکتے اور امر الٰہی کی مخالفت اور رسول مکرم ﷺ کی نافرمانی سے انسان پر جو بدبختی اور نحوست اترتی ہے اس کو یہ محسوس ہی نہیں کرتے۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ؗ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾

" لیکن رسول اور جو ایمان لائے اس کے ساتھ انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اور انہی کے لئے ساری بھلائیاں ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں ۱؎ "

۱؎ یعنی اگر یہ منافقین دوں ہمت اور مادیت پرست جہاد سے کنی کتراتے ہیں تو دین کو کچھ ضرر نہیں پہنچے گا کیونکہ ان سے ہزار درجہ بہتر مخلص لوگ سر پر کفن باندھے جہاد میں مصروف ہیں۔ تو ان مخلص غازیوں اور مجاہدوں کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہیں۔ بعض علماء نے خیرات سے مراد آہو چشم حوریں لی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حوروں کے لئے یہ لفظ فرمایا ہے فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ۔ یہ خیرة کی جمع ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت کیا گیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں خیر کا معنی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ (کوئی نفس نہیں جانتا جو ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے مخفی رکھا گیا ہے)۔ میں کہتا ہوں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہے کہ خیر کا لفظ تمام منافع کو شامل ہے۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾

" تیار کر رکھے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے باغات بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہنے والے ہیں ان میں یہی بہت بڑی کامیابی ہے ۱؎ "

۱؎ اس آیت کریمہ میں مومنین کو آخرت میں جو انعام ملنا ہے اس کا کچھ ذکر ہے۔

وَ جَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَ قَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾

" اور آئے بہانہ بنانے والے بدو ۱؎ تاکہ اجازت مل جائے انہیں ۲؎ اور بیٹھ رہے وہ جنہوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ اور اس کے رسول سے ۳؎ عنقریب پہنچے گا جنہوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب دردناک ۴؎ "

1۔ المعذرون کا معنی ہے کثرت عیال اور مشقت کا بہانہ بنانے والے۔ یہ اصل میں المعتذرون تھا۔ تاء کو ذال میں ادغام کیا گیا ہے اور تاء کی حرکت عین کو دی گئی ہے۔ فراء نے اسی طرح لکھا ہے یا اس کا معنی کوتاہی کرنے والے ہیں، یعنی وہ یہ تصور دیتے ہیں کہ وہ معذور ہیں اس لئے جہاد میں شامل نہیں ہو سکتے حالانکہ انہیں کوئی معذوری نہیں ہے۔ اس صورت میں یہ باب تفعیل سے ہوگا۔ یعقوب اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے والمعذرون باب افعال سے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی عذر پیش کرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔

2۔ محمد بن عمر فرماتے ہیں منافقین میں سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بغیر کسی عذر کے جہاد میں شامل نہ ہونے کی اجازت طلب کرنے کے لئے آئے تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جب حضور ﷺ نے جد بن قیس کو اجازت دے دی تو منافقین میں سے کچھ لوگ حضور ﷺ کی بارگاہ میں جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت طلب کرنے کے لئے آئے، عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہمیں پیچھے رہ جانے کی اجازت فرما دیں، ہم اس گرمی میں جہاد پر جانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ ﷺ نے ان کو بھی اجازت دے دی اور آپ ﷺ نے ان سے چہرہ اقدس پھیر لیا اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، پس اللہ تعالیٰ نے ان کا عذر قبول نہ فرمایا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بنی غفار کا ایک گروہ تھا، محمد بن عمر فرماتے ہیں وہ بیاسی افراد تھے، ان میں خفاف بن ایما بھی تھا (1) ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی واذا انزلت سورۃ ...... لا یفقھون۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ عذر پیش کرنے والے عامر بن طفیل کا گروہ تھا اور یہ اپنے اوپر سے جہاد میں شریک نہ ہونے کا الزام دور کرنے کے لئے آئے اور کہا اے اللہ کے پیارے نبی اگر ہم آپ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتے تو طی قبیلہ کے بدو ہماری بیویوں، بچوں اور مویشیوں پر حملہ کر دیتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری خبروں سے آگاہ کر دیا ہے، اللہ کریم مجھے تمہاری مدد سے مستغنی کر دے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہی لوگ رسول اللہ ﷺ کی اجازت کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔(2)

3۔ اس سے مراد منافق ہیں جنہوں نے ایمان کے دعویٰ میں جھوٹ بولا تھا، اس تاویل کے مطابق پہلا گروہ گنہگار نہیں ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد پہلے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے جھوٹے عذر پیش کرنے والے کو جھٹلایا ہے، یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ المعذرون سے عام معنی مراد ہے، اس میں وہ بھی داخل ہیں جنہوں نے سستی اور کوتاہی کی وجہ سے عذر پیش کیا تھا، کفر و انکار کی وجہ سے نہیں۔ ابو عمرو بن علاء فرماتے ہیں دونوں فریق مجرم ہیں وہ بھی جنہوں نے بے جا عذر پیش کئے تھے۔ وجاء المعذرون سے یہی لوگ مراد ہیں اور وہ بھی مجرم ہیں جنہوں نے ظاہرداری کے لئے عذر پیش کئے بغیر جہاد میں شمولیت نہیں کی تھی اور اللہ کی نافرمانی کرتے ہو پیچھے رہ گئے، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ الخ کے ارشاد میں وعید سنائی ہے۔

4۔ منھم کی ضمیر کا مرجع اعراب بھی ہو سکتا ہے اور من المعذرین بھی کیونکہ ان میں کچھ نے کاہلی و سستی کی بنا پر عذر پیش کیا تھا کفر کی بنا پر نہیں۔

5۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا، میں سورہ براءت لکھ رہا تھا اور میں قلم کو اپنے کان کے اوپر رکھے ہوئے تھا۔ جب آپ ﷺ آیات جہاد پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 438 (العلمیہ)   2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 93 (الفکر)

!

انتظار فرمانے لگے کہ آگے کیا نازل ہوتا ہے۔ اچانک ایک نابینا شخص آیا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں نابینا ہوں میرے متعلق جہاد کا کیا حکم ہے۔ اس وقت یہ ارشاد نازل ہوا۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾

''نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جو نہیں پاتے وہ مال جسے خرچ کریں (اگر یہ پیچھے رہ جائیں) کوئی حرج جبکہ وہ مخلص ہوں اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے نہیں ہے نیکوکاروں پر الزام کی کوئی وجہ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے [1]''

[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ضعفاء سے مراد اپاہج، بوڑھے اور عاجز لوگ ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس سے مراد بچے ہیں اور بعض فرماتے ہیں عورتیں ہیں۔ مرضیٰ سے مراد اندھے وغیرہ ہیں الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ سے مراد نادار لوگ ہیں، حرج کا معنی تنگی ہے، یعنی ایسے افراد پر جہاد میں شریک نہ ہونے پر کوئی گناہ نہیں ہے، جبکہ ان کے دل ظاہر طور پر اور مخفی طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے متعلق اخلاص واطاعت کے جذبہ سے سرشار ہوں، جس طرح کہ ایک ناصح اور خادم کسی سے اخلاص کا اظہار کرتا ہے، یا وہ قول وفعل سے اپنی قدرت کے مطابق ثابت کریں کہ ہم اسلام اور اسلام کے پیروکاروں سے مخلص ہیں، محسنین کا لفظ ذکر فرمایا اس بات پر دلالت کرنے کے لئے کہ وہ محسنین کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں، عتاب شدہ لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو ان معذوروں کو اور مجرموں کو معاف کرنے والی ہے تو پھر محسنین سے اس کا سلوک کیسا خوب ہوگا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ عابد بن عمر اور اس کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ عبداللہ بن ام مکتوم کے حق میں نازل ہوئی جو نابینا تھے (1)۔ امام بخاری اور ابن سعد رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے اور مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو فرمایا مدینہ طیبہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم نے جو سفر کیا اور جو تم نے وادیاں طے کیں وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ تھے (یعنی اس پورے سفر کے ثواب میں تمہارے ساتھ شریک ہیں)۔ صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! وہ مدینہ طیبہ میں ہوتے ہوئے ہمارے ساتھ ہیں۔ فرمایا ہاں مدینہ طیبہ میں ہوتے ہوئے تمہارے ساتھ شریک ہیں کیونکہ عذر نے انہیں اس سفر میں شریک ہونے سے روک لیا ہے (2) (حالانکہ ان کا ارادہ اور خواہش تھی کہ وہ بھی اس جہاد میں شریک ہوں)۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾

''اور نہ ان پر (کوئی الزام ہے) [1] جو جب حاضر ہوئے آپ کے پاس تاکہ آپ سوار کریں انہیں تو فرمایا آپ نے میں نہیں پاتا جس پر میں تمہیں سوار کروں وہ لوٹتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھیں بہہ رہی ہوتی ہیں آنسو اس غم میں کہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 94 (الفکر)　　2۔ الطبقات الکبریٰ، جلد 2 صفحہ 168 (صادر)

افسوس! انہیں ان کے پاس جو وہ خرچ کریں ۳۔"

۱۔ اس کا عطف الضعفاء یا المحسنین پر ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان جاں نثار صحابہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ آپ ہماری سواریوں کا بندوبست فرما دیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں انہوں نے یہ سوال کیا آقا! ہمیں پیوند لگے موزے اور مرمت شدہ جوتے ہی عطا فرما دیں تا کہ اس کڑکتی دھوپ میں آپ کے ساتھ چل سکیں۔(1)

۲۔ یہ اتوک میں کاف ضمیر سے حال ہے اور اس سے پہلے قد مقدر ہے۔ تولوا اذا شرطیہ کا جواب ہے، تفیض کا معنی بہتا ہے، من الدمع میں من بیانیہ ہے اور الدمع پر الف لام عوضی ہے اور یہ جار مجرور تمیز ہونے کی بناء پر محل نصب میں ہے۔ یہ اسلوب تفیض دمعھا سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ اسلوب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آنکھ آنسو بہانے والی ہوگئی۔ حزناً مفعول لہ یا حال یا اس فعل کا مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جس پر ماقبل کلام دلالت کر رہی ہے، الا یجدوا اصل میں لئلا یجدوا ہے اور حزناً یا تفیض کے متعلق ہے۔

ابن جریر اور ابن مردویہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اسی طرح ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کعب القرظی سے بھی روایت کیا ہے اور ابن اسحاق، ابن المنذر اور ابوالشیخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے زہری، یزید بن رومان، عبداللہ بن بکر، عاصم بن محمد اور قتادہ وغیرہم سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام کا ایک گروہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضور ﷺ! ہمارے لئے سواریوں کا بندوبست فرما دیں۔ یہ سب صحابہ کرام نادار اور مفلس تھے۔ یہ کشتگانِ عشق اپنے دستور محبت میں اپنے محبوب ﷺ سے پیچھے رہ جانے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول ﷺ نے فرمایا میرے پاس تو کوئی ایسا انتظام نہیں ہے۔ جب وہ واپس لوٹے تو ان کی آنکھوں میں آنسو رواں تھے اور انہیں افسوس تھا کہ آج ہماری غربت ہمارے شوق شہادت کی راہ میں رکاوٹ بن گئی ہے۔ محمد بن یوسف صالحی فرماتے ہیں ان صحابہ کرام کے اسماء میں اختلاف ہے جن پر اتفاق ہے وہ یہ ہیں: 1۔ سالم بن عمیر جن کا تعلق بنی عمرو بن عوف الاوسی سے تھا، 2۔ علبہ بن زید، 3۔ ابولیلیٰ بن عبدالرحمٰن، 4۔ ہرمی بن عبداللہ۔ یہ وہ اسماء ہیں جن پر القرظی، ابن اسحٰق، واقدی اور ان کی تبع میں ابن سعد، ابوعمر اور سہیلی کا اتفاق ہے۔ سہیلی نے عرباض بن ساریہ کا ذکر نہیں کیا۔ ابن حزم اور ابوعمرو نے اس کو جزم کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ابونعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کو روایت کیا ہے، القرظی اور ابن اسحاق نے عمرو بن حمام بن الجموح پر اتفاق کیا ہے، عبداللہ بن مغفل پر القرظی، ابن عقبہ اور ابن اسحاق کا اتفاق ہے، ابن سعد، یعقوب بن سفیان اور ابن ابی حاتم نے ابن مغفل سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں بھی اس گروہ میں تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے "وَّلَا عَلَى الَّذِیْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ" کے ارشاد میں ذکر فرمایا ہے(2)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے، جسے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عوفی کے طریق سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھ جہاد کے لئے نکلنے کو کہا تو صحابہ کرام کی ایک جماعت حاضر ہوئی جن میں عبداللہ بن مغفل بھی تھے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے سواریوں کا انتظام فرما دیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے پاس تو کوئی ایسا انتظام نہیں ہے۔ جب وہ واپس پلٹے تو ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔ انہیں اس کا بڑا صدمہ ہوا کہ ہم جہاد میں شریک نہیں ہو رہے اور ہمارے پاس نہ کوئی مال ہے اور نہ سواری۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عذر کا ذکر قرآن میں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 95 (الفکر)

2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 39-438 (العلمیہ)

نازل فرمادیا(1) القرظی اور ابن عمر کا سلمہ بن صخر پر اتفاق ہے۔ القرظی نے سلمان نام لکھا ہے۔ القرظی اور ابن عقبہ نے عمرو بن عتمہ بن عدی اور عبداللہ بن عمرو المزنی پر اتفاق کیا ہے، ابن اسحاق نے ابن مغفل کی جگہ ان کا نام ذکر کیا ہے۔ صرف القرظی نے جن ناموں کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں عبدالرحمٰن بن زید ابوعلیہ من بنی حارثہ، حرمی بن عمرو من بنی مازن۔ محمد بن عمرو کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ عمرو بن عوف بھی ان میں سے تھے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض روایات میں ہے کہ معقل بن یسار بھی ان میں سے تھے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ان اسماء میں حرمی بن مبارک بن النجار کا ذکر کیا ہے۔ ابن عابد رحمۃ اللہ علیہ نے مہدی بن عبدالرحمٰن کا ذکر کیا ہے۔ محمد بن کعب نے سالم بن عمرو الواقفی کو ان میں شمار کیا ہے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں وہ رونے والے سات افراد مقرن کے بیٹے تھے جن کا تعلق مزنیہ قبیلہ سے تھا۔ (ان میں سے پانچ یہ ہیں) النعمان، سوید، مغفل، عقیل اور سنان۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یونس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایت سے لکھا ہے کہ علیہ بن زید کے اپنے پاس بھی سواری نہ تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے بھی سواری نہ مل سکی تو رات کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق نماز ادا کی اور پھر زار و قطار رونے لگے اور عرض کی اے مالک الملک تو نے جہاد کا حکم دیا ہے اور میرے دل میں بھی شوق شہادت انگڑائیاں لے رہا ہے، میں ہر مسلمان پر تاریک رات میں صدقہ کروں گا جو بھی مجھے میسر آئے گا مال یا جان یا عزت۔ پھر جب صبح ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا اس رات کو صدقہ کا معاہدہ کرنے والا کہاں ہے، کوئی ایک نہ اٹھا، علیہ بن زید اٹھے اور اپنا سارا رات کا واقعہ عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مبارک ہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تیرا صدقہ مقبول زکوٰۃ میں لکھا گیا ہے۔ ابن اسحاق اور محمد بن عمرو فرماتے ہیں جب وہ رونے والے در رسول ﷺ سے واپس آ رہے تھے، جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا تھا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے تمہاری سواریوں کا بندوبست کر سکوں۔ راستے میں یامین بن عمرو النضری کی، ابولیلیٰ اور عبداللہ بن مغفل سے ملاقات ہوئی۔ یامین نے ان سے رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا ہم بارگاہ رسالت میں سواری کے لئے حاضر ہوئے تھے لیکن آپ کے پاس کوئی بندوبست نہیں ہے اور ہمارے پاس بھی جہاد پر جانے کی کوئی سبیل نہیں ہے، جبکہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں اس غزوہ سے محروم رہنا بھی نہیں چاہتے۔ یامین نے ان دونوں کو ایک اونٹ اور ہر ایک کو دو صاع کھجور عطا کئے۔ محمد بن عمرو نے یہ زائد لکھا ہے کہ عباس بن مطلب نے ان رونے والوں میں سے دو آدمیوں کو سواری پیش کی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلے جو لشکر کو کثیر مال پیش کر کے تیار کیا تھا اس کے علاوہ ان ناداروں میں سے تین آدمیوں کو سواریاں پیش کیں (2)۔ میں کہتا ہوں جب مذکورہ سولہ افراد میں سے سات کو سواریاں مل گئیں (اور ان میں سے دو راوی کے شک کی وجہ سے ساقط ہو گئے ہیں) تو جو حضرات اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے تھے وہ سات افراد تھے۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان پر عتاب و الزام کی کوئی سبیل نہیں، واللہ اعلم۔

امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں اپنے اشعری ساتھیوں کی معیت میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تا کہ آپ ہمیں سواریاں عطا فرمائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ اشعری فرماتے ہیں مجھے میرے اصحاب نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا کہ میں آپ سے سواریوں کا سوال کروں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے دوستوں نے مجھے آپ کی بارگاہ میں بھیجا ہے کہ آپ ان کے لئے سواریوں کا بندوبست فرما دیں، آپ ﷺ نے فرمایا قسم بخدا میں

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 145 (الامیریہ)

2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 40-439 (العلمیہ)

تمہیں عطا نہیں کروں گا اور نہ میرے پاس کوئی سواری ہے۔ جب میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی تھی تو آپ غصہ کے عالم میں تھے لیکن مجھے محسوس نہ ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عطا نہ کرنے کی وجہ سے پریشان ہو کر لوٹا۔ نیز مجھے یہ بھی خدشہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ مجھ پر کہیں ناراض نہ ہو گئے ہوں۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو انہیں جو کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا وہ بیان کر دیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس غنیمت کے اونٹ آ گئے تھوڑا ہی وقت میری واپسی کو ہوا تھا کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دیتے ہوئے سنا عبداللہ بن قیس کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہیں رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں، میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا یہ دو اونٹ ہیں اور یہ میں نے اس وقت سعد سے چھ اونٹوں کے بدلے خریدے ہیں، تم یہ دونوں اپنے ساتھیوں کی طرف لے جاؤ اور انہیں کہو اللہ نے یہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں عطا فرمائے ہیں، ان پر سوار ہو جاؤ۔ ابوموسیٰ فرماتے ہیں میں اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہاری سواری کے لئے یہ اونٹ عطا فرمائے ہیں لیکن قسم بخدا میں تمہیں اس وقت تک نہ چھوڑوں گا حتیٰ کہ تم میں سے کچھ لوگ میرے ساتھ چلیں ان لوگوں کے پاس جنہوں نے پہلی مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب سنا تھا جب میں نے اونٹوں کے لئے گزارش کی تھی لیکن پھر آپ نے بعد میں مجھے یہ عطا فرمائے تم میرے متعلق یہ گمان نہ کرنا کہ میں نے تمہیں ایسی بات کہی ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں فرمائی تھی۔ ابوموسیٰ سے تمام ساتھیوں نے کہا قسم بخدا آپ ہمارے نزدیک سچے ہیں لیکن آپ کو جو پسند ہے ہم ویسا بھی کر لیتے ہیں۔ راوی فرماتے ہیں ابوموسیٰ چند ساتھیوں کو لیکر چلے حتیٰ کہ ان لوگوں تک پہنچے۔ جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلے نہ عطا کرنے اور پھر عطا کرنے کا سارا منظر دیکھا تھا۔ ان تمام لوگوں نے بعینہٖ ابوموسیٰ جیسی کلام بتائی۔ پھر ہم نے سوچا اس میں ہمارے لئے برکت نہ ہو گی (کیونکہ حضور ﷺ نے غصہ کی حالت میں عطا فرمائے ہیں)۔ ہم پھر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان سواریوں کی بابت بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے نہیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ سواریاں عطا کی ہیں۔ پھر فرمایا قسم بخدا آئندہ ان شاء اللہ اگر میں قسم اٹھاؤں گا اور اس قسم کے علاوہ امر میں بہتری دیکھوں گا تو میں وہ بہتر کام کروں گا اور اپنی قسم کا کفارہ دوں گا۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۚ رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٣﴾

"الزام تو بس ان لوگوں پر ہے جو اجازت مانگتے ہیں آپ سے حالانکہ وہ مالدار ہیں۔ وہ راضی ہو گئے اس پر کہ ہو جائیں پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ اور مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پس وہ (کچھ) نہیں جانتے[1]"

[1] السبیل سے مراد عقاب اور عتاب ہے۔ رضوا ان یکونوا مع الخوالف کا جملہ اس سبب کو بیان کر رہا ہے جس کی بناء پر انہوں نے بغیر کسی عذر کے جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت طلب کی تھی۔ وہ دنیاوی راحت و آرام اور پیچھے بیٹھے رہنے والوں کے انتظام کو پسند کیا تھا (اور لذت شہادت اور اس کے نتیجہ میں اخروی نعمتوں کو بھول گئے تھے)۔ اس نافرمانی کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، اس لئے وہ سوائے اس کے کچھ جانتے ہی نہیں کہ جہاد اور رسول کی موافقت و معیت کی نسبت پیچھے رہ جانا بہتر ہے۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾

"وہ بہانے پیش کریں گے تمہارے پاس جب تم لوٹ کر آ جاؤ گے ان کی طرف[1] فرمایئے بہانے مت بناؤ ہم اعتبار نہیں کریں گے تم پر آگاہ کر دیا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری خبروں پر اور دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارا عمل[2] اور اس کا رسول پھر لوٹائے جاؤ گے اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو[3] پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جو کچھ تم کیا کرتے تھے[4]"

[1] یہ معذرت کرنے والے منافقین ہیں جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے اور اسّی سے کچھ زیادہ افراد تھے۔ اس آیت کریمہ میں ایک معجزہ ہے کہ انہوں نے آنا بعد میں تھا، بہانے بعد میں پیش کرنے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اپنے محبوب کو آگاہ فرما دیا تھا اور آپ کے طفیل آپ کے غلاموں کو بھی مطلع کر دیا تھا۔ لن نؤمن یہ لا تعتذروا کی علت ہے کیونکہ بہانے پیش کرنے سے ان کی غرض یہ تھی کہ ہماری تصدیق کی جائے نبانا اللّٰہ من اخبارکم سے تصدیق نہ کرنے کی علت بیان فرما دی، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر وحی نازل فرما کر ہمیں تمہارے خبث باطن، نفاق، فساد اور شر آمیز خیالات سے آگاہ فرما دیا ہے اور جو تم عذر لنگ پیش کر رہے ہو ہمیں پہلے ہی اس کی خبر ہے۔

[2] مستقبل میں اللہ اور اس کا رسول تمہارے اعمال و کردار کا مشاہدہ کریں گے۔ اگر تمہارے اعمال شہادت دیں گے کہ واقعی تمہیں اپنے فعل پر ندامت ہوئی ہے اور سابقہ گناہوں کی تم نے توبہ کر لی ہے (تو تمہارے ساتھ اور معاملہ ہوگا)۔ اس جملہ میں انہیں توبہ کرنے کی مہلت عطا کی گئی ہے۔

[3] مرنے کے بعد تم نے اس ذات کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے جس سے نہ ظاہری افعال پوشیدہ ہیں اور نہ قلبی تصورات اس سے کچھ بھی پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے، یہاں اللہ تعالیٰ کا وصف بیان کرنے میں یہ حکمت ہے کہ پتہ چل جائے کہ وہ تمہارے باطن و ظاہر پر مطلع ہے، تمہارے نہاں خانۂ دل میں اٹھنے والی امنگیں اور آرزوئیں بھی اس سے مخفی نہیں ہیں اور سب کے اعمال کو اپنے علم کامل سے جانتا ہے۔

[4] عذاب کی چکی میں پیس کر تمہیں تمہارے کرتوتوں سے آگاہ کرے گا۔

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾

"قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم لوٹو گے ان کی طرف تاکہ تم معاف کر دو انہیں سو منہ پھیر لو ان سے یقیناً وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، بدلہ اس کا جو وہ کمایا کرتے تھے[1]"

[1] ان منافقین کے دلوں پر پلیدی کی تہہ جم چکی ہے، یہ نرے ناپاک ہیں۔ اس لئے تمہیں ان کے ساتھ محبت کی پینگیں ڈالنا اور تعلقات

قائم کرنا جائز نہیں ہے اور انہیں نصیحت کرنے میں اپنا وقت ضائع کرنے میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ان میں پاک ہونے کی صلاحیت ہی نہیں ہے اور کسی کو عتاب اور سرزنش کرنے کا مقصود تو بہ پر برانگیختہ کر کے پاک کرنا ہوتا ہے، مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ یہ علت کی تکمیل ہے گویا یوں ارشاد ہے کہ یہ اہل دوزخ میں سے ناپاک لوگ ہیں اس لئے ان سے دوستی اور یارانہ نہ کرو اور نہ ان کو زجر و توبیخ کر کے اپنی دماغ سوزی کرو۔ جزاءً ترکیب نحوی کے اعتبار سے بجزون فعل محذوف کا مصدر ہے یا مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ کی علت ہو۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت کریمہ جد بن قیس، معتب بن قشیر اور ان کے ساتھیوں کے بارے نازل ہوئی اور یہ منافقین میں اسی افراد کا گروہ تھا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ غزوۂ تبوک سے فارغ ہو کر پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا ان منافقوں کے ساتھ نہ مجلس اختیار کرو اور نہ ان سے بات کرو۔ مقاتل فرماتے ہیں عبداللہ بن ابی کے حق میں نازل ہوئی اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے قسم اٹھائی کہ آئندہ میں کسی معرکہ میں آپ سے پیچھے نہ رہوں گا، اب آپ مجھ سے راضی ہو جائیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(1)

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾

"وہ قسمیں کھاتے ہیں تمہارے لئے تاکہ تم خوش ہو جاؤ ان سے سو (یاد رکھو) اگر تم خوش ہو بھی گئے ان سے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوگا نافرمانوں کی قوم سے ۔[1]"

[1] القوم الفاسقین سے مراد مذکورہ منافق ہیں اور یہاں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر استعمال فرمایا تاکہ عدم رضا کے سبب پر دلالت ہو جائے، یعنی تم پر یہ جھوٹ بول کر معاملہ خلط ملط کر دیں اور تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو پھر بھی اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہ ہوگا کیونکہ اسے ان کے دلوں میں چھپے کفر کا علم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ پر معاملہ کو خلط ملط نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی صورت میں تمہارا ان سے خوش ہونا کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ان پر ذلت و رسوائی کو مسلط کرے گا اور آخرت میں سخت ترین عذاب میں انہیں مبتلا کرے گا۔ آیت سے مقصود ان سے خوش نہ ہونا اور ان کے جھوٹے بہانوں سے دھوکہ نہ کھانا ہے۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٩٧﴾

"اعرابی زیادہ سخت ہیں کفر اور نفاق میں اور حقدار ہیں کہ نہ جانیں وہ احکام جو نازل کیے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے ۔[1]"

[1] یعنی دیہاتوں میں بسنے والے بدو وحشیانہ طرز زندگی، قساوتِ قلبی اور اہل علم سے دور رہنے اور کتاب و سنت کے احکام بہت کم سننے کی وجہ سے اپنے کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں۔ یہ زیادہ حقدار ہیں کہ انہیں شریعت محمدیہ (علی صاحبہا التسلیم) کے فرائض، سنن، مباحات اور محرمات و مکروہات کو نہ جانیں، یہ اپنی جہالت کی وجہ سے ان احکام میں تمیز نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے تمام حالات و کیفیات سے باخبر ہے اور دنیا اور آخرت میں بھی اپنی مخلوق کا فیصلہ فرماتا ہے وہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 96 (الفکر)

وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ یَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآىِٕرَؕ عَلَیْهِمْ دَآىِٕرَةُ السَّوْءِؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ(۹۸)

”اور بعض بدو ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں [1] کہ جو وہ (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں وہ تاوان ہے اور منتظر ہیں تمہارے لئے (زمانہ کی) گردش کے [2] (حقیقت میں) انہی پر ہے بری گردش اور اللہ تعالیٰ سمیع و علیم ہے [3]“

[1] یتخذ کا معنی یہاں خیال کرنا اور گمان کرنا ہے۔ مغرماً کا معنی چٹی اور خسارہ ہے۔ عطاء فرماتے ہیں وہ مال خرچ کرنے پر نہ ثواب کی امید رکھتے تھے اور نہ دینے پر کسی سزا کا تصور رکھتے تھے، وہ جو مال خرچ کرتے تھے، ان کی اس سے غرض رضا الٰہی کا حصول نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کی وجہ ڈر اور ریاکاری ہوتا تھا۔

[2] دل ہی دل میں یہ خواہش کرتے تھے کہ گردش زمانہ کوئی صورت پیدا کر دے کہ انس رسول مکرم ﷺ کی زندگی کا چراغ گل ہو جائے اور مشرکین غالب آ جائیں حتیٰ جو کچھ ہم ریاکاری اور ڈر کے مارے خرچ کرتے ہیں اس سے ہماری جان چھوٹ جائے۔

[3] جو وہ مسلمانوں کے لئے خواہش کرتے تھے اس کی مثل ان پر بددعا کو لوٹایا گیا ہے یا یہ خبر دی جا رہی ہے جو کچھ ان سے ہونے والا ہے، جیسی یہ مسلمانوں کی حالت چاہتے ہیں ویسی ہی حالت سے یہ خود دوچار ہونے والے ہیں۔ دائرۃ مصدر ہے یا فارِ یَدُوْرُ کا اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی گردش زمانہ ہے جو کبھی اچھے اور کبھی برے حالات لاتی ہے۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے السوء کو یہاں اور سورۂ فتح میں سین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی ضرر اور مکروہ ہے۔ باقی قراء نے سین کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ مصدر ہے لیکن کلام میں مبالغہ پیدا کرنے کے لئے اس کی طرف اضافت کی گئی ہے جیسے عرب کہتے ہیں رجل صدق۔ اللہ تعالیٰ تمہاری باتیں سن رہا ہوتا ہے جو تم اپنے شیطانوں کے پاس بیٹھ کر کرتے ہو اور جو کچھ بھید تم دلوں میں چھپائے ہوئے ہو وہ انہیں بھی جانتا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ مذکورہ آیت اسد، غطفان اور بنی تمیم کے بدوؤں کے بارے نازل ہوئی(1)۔ اسی طرح ابو الشیخ نے کلبی سے نقل کیا ہے لیکن انہوں نے بنی تمیم کا ذکر نہیں کیا۔

وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ یَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْؕ سَیُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ(۹۹)

”اور کچھ دیہاتیوں میں سے وہ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روز قیامت پر [1] اور سمجھتے ہیں جو وہ خرچ کرتے ہیں قرب الٰہی اور رسول (پاک) کی دعائیں لینے کا ذریعہ [2] ہاں ہاں وہ ان کے لئے باعث قرب ہے [3] ضرور داخل فرمائے گا انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے [4]“

[1] مذکورہ دیہاتیوں سے بعض کے حالات کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ مقرن کے بیٹوں کے حق میں نازل ہوئی جن کا تعلق مزینہ قبیلہ سے تھا(2) جن کے متعلق ولا علی الذین اذا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 97 (الفکر)

2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 98 (الفکر)

ما اتوک لتحملھم کا ارشاد نازل ہوا تھا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمٰن بن معقل سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں ہم مقرن کے دس بیٹے تھے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اسلم، غفار، جہینہ (1) اسد بن خزیمہ، ہوازان اور غطفان کے حق میں نازل ہوئی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابن عمر سے روایت ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غفار اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے، اسلم اللہ انہیں سلامت رکھے اور عصیہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی (2)۔ بخاری اور مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریش، انصار، جہینہ، مزینہ، اسلم، غفار اور اشجع یہ سب ایک دوسرے کے معاون ہیں، اللہ اور رسول کے سوا ان کا کوئی مولیٰ نہیں۔ بخاری اور مسلم میں ابی بکرہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلم، غفار، مزینہ اور جہینہ تمیم، بنی عامر اور اپنے حلیفوں اسد اور غطفان سے بہتر ہیں (3)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلم، غفار اور کچھ جہینہ اور مزینہ سے قیامت کے روز اللہ کی بارگاہ میں تمیم، اسد بن خزیمہ، ہوازن اور غطفان سے بہتر ہوں گے۔ (4)

؎ یتخذ کا معنی گمان کرنا، سوچنا ہے، ما ینفق، یتخذ کا مفعول اول ہے اور قربات مفعول ثانی ہے۔ عند اللّٰہ یا تو قربات کی صفت ہے یا یتخذ کی ظرف ہے۔ یعنی وہ اپنی ان مالی قربانیوں کو اللہ کے قرب اور رسول کریم ﷺ کی دعاؤں کا سبب سمجھتے ہیں۔ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ صلوات الرسول سے مراد آپ ﷺ کا بخشش کی دعا کرنا ہے، رسول اللہ ﷺ نے دعا کی تھی اے اللہ آل ابی اوفی پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ یہ دعا آپ ﷺ نے اس وقت فرمائی تھی جب عبداللہ بن ابی اوفی نے بارگاہ رسالت میں اپنا صدقہ پیش کیا تھا (5)۔ اسی طرح امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی محدثین نے عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت کی ہے۔

؎ ہاں ہاں ان کا یہ خرچ کرنا اللہ کی بارگاہ میں یقیناً باعث قرب ہے۔ نافع نے بروایت ورش قربۃ کو راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ دوسرے قراء نے راء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان اعرابیوں (بدوؤں) کے عقیدہ کی صحت کی شہادت ہے اور ان کی امیدوں اور امنگوں کی تصدیق ہے کیونکہ کلام کو مستقل ذکر فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حرف تنبیہ اور حرف تاکید بھی ذکر فرمایا ہے۔

؎ سید خلھم میں سین وعدہ کے ثبوت اور تحقق کے لئے ہے۔ فی رحمتہ سے مراد فی جنتہ ہے، یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی ابدی نعمتوں میں داخل فرمائے گا۔

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۰۰﴾

"اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے ؎ اور جنہوں نے پیروی کی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 98 (الفکر) 2۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 498 (وزارت تعلیم) 3۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 498 (وزارت تعلیم)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 98 (الفکر) 5۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 492 (العلمیہ)

ان کی عمدگی سے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے ۱؎ اور راضی ہو گئے وہ اس سے اور اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لئے
باغات، بہتی ہیں ۲؎ ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں ابد تک یہی بہت بڑی کامیابی ہے ۳؎ ''

۱؎ مہاجرین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی قوم کو چھوڑا تعلقات قطع کئے اور اپنے ایمان کے تحفظ کی خاطر اپنے وطن اور مال سب کو خیر باد کہا اور انصار سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی ان کو اور ان کے صحابہ کو اپنے ہاں جگہ دی، جبکہ ان کو ان کی قوم نے اپنے وطن سے بے وطن کر دیا تھا۔ یعنی انصار سے مراد اہل مدینہ ہیں۔ مذکورہ فریقوں میں سے السابقین کے متعلق اختلاف ہے۔ سعید بن المسیب، قتادہ اور ابن سیرین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ اہل بدر ہیں۔ الشعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بیعت رضوان کے وقت موجود افراد ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں مہاجرین میں سے آٹھ افراد ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے تھے پھر ان کے بعد آہستہ آہستہ ان کی اتباع میں لوگ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ یعنی ابو بکر، علی، زبیر بن الحارثہ، عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں علماء کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے ایمان لائیں تھیں لیکن ان کے بعد جو سب سے پہلے ایمان لایا اس میں اختلاف ہے، بعض نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نام اسم گرامی لکھا ہے، یہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور اس کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس شعر سے ہوتی ہے:

'' میں تم سے اسلام قبول کرنے میں سبقت لے گیا تھا جبکہ میں ابھی بچہ تھا اور حد بلوغت کو نہیں پہنچا تھا۔''

مجاہد اور اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے اس وقت آپ کی عمر دس سال تھی، بعض علماء فرماتے ہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے تھے۔ یہ حضرت ابن عباس، ابراہیم النخعی اور الشعبی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے (1) اس قول کی تائید حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا قول کرتا ہے کہ انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ وصف اپنے اشعار بیان کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے تسلیم کیا۔

بعض فرماتے ہیں سب سے پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے، یہ زہری، عروہ بن زبیر کا قول ہے۔ اسحاق بن ابراہیم حنظلی نے ان اقوال میں اس طرح تطبیق کی ہے، مردوں میں سب سے پہلے ابو بکر، عورتوں میں خدیجۃ الکبریٰ، بچوں میں سے علی اور غلاموں میں سے زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) ایمان لائے تھے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب ابو بکر اسلام لائے تو اپنے اسلام کا اظہار فرمایا اور لوگوں کو بھی اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی آپ محبوب اور نرم مزاج شخص تھے اور نسبی قریشی تھے اور قریش کے حالات کو زیادہ جاننے والے تھے۔ آپ تاجر اور نیکوکار تھے۔ آپ کے خلیق اور صاحب علم ہونے کی وجہ سے لوگ آپ کے پاس اپنے مسائل لیکر آتے تھے اور آپ سے انس رکھتے تھے۔ آپ کو جن لوگوں پر وثوق تھا انہیں اسلام کی دعوت دینی شروع کی تو کئی افراد نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ مثلاً حضرت عثمان، زبیر بن العوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان سب کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آئے، جبکہ یہ اس وقت اسلام

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 99-98 (الفکر)

قبول کر چکے تھے، پھر انہوں نے نماز پڑھی(1)۔ پھر دوسرے افراد نے اسلام قبول کیا حتیٰ کہ سات سال میں 39 مرد اور عورتیں مسلمان ہوگئے، پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو مشرکین نے کہا ہم آدھے ہوگئے، پھر اسلام آہستہ آہستہ ترقی کرنے لگا اور سات سال بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے ساتھ مضبوط ہوگیا۔ اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی، اور انصار میں سے السابقون وہ افراد ہیں جنہوں نے عقبہ کی رات رسول اللہ کی بیعت کی تھی، عقبہ اولیٰ میں یہ چھ افراد تھے، بعض فرماتے ہیں سات تھے اور عقبہ ثانیہ میں بارہ تھے اور عقبہ ثالثہ میں ستر تھے۔ جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔ ان ایمان لانے والوں میں ابوزرارہ اور مصعب بن عمیر تھے جو مدینہ طیبہ میں قرآن پڑھاتے تھے تو ان کی کوششوں سے بہت سے لوگ مسلمان ہوئے اور عورتوں اور بچوں کی بھی کثیر تعداد مشرف باسلام ہوئی۔ یعقوب نے السابقون پر عطف کرکے والانصار کو مرفوع پڑھا ہے۔ یہ ابی کی قرأت ہے۔ ابن جریر اور ابوالشیخ نے محمد بن کعب القرظی سے اور حاکم اور ابوالشیخ نے اسامہ اور محمد بن ابراہیم التیمی سے یہ قرأت نقل کی ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں اس سے مراد سابقین اولین کے علاوہ بقیہ مہاجرین وانصار ہیں بعض فرماتے ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت تک سابقین اولین کے نقش قدم پر چل کر ایمان کے تقاضے پورے کئے اور ہجرت اور نصرت دین جیسے کار خیر میں ان کی سیرت کو اپنایا۔ میں کہتا ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ السابقین سے مراد مقربین ہوں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا السّٰبِقُوْنَ ﴿ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ یعنی سابقین سے مراد صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین ہیں کیونکہ اس امت میں یہی گروہ اولون ہیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا قلیل من الآخرین، یعنی ہزار برس کے بعد کمالات نبوت کے حامل کم ہوں گے کیونکہ صدر اول میں ایسے لوگ زیادہ تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحابہ کرام تمام کے تمام کمالات نبوت کے حامل تھے اور تابعین میں سے اکثر اور تبع تابعین میں سے بعض اس مرتبہ پر فائز تھے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ ہجرت کے ہزار سال بعد ارباب کمالات نبوت کی کمی ہوئی ہے۔ میں کہتا ہوں اس مفہوم کے اعتبار سے من المهاجرين والانصار کے الفاظ السابقين الاولين کا بیان اور تفسیر ہوں گے اور من کا کلمہ تبعیضیہ نہیں بلکہ بیانیہ ہوگا اور الذين اتبعوهم باحسان کا ارشاد سابقین اخرین اور اصحاب یمین کو شامل ہے، یعنی صدر اول میں اولین کی ایک جماعت تھی اور جو ان کے بعد تھے اور ثلة من الاخرين سے مراد ہزار سال کے بعد قیامت تک آنے والے ارباب کمالات نبوت ہیں۔ عطاء فرماتے ہیں الذين اتبعوهم باحسان سے مراد وہ لوگ ہیں جو صحابہ کرام کے لئے رحمت اور رضاء الٰہی کی دعا کرتے ہیں (یعنی ان کے اسماء کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ اور رضی اللہ عنہ کہتے اور لکھتے ہیں) ابوصخر حمید بن زیاد فرماتے ہیں میں ایک دفعہ محمد بن کعب القرظی کے پاس آیا تو میں نے کہا صحابہ کرام کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے انہوں نے فرمایا تمام صحابہ کرام نیک اور گنہگار جنتی ہیں۔ میں نے کہا تمہارے اس بیان کی دلیل کیا ہے فرمایا قرآن کی یہ آیت پڑھو وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ...... رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ اس آیت کریمہ میں صحابہ کرام کے لئے مژدہ رضا ہے، اور تابعین کے لئے شرط لگائی وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ کہ وہ صحابہ کرام کے نیک اعمال کی اتباع کریں۔ ابوصخر کہتے ہیں مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں نے کبھی یہ آیت پڑھی ہی نہیں ہے اور مجھے اس کی تفسیر معلوم نہ تھی حتیٰ کہ محمد بن کعب نے میرے سامنے پڑھی اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 99 (الفکر)

اس کی تفسیر بیان فرمائی۔ میں کہتا ہوں تمام صحابہ کرام کے جنتی ہونے پر ذیل کے ارشاد سے حجت پکڑنا زیادہ بہتر اور مناسب ہے لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ارشاد بالکل واضح ہے کہ اولین و آخرین تمام صحابہ کرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی احد (پہاڑ) کی مثل سونا خرچ کرے تو میرے صحابہ کے ایک مد بلکہ نصف مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا(1)۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس مسلمان کو آگ نہ چھوئے گی جس نے میری زیارت کی یا اس کی زیارت کی جس نے مجھے دیکھا(2)۔ اس حدیث کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ میں کوئی ایک جس خطۂ زمین میں وصال کرے گا قیامت کے روز وہ اس علاقہ کے لوگوں کا قائد اور نور بن کر اٹھایا جائے گا(3)۔ اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے(4) اس حدیث کو رزین نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ے اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت کو شرف قبولیت بخشا ہے اور ان کے اعمال حسنہ پر اپنی رضا کا اظہار فرمایا ہے اور وہ بھی اس کے رب ہونے اسلام کے دین اور محمد ﷺ کے رسول برحق ہونے پر راضی ہیں کیونکہ اس قدر دان رب نے ان کو اپنی محبت عطا فرمائی ہے اور انہوں نے اسلام کی برکت اور نبی کی اطاعت کے سبب دنیوی و اخروی ہر نعمت کو اپنے دامن میں سمیٹا ہے۔

ے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے من تحتها پڑھا ہے جیسا کہ بقیہ تمام مقامات پر آیا ہے اہل مکہ کے مصاحف میں بھی اسی طرح ہے لیکن باقی قراء نے من کے حذف کو ساتھ پڑھا ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿١٠١﴾

"اور تمہارے آس پاس لے بسنے والے دیہاتیوں سے کچھ منافق ہیں اور کچھ مدینہ کے رہنے والے پکے ہو گئے ہیں نفاق میں ے تم نہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں انہیں ہم عذاب دیں گے انہیں دوبارہ ے پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف ے"

لے ان بدؤں سے مراد مزینہ، جہینہ، اشجع، اسلم اور غفار کے بعض لوگ ہیں۔ ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ان لوگوں کے گھر مدینہ طیبہ کے اردگرد تھے اور ان میں سے بعض منافقت کی صفت سے متصف تھے جیسا کہ اس پر من بعضیہ دلالت کر رہا ہے اور قبیلہ غفار، اسلم اور اشجع وغیرھا کے مناقب میں جو احادیث گزر چکی ہیں وہ اس ارشاد کے منافی نہیں ہیں (کیونکہ یہ بعض کا ذکر ہے)۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 310 (قدیمی)
2۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 226 (وزارت تعلیم)
3۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 226 (وزارت تعلیم)
4۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3 صفحہ 335 (الفکر)

ے اس کا عطف ممن حولکم پر ہے اور اس سے مراد اوس وخزرج کے کچھ لوگ ہیں۔ یہ منافقین کی صفت ہے اور موصوف صفت کے درمیان خبر پر معطوف کے ساتھ فاصلہ کیا گیا ہے۔ یا یہ علیحدہ مستقل کلام ہے جو نفاق میں ان کی پختگی اور رسوخ کو ظاہر کر رہا ہے، یہ ترکیب بھی ہو سکتی ہے کہ من اهل المدینة مبتدا محذوف کی خبر ہو اور مردوا کا جملہ مبتدا محذوف کی صفت ہو۔ تقدیر کلام اس طرح ہو وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ قَوْمٌ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ، یعنی اہل مدینہ سے ایک گروہ ایسا ہے جو نفاق میں بہت مضبوط اور گہرا ہے۔ عرب کہتے ہیں تمرد فلان ربه. فلاں نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس نافرمانی میں وہ پختہ ہے اور یہ اس کا عادی ہو گیا ہے۔ اس سے مرید اور مارد مشتق ہیں۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ نفاق کی گہرائی میں گھس گئے ہیں اور نفاق کے علاوہ ہر حالت کے منکر ہو گئے ہیں۔ ابن زید فرماتے ہیں وہ اس نفاق پر قائم رہے اور توبہ نہ کی۔ قاموس میں ہے مرد کنصر و کرم مردوا ومرادة فهو مريد و مارد و متمرد. یعنی وہ سرکشی میں حد سے بڑھ گیا، یا وہ اس حد کو پہنچ گیا ہے جو اس فعل کی انتہا اور غایت ہے اور مرد علی الشیء کا معنی ہے وہ اس کام کا عادی ہے، بعض اہل لغت فرماتے ہیں المارد وہ شخص ہوتا ہے جو خیر سے خالی ہو تو ''مردوا علی النفاق'' کا معنی یہ ہوگا کہ وہ خیر اور نیکی سے خالی ہیں اور نفاق پر ہیں۔

ے اے پیارے محمد ﷺ آپ فراست کاملہ اور کمال فطانت کے باوجود ان کی صفت نفاق کو نہیں جانتے کیونکہ یہ اپنے خبث باطن کو چھپانے میں بڑے شاطر ہیں، تہمت کے مواقع پر بڑی صفائی سے نکل جاتے ہیں لیکن ہم ان کے دلی بھیدوں پر مطلع ہیں آپ پر معاملہ کو خلط ملط کر سکتے ہیں لیکن ہم سے یہ اپنی مکاریاں نہیں چھپا سکتے۔

ے کلبی اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ خطبہ دینے کے لئے منبر پر جلوہ افروز تھے اور فرمایا اے فلاں نکل جاؤ یہاں سے، تم منافق ہو، اے فلاں نکلو یہاں سے تم منافق ہو، اے فلاں نکل جاتو منافق ہے۔ آپ ﷺ نے منافقین کے نام لیکر انہیں مسجد سے نکال دیا اور انہیں رسوا کیا۔ یہ ان کا پہلا عذاب ہے اور دوسرا عذاب عذاب قبر ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلا عذاب قتل کرنا اور قیدی بنانا ہے اور دوسرا عذاب قبر میں دیا جائے گا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہیں بھوک سے دو مرتبہ عذاب دیا گیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلا عذاب آگ کے شعلہ کے ذریعہ سے انہیں دیا گیا جو ان کی رگ دل پر پڑا اور انہیں ہلاکت کے گڑھے تک پہنچا دیا اور دوسرا عذاب عذاب قبر ہے۔ ابن زید فرماتے ہیں پہلا عذاب دنیا کے اندر مال اور اولاد میں مصائب ڈالنا ہے اور دوسرا عذاب قبر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ پہلا عذاب ان پر حدود کا قائم کرنا ہے اور دوسرا عذاب قبر ہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلے عذاب سے مراد یہ ہے کہ وہ اسلام کی روز بروز ترقی کو دیکھ کر دل ہی دل میں جلتے رہتے تھے اور خود بغیر کسی رغبت ڈر کے مارے اس مذہب کو قبول کیے ہوئے تھے اور دوسرا عذاب، عذاب قبر ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں پہلا عذاب یہ ہے کہ فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرتے وقت انہیں چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہیں اور دوسرا عذاب عذاب قبر ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں پہلا عذاب ان کی مسجد ضرار کو جلانا ہے اور دوسرا انہیں قبر میں جہنم کی آگ سے جلانا ہے (1)۔ میں کہتا ہوں تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے ایک مرتبہ انہیں دنیا میں کوئی ایک عذاب دیا جائے گا جن کا اوپر ذکر ہوا ہے اور ایک مرتبہ انہیں قبروں میں عذاب دیا جائے گا۔ ان دونوں عذابوں کے بعد پھر آخرت میں دائمی جہنم کے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 101 (الفکر)

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

"کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اعتراف کرلیا ہے اپنے گناہوں کا انہوں نے ملا جلا دیئے ہیں کچھ اچھے اور کچھ برے عمل[1]۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ان کی توبہ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے[2]۔"

[1] اٰخرون کا عطف منافقون پر ہے یا مردوا کے محذوف موصوف پر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ اَوْمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ قَوْمٌ اٰخرون لَيْسُوْا بِمُنَافِقِيْنَ یعنی ایک دوسرا گروہ بھی ہے یا اہل مدینہ سے ایک دوسرا گروہ ہے جو دلوں میں منافقت نہیں رکھتے بلکہ ان کی صفت یہ ہے کہ بغیر عذر کے غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے کے قصور کا اعتراف کرلیا ہے اور ترکیبی لحاظ سے آخرون کو مبتدا اور خلطوا کو خبر بنانا بھی جائز ہے۔ یعنی یہ حضرات منافق نہیں ہیں ان کے ملے جلے اعمال ہیں مثلاً دولت ایمان سے بہرور ہیں، نماز کے پابند ہیں، نبی کریم ﷺ کی معیت میں کئی مرتبہ جہادی جوہر دکھا چکے ہیں، جرم کے ارتکاب کے بعد گناہ کا اعتراف اور اس پر اظہار ندامت بھی کیا ہے لیکن اس مرتبہ جنگ کی دعوت کے باوجود پیچھے رہ گئے ہیں اور منافقین سے موافقت ہوگئی ہے وآخر سیئاً سے پہلے واؤ یا تو باء کے معنی میں ہے جیسے عرب کہتے ہیں بعت الشاء شاۃ ودرهما یا تقدیر کلام اس طرح ہے خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا بِالسَّيِّءِ یعنی ایمان کو انہوں نے جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اطاعت ترک کرنے کے گناہ کے ساتھ ملا دیا اور جہاد سے پیچھے رہ جانے کے قصور کو ندامت اور توبہ کے عمل صالح سے ملا دیا۔

[2] امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے کیونکہ اعترفوا بذنوبهم کا ارشاد اس پر دلالت کر رہا ہے اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے سے درگزر فرماتا ہے اور اس پر اپنا کرم اور احسان فرماتا ہے۔

ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے دلائل میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، نیز بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن مسیب سے اس آیت کے متعلق روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ دس افراد تھے جو غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے، ان افراد میں ابولبابہ بھی تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ سے واپس تشریف لائے تو ان میں سے سات افراد نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ جب آپ ﷺ مسجد سے لوٹے تو ان پر نظر پڑی، پوچھا یہ کون ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو باندھا ہوا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی یہ ابولبابہ اور ان کے ساتھی ہیں جو جنگ میں آپ کے ساتھ شریک نہیں ہوئے تھے اور انہوں نے پختہ عہد کیا ہے کہ یہ اپنے آپ کو آزاد نہیں کریں گے حتیٰ کہ آپ خود اپنے دست اقدس سے انہیں آزاد کریں گے اور ان سے راضی ہوں گے، انہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم بخدا میں نہ انہیں آزاد کروں گا اور نہ ان کا عذر قبول کروں گا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کی آزادی کا حکم نازل فرمائے، انہوں نے مجھ سے اعراض کیا اور مسلمانوں سے پیچھے رہ گئے تھے اور جہاد میں شامل نہ ہوئے، جب انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد پہنچا تو کہنے لگے ہم اپنے آپ کو نہیں کھولیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کھولنے کا حکم نازل فرمائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ عسیٰ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے استعمال ہو تو وجوب کا معنی دیتا ہے، جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں آزاد فرمایا، ان کی رسیاں کھول دیں اور ان کے عذر کو قبول فرمایا(1)۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ابی لبابہ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 88-487 (العلمیۃ)

اپنے آپ کو کھول دیں۔ انہوں نے کہا مجھے تو صرف رسول اللہ ﷺ ہی کھولیں گے۔ آپ ﷺ خود تشریف لائے اور اپنے دست اقدس سے ان کی رسیاں کھولیں۔ اس کے بعد یہ صحابہ کرام اپنے مال لیکر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ ہمارے اموال ہیں، ہم انہیں اپنی طرف سے صدقہ کرتے ہیں اور آپ ہمارے حق میں بخشش کی دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ابھی تک تمہارے صدقات قبول کرنے کا حکم نہیں ملا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾

"(اے حبیب) وصول کیجئے ان کے مالوں سے صدقہ تاکہ آپ پاک کریں انہیں اور بابرکت فرمائیں انہیں اس ذریعہ سے [1] نیز دعا مانگئے ان کے لئے [2] بیشک آپ کی دعا ہی (ہزار) تسکین کا باعث ہے ان کے لئے [3] اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے [4]"

[1] صدقہ سے مراد زکوٰۃ نہیں بلکہ گناہوں کے کفارہ کے لئے انہوں نے یہ صدقہ دیا تھا۔ لیکن بعض علماء نے اس سے مراد زکوٰۃ لی ہے۔ تطھر میں ضمیر خطاب کا مرجع آپ ﷺ کی ذات اقدس ہے یا یہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اور ضمیر کا مرجع صدقہ ہے اور تزکیھم میں تاء مخاطب کی ہے، یعنی آپ ﷺ ان کی نیکیوں کو بڑھائیں اور انہیں مخلصین کے بلند و بالا مقامات پر فائز فرما دیں۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن ابی طلحہ کے حوالہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر، الضحاک اور زید بن اسلم وغیرہ سے بھی اسی مقدار کلام روایت کی ہے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عطیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ پانچ افراد تھے جن میں ابولبابہ بھی تھے، سعید بن جبیر اور زید بن اسلم فرماتے ہیں وہ آٹھ آدمی تھے۔ قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ سات اشخاص تھے۔ ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے عوفی کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے تو ابولبابہ اور ان کے پانچ ساتھی پیچھے رہ گئے، پھر ابولبابہ اور ان کے دو ساتھیوں کو فکر لاحق ہوئی اور ندامت سے شرابور ہو گئے اور اپنی ہلاکت کا یقین کر لیا اور کہا ہم ٹھنڈے اور راحت بخش سایوں میں اور اپنی بیویوں کے ساتھ آرام و سکون سے رہ رہے ہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ اور مومنین میدان جہاد میں چلچلاتی دھوپ میں کافروں سے برسر پیکار ہیں۔ قسم بخدا ہم اپنے آپ کو ستونوں سے باندھے رکھیں گے اور اپنے آپ کو آزاد نہ کریں گے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں خود آزاد کریں۔ پس انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا اور تین افراد نے اپنے آپ کو نہیں باندھا تھا(1)۔ عبد نے قتادہ سے روایت کیا ہے یہ آیت کریمہ سات افراد کے متعلق نازل ہوئی تھی، جن میں سے چار نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا تھا، وہ چار افراد یہ تھے۔ ابولبابہ، مرداس، اوس اور جذام۔ ابوالشیخ اور ابن مندہ نے الصحابہ میں الثوری عن الاعمش عن ابی سفیان عن جابر کی سند سے نقل کیا ہے کہ جو حضرات رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے ان میں ابولبابہ، اوس بن جذام، ثعلبہ بن ودیعہ، کعب بن مالک، مرارہ بن الربیع اور ہلال بن امیہ تھے۔ ابولبابہ اور ثعلبہ آئے اور انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ پھر آزادی کے بعد اپنے مال لیکر آئے اور عرض کی یا رسول اللہ یہ قبول فرمائیے یہی وہ مال ہیں جن کی محبت نے ہمیں آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کی عظمت سے محروم کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا میں

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 89-488 (العلمیہ)

ان کو نہیں کھولوں گا(1) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کے کھولنے کا حکم نازل فرمائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی و آخرون اعترفوا بذنوبهم الایہ۔ اس حدیث کی سند قوی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے ایک ابولبابہ تھے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ آیت صرف ابولبابہ کے حق میں نازل ہوئی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کے جرم کے متعلق اختلاف ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ابولبابہ نے قریظہ کو کہا تھا کہ اگر تم معاذ کے حکم پر اترو گے تو ذبح ہو جاؤ گے اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا(2)۔ ہم نے اس واقعہ کو سورۃ انفال میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ الخ۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی خیال ہے کہ بنی قریظہ کے واقعہ میں انہوں نے اپنے آپ کو باندھا تھا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابولبابہ کے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کے وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ میں کہتا ہوں شاید ابولبابہ نے دونوں واقعات کی معافی کے لئے اپنے آپ کو باندھا ہو(3) اس کی دلیل ابن عباس اور سعید بن مسیب رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند سے لکھا ہے جس میں واقدی بھی ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ابولبابہ کی توبہ میرے حجرے میں نازل ہوئی تھی میں نے سحری کے وقت سنا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنس رہے ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ فرمایا ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی ہے۔ میں نے عرض کی حضور ﷺ! میں انہیں خوشخبری سنا دوں فرمایا جیسے تمہاری مرضی۔ یہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر آواز دی ابولبابہ مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی ہے، لوگ دوڑ کر آئے تاکہ انہیں کھول دیں۔ ابولبابہ نے فرمایا مجھے خود رسول اللہ ﷺ ہی آزاد فرمائیں گے۔ صبح کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دست اقدس سے ان کی رسیاں کھول دیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی و آخرون اعترفوا الایۃ۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ بنی قریظہ کے واقعہ میں جو آپ سے جرم صادر ہوا تھا اس کی وجہ سے آپ نے اپنے آپ کو باندھا تھا کیونکہ غزوۂ تبوک حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد واقع ہوا تھا، جبکہ قریظہ کا واقعہ پہلے کا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ دونوں واقعات کے نتیجہ میں آپ نے یکے بعد دیگرے اپنے آپ کو متعدد بار باندھا ہو کیونکہ دونوں روایتیں صحیح ہیں (کسی ایک کو ترک کرنا ممکن نہیں)۔

ے آپ ان کے حق میں دعا خیر فرمایئے اور ان کی مغفرت و بخشش کے لئے اپنے لب لعلیں کو جنبش دیجئے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں صدقہ کی وصولی کے وقت امام پر صدقہ دینے والے کے لئے دعا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں واجب ہے، بعض فرماتے ہیں مستحب ہے، بعض فرماتے ہیں فرضی صدقہ کی وصولی کے وقت واجب ہے اور نفلی صدقہ میں مستحب ہے۔ بعض فرماتے ہیں امام پر صدقہ لیتے وقت دعا کرنا واجب ہے لیکن فقیر کے لئے مستحب ہے کہ عطا کرنے والے کے لئے دعا کر دے(4)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں جو اصحاب شجرہ میں سے تھے (یعنی جنہوں نے درخت کے نیچے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست اقدس پر بیعت کی تھی) جب کوئی قوم رسول اللہ ﷺ کے پاس صدقہ لے آتی تو آپ ﷺ یہ دعا فرماتے اللّٰهم صل علیهم۔ (اے اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرما) پھر میرے باپ صدقہ لے کر آئے تو آپ ﷺ نے اس طرح دعا فرمائی اللّٰهم صل علی آل ابی اوفی۔ اے اللہ ابی اوفیٰ کی آل پر رحمت نازل فرما۔(5)

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 490 (العلمیۃ)　2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 102 (الفکر)　3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 102 (الفکر)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 104 (الفکر)　5۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 941 (وزارت تعلیم)

صلوٰۃ کا لغوی معنی دعا، رحمت، استغفار اور اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول مکرم ﷺ کی تعریف و توصیف بیان کرنا ہے(1)۔ قاموس میں اسی طرح ہے جب صلوٰۃ کی نسبت بندوں کی طرف ہو تو مراد دعا اور استغفار ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں صلوٰۃ سے مراد دعا اور استغفار بھی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان ذیشان (اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ اِلٰی طَعَامٍ فَلْیُجِبْ فَاِنْ کَانَ مُفْطِرًا فَلْیَاْکُلْ وَاِنْ کَانَ صَائِمًا فَلْیُصَلِّ)(2) (اگر کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو وہ قبول کرے، اگر روزہ دار نہیں ہے تو کھانا کھالے اور اگر روزہ دار ہو تو دعا کر دے) میں بھی صلوٰۃ بمعنی دعا ہے۔ اس حدیث کو امام احمد، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ صَلِّ عَلٰی زَوْجِیْ (میرے خاوند کے حق میں دعا فرمایئے) تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ جب صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مراد رحمت اور عمدہ تعریف کرنا ہوتا ہے، مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا میں یہی معنی مراد ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی آلِ اَبِیْ اَوْفٰی۔ (یااللہ ال ابی اوفی پر رحمت نازل فرما)۔ اسی طرح حدیث میں ہے اِجْعَلْ صَلٰوتَکَ وَرَحْمَتَکَ عَلٰی آلِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَۃَ۔ (یااللہ ال سعد بن عبادہ پر اپنی رحمتیں نازل فرما)۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے قیس بن سعد سے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ ملائکہ مومن کی روح کو کہتے ہیں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَعَلٰی جَسَدِکَ۔ (اللہ تجھ پر اور تیرے جسد پر رحمتیں نازل کرے)۔ لغوی معنی اور مذکورہ احادیث کے اعتبار سے یحییٰ بن یحییٰ فرماتے ہیں غیر انبیاء پر صلوٰۃ بھیجنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی اس مخصوص لفظ سے دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اہل شرع یعنی محدثین اور فقہاء کی اصطلاح میں صلوٰۃ انبیاء کرام کے ساتھ خاص ہے، غیر انبیاء پر صرف تبعاً جائز ہے مستقلاً جائز نہیں، اسی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غیر انبیاء پر صلوٰۃ کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قول امام مالک اور سفیان کا ہے اور یہی قول متکلمین اور فقہاء کا ہے۔ یہ فرماتے ہیں غیر انبیاء کے ساتھ رضی اللہ عنہ، غفرلہ اور رحمۃ اللہ علیہ لکھا اور بولا جائے۔ غیر انبیاء پر صلوٰۃ معروف نہیں ہے، یہ خلفاء عباسیہ میں بدعت شروع ہوئی تھی۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں غیر انبیاء پر تبعاً جائز ہے استقلالاً جائز نہیں۔ علماء کی ایک جماعت کا یہی نظریہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور جماعت فقہاء کے اس نظریہ کا استدلال یہ ہے کہ جب صلوٰۃ اصطلاح شرع میں انبیاء کرام کی تعظیم کے لئے خصوصاً نبی کریم ﷺ کی تعظیم کے لئے وضع کیا گیا ہے تو پھر غیر انبیاء پر اس کا اطلاق جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا۔ اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ کی ذات کے سوا کسی دوسرے پر صلوٰۃ بھیجنے کو مناسب نہیں سمجھتا۔ اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے عثمان بن حکیم کے طریق سے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس منع کے قول کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ بطور تعظیم کسی غیر کے لئے صلوٰۃ نہ پڑھے۔ بطور دعا کسی کے لئے صلوٰۃ کا لفظ استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مختار یہ ہے کہ انبیاء کرام، ملائکہ، ازواج مطہرات، آپ ﷺ کی آل اولاد، اہل طاعت پر اجمالاً درود بھیجنا چاہئے لیکن انبیاء کرام کے علاوہ کسی مخصوص شخص پر درود اس طرح سے پڑھنا کہ وہ اس کا شعار بن جائے،

1۔ القاموس المحیط، جلد 2 صفحہ 1709 (التراث العربی)

2۔ جامع ترمذی، جلد 1 صفحہ 97 (وزارت تعلیم)

مکروہ ہے۔ خصوصاً جبکہ اس شخص کی مثل اور اس سے افضل شخص پر درود نہ بھیجا جاتا ہو۔ جیسا کہ اہل تشیع، رافضی ائمہ اہل بیت کے لئے درود پڑھتے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے بھی یہی تحقیق رقم فرمائی ہے۔

۳؎ حضرت حفص، حمزہ اور کسائی نے یہاں اور سورۂ ہود میں صلوٰت جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ اسی طرح حمزہ اور کسائی نے سورۂ مومنون میں اور یہاں مفرد کا صیغہ بفتحہ تاء پڑھا ہے۔ جبکہ باقی قراء نے ہر جگہ جمع اور تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ سورۂ ہود میں تاء کے رفع میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۴؎ سکن لھم کا معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رحمۃ لھم کیا ہے۔ یعنی آپ کی دعا ان کے لئے موجب رحمت ہے۔ ابوعبیدہ فرماتے ہیں آپ کی دعا ان کے مضطرب دلوں کے لئے طمانیت اور قرار کا باعث ہوگی۔ آپ دعا کریں گے تو انہیں یقین ہوگا(1) کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔

میں کہتا ہوں صوفیاء کرام سے جب کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو ان کے دلوں پر اس گناہ کی تاریکی چھا جاتی ہے اور پھر ان پر وہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو معدۃ سے بخارات اٹھنے کی وجہ سے دھڑکنے والے دل کی ہوتی ہے، جب اللہ کا پیارا محبوب شفیع مجرماں اپنے گنہگار غلام کے لئے دست شفاعت اٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی لغزش معاف فرما دیتا ہے تو یہ تاریکیاں کافور ہو جاتی ہیں اور آئینہ دل گناہ کے گرد و غبار سے صاف ہو جاتا ہے اور اسے قلبی راحت و سکون ملتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ (خبردار! سنو اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں)۔

۵؎ اللہ تعالیٰ تمہارے اعتراف جرم اور تمہارے حق میں اپنے رسول مکرم ﷺ کی دعاؤں کو سننے والا ہے، اور جرم پر تمہارے اظہار ندامت کو جاننے والا ہے۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب ان لوگوں کی توبہ کا ارشاد نازل ہوا تو پیچھے رہنے والوں میں سے جنہوں نے توبہ نہیں کی تھی کہنے لگے کل تک تو یہ ہمارے ساتھ تھے ان سے کوئی کلام نہیں کرتا تھا، کوئی ان کے ساتھ بیٹھنا گوارا نہ کرتا تھا(2) (آج کیا ہوا ہے کہ لوگ ان سے اتنی محبت و عقیدت کا اظہار کر رہے ہیں) اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا۔

اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۴﴾

”کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی توبہ قبول فرماتا ہے اپنے بندوں سے اور لیتا ہے صدقات کو ۱؎ اور بیشک اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۲؎ “

۱؎ یقبل کا صلہ عن استعمال ہوا ہے کیونکہ اس کے ضمن میں تجاوز کا معنی پایا جاتا ہے، یعنی انہیں معلوم نہیں کہ وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے درگزر فرما کر ان کی توبہ قبول فرماتا ہے، اس شخص کی طرح ان کے صدقات قبول فرماتا ہے جو اس غرض سے کوئی چیز لیتا ہے تاکہ اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے ابوالقاسم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ جو بندہ اپنی پاک کمائی سے صدقہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو صرف پاک چیز ہی قبول

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 103 (الفکر)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 104 (الفکر)

فرماتا ہے اور آسمان کی طرف صرف پاک صدقہ اور کلام ہی بلند ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس صدقہ کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر اس طرح بڑھاتا ہے جس طرح تم میں کوئی اپنے بچھیرے کو پالتا ہے اور اس کی بڑھوتری اور پرورش کرتا ہے حتیٰ کہ صدقہ کا ایک لقمہ قیامت کے روز بڑے پہاڑ کی مثل ہو کر آئے گا پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ الآیۃ۔ اس حدیث کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ جو اپنی نیک کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ صدقہ قبول فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ (اپنی قدرت کے لائق) سے قبول فرماتا ہے پھر اسے بڑھاتا رہتا ہے صدقہ کرنے والے کے لئے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بچھیرے کو بڑا کرتا ہے اور اس کی پرورش کرتا ہے حتیٰ کہ وہ پہاڑ کی مثل ہو گا۔(1)

۲۔ اس بندہ نواز اور کریم کی شان ہی یہ ہے کہ وہ توبہ کرنے والوں کو مایوس نہیں لوٹاتا بلکہ ان کی توبہ کو شرف قبولیت بخشتا ہے اور پھر ان پر مزید کرم گستریاں فرماتا ہے۔

وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

''اور فرمایئے عمل کرتے رہو۔ پس دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو اور (دیکھے گا) اس کا رسول اور مومن اور لوٹائے جاؤ گے اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کا۔ پس وہ خبردار کرے گا تمہیں اس سے جو تم کیا کرتے تھے ۱ ''

۱۔ اے پیارے محمد ان مذکورہ افراد کو یا تمام لوگوں کو فرما دو کہ جیسے چاہو اعمال کرو اللہ تعالیٰ اپنے نور الوہیت سے تمہارے اعمال دیکھے گا کیونکہ اس پر خیر و شر میں سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ پر وہ سب کچھ ظاہر فرما دے گا جو تم اس سے چھپاتے ہو۔ پس اس کا رسول بھی تمہارے اعمال کو دیکھے گا اور مومنین بھی نور ایمان سے تمہارے اعمال کو دیکھیں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ان کے لئے وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ان کے اعمال سے آگاہ فرما دے گا اور مومنین کی رویت اس طرح ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے متعلق ان کے دلوں میں انس و محبت پیدا فرما دے گا اور فسادی لوگوں کے متعلق ان کے دلوں میں بغض پیدا فرما دے گا۔

وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَ اِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

''اور دوسرے لوگ ہیں (جن کا معاملہ) ملتوی کر دیا گیا ہے اللہ کا حکم (آنے) تک ۱۔ چاہے وہ عذاب دے انہیں اور چاہے توبہ قبول فرما لے ان کی ۲۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا دانا ہے۔ ۳۔''

۱۔ ان سے مراد اہل مدینہ میں سے پیچھے رہ جانے والے افراد ہیں۔ مرجون کو ابو بکر کے علاوہ کوفی اور اہل مدینہ بغیر ہمزہ کے پڑھتے ہیں جبکہ دوسرے قراء ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس میں دونوں لغتیں ہیں۔ اَرجا کا معنی پیچھے کرنا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم تک ان کا معاملہ مؤخر کیا گیا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 189 (وزارت تعلیم)

۲۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو صغیرہ گناہ پر گرفت فرمالے اور چاہے تو بغیر توبہ گناہ کبیرہ کو معاف فرمادے اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ اس لئے بندوں کو خوف اور امید کے مابین رہنا چاہئے۔ اما جو شک کے لئے استعمال ہوتا ہے، یہ بندوں کی طرف راجع ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال سے باخبر ہے جو بھی اپنے بندوں سے معاملہ فرمائے گا حکمت پر مبنی ہوگا۔ آخرون سے مراد کعب بن مالک، بلال بن امیہ، مرادہ بن ربیع ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو ستون سے نہیں باندھا تھا اور یہ ان دس افراد میں سے تھے جو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے متعلق حکم فرمایا کہ نہ ان پر سلام کرو اور نہ ان سے کلام کرو۔ پھر جب ان کے اخلاص نیت کو محسوس کیا تو ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر نظر کرم فرمائی۔ بخاری اور مسلم نے کعب بن مالک کی طویل حدیث لکھی ہے، ہم ان لوگوں کا واقعہ آئندہ صفحات میں ذکر کریں گے، واللہ اعلم۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ابی رھم کلثوم بن الحصین الغفار سے روایت کیا ہے جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر درخت کے نیچے حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ ابن جریر، ابن منذر ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے دلائل میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر سے اور محمد بن عمرو نے یزید بن رومان سے روایت کیا ہے کہ بنی عمرو بن عوف نے مسجد تعمیر کی اور پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ تشریف لائیں اور ہماری اس مسجد میں نماز ادا فرمائیں۔ جب بنی غنم بن عوف نے یہ ماجرا دیکھا تو ان کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑکنے لگی۔ انہوں نے کہا ہم بھی ویسی ہی مسجد بناتے ہیں جیسی انہوں نے بنائی ہے۔ ابو عامر فاسق نے شام کی طرف جانے سے پہلے یہ مشورہ دیا تھا کہ تم اپنی مسجد بناؤ اور اپنی طاقت واستطاعت کے مطابق اس میں اسلحہ جمع کرو، میں بادشاہ روم قیصر کی طرف جارہا ہوں، میں وہاں سے ایک لشکر لے آؤں گا جو محمد (ﷺ) اور اس کے صحابہ کو مدینہ سے نکال دے گا۔ منافقین ابو عامر فاسق کی آمد کے ہر وقت منتظر رہتے تھے۔ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے نکلا تھا۔ جب منافقین نے ابو عامر فاسق کے مشورہ کے مطابق مسجد تعمیر کرلی تو رسول اللہ ﷺ کو اس میں نماز ادا کرنے کی دعوت دینے کا انہوں نے ارادہ کیا اور ان کا اس مسجد سے مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں میں فساد، کفر، عناد کے شعلے بھڑک اٹھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کو اس شر سے محفوظ رکھا۔ جب آپ ﷺ غزوۂ تبوک کی تیاری فرمارہے تھے تو منافقین کی ایک جماعت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئی اور کہا یا رسول اللہ ﷺ رات کی تاریکی اور بارش کے موسم میں بیماروں، کمزوروں اور بوڑھوں کو دور جاکر نماز ادا کرنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے ہم نے یہاں اپنے قریب ہی ایک مسجد تعمیر کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے لئے اس میں ایک مرتبہ نماز ادا فرمادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اب تو میں تبوک کے سفر پر جانے کی تیاری کررہا ہوں اور اس کے ساز وسامان کی تیاری میں مشغول ہوں جب ہم اس سفر سے آئیں گے تو ان شاء اللہ تمہاری اسی مسجد میں نماز ادا کریں گے۔ جب آپ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے اور مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلہ پر پڑاؤ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمادیں۔(1)

وَ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِیْقًۢا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُؕ وَ لَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 71-470 (العلمیہ)

الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

''اور وہ لوگ جنہوں نے بنائی ہے مسجد نقصان پہنچانے کے لئے کفر کرنے کے لئے ۱؎ اور پھوٹ ڈالنے کے لئے مومنوں کے درمیان ۲؎ اور (اسے) کمین گاہ بنایا ہے اس کے لئے جو لڑتا رہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے اب تک ۳؎ اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ صاف جھوٹے ہیں ۴؎''

۱؎ اہل مدینہ اور اہل شام نے اسے بغیر واؤ کے یعنی انہوں نے الذین پڑھا ہے اور ان کے مصاحف میں بھی اسی طرح ہے، جبکہ باقی قراء نے وآخرون پر عطف کی بناء پر واؤ کے ساتھ والذین پڑھا ہے، یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یا یہ اختصاص کی بناء پر منصوب ہے اور ضرارا کا معنی ہے تکلیف یعنی مسلمانوں کی تکلیف کی غرض سے مسجد تعمیر کی۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ بارہ آدمی تھے جنہوں نے یہ مسجد تعمیر کی تھی: 1۔ حذام بن خالد جو بنی عبید بن زید سے تھا اور یہ بنی عمرو بن عوف کا ایک فرد تھا۔ یہ اپنے گھر سے مسجد کی طرف دشمنی اور عداوت کی خاطر نکالا تھا، 2۔ ثعلبہ بن حاطب جس کا تعلق بنی امیہ بن زید سے تھا، 3۔ معتب بن قشیر، اس کا تعلق بنی ضبیعہ بن زید سے تھا، 4۔ ابو حبیبہ بن الازعر اس کا تعلق بنی ضبیعہ بن زید سے تھا، 5۔ عبادہ بن حنیف جو سہل بن حنیف کے بھائی تھے، ان کا تعلق بھی بنی عمرو بن عوف سے تھا، 6۔ نجاد بن عثمان جو بنی ضبیعہ سے تھے، 7۔ ودیعہ بن ثابت (1) 8۔ بخرج۔ ان لوگوں نے مسجد قبا کی آبادی اور رونق کو ختم کرنے کے لئے علیحدہ مسجد تعمیر کی تھی۔

۲؎ ایک تو مسجد بنانے کا مقصد مومنین میں انتشار پیدا کرنا تھا اور دوسرا اللہ اور رسول کی نافرمانی تھی اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ اور اختلاف کا بیج بونا تھا کیونکہ پہلے مسلمان مسجد قبا میں نماز ادا کرتے تھے۔ انہوں نے علیحدہ مسجد بنائی تا کہ کچھ لوگ اس میں نماز پڑھیں گے اور اس طرح اختلاف وافتراق کی جڑ مضبوط ہو جائے گی۔ ان کو اس مسجد میں مجمع بن حارثہ امامت کراتا تھا، یہ لوگ ابو عامر کے ہر وقت منتظر رہتے تھے کیونکہ وہ انہیں کہہ کر گیا تھا کہ میں قیصر روم سے ایک لشکر لے آؤں گا جس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ابو عامر راہب تھا اور اس کا تعلق بنی عمرو بن عوف سے تھا، اور یہ غسیل ملائکہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا والد تھا، زمانہ جاہلیت میں راہبوں کی زندگی گزارتا، نصرانی دین پر راہبوں کا لباس پہنے رکھتا تھا۔ جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ابو عامر نے کہا یہ آپ کون سا دین لیکر آئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا دین ابراہیمی لیکر آیا ہوں۔ ابو عامر نے کہا دین ابراہیمی پر تو میں ہوں۔ آپ ﷺ کو اس نے کہا تو دین ابراہیمی پر نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے اس دین حنیف میں ایسی چیزیں داخل کر دی ہیں جو اس دین سے نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے کوئی تغیر وتبدل نہیں کیا، میں تو بالکل روشن اور پاک دین وشریعت لیکر آیا ہوں۔ ابو عامر کو جب اپنی پیری کے زوال کا خدشہ ہوا تو غصہ میں آ کر کہنے لگا جو ہم میں سے جھوٹا ہے اللہ تعالیٰ اسے غربت وتنہائی میں وطن سے دور ہلاک کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا آمین۔ آپ ﷺ نے اس کا نام ابو عامر الفاسق رکھا۔ جنگ احد میں ابو عامر نے حضور ﷺ کو کہا اب جو قوم تیرے ساتھ جنگ کرے گی میں اس کے ساتھ ہو کر تم سے جنگ کروں گا، جنگ حنین تک ہمیشہ یہ کفر کی صفوں میں ہو کر داعی اسلام کی مخالفت کرتا رہا۔ جب ہوازن کو شکست ہوئی تو یہ شام کی طرف دم دبا کر بھاگ گیا اور منافقین کی طرف پیغام بھیجا کہ تم اپنی طاقت کے مطابق اسلحہ اور قوت جمع کرو اور ایک مسجد بناؤ۔ میں بادشاہ روم قیصر کی طرف جا رہا

1۔ سبل الہدیٰ، جلد 5 صفحہ 472 (العلمیہ)

ہوں اور وہاں سے روم کا ایک لشکر لے آؤں گا۔ جو محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو شہر سے نکال دے گا۔ پس اس کے مشورہ پر منافقین نے مسجد قبا کے قریب اس کی آبادی کو ختم کرنے کے لئے مسجد تعمیر کی۔(1)

ۓ من قبل یا تو حارب کے متعلق ہے، یا اتخذوا کے متعلق ہے، یعنی غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے کی منافقت سے پہلے انہوں نے مسجد بنائی۔ انہوں نے واقعی غزوہ تبوک سے پہلے مسجد بنائی تھی، پہلی ترکیب بہتر ہے۔

ۓ یہ جن منافقین نے مسجد ضرار بنائی ہے وہ آپ کے سامنے قسمیں اٹھائیں گے کہ جناب ہماری اس مسجد کی تعمیر سے غرض صرف مسلمانوں پر شفقت تھی کیونکہ بارش، گرمی، سردی اور اندھیری راتوں میں کمزور اور بوڑھے لوگوں کے لئے نبی کریم ﷺ کی مسجد تک پہنچنا ممکن نہیں ہوتا، اس لئے ہم نے یہ قریب ہی مسجد تعمیر کر دی ہے۔ ہماری غرض تو صرف اور صرف نیکی اور بھلائی کو عام کرنا ہے۔

ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے عوفی کے حوالہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مسجد قبا تعمیر کروائی تو انصار کے کچھ افراد نکل گئے جن میں بخرج نامی شخص بھی تھا، تو انہوں نے اپنے نفاق کی وجہ سے علیحدہ مسجد بنائی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخرج تو ہلاک ہو جائے یہ تو نے کیا کیا ہے، اس نے کہا حضور! میرا مقصود تو قسم بخدا نیکی کی ترویج تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جان عالم! ان کی چکنی چپڑی باتوں کو مت مانئے یہ اپنی قسموں اور باتوں میں بالکل جھوٹے ہیں۔

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝

"آپ نہ کھڑے ہوں اس میں کبھی ۓ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے پہلے دن سے ۓ وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ کھڑے ہوں اس میں ۓ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں صاف ستھرا رہنے کو ۓ اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پاک صاف لوگوں سے ۓ"

ۓ اس مسجد میں نماز کے لئے کبھی نہ جانا (کیونکہ اس کی بنیاد نفاق اور کفر پر ہے)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا یہی مفہوم مروی ہے، ابن النجار فرماتے ہیں۔ یہ مسجد جو منافقین نے مسجد قبا کی مخالفت میں بنائی تھی اس میں وہ جمع ہوتے اور نبی کریم ﷺ کی کردار کشی کرتے اور آپ کا مذاق اڑاتے۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو آپ ذی آوان میں تھے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں زہری نے ابی رہم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مالک بن الدخشم اور معن بن عدی کو بلایا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے عامر بن سکن اور وحشی کا نام بھی ذکر کیا ہے جبکہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے عاصم کا نام ذکر نہیں کیا۔ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے التجرید میں سوید بن عباس الانصاری کا اضافہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے ان جانثاروں کو حکم فرمایا کہ ان ظالموں کی مسجد کو نیست و نابود کر دو اور اس کے ملبے کو آگ لگا دو۔ یہ صحابہ تعمیل ارشاد میں دوڑتے ہوئے آئے حتیٰ کہ سالم بن عوف کے پاس پہنچے تو مالک نے اپنے ساتھیوں سے کہا میرے آنے تک تم یہاں ٹھہرو۔ وہ گھر گئے اور کھجور کی خشک ٹہنیاں اٹھا لائے، ان میں آگ جلائی اور پھر جلدی جلدی مسجد کی طرف اس آگ کو لے آئے، مسجد میں وہ شام اور عشاء کے درمیان پہنچے۔ اس میں منافقین کا گروہ موجود تھا۔ صحابہ کرام نے مسجد کو آگ لگا دی اور اسے زمین بوس کر دیا اور منافق یہ منظر دیکھ کر تتر بتر ہو گئے (2)۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 07-106 (الفکر)
2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 472 (العلمیہ)

اس جگہ کو اروڑی (گندگی کا ڈھیر) بنادو، اس میں مردار گندید بودار چیزیں اور کوڑا کرکٹ ڈالا کرو۔ ابو عامر الفاسق شام میں تنہا اور وطن سے دور مرگیا۔ محمد بن یوسف الصالحی نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے عاصم بن عدی کو فرمایا کہ تم اس مسجد کی جگہ گھر بنالو۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ اس جگہ کے متعلق قرآن نازل ہوا ہے، میں ایسا نہیں کر سکتا، آپ یہ جگہ ثابت بن اقرم کو عطا فرمادیں کیونکہ ان کے پاس رہائش کے لئے مکان نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے وہ جگہ ثابت بن اقرم کو عطا فرمادی، اس جگہ ثابت بن اقرم کا کوئی بچہ پیدا نہ ہوا اور نہ کسی کبوتر نے بچے دیئے اور نہ کسی مرغی نے انڈا دیا (1)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بنی عمرو بن عوف جنہوں نے مسجد قبا بنائی تھی۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے کہ آپ مجمع بن حارث کو اجازت فرمائیں کہ وہ ہماری امامت کرایا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجمع کی آنکھ بھی نہ سوئے۔ یہ امام نہیں ہوسکتے۔ انہوں نے مسجد ضرار کی امامت کروائی تھی۔ مجمع نے کہا اے امیر المومنین، میرے متعلق اتنا جلدی حکم جاری نہ فرمائیں قسم بخدا میں نے اس مسجد میں نمازیں پڑھیں اور پڑھائیں لیکن مجھے ان کی بدنیتی اور خبث باطنی کا علم نہیں تھا۔ اگر مجھے ان کے نفاق اور کفر کا علم ہوتا تو میں کبھی ان کے ساتھ نہ ہوتا۔ میں جوان تھا اور قرآن کا قاری تھا، جبکہ وہ لوگ بوڑھے اور ان پڑھ تھے۔ میں نے انہیں نمازیں پڑھائیں مگر مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ بدبخت قرب الٰہی کا ارادہ رکھتے ہیں یا امت مسلمہ کا شیرازہ بکھیرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا عذر قبول کیا اور اس کی تصدیق فرمائی۔ پھر مسجد قبا کی امامت کے امور ان کے سپرد فرمائے۔(2)

لمسجد یہ لام لام ابتدائیہ ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں یہ لام قسم ہے۔ یعنی آپ اس مسجد میں نماز پڑھیں جس کی بنیاد اور اساس پہلے دن سے تقویٰ اور پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے۔ یا اول یوم سے مراد وہ دن ہے جس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تھے۔ سہیلی نے یہی توجیہ لکھی ہے۔ ابن عمر زید بن ثابت اور ابو سعید الخدری فرماتے ہیں جس مسجد میں آپ کو قیام کا حکم ہو رہا ہے اس سے مراد مسجد مدینہ ہے کیونکہ امام مسلم، احمد، ابن ابی شیبہ، ترمذی، نسائی، ابو یعلی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، الحاکم، ابن مردویہ اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے الدلائل میں حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کسی زوجہ محترمہ کے حجرہ میں حاضر ہوا، میں نے عرض کی یارسول اللہ (ﷺ) وہ کونسی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے کنکریوں کی مٹھی بھری اور پھر انہیں زمین پر مار کر فرمایا یہ تمہاری مسجد مسجد مدینہ ہے(3)۔ طبرانی اور الضیاء المقدسی رحمہما اللہ تعالیٰ نے المختارہ میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس مسجد کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی بنیاد قرآن نے تقویٰ پر بیان کی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا هو مسجدی هذا۔ وہ یہ میری مسجد ہے۔ ابن ابی شیبہ اور ابن مردویہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں جس مسجد کی تعریف یہ بیان ہوئی ہے کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر ہے وہ مسجد نبوی ہے(4)۔

مسجد نبوی صلی اللہ علی صاحبہا وسلم، کی فضیلت میں کثیر روایات منقول ہیں۔ بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں میرے حجرے اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر حوض پر ہے(5)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت دوسرے الفاظ میں نقل کی ہے میری قبر اور میرے منبر کے درمیان

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 472 (العلمیۃ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 9-108 (الفکر) 3۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 447 (قدیمی)
4۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 496 (العلمیۃ) 5۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 446 (قدیمی)

جنت کا باغیچہ ہے۔ بخاری، مسلم اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے عبداللہ بن زید المازنی سے اس طرح روایت کی ہے میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے (1)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے لیکن مسجد حرام کا مرتبہ اس سے بلند ہے۔ (2)

بعض علماء کا خیال ہے کہ جس مسجد کی قرآن نے تعریف کی ہے اس سے مراد مسجد قبا ہے۔ حضرت ابن عباس، عروہ بن زبیر، سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور قبا میں قیام کے دوران سوموار سے جمعہ تک آپ ﷺ نے اس میں نمازیں ادا فرمائی تھیں۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ ﷺ مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لائے تھے۔ یہ قول ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابوالشیخ سے الضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن دینار سے اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہفتہ کے روز پیدل یا سوار ہو کر مسجد قبا میں تشریف لاتے تھے اور عبداللہ بن عمر بھی ایسا ہی کرتے تھے اور نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ اس مسجد میں دو رکعت نماز نفل ادا فرماتے تھے (3)۔ داؤدی فرماتے ہیں یہ کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ دونوں مساجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔ سہیلی اور ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی یہی لکھا ہے۔ میں کہتا ہوں آیت کے نزول کا مورد اگرچہ خاص ہے لیکن مراد عام ہے کیونکہ نکرہ کی صفت عام الفاظ سے لگائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہر مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر ہو زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ لیکن آیت کا سیاق اس بات کا مقتضی ہے کہ آیت کا مورد مسجد قبا ہے کیونکہ مسجد ضرار مسجد قبا کو ضرر پہنچانے کے لئے بنائی گئی تھی۔

؎ اس میں ایسے لوگ ہیں جو حدث، جنابت اور نجاستوں سے پاک رہنا پسند کرتے ہیں یا یہ معنی کہ گناہوں اور برے اخلاق سے پاک رہنا انہیں محبوب ہے۔

؎ اور اللہ تعالیٰ پاک اور صاف لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔ مطھرین اصل میں متطھرین تھا تاء کو طاء میں ادغام کیا گیا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ یہ آیت کریمہ اہل قباء کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ قضاء حاجت کے بعد پانی سے استنجاء کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی اس نظافت و پاکیزگی کا ذکر فرمایا ہے (4)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مہاجرین صحابہ کی معیت میں مسجد قبا میں تشریف لے گئے، انصار وہاں بیٹھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کیا تم مومن ہو؟ انصار خاموش رہے پھر آپ ﷺ نے یہی سوال دوہرایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ مومن ہیں اور میں بھی ان کے ساتھ ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم قضاء الٰہی پر راضی ہو؟ انصار نے عرض کی جی ہاں۔ پھر پوچھا تم مصیبت پر صبر کرتے ہو؟ عرض کی جی ہاں، پھر پوچھا کیا تم خوشحالی پر اللہ کا شکر کرتے ہو، عرض کی جی ہاں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا رب کعبہ کی قسم تم

1۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 159 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 446 (قدیمی)
3۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 159 (وزارت تعلیم)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 136 (وزارت تعلیم)

مومن ہو۔ پھر آپ ﷺ بیٹھ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے انصار کو فرمایا اے انصار اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے، تم قضاء حاجت کے بعد کیا عمل کرتے ہو؟ انصار نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم استنجاء میں تین پتھر استعمال کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی فیہ رجال یحبون ان یتطھروا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الاوسط میں یہی حدیث ورب الکعبہ تک روایت کی ہے۔ عمر بن شیبہ نے اخبار المدینہ میں ولید بن ابی سندر اسلمی کے حوالہ سے یحیٰی بن سہل انصاری سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اہل قبا کے حق میں نازل ہوئی وہ قضاء حاجت کے بعد پانی سے استنجاء کرتے تھے(1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے پانی سے استنجاء شروع کیا(2)۔ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں عویمر بن ساعدہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ مسجد قبا میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری نظافت اور صفائی کے متعلق تعریف فرمائی ہے، تم کس چیز سے طہارت حاصل کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے پڑوسی یہود قضاء حاجت کے بعد پانی سے استنجاء کرتے تھے تو ہم نے بھی پانی استعمال کرنا شروع کر دیا جیسا کہ وہ طہارت کے لئے پانی استعمال کرتے تھے(3)۔ ایک حدیث میں ہے کہ انہوں نے عرض کی حضور ﷺ ہم پتھر سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے، تم یہی طریقہ استعمال کرتے رہو۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾

”تو کیا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ کے تقویٰ پر اور (اس کی) رضا جوئی پر بہتر ہے یا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی وادی کے کھوکھلے دہانے کے کنارے پر جو گرنے والا ہے پس وہ گر پڑا اسے لیکر دوزخ کی آگ میں [1] اور اللہ تعالیٰ راہ حق پر نہیں چلاتا ظالم قوم کو [2]“

[1] یہ سوال و جواب صرف مخاطب کو خاموش کرانے کے لئے ہے حالانکہ یہ اتنی واضح بات ہے کہ ہر عالم و جاہل اس سے باخبر ہے۔ بنیان سے مراد دین ہے یا وہ عمارت جو اس نے تعمیر کی ہے اور اس عمارت کو مضبوط و مستحکم بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے اور اس کی بنیاد رضاء الٰہی اور اللہ کا خوف اور تقویٰ ہے، اس عمارت سے ان کا مقصد صرف قرب الٰہی کا حصول ہے، نافع اور ابن عامر نے دو جگہ اُسِّسَ کو مجہول یعنی ہمزہ کے ضمہ اور سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور بنیانہ کو مرفوع پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے ہمزہ اور سین کے فتحہ کے ساتھ معروف کا صیغہ پڑھا ہے اور بنیانہ کو منصوب پڑھا ہے۔ ابن عامر، حمزہ اور ابوبکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے حرف کو راء کے سکون کے ساتھ اور باقی قراء نے راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر، حمزہ، حفص، ہشام اور نقاش رحمہم اللہ تعالیٰ نے ھار کو بروایت اخفش فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور ورش نے دونوں کے درمیان پڑھا ہے اور باقی قراء نے امالہ کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی بنیاد کمزور اور کھوکھلی ہے شفیر کا معنی کنارہ ہے اور جوف سے مراد وہ دہانہ ہے جسے اندر سے پانی نے کھوکھلا کر دیا ہو، سیلاب نے اندر سے اس کی مٹی کریدلی ہو اور بہا کر لے گیا ہو۔ ھار جو گرنے کے قریب ہو، اس کی بنیاد ڈول رہی ہو۔ ھار کی اصل ھور تھا اور واؤ

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 499 (العلمیہ)
2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 498 (العلمیہ)
3۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 497 (العلمیہ)

ماقبل مفتوح کو الف سے بدلا گیا ہے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی اصل ھائر ہے، پھر شاک، عاق کی طرح ھار پڑھا گیا۔ بعض علما فرماتے ہیں یہ ھار یھار سے مشتق ہے جس کا معنی ٹوٹنا ہے ھار کا معنی وہ چیز ہوگی جس کا بعض بعض کے پیچھے گرتا جائے جیسے ریت یا کوئی دوسری نرم چیز گرتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس نے عمارت کی بنیاد خشیت الٰہی اور رضاء الٰہی پر رکھی ہے وہ بہتر ہے اس شخص کی عمارت سے جس نے کمزور اور کھوکھلی بنیادوں پر اپنی تعمیر کی ہے، کمزور بنیادوں سے مراد باطل اور نفاق ہے جس کو غیر مستحکم ہونے اور کم دوام میں اس گرنے والے کنارے سے تشبیہ دی گئی ہے جو اندر سے کھوکھلا ہو۔ شفا جرف شرک اور نفاق سے بطور استعادہ مجازی معنی میں ہے جو شرک و نفاق، تقویٰ کی ضد ہے۔ پھر مشبہ بہ کے لوازمات میں سے ذکر فرمایا فانھار بہ (یعنی اس کنارہ کو گرنا لازم ہے) تاکہ یہ صورت بن جائے کہ باطل کے پرستاروں نے گویا جہنم کی گہری وادی کے کنارے پر جو اپنی عمارت تعمیر کی ہے، پس وہ کنارہ اس جہنم کی گہرائی میں اس عمارت کے ساتھ گر چکا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے نفاق کی وجہ سے آگ میں ڈال دیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ مسجد مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے اور ان کی جمعیت کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ یہ اس عمارت کی طرح ہے جو جہنم کے کنارے پر تعمیر کی گئی ہے اور وہ کنارہ اس مسجد میں رہنے والوں سمیت گر گیا ہے۔ (1)

محمد بن یوسف صالحی فرماتے ہیں ابن عطیہ نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ وہ مسجد جس کا ذکر آیت میں ہے کہ جس کی بنیاد تقویٰ رکھی گئی ہے وہ مسجد نبوی ہے اور جس مسجد کا ذکر افمن اسس بنیانہ علی تقوی من اللہ و رضوان خیر کے ارشاد میں ہے۔ اس سے مراد مسجد قبا ہے، اور جس کی بنیاد گرنے والے کنارے پر رکھی گئی ہے وہ مسجد ضرار ہے، اس پر اجماع ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو شاہراہ ہدایت نہیں دکھاتا اور ان کی صلاح و نجات کی روشوں کی طرف راہنمائی نہیں فرماتا۔ ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر سے اور ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اور اسی طرح ابن المنذر نے جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ مسجد ضرار میں ایک جگہ کھودی گئی تو لوگوں نے وہاں سے دھواں نکلتا ہوا دیکھا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں میں نے مسجد ضرار سے نکلتا ہوا دھواں خود دیکھا۔ (2)

لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۱۰﴾

''ہمیشہ ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے کھٹکتی رہے گی ان کے دلوں میں ۱؎ مگر یہ کہ پارہ پارہ ہو جائیں ان کے دل اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے ۲؎''

۱؎ بنیان مصدر ہے اور مراد مفعول ہے (یعنی ان کی وہ عمارت جو انہوں نے بنائی)۔ یہ جمع نہیں ہے۔ اسی وجہ سے کبھی کبھی اس کے آخر میں تاء بھی داخل ہو جاتی ہے، اور اس کی صفت مفرد سے بیان کی گئی ہے اور اس کی خبر ریبۃ ذکر کی گئی ہے۔ ریبۃ کا معنی شک اور نفاق ہے، یعنی ان کی یہ تعمیر ہمیشہ ان کے شک کا سبب رہے گی کیونکہ اس چیز نے انہیں اس تعمیر پر برانگیختہ کیا اور وہ ہمیشہ اسی گمان میں رہیں گے کہ ہم نے تو یہ مسجد نیکی کی خاطر بنائی تھی۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے دلوں میں بچھڑے کی محبت راسخ ہو گئی تھی۔ ابن عباس رضی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 110 (الفکر)   2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 499 (العلمیہ)

اللہ عنہما نے اس کی یہی توجیح بیان فرمائی ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس عمارت کے بنانے سے مقصود حاصل نہ ہونے پر وہ ہمیشہ حسرت وندامت کا باعث ہی رہے گی کیونکہ وہ اس کے بنانے پر شرمندہ تھے (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلبی ارادوں سے اپنے محبوب کو آگاہ فرما دیا تھا)۔ سعدی فرماتے ہیں اس عمارت کا گرنا ہمیشہ ان کے لئے غیظ وغضب کا موجب رہے گا۔(1)

ابن عامر، ابوجعفر، حفص اور حمزہ نے تقطع کو تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور عام زمانہ سے استثناء مفرغ ہے۔ یعقوب نے الی ان اور تقطع کو تاء کے ضمہ کے ساتھ مجرد فعل سے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ زمانوں میں سے ہر زمانہ ختم ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ تک ان منافقوں کی یہی کیفیت رہے گی حتی کہ ان کے دلوں میں ادراک واحساس کی قابلیت نہ رہے، اس عبارت میں مبالغہ کرنا مقصود ہے کہ ہمیشہ یہ اضطراب اور بے چینی کی کیفیت میں رہیں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں تقطع سے مراد قتل کے ساتھ ان کے دلوں کا پارہ پارہ ہونا ہے، یا قبر میں یا آگ میں ان کے دلوں کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا ہے، یعنی قتل ہونے تک یا قبر میں دلوں کے ریزہ ریزہ ہونے تک یا دوزخ کی آگ میں جلنے تک یہ اسی اضطرابی کیفیت میں رہیں گے۔ ضحاک اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ ہمیشہ شک میں رہیں گے حتیٰ کہ موت کا کھاری گھونٹ پی لیں پھر انہیں یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تو ان کی نیتوں کو بھی جانتا ہے اور اس نے جو ہماری اس مسجد کو گرانے کا حکم فرمایا تھا اس میں بھی اس کی حکمت تھی۔

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضور نبی رحمت ﷺ بعثت کے گیارہویں سال موسم حج میں مکہ سے باہر تشریف لے گئے اور عرب قبائل کے پاس گئے اور انہیں اپنی دعوت پیش کی۔ اس دوران آپ ﷺ گھاٹی میں تھے کہ آپ کی ملاقات خزرج کے ایک گروہ سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہمارا تعلق خزرج سے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم تھوڑی دیر میرے پاس نہیں بیٹھو گے کہ میں تم سے چند باتیں کرلوں۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں، فرمایئے۔ وہ سب آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گئے اور انہیں توحید کی دعوت دی اور ان پر اسلام کو پیش کیا اور قرآن کریم کی آیات تلاوت فرمائیں۔ یہ قدرت کی کرشمہ سازی دیکھئے کہ یہود اوس وخزرج کے ساتھ ان کے شہروں میں رہتے تھے اور یہود اہل کتاب تھے اور اوس وخزرج تعداد میں زیادہ تھے اور بت پرست تھے۔ جب ان کے درمیان کبھی کوئی چپقلش ہوتی تو یہود کہتے ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے جس کا زمانہ بہت قریب ہے، ہم اس کی اتباع کریں گے اور اس کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کریں گے۔ جب نبی کریم ﷺ نے خزرج سے گفتگو کی تو وہ آپ کی علامات پہچان گئے جو یہود بیان کیا کرتے تھے۔ ان افراد نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ نبی ہیں۔ اس لئے آج ہی اسلام قبول کر لینا چاہئے، کہیں یہود اس کی پیروی میں ہم سے سبقت نہ لے جائیں۔ پس انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کیا۔ ان میں سے چھ نے اسلام قبول کیا جو سب کے سب خزرج سے تھے۔ وہ حضرات یہ تھے اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث، ان کی والدہ عفراء تھیں۔ رافع بن مالک، قطبہ بن عامر بن حدیدہ، عقبہ بن عامر بن نابی، جابر بن عبداللہ بن رئاب۔ بعض نے جابر کی جگہ عبادہ بن الصامت کا نام ذکر فرمایا ہے اور جنہوں نے لکھا ہے کہ سات افراد اسلام لائے تھے شاید انہوں نے جابر بن عبداللہ اور عبادہ بن الصامت دونوں کو شمار کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا تم میری پشت پناہی کرو گے حتیٰ کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا دوں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ بعاث کی جنگ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 111 (الفکر)

اسی سال ہوئی ہے ہم نے آپس میں قتل و غارت کی ہے۔ اگر ان حالات میں آپ ہمارے پاس تشریف لائے تو شاید تمام لوگ آپ ﷺ کے پاس جمع نہ ہوں، آپ ﷺ ہمیں اجازت مرحمت فرمائیں تاکہ ہم اپنے اپنے قبائل کو آپ ﷺ کی دعوت پہنچائیں، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو آپ کے دین حق پر جمع فرما دے۔ اگر ہم سب مل کر آپ کی اتباع کریں تو کوئی ماں کا لعل آپ کی مخالفت نہیں کر سکے گا۔ آئندہ حج کے موسم میں ہم آپ ﷺ سے ملاقات کریں گے، وہ مدینہ طیبہ کی طرف لوٹ گئے تو مدینہ طیبہ میں ہر گھر میں آپ ﷺ کا ذکر خیر ہونے لگا، آئندہ سال یعنی بعثت کے بارہویں سال آپ ﷺ سے بارہ آدمی ملے۔ بعض علماء نے گیارہ آدمی ذکر کئے ہیں۔ یہ دوسری گھاٹی تھی۔ ان بارہ افراد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ پانچ تو مذکورہ لوگ تھے اور بقیہ سات یہ تھے۔ معاذ بن الحارث جو عوف مذکور کے بھائی تھے، ذکوان، عبادہ بن الصامت، یزید بن ثعلبہ، عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہم یہ تمام لوگ خزرج سے تھے اور دو افراد ابوالہیثم بن التیہان جن کا تعلق بنی عبدالاشہل سے تھا اور عویم بن ساعدہ کا تعلق اوس سے تھا۔ اب سب نے اسلام کو قبول کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست اقدس پر بیعت کی ان شرائط پر جن پر عورتوں سے بیعت لینے کا ذکر ہے۔ یعنی لَا نُشْرِكُ بِاللّٰهِ وَلَا نَسْرِقُ۔ یعنی نہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں گے، نہ چوری کریں گے۔ یہ لوگ مدینہ طیبہ واپس آئے تو اسعد بن زرارہ نے مسلمانوں کو جمع کرنا شروع کر دیا، اوس و خزرج نے نبی کریم ﷺ کو عریضہ لکھا کہ حضور ﷺ! ہماری طرف کوئی قاری قرآن بھیجو جو ہمیں قرآن کی تعلیم دے۔ آپ ﷺ نے مصعب بن عمیر کو بھیجا۔ اس وقت مدینہ طیبہ میں چالیس آدمی مسلمان تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر کے مشرف باسلام ہونے سے بنی عبدالاشہل کے تمام مرد اور عورتیں ایک ہی دن میں مسلمان ہو گئے۔ پھر تیسری گھاٹی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے، یعنی بعثت کے تیسرے سال تیسری گھاٹی میں آپ تشریف لائے، تو ایام تشریق کے وسط میں بہتر یا بقول بعض تہتر افراد نے بیعت کی جن میں دو عورتیں شامل تھیں، حاکم نے کہا تہتر افراد نے بیعت کی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن رواحہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کے لئے اور اپنے لئے ہم پر جو شرط لگانا چاہیں لگالیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنے رب کے لئے تو یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم صرف اسی کی عبادت کرنا، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور اپنے لئے یہ شرط عائد کرتا ہوں کہ تم اپنی جانوں اور اپنے اموال کے ساتھ ہر اس چیز سے میری حفاظت کرو گے جس سے تم اپنی جانوں اور اموال کی حفاظت کرتے ہو۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر ہم نے یہ شرط پوری کر لی تو ہمیں اس کے بدلے میں کیا ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جنت! صحابہ کرام نے عرض کی یہ سودا تو بڑا سود مند ہے، ہم اس سودا کو نہ خود توڑیں گے اور نہ آپ سے توڑنے کی درخواست کریں گے (1)۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 12-111 (الفکر)

"یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں ایمانداروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس عوض میں کہ ان کے لئے جنت ہے لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں ۱؎ پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں ۲؎ وعدہ کیا ہے اللہ نے اس پر پختہ وعدہ تورات اور انجیل اور قرآن (تینوں کتابوں) میں ۳؎ اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے وعدہ کو اللہ تعالیٰ سے ۴؎ (اے ایمان والو!) پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے اور یہی تو سب سے بڑی فیروزمندی ہے ۵؎"

۱؎ اعمش نے الجنۃ کو بالجنۃ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جانی اور مالی قربانیوں پر ملنے والے عوض اور صلہ یعنی جنت کو شراء (خریدنے) سے تشبیہ دی ہے۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے سب سے پہلے جس خوش نصیب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست اقدس پر بیعت کے لئے اپنا ہاتھ رکھا وہ براء بن معرور یا ابوالہیثم یا اسعد ہے اور عہد کیا کہ وہ آپ ﷺ کی ہر اس سے حفاظت کریں گے جس سے وہ اپنی عورتوں اور اولاد کی حفاظت کرتے ہیں اور سرخ وسیاہ سے جنگ کریں گے جو بھی آپ ﷺ کی مخالفت کرے گا۔ یہ پہلی آیت ہے جو جنگ کرنے کے متعلق نازل ہوئی پھر اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ الآیۃ۔ نازل ہوئی۔ جب اس بیعت کا چرچا ہوا، تو آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ یہ بیعت قریش کفار سے پوشیدہ ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو ہجرت کا حکم دے دیا لیکن خود امر الٰہی کے منتظر رہے، سب سے پہلے بیعت عقبہ ثالثہ سے ایک سال پہلے ابوسلمہ بن عبدالاسد نے ہجرت کی، وہ حبشہ سے مکہ آئے، اہل مکہ نے ان کو اذیتیں دینی شروع کر دیں، جب انہیں انصار کے اسلام قبول کرنے کا علم ہوا تو وہ مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے پھر عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰ نے ہجرت کی۔ اس کے بعد عبداللہ بن جحش نے ہجرت کی۔ پھر آہستہ آہستہ مسلمان ہجرت کرنے لگے اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی زید، عیاش بن ربیعہ نے بیس افراد کے قافلہ میں ہجرت کی۔ یہ لوگ عوالی میں اترے۔ پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہجرت کے لئے بار بار رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرتے، لیکن نبی کریم ﷺ فرماتے جلدی نہ کرو، اللہ تعالیٰ تیرے لئے اس سفر میں ایک ساتھی بنا دے گا۔ پس آپ توقع رکھتے تھے کہ وہ آپ ﷺ کی ذات ہی ہوگی۔ قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے اور اسلام کی بڑھتی اور ابھرتی ہوئی تحریک کو روکنے کے لئے حتمی اقدام کرنے کی گھناؤنی سازش سوچی۔ یہ واقعہ سورۂ انفال میں گزر چکا ہے اور مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا قصہ اسی سورت میں بیان ہو چکا ہے۔ یہ آیت کریمہ مکی ہے۔

۲؎ حمزہ اور کسائی نے پہلے صیغہ کو مجہول اور دوسرے صیغہ کو معروف پڑھا ہے اور واو ترتیب کا موجب نہیں ہے اور بعض کا فعل تمام کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جبکہ باقی قراء نے پہلا صیغہ مجہول اور دوسرا معروف پڑھا ہے۔ یہ مستقل کلام ہے اور اس فعل کا بیان ہے جس پر انہیں جنت عطا کی گئی، بعض علماء فرماتے ہیں یقاتلون بمعنی امر ہے۔

۳؎ علیہ کی ضمیر کا مرجع الشراء ہے اور وعداً فعل محذوف کا مصدر مؤکد ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہوگی وعداللہ لھم وعداً یا یہ اشتری کا مصدر ہے لیکن اس کے الفاظ میں نہیں ہے کیونکہ اشتری وعدہ کے معنی میں ہے۔ حقاً یہ وعدہ کی صفت ہے، یہ فعل محذوف حق کا مصدر ہے اور فی التوراۃ الخ جار مجرور وعداً مصدر کے عامل فعل کے متعلق ہیں۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ تمام ملتوں کو جہاد کا حکم دیا گیا تھا اور ان سے جنت کا وعدہ کیا گیا تھا۔

۴؎ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی وعدہ کو ایفاء کرنے والا نہیں ہے۔ چونکہ وعدہ خلافی ایک قبیح فعل ہے اور قبیح فعل کا صدور اللہ تعالیٰ سے محال

ہے اور وعدہ کو پورا کرنا کرامت وعزت کی علامت ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ کوئی اس سے زیادہ کرامت والا نہیں ہے۔ ایفاء عہد میں مبالغہ کے لئے اور اس کے حق ہونے کے ثبوت کے لئے استفہامیہ انداز اپنایا گیا ہے۔

۵ اسلام کی سربلندی کے لئے جان کی بازی لگانے والو! خوشیاں مناؤ اور خوب خوشیاں مناؤ اس سودے پر جو تم نے اپنے رب کریم سے کیا ہے۔ اس کلام میں غائب سے خطاب کی طرف التفات ہے۔ یہ سودا واقعی نفع بخش ہے کیونکہ انہوں نے فانی اور عارضی زندگی کے بدلے ابدی اور سرمدی زندگی اور نعمتیں حاصل کی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تجھ سے سودا کیا اور دونوں سودوں کا منافع تیرے نام کر دیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سربکف مجاہدین کو قیمت عطا فرمائی اور بہت گراں عطا فرمائی۔ الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس نفع بخش سودے کا اعلان سنو جس کا اللہ تعالیٰ نے ہر مومن سے وعدہ فرمایا ہے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ہی قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دنیا بھی خود عطا فرمائی اور پھر اس کے بعض حصہ کو جنت کے بدلے تم سے خرید لیا(1)۔ یہ سودا ہی مومن کا مقصود ومطلوب ہے۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

"توبہ کرنے والے (اللہ کی) ۱؎ عبادت کرنے والے ۲؎ حمد وثنا کرنے والے ۳؎ روزہ رکھنے والے ۴؎ رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے ۵؎ نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ۶؎ اور نگہبانی کرنے والے اللہ کی (مقررہ) حدوں کی ۷؎ (اے میرے رسول!) خوشخبری سنا دیجئے ان (کامل) مومنوں کو ۸؎"

۱؎ یہ کامل مومنین کی صفات کا ذکر ہے اور ان کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ شرک اور نفاق سے توبہ کرتے ہیں اور ان سے براءت کرتے ہیں۔ یہ مدح کی وجہ سے مرفوع ہیں اور مبتدا محذوف کی خبر ہیں۔ اصل میں هم التائبون ہے اور ان صفات کے حامل وہ قدسی صفات ہیں جن کا پہلے ذکر ہوا ہے کیونکہ ان خوش بختوں نے نبی کریم ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی کہ ہم ہر وہ امر بسر وچشم قبول کریں گے جو آپ فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی بیعت کے ضمن میں جن خصائل حمیدہ کا ذکر کیا ہے یہ لوگ ان سب کو جمع کرنے والے ہیں۔ ترکیب نحوی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ صفت کے صیغے مبتدا ہوں اور ان کی خبر محذوف ہو اور تقدیر عبارت اس طرح ہو اَلتَّائِبُوْنَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ لَّمْ يُجَاهِدُوْا غَيْرَ مُعَانِدِيْنَ وَلَا قَاصِدِيْنَ تَرْكَ الْجِهَادِ عِنْدَ الْقُدْرَةِ وَالْاِفْتِرَاضِ۔ یعنی ان صفات کے حامل جنتی ہیں، اگرچہ انہوں نے جہاد میں حصہ نہ بھی لیا ہو لیکن جہاد سے علیحدگی ہٹ دھرمی کی بناء پر نہ ہو اور جہاد پر قدرت اور اس کی فرضیت کے وقت جہاد کو ترک کرنے کا قصد نہ کیا ہو۔ اسی طرح زجاج فرماتے ہیں کہ گویا جنت کا وعدہ تمام مومنین کے لئے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی خبر ہر صفت کے بعد ہو مثلاً اَلتَّائِبُوْنَ عَنِ الْكُفْرِ عَلَى الْحَقِيْقَةِ الْجَامِعُوْنَ لِهٰذِهِ الْخِصَالِ۔ کفر سے توبہ کرنے والے ان خصال کے جامع ہیں۔

۲؎ وہ صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں کسی غیر کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتے اور شرک جلی اور شرک خفی ہر قسم کے شرک سے پاک ہیں۔

۳؎ خوشی غمی، تکلیف اور سہولت ہر حال میں اپنے پروردگار کی تعریف الاپتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے جنت میں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 112 (الفکر)

داخلہ کی دعوت ان لوگوں کو دی جائے گی جو خوشی اور غمی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے ہیں۔ اس حدیث کو طبرانی، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے شعب الایمان میں سند صحیح کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔(1)

ﷺ وہ روزہ رکھنے والے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عبید بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے السائحون کا مفہوم دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس سے مراد روزہ رکھنے والے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حضور نبی کریم ﷺ سے یہی معنی روایت کیا ہے۔ ابن جریر اور ابن المنذر رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرمایا ہے کہ قرآن میں جہاں بھی السائحون کا لفظ آیا ہے، اس سے الصائمون یعنی روزہ دار مراد ہیں(2)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول اسی طرح نقل فرمایا ہے۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے موقوفاً روایت کیا ہے کہ آپ فرماتی ہیں السائحون سے اس آیت میں مراد روزہ رکھنا ہے، سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں صائم کو سائح اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ کھانے، پینے اور نکاح کی لذتوں کو ترک کر دیتا ہے(3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدم کے بیٹے کا ہر عمل (اس کے اخلاص کے مطابق) دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لیکن روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزاء دوں گا کیونکہ انسان میری رضا کی خاطر کھانا اور شہوت کو ترک کرتا ہے (بخاری، مسلم)(4) عطاء فرماتے ہیں السائحون سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے والے مجاہدین ہیں جیسا کہ ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کی سیاحت اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا ہے(5)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے سیاحت کی اجازت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں السائحون سے مراد طالب علم ہیں(6) جو علم کے حصول کے لئے زمین میں سیاحت کرتے ہیں۔ حضرت ابو درداء سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص کسی راستہ پر علم کی طلب میں چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستہ پر چلاتا ہے، ملائکہ طالب علم کے پاؤں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں اور عالم کے لئے زمین و آسمان کی ہر چیز اور پانی کی تہہ میں مچھلیاں استغفار کرتی ہیں۔ عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسے چودھویں کے چاند کو تمام ستاروں پر ہے۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ علم کا ورثہ چھوڑتے ہیں، پس جس کو علم کا حصہ ملا یقیناً اس کو حظ وافر ملا۔ اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، ابوداؤد، دارمی، ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔(7)

ﷺ وہ رکوع و سجود کرنے والے ہیں، یعنی نمازی ہیں۔ نماز کی تمام عبادات پر فضیلت کا اظہار کرنے کے لئے نمازیوں کا دو صفات سے ذکر فرمایا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا حضور ﷺ! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کونسا عمل محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وقت پر نماز ادا کرنا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد کونسا عمل محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا والدین سے حسن سلوک۔ میں نے عرض کی حضور ﷺ! پھر کس عمل کا درجہ ہے؟ فرمایا اللہ کے

1۔ شعب الایمان، جلد 4 صفحہ 91 (العلمیہ) — 2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 28 (الامیریہ) — 3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 113 (الفکر)
4۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 363 (قدیمی) — 5۔ مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 73 (النصر) — 6۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 113 (الفکر)
7۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 20 (وزارت تعلیم)

راستہ میں جہاد کرنا (بخاری و مسلم)(1)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز دین کا ستون ہے۔ اس حدیث کو ابونعیم نے الفضل بن دکین سے روایت کیا ہے(2)۔ فرمایا نماز مومن کا نور ہے(3)۔ اس ارشاد کو ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ارشاد ہے کہ نماز ہر متقی کے لئے قرب الٰہی کا ذریعہ ہے(4)۔ اس کو قضاعی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا بندے کو اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ قرب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ پس (سجدہ میں) دعا کی کثرت کیا کرو(5)۔ اس حدیث کو مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۷۔ وہ ایمان و اطاعت کی تبلیغ کرنے والے ہیں، شرک اور گناہ سے بچنے کی تعلیم دینے والے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں المعروف سے مراد سنت ہے اور منکر سے مراد بدعت ہے۔ ان دونوں صفات کے درمیان حرف عطف ذکر فرمایا ہے تا کہ اس بات پر دلالت کرے کہ ان دونوں صفات کا مجموعہ ایک خصلت ہے۔

ے اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان شریعت کی جو حدود متعین ہیں وہ ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں حرف عطف اس لئے ذکر فرمایا تا کہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ اس کا ماقبل فضائل کی تفصیل ہے اور یہ ان صفات کا اجمال ہے۔ میں کہتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ نے یہاں اس لئے حرف عطف ذکر فرمایا کہ پہلے مذکورہ نیکیوں کے کرنے کا ذکر فرمایا پھر ہر نیکی کی مقررہ حد کی محافظت کا ذکر فرمایا یعنی اپنی طرف سے اس نیکی میں اضافہ نہیں کرنا چاہئے اور صورۃً و معنیً کوئی کمی بھی نہیں کرنی چاہئے۔ گویا مذکورہ تمام اشیاء ایک چیز ہیں جن کو شریعت پر عمل کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہ ایک دوسری چیز ہے جو اخلاص اور حضور تام سے کنایہ ہے جو حضور تام صرف صوفیاء کرام کی صحبت اور مجلس سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ حدود کی محافظت حضور تام کے بغیر متصور و ممکن ہی نہیں ہے۔

۸۔ اے محبوب مکرم ﷺ! جو لوگ ان صفات عالیہ اور خصائل حمیدہ سے متصف ہیں انہیں (کامیابی و کامرانی کا) مژدہ سنا دو۔ یہاں ضمیر کی جگہ المومنین ذکر فرمایا ہے تا کہ اس بات پر دلالت کرے کہ ان کا ایمان ہی انہیں اس بشارت کا مستحق بناتا ہے اور مومن کامل کی یہی صفات ہوتی ہیں۔ یہاں جس بات کی خوشخبری سنانی ہے اس کی تعظیم و عظمت کے لئے اس کو حذف کیا گیا ہے۔ گویا یوں ارشاد ہے اے پیارے اپنے ان صفات کاملہ کے حامل غلاموں کو ان تمام چیزوں کی خوشخبری سنا دو جن کا ادراک فہم انسانی سے وراء ہے۔ کلام جس کے بیان سے عاجز ہے، کان ابھی تک ان نعمتوں کے سننے سے محروم ہیں، واللہ اعلم۔

بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے سعید بن المسیب کے حوالہ سے ان کے باپ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں جب حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ پر موت کا وقت قریب آیا تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے، اس وقت پہلے ان کے پاس ابوجہل، عبداللہ بن ابی اور امیہ بن المغیرہ بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے چچا جانا! پڑھئے لا الہ الا اللہ تا کہ میں تیرے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کلمہ کی بناء پر جھگڑ سکوں۔ ابوجہل، عبداللہ بن ابی اور امیہ نے کہا کیا تو عبدالمطلب کے دین کو چھوڑنا چاہتا ہے، رسول اللہ ﷺ بار بار کلمہ طیبہ کی انہیں تلقین کرتے رہے اور وہ دونوں بدبخت انہیں یہی کہتے رہے کہ کیا تو عبدالمطلب کے دین کو چھوڑنا چاہتا ہے حتیٰ کہ ابوطالب نے آخری کلام یہی کی کہ میں عبدالمطلب کے دین و ملت پر ہوں۔ ایک روایت میں یہ زائد ہے کہ ابوطالب نے

1۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 882 (وزارت تعلیم)
2۔ مسند فردوس، جلد 2 صفحہ 404، حدیث: 3795 (العلمیہ)
3۔ مسند ابویعلی، جلد 3 صفحہ 285 (العلمیہ)
4۔ مجمع الزوائد، جلد 5 صفحہ 445 (الفکر)
5۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 191 (قدیمی)

کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عم محترم! میں اس وقت تک آپ کے لئے استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس بات سے منع نہیں کیا جاتا(1)۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾

"درست نہیں ہے نبی کے لئے اور نہ ایمان والوں کے لئے کہ مغفرت طلب کریں مشرکوں کے واسطے اگرچہ وہ مشرک ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں جبکہ واضح ہو گیا ان پر کہ یہ دوزخی ہیں [1]"

[1] مشرک قریبی رشتہ دار بھی ہو تو اس کے لئے مغفرت طلب نہ کریں، جبکہ ان کا کفر پر مرنا ثابت ہو چکا ہو۔ اس آیت کریمہ میں زندہ مشرکوں کے لئے استغفار کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ زندوں کے لئے ایمان کی توفیق طلب کرنا جائز ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے کہا لا الہ الا اللہ پڑھ لو، قیامت کے روز میں تمہاری گواہی دوں گا، ابو طالب نے کہا اگر قریش مجھے یہ کہہ کر عار نہ دلاتے کہ انہیں ڈر اور خوف نے لا الہ الا اللہ پڑھنے پر مجبور کیا ہے تو میں کلمہ طیبہ پڑھ کر ضرور آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (2)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا جبکہ آپ ﷺ کے ہاں آپ کے چچا ابو طالب کا تذکرہ ہو رہا تھا، فرمایا شاید شفاعت قیامت کے روز انہیں نفع پہنچائے، وہ آگ کی گہرائی میں ہیں آگ ان کے ٹخنوں پر پہنچ رہی ہے اور اس کی تپش کی وجہ سے ان کا دماغ کھول رہا ہے(3)۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ یہ آیت کریمہ مکہ مکرمہ میں ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے ایک شخص کو سنا کہ وہ اپنے مشرک والدین کے لئے دعا کر رہا تھا میں نے کہا کیا تم اپنے مشرک والدین کے لئے دعا کر رہے ہو اس شخص نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے دعا مغفرت کی تھی حالانکہ وہ بھی مشرک تھے، (فرماتے ہیں) میں نے یہ گفتگو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی(4)۔ شاید یہ واقعہ حضرت ابو طالب کی موت کے واقعہ سے متصل ہو۔ پس دونوں کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اور جو روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ آیت کریمہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی، وہ تمام روایات درست نہیں ہیں اور قوۃ میں ہماری ذکر کردہ احادیث کا معارضہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ پس ان روایات کا رد کرنا واجب ہے۔ ان میں سے ایک روایت حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ کی ہے جو ایوب بن ہانی عن مسروق عن ابن مسعود کی سند سے مروی ہے، فرماتے ہیں ایک دن رسول اللہ ﷺ قبرستان کی طرف تشریف لے گئے تو ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ نکلے پھر آپ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا تو ہم بیٹھ گئے اور خود حضور ﷺ کئی قبور کو کراس کرتے ہوئے ایک قبر کے پاس پہنچے اور طویل وقت تک اس قبر سے آہستہ آہستہ محو گفتگو رہے، پھر آپ ﷺ باواز بلند رونے لگے تو ہم بھی

1۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 40 (قدیمی)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 40 (قدیمی)
3۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 548 (وزارت تعلیم)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 136 (وزارت تعلیم)

آپ ﷺ کے رونے کی وجہ سے رونے لگے پھر آپ ہمارے پاس تشریف لائے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملاقات کرتے ہوئے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! وہ کونسی چیز ہے جس نے آپ کو رلایا(1) ہم بھی اس کی وجہ سے روئے اور ہم تو خوفزدہ ہو گئے تھے۔ آپ یہ ساری گفتگو سن کر بیٹھ گئے اور فرمایا میرے رونے نے تمہیں رلایا اور میرے رونے نے تمہیں خوفزدہ کیا۔ ہم نے عرض کی جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا یہ قبر جس سے مجھے تم نے گفتگو کرتے دیکھا میری والدہ آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کی قبر تھی۔ میں نے اپنے پروردگار سے اس کی زیارت کی اجازت طلب کی تو مجھے زیارت کی اجازت مل گئی۔ پھر میں نے ان کی مغفرت کی درخواست کی تو مجھے ان کے لئے استغفار کرنے کی اجازت نہ ملی اور یہ آیت کریمہ وما كان للنبي الاية نازل ہوئی، تو اس وجہ سے مجھ پر وہ کیفیت اور رقت طاری ہوگئی جو بچے پر والدہ کی وجہ سے طاری ہوتی ہے، اسی چیز نے مجھے رلایا۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے لیکن ذہبی نے مستدرک کی شرح میں اس کی صحت پر اعتراض کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح کیسے ہوسکتی ہے جبکہ اس کی سند میں ایوب بن ہانی ہے جسے ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

دوسری روایت وہ ہے جو طبرانی اور ابن مردویہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آئے تو عمرہ کے لئے روانہ ہوئے اور عسفان کی گھاٹی میں اترے اور اپنی والدہ کی قبر کے پاس تشریف لے گئے(2) آگے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح حدیث بیان فرمائی ہے اور اس میں آیت کے نزول کا ذکر ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور قابل سند نہیں ہے، امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابوہریرہ اور بریدہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب نبی کریم ﷺ مکہ میں تشریف لائے تو اپنی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر تشریف لائے، آپ ﷺ اس کے اوپر کھڑے رہے حتیٰ کہ سورج گرم ہو گیا اور اس امید سے کھڑے رہے کہ اجازت ملے تو میں اپنی والدہ کے لئے استغفار کروں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ما كان للنبي الاية۔ (3) ابن سعد اور ابن شاہین رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو آپ ﷺ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لائے اور بیٹھ گئے آگے مذکورہ الفاظ ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغوی کی طرح نقل کیا ہے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں اس حدیث کی تخریج کے بعد لکھا ہے کہ یہ غلط ہے اور آپ کی والدہ کی قبر مکہ میں نہیں بلکہ ابواء میں ہے، احمد اور ابن مردویہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت بریدہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا جب آپ نے عسفان کی گھاٹی میں قیام فرمایا تھا، آپ ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر دیکھی پھر آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور نماز ادا فرمائی اور رونے لگے اور فرمایا میں نے اپنی والدہ کی شفاعت کرنے کی اپنے پروردگار سے اجازت طلب کی تو مجھے منع کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ما كان للنبي الاية۔ نازل فرمائی۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کے تمام طرق قابل اعتراض اور ناقابل سند ہیں۔ حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ جس نے ابن مسعود کی حدیث پر صحت کا حکم لگایا ہے وہ اسے صحیح لذاتہ نہیں کہتا بلکہ ان طرق سے ثابت ہونے کی وجہ سے اسے صحیح لغیرہ کہتا ہے، میں نے اس حدیث کے طرق میں غور وفکر کیا تو تمام طرق کو معلول اور قابل اعتراض پایا۔ اس حدیث میں دوسری علت یہ بھی ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی حدیث کے مخالف ہے کیونکہ بخاری اور مسلم رحمہما

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 336 (النصر)　　2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 7-506 (العلمیہ)

3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 115 (الفکر)

اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے یہ آیت حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی موت کے بعد نازل ہوئی۔ اسی طرح علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنے باپ کے لئے استغفار کروں گا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا(1) اس وقت اللہ تعالیٰ نے ما کان للنبی الایہ کا ارشاد نازل فرمایا۔ یہ حدیث مرسل ہے، صحیح نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے اور صحیحین کی روایت کے مخالف ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ پس اس آیت کریمہ کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے مشرک ہونے کا قول کرنا جائز نہیں ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کے اثبات پر اور آپ کے آباء و امہات آدم علیہ السلام تک تمام کے ایماندار ہونے پر کئی رسائل لکھے ہیں۔ میں نے ان رسائل میں سے ایک رسالہ تلخیص کیا ہے جس کا نام میں نے تقدیس آباء النبی ﷺ رکھا ہے، جسے تفصیل مطلوب ہو اس کا مطالعہ کرے، یہ مقام کلام کی طوالت کی گنجائش نہیں رکھتا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ صحیحین کی حدیث میں حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی موت کے واقعہ میں ہے کہ ابوجہل نے ابوطالب سے کہا کہ کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے اور ابوطالب نے آخر میں کہا میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔ یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ عبدالمطلب مشرک تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم حضرت عبدالمطلب کے بارے یہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ مومن اور موحد تھے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں کئی اسانید کے ذریعے سے ذکر کیا ہے کہ عبدالمطلب نے ام ایمن کو کہا جبکہ وہ آپ ﷺ کی خدمت کرتی تھیں اے برکہ میرے بیٹے سے کبھی غفلت نہ کرنا، میں نے اپنے بچوں کے ساتھ بیری کے درخت کے قریب پایا اور اہل کتاب کہہ رہے تھے کہ یہ میرا بیٹا اس امت کا نبی ہے لیکن عبدالمطلب کا زمانہ جاہلیت کا زمانہ ہے اور آپ شرائع سے ناواقف تھے اور اس چیز سے بھی ناواقف تھے جو نبی کریم ﷺ بطور شریعت لائے تھے اور فترت کے زمانہ میں توحید ہی کافی تھی۔ ابوجہل اور ابوطالب نے یہ گمان کیا کہ محمد ﷺ کوئی نئی چیز لائے ہیں اور جو کچھ آپ ﷺ لائے ہیں وہ عبدالمطلب کی ملت کے خلاف ہے۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

”اور نہ تھی استغفار ابراہیم کی اپنے باپ کے لئے [1] مگر ایک وعدہ (کو پورا کرنے) کی وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا [2] اور جب ظاہر ہوگئی آپ پر یہ بات کہ وہ اللہ کا دشمن ہے [3] تو آپ بیزار ہوگئے اس سے بیشک ابراہیم بڑے ہی نرم دل [4] (اور) بردبار تھے [5]“

[1] یہاں ابیہ سے مراد آزر ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، آپ کے والد کا نام تارخ تھا۔ ہم نے سورۂ انعام میں تفصیلی تبصرہ کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے بنی آدم کے بہترین زمانہ میں مبعوث کیا گیا۔ زمانہ در زمانہ میں بہتر زمانہ میں رہا حتیٰ کہ میں اس زمانہ میں مبعوث ہوا جس میں میں تھا (بخاری)(2) اس لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ آپ کے آباء و اجداد کے سلسلہ میں کوئی کافر ہو۔

[2] بعض مفسرین فرماتے ہیں وعد کی ضمیر مرفوع ابیہ کی طرف لوٹ رہی ہے اور ضمیر منصوب ابراھیم کی طرف راجع ہے، یعنی ابراہیم

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 115 (الفکر) 2۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 503 (وزارت تعلیم)

کے باپ نے ابراہیم سے اسلام قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے کہا تھا جب تم اسلام قبول کرو گے تو میں تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں مرفوع ضمیر کا مرجع ابراہیم علیہ السلام ہے اور منصوب ضمیر کا مرجع ابیہ ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے ان کے اسلام قبول کرنے کی امید پر ان سے استغفار کا وعدہ کیا تھا۔ ساستغفر ربی کا قول اس شخص کی قراءت پر دلالت کرتا ہے جنہوں نے وعدھا اباہ یعنی باء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا در آں حالیکہ وہ مشرک تھا جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ یہ صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ اس استغفار میں ابراہیم علیہ السلام کی ذات اسوہ اور نمونہ تھی کیونکہ انہوں نے تو صرف ان کے اسلام قبول کرنے کی امید سے وعدہ کی وجہ سے مشرک باپ کے لئے استغفار کیا تھا۔

۳۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر واضح ہو گیا کہ ان کی موت کفر پر ہوئی ہے یا آپ کو وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہ ایمان قبول نہیں کرے گا اور یہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ نے اس کے لئے استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب آخرت میں ان پر ظاہر ہوگا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس کے لئے دعائے مغفرت نہیں کریں گے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر سے قیامت کے روز ملیں گے تو آزر کے چہرہ پر کالک اور غبار ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسے فرمائیں گے کیا میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ میرے (احکام و شریعت کی) نافرمانی نہ کریں، آزر کہے گا آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے اے میرے پروردگار تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تو مجھے اس دن رسوا نہیں کرے گا جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ تو میرے باپ کی اس کیفیت میں ہونے کے بعد میرے لئے کونسی بڑی رسوائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے کافروں پر اپنی جنت کو حرام کر دیا ہے۔ پھر ارشاد ہوگا ابراہیم! ذرا اپنے قدموں کے نیچے دیکھو تو آپ کو وہ گندگی میں لت پت ایک بھیڑیا کی شکل میں نظر آئے گا، پھر اسے ٹانگوں سے پکڑ کر آگ میں پھینک دیا جائے گا(1)۔ ایک روایت میں ہے کہ اس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے براءت کا اظہار کریں گے۔

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خشیت الٰہی کی وجہ سے اکثر آہ آہ کرتے رہتے تھے۔ کعب بن احبار نے اسی طرح بیان فرمایا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کثرت سے آگ کی وجہ سے آہ آہ کرتے رہتے تھے اس سے پہلے کہ آہ آہ کرنا نفع مند نہ رہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں وہ خلاف اولیٰ امور کی وجہ سے آہ آہ کرتے رہتے تھے۔ دونوں اقوال کا مال ایک ہی ہے، امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح لکھا ہے کہ حدیث میں الاواہ کا معنی ڈرنے والا اور گڑگڑانے والا آیا ہے کیونکہ خشوع اس آہ آہ کرنے کو لازم ہے جو گناہوں اور آگ کے ڈر کی وجہ سے ہوتا ہے، عطاء نے اسی طرح لکھا ہے کہ ہر ناپسندیدہ چیز سے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اور آگ سے ڈرنے والا۔ ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے الاواہ کا معنی بہت زیادہ دعا کرنے والا کیا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں المومن التواب جو مومن اور توبہ کرنے والا ہوتا ہے۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اواہ وہ ہوتا ہے جو اللہ کے بندوں پر شفیق اور مہربان ہو، مجاہد فرماتے ہیں اس کا معنی یقین والا ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو (حبشہ کی لغت پر)

1۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 473 (وزارت تعلیم)

یقین رکھنے والا ہو۔ عقبہ بن عامر فرماتے ہیں جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا ہو، حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اواہ سے مراد سیاحت کرنے والا ہے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی خیر کا معلم بھی مروی ہے، النخعی فرماتے ہیں اس کا معنی فقیہ ہے، قاموس میں یہ سب مذکورہ تمام معانی موجود ہیں، ابوعبیدہ فرماتے ہیں اواہ وہ ہوتا ہے جو ڈر کی وجہ سے آہیں بھرنے والا ہو، یقین کے ساتھ تضرع وزاری کرنے والا ہو، اطاعت کو لازم پکڑنے والا ہو۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابوعبیدہ کے قول میں اواہ کے تمام معانی جمع ہیں۔(1)

ؕ حلیم وہ شخص ہوتا ہے جو تکلیف پہنچانے والے سے درگزر کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ باپ نے جب دھمکی دی کہ اگر تم ایک خدا کی تبلیغ سے باز نہ آئے تو میں تمہیں رجم کروں گا تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں تیرے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت و بخشش طلب کروں گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حلیم کا معنی سردار کیا ہے۔ قاموس میں ہے الحلم الاناۃ والعقل فھو حلیم۔ حلم کا معنی دانائی اور عقل ہے پس حلیم کا معنی دانشمند اور زیرک ہوگا۔ انہ لاواہ حلیم کا جملہ اس چیز کو بیان کر رہا ہے جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آذر کے لئے استغفار کیا تھا۔ مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ ایک قوم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور دولت اسلام سے مشرف ہوئی یہ وہ زمانہ تھا کہ ابھی نہ تو شراب حرام ہوئی تھی اور نہ قبلہ تبدیل ہوا تھا۔ یہ لوگ احکام اسلام لیکر اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے۔ بعد میں شراب حرام ہوگئی اور قبلہ بھی تبدیل ہو گیا لیکن انہیں علم نہ تھا، پھر وہ مدینہ طیبہ آئے تو شراب حرام ہو چکی تھی اور قبلہ بھی تبدیل ہو چکا تھا۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ اور احکام پر عمل کرتے رہے اور ہم اور احکام کے پابند رہے۔ پس ہم تو اس دور لاعلمی میں گمراہ رہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(2)

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

"اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا دستور کہ گمراہ کر دے کسی قوم کو اسے ہدایت دینے کے بعد یہاں تک کہ بیان کر دے ان کے لئے وہ چیزیں جن سے انہیں بچنا چاہئے[1] بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے[2]"

ؕ یہاں اضلال کا معنی کسی کو راہ راست سے بھٹکانا نہیں ہے بلکہ یہ حکم لگانا ہے کہ وہ اپنی نافرمانی اور ظلم کی وجہ سے گمراہ ہو چکے ہیں اور اللہ نے انہیں گمراہ کا نام دیا ہے اور وہ ان سے اس گمراہی کا مؤاخذہ فرمائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ پہلے بیان فرما دیتا ہے کہ ان چیزوں سے بچنا لازم ہے، لیکن جب انہوں نے ان چیزوں سے اجتناب نہ کیا تو وہ گمراہی کے مستحق ہو گئے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضور ﷺ کے قول کے عذر کو بیان کر رہی ہے جو آپ ﷺ نے اپنے چچا کو فرمایا تھا کہ جب تک مجھے منع نہیں کیا جاتا میں تمہارے لئے استغفار کرتا رہوں گا۔ یا یہ ان لوگوں کا عذر بیان کر رہی ہے جو منع سے پہلے اپنے مشرک آباء و اجداد کے لئے استغفار کرتے رہے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ مومنین کے مشرکین کی بخشش طلب کرنے کے لئے یہ حکم خاص طور پر بیان فرمایا ہے لیکن ہر معصیت و طاعت کے لئے عام بھی ہے، یعنی آیت کا نزول تو خاص واقعہ پر ہوا کہ مومنین اپنے مشرک آباء کے لئے مغفرت طلب کرتے تھے، جبکہ ابھی تک نہی وارد نہیں ہوئی تھی لیکن الفاظ کے عموم کی وجہ سے حکم عام ہے پس جو شخص لاعلمی کی وجہ سے کوئی کام کر

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 117 (الفکر)　2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 118 (الفکر)

لیے جبکہ اس کا کرنا درست نہ ہو تو اس پر مؤاخذہ نہ ہوگا۔

۲ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے جو جہالت کی بناء پر کوئی غلطی کرتا اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو غرور و تکبر اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے احکام الٰہی کو پس پشت ڈالتا ہے وہ اسے بھی جانتا ہے یا یہ معنی کہ جو گمراہی کا مستحق ہے اور جو گمراہی کا مستحق نہیں ہے وہ اسے بھی جانتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے (ساری) بادشاہی آسمانوں اور زمین کی وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور نہیں ہے تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی حامی اور نہ کوئی مددگار ۱۔"

۱ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کائنات کے سیاہ و سفید کا مالک ہے زندگی اور موت کا انتظام بھی اس کے دست قدرت میں ہے، اور وہ ایسی ذات ہے کہ اگر وہ تمہیں تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو کوئی تم سے اس تکلیف کو دور نہیں کر سکتا۔ اس لئے تمہیں مشرکین سے دوستی اور ان کے لئے بخشش کی دعائیں نہیں کرنی چاہئیں، اگرچہ وہ تمہارے قریبی رشتہ دار بھی ہوں۔ تمہارے لئے اللہ کی دوستی اور اس کی نصرت و تائید کافی ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

"یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے (اپنے) نبی پر نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے پیروی کی تھی ۱ نبی کی مشکل گھڑی میں ۲ اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ٹیڑھے ہو جائیں دل ایک گروہ کے ان میں سے ۳ پھر رحمت سے توجہ فرمائی ان پر بیشک وہ ان سے بہت شفقت کرنے والا رحم فرمانے والا ہے ۴"

۱ یعنی منافقین کو غزوہ تبوک میں پیچھے رہنے کی جو آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی تھی اس پر اللہ تعالیٰ نے رحمت سے توجہ فرمائی ہے، یا یہ معنی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں گناہوں کی آلائشوں اور آلودگیوں سے پاک کر دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ بعض علماء فرماتے ہیں تاب کا معنی توبہ پر ابھارنا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر شخص توبہ کا محتاج ہے حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ بھی اور خصوصی طور پر آپ کے صحابہ بھی کیونکہ توبوا الی اللّٰہ جمیعاً کا اوّلاً خطاب انہیں ہے کیونکہ جب بھی کسی کو بلند مقام ملتا ہے تو وہ اپنے پچھلے مقام سے توبہ کرتا ہے اور بلند مقام کی طرف ترقی پچھلے مقام سے توبہ ہے، اس آیت میں توبہ کی فضیلت کا اظہار ہے کیونکہ یہ اللہ کے بندوں میں سے انبیاء و صالحین کا مقام ہے، بعض علماء فرماتے ہیں توبہ کے آغاز میں نبی کریم ﷺ کا ذکر اس لئے فرمایا کیونکہ آپ صحابہ کرام کی توبہ کا سبب تھے۔ پس آپ ﷺ کا ذکر صحابہ کرام کے ذکر کے ساتھ ایسے ہے جیسے لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى کے ارشاد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

1۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غزوۂ تبوک کو غزوۂ عسرۃ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے اور اس لشکر کو جیش العسرہ کہا جاتا ہے۔ عسرہ کا معنی تنگی ہے، اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ اس سفر میں سواریاں، زادِ راہ اور پانی ہر چیز کم یاب تھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دس آدمیوں کے لئے ایک اونٹ تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے، اسی طرح خوراک کی یہ کیفیت تھی کہ کھجوریں بھی عمدہ نہ تھیں اور جو بھی ایسے تھے جن کا ذائقہ بدل چکا تھا۔ وہ اسی طرح اپنا مال تقسیم کر کے کھاتے رہے، پھر صرف کھجوریں بچ گئیں جب کسی کو انتہائی بھوک لگتی تو وہ ایک کھجور کا دانہ لیتا اور اسے منہ میں چوستا حتیٰ کہ اس کا ذائقہ پالیتا پھر وہی کھجور اپنے منہ سے نکال کر دوسرے کو دے دیتا وہ اسے چوستا اور اوپر سے پانی پی لیتا، ایک ہی کھجور سارے ساتھی چبا کر گزارا کرتے حتیٰ کہ کھجور کی صرف گٹھلی رہ جاتی لیکن اپنے صدق و یقین کی روحانی طاقت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے ساتھ چلتے رہے (1)۔ امام احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں ہم جس دن جنگ تبوک کے لئے روانہ ہوئے وہ دن انتہائی گرم تھا۔ ہم نے ایک جگہ پڑاؤ کیا ہمیں پیاس بڑی شدید لگی تھی۔ ہمیں یہ خیال گزرنے لگا کہ اب ہم پیاس کی وجہ سے مر جائیں گے حتیٰ کہ یہ کیفیت تھی کہ ایک شخص پانی کی تلاش میں نکلتا لیکن خالی واپس آتا تو یہ سوچتا کہ اب میری موت قریب ہے۔ بعض لوگ اونٹ ذبح کر کے اور اس کا پیٹ نچوڑ کر پانی استعمال کرتے اور جو باقی بچتا اسے اپنے کلیجے پر رکھتے۔ حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی یہ حالت دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعائے خیر کا عادی بنایا ہے، آپ ہمارے لئے دعائے خیر فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ پسند کرتے ہو عرض کی جی ہاں۔ آپ ﷺ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے (اور دعا فرمائی) ابھی دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ بادل آگیا اور چھا گیا پھر برسا اور خوب برسا صحابہ کرام کے پاس جو کچھ برتن تھے سب بھر لئے۔ پھر ہم ارد گرد بارش کو دیکھنے گئے تو لشکر گاہ کے باہر بارش تھی ہی نہیں (2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابی حرزہ الانصاری سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے الحجر کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ یہاں کے کنوؤں سے پانی نہ بھرنا۔ آپ یہاں سے چل پڑے اور دوسری جگہ پڑاؤ کیا، صحابہ کرام کے پاس پانی نہیں تھا۔ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی پیاس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی دعا کو شرف قبول عطا فرمایا اور بارش برسنا شروع ہو گئی حتیٰ کہ صحابہ کرام نے پانی پی لیا۔ ایک انصاری صحابی نے اپنی قوم کے ایک فرد سے کہا جو نفاق سے متہم تھا۔ دیکھا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی دعا کی برکت سے بارش نازل فرمائی ہے۔ اس نے کہا بارش فلاں ستارے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ۔

2۔ حفص اور حمزہ نے یزیغ کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ دوسرے قراء نے تاء کے ساتھ تزیغ پڑھا ہے کیونکہ فاعل مونث غیر حقیقی ہے۔ قلوب فریق منھم سے مراد بعض لوگ ہیں اور دین سے پھرنا مراد نہیں بلکہ تنگی اور شدت کی وجہ سے پیچھے رہ جانے کا ارادہ کیا تھا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کچھ لوگ پیچھے رہ گئے تھے لیکن پھر پیچھے سے جا ملے تھے (3)۔ ابن اسحاق اور محمد بن عمر رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ مسلمانوں کے چند آدمیوں کی نیتوں میں وسوسہ پیدا ہوا تھا کہ حضور ﷺ سے پیچھے چلے جائیں حتیٰ کہ وہ بغیر کسی شک و شبہ کے حضور ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ ان پیچھے رہ جانے والوں میں کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، مرارہ بن الربیع،

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 119 (الفکر)
2۔ دلائل النبوۃ از ابونعیم اصبہانی، جلد 2 صفحہ 72-671 (دار الکتب العربیہ حلب)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 119 (الفکر)

ابوخیثمہ اور ابوذر غفاری بھی تھے۔ یہ افراد وہ تھے جن کے اخلاص اور اسلام میں ذرہ برابر شک نہیں تھا[1]۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو کوئی شخص پیچھے رہتا تو صحابہ کرام عرض کرتے یارسول اللہ ﷺ فلاں پیچھے رہ گیا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے اسے چھوڑ دیئے اگر اس میں بھلائی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسے تمہارے ساتھ ملا دے گا اور اگر کوئی دوسری صورت ہوئی تو میں اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو دیکھوں گا، حتیٰ کہ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ ابوذر پیچھے رہ گئے ہیں اور ان کا اونٹ سست پڑ گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے کی طرح کلام فرمائی۔ ابوذر نے اپنے اونٹ کو چلنے پر ابھارا لیکن وہ چلنے پر آمادہ نہ ہوا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جب اس کی یہ کیفیت دیکھی تو اس سے سامان اتار کر اپنی پیٹھ پر رکھ لیا اور رسول اللہ ﷺ کے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے پیدل چل پڑے۔ محمد بن عمر کا بیان ہے ابوذر خود فرماتے تھے کہ میں غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گیا تھا اور اس کی وجہ میرا اونٹ تھا۔ وہ بیچارہ سفر اور بھوک کی وجہ سے بالکل لاغر ہو گیا تھا، میں نے سوچا کہ کئی دن اسے چارہ کھلاتا ہوں پھر رسول اللہ ﷺ کو پیچھے سے مل جاؤں گا۔ میں نے اسے کئی دن چارہ کھلایا اور پھر سفر پر روانہ ہو گیا۔ جب میں ذی المروۃ کے مقام پر پہنچا تو میرا اونٹ پھر رک گیا بڑی کوشش کی لیکن وہ چلنے پر مائل نہ ہوا، میں نے اپنا سامان اپنی پیٹھ پر رکھا اور پیدل چل پڑا دوپہر کے وقت مجھے رسول اللہ ﷺ دور سے نظر آئے۔ مسلمانوں میں سے کسی نے آپ کو آتے ہوئے دیکھا تو عرض کی یارسول اللہ ﷺ کوئی شخص راستہ پر اکیلا سفر کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ابوذر ہوگا۔ جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو عرض کی یارسول اللہ ﷺ قسم بخدا وہ ابوذر ہی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے۔ یہ اکیلا ہی سفر کر رہا ہے اور اکیلا ہی اس دنیا سے رخصت ہوگا اور اکیلا ہی قیامت کے دن اٹھے گا۔ محمد بن یوسف الصالحی فرماتے ہیں جب ابوذر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور اپنے سفر کی روداد سنائی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! اللہ نے تیرے ہر قدم کے بدلے ایک گناہ معاف فرما دیا ہے یہاں تک کہ تو مجھ سے آملا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوخیثمہ سے روایت کیا ہے اور ابن اسحاق اور محمد بن عمر نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو تبوک کی طرف عازم سفر ہوئے چند دن گزر چکے تھے تو ابوخیثمہ پیچھے ایک دن گھر آئے گرمی شدید تھی۔ ان کی دونوں بیویاں اپنے چھپڑوں کے نیچے چھڑکاؤ کئے ہوئے تھیں اور ٹھنڈے پانی کی صراحیاں رکھی ہوئی تھیں اور انہوں نے ابوخیثمہ کے لئے لذیذ کھانا بھی تیار کر رکھا تھا۔ جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو دہلیز پر کھڑے ہو گئے اور اپنی دونوں بیویوں کے انتظام و اہتمام کو دیکھا اور کہا سبحان اللہ! رسول اللہ ﷺ جن کے اگلے، پچھلے سب الزام اللہ تعالیٰ نے مٹا دیئے ہیں، وہ تو چلچلاتی دھوپ، گرم لو اور شدید گرمی میں اپنی گردن پر ہتھیار اٹھائے ہوئے ہوں اور ابوخیثمہ ٹھنڈی چھاؤں، لذیذ کھانے میں اور حسن و جمال کی پیکر بیویوں کے درمیان ہو۔ یہ انصاف نہیں ہے۔ پھر اپنی بیویوں کو فرمایا قسم بخدا میں تمہارے ٹھنڈے چھپڑوں میں داخل نہیں ہوں گا حتیٰ کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جا ملوں تم میرے لئے سامان سفر تیار کرو، انہوں نے زاد راہ تیار کیا پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نکل پڑے، حتیٰ کہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کو جا ملے راستہ میں ابوخیثمہ کو عمیر بن وہب جمحی ملے۔ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی طلب میں تھے۔ دونوں اکٹھے ہو گئے جب تبوک کے قریب پہنچے تو ابوخیثمہ نے کہا اے عمیر میرا ایک گناہ ہے۔ اس لئے تم مجھ سے تھوڑا پیچھے رہ جاؤ تو بہتر ہے میں

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 441 (العلمیۃ)

اکیلا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہوں۔ وہ تھوڑا پیچھے رہ گئے۔ جب ابو خیثمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب ہوئے تو لوگوں نے کہا ایک سوار ہماری طرف آ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو خیثمہ ہوگا۔ قریب آئے تو لوگوں نے کہا قسم بخدا واقعی ابو خیثمہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو خیثمہ اتنی دیر لگا دی، ابو خیثمہ نے اپنا سارا واقعہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔(1)

؎ تاکید کے لئے تاب کے الفاظ دوبارہ ذکر فرمائے۔ یا آیت کی ابتداء میں توبہ سے مراد منافقین کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دینے کی وجہ سے رحمت سے توجہ فرمانا ہے اور یہاں ان کے دلوں کے ٹیڑھا ہونے کے قریب پہنچنے کی وجہ سے رحمت کی توجہ فرمانا ہے، یا پہلی توبہ کا معنی توبہ کی توفیق عطا کرنا ہے اور یہاں توبہ کی قبولیت کو بیان کرتا ہے۔ یا یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر نظر کرم فرمائی کیونکہ انہوں نے اتنی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کی ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس پر اللہ تعالیٰ نے رحمت کی توجہ فرمائی اسے کبھی عذاب نہ دے گا، یعنی جس گناہ کو اس نے معاف فرما دیا اس پر پھر کبھی مواخذہ اور عذاب نہ فرمائے گا۔(2)

وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۱۸﴾

"اور ان تینوں پر (نظر رحمت فرمائی) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا ؎ یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین باوجود کشادگی کے اور بوجھ بن گئیں ان پر ان کی جانیں اور جان لیا انہوں نے کہ نہیں کوئی جائے پناہ اللہ تعالیٰ سے مگر اسی کی ذات۔ تب اللہ تعالیٰ ان پر مائل بکرم ہوا تاکہ وہ بھی رجوع کریں ؎ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے ؎"

؎ علی الثلثة کا عطف علیھم پر ہے اور الذین خلفوا سے مراد وہ لوگ ہیں جو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے اور بعض علماء فرماتے ہیں خلفوا کا مطلب یہ ہے کہ جن کی توبہ کی قبولیت کا معاملہ مؤخر کیا گیا تھا، یعنی ابو لبابہ اور ان کے ساتھی۔ یہ تین افراد کعب بن مالک الشاعر، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ تھے۔ یہ تینوں انصار صحابہ میں سے تھے۔ شیخین نے صحیحین میں اور احمد، ابن ابی شیبہ، ابن اسحاق اور عبد الرزاق رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حضرت کعب رضی اللہ عنہ خود بیان فرماتے ہیں میں تبوک کی جنگ کے علاوہ کسی معرکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت سے محروم نہ رہا لیکن غزوۂ بدر میں پیچھے رہ گیا تھا۔ مگر اس معرکہ میں پیچھے رہ جانے والوں میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے عتاب نہیں فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ قریش کے قافلہ کا ارادہ فرماتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی مقررہ پروگرام کے دشمن کے آمنے سامنے کر دیا تھا۔ گھاٹی کی رات بھی میں حضور ﷺ کی معیت میں تھا اس گھاٹی والی رات سے مراد تیسری گھاٹی کی رات ہے۔ جب ہم نے اسلام پر کاربند رہنے کا معاہدہ کیا تھا اور اس رات کی حاضری کو میں بدر میں حاضری سے کم نہیں سمجھتا تھا، اگرچہ لوگ بدر کی جنگ کا اکثر ذکر کرتے تھے۔ تبوک کے معرکہ میں جب میں پیچھے

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 44-443 (العلمیہ)	2۔ تفسیر بغوی، جلد 3، صفحہ 120 (الفکر)

رہ گیا تھا۔ اس وقت میری مالی پوزیشن بہت اچھی تھی۔ اس موقع پر میرے پاس سواری کے لئے دو اونٹنیاں تھیں حالانکہ اس سے قبل میرے پاس سواری کے لئے دو جانور کبھی جمع نہیں ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی معرکہ کی تیاری فرماتے تو واضح ارشاد نہ فرماتے بلکہ توریہ فرماتے (یعنی ایسا جملہ بولتے کہ سننے والا کچھ اور سمجھتا جبکہ آپ کی مراد اس سے کچھ اور ہوتی) اور فرماتے جنگ خفیہ تدبیر ہے، لیکن یہ جنگ رسول اللہ ﷺ نے شدید گرمی میں لڑنا تھی، سفر بہت دور اور کٹھن تھا دشمن کی تعداد بھی مسلمانوں کے لشکر سے کئی گناہ زیادہ تھی اس لئے آپ ﷺ نے واضح اعلان فرما دیا تا کہ مسلمان اچھی طرح تیاری کر لیں۔ آپ ﷺ نے اپنے ارادہ سے سب کو مطلع کر دیا تھا۔ مسلمانوں کی تعداد رسول اللہ ﷺ کی معیت میں کافی تھی (1)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے دس ہزار سے زائد تعداد نقل کی ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے الاکلیل میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ تبوک میں جو حضرات شامل ہوئے تھے تقریباً تیس ہزار سے زیادہ تھے۔ ابوذر عہ فرماتے ہیں ان جانثاروں کے نام کسی کتاب میں جمع نہ تھے۔ زہری فرماتے ہیں کتاب سے مراد رجسٹر ہے، جو آدمی غائب ہونا چاہتا وہ یہی سمجھتا کہ میرا معاملہ مخفی رہے گا جب تک کہ میرے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل نہ ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اس معرکہ کی تیاری فرمائی تھی اس وقت سائے بہت گھنے تھے اور پھل پک چکے تھے، حضور ﷺ نے تیاری فرمائی اور مسلمان بھی سر بکف تیار ہو گئے۔ جمعرات کے دن آپ ﷺ تبوک کی طرف روانہ ہوئے آپ ﷺ جہاد یا عمومی سفر جمعرات کو شروع کرنا پسند فرماتے تھے۔ میں نے بھی تیاری کا ارادہ کیا۔ ہر روز صبح تیاری کے ارادہ سے نکلتا لیکن کچھ کئے بغیر واپس آ جاتا اور اپنے دل میں سوچتا کہ میں مالدار ہوں جب چاہوں گا تیار ہو جاؤں گا۔ میری حالت یہی رہی حتیٰ کہ گرمی شدید ہو گئی، رسول اللہ ﷺ اور مسلمان تیار ہو گئے لیکن میں نے ابھی کچھ نہیں کیا تھا۔ میں یہ سوچتا تھا کہ میں ان کے بعد ایک دو دن میں تیار ہو کر ان سے مل جاؤں گا، اسی طرح ٹال مٹول ہوتی رہی، میں نے قوم کے افراد کو دیکھا وہ تیزی سے جا رہے ہیں لیکن میں ارادہ ہی کرتا رہا کہ ابھی کوچ کروں گا اور انہیں مل جاؤں گا۔ کاش میں نے ایسا کیا ہوتا لیکن ایسا کرنا میری تقدیر میں نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے چلے جانے کے بعد جب میں گھر سے باہر نکلتا اور شہر کا چکر لگاتا تو میرا دل پریشان ہوتا کیونکہ مجھے شہر میں صرف منافقین یا معذور و کمزور افراد نظر آتے۔ حضور ﷺ نے تبوک پہنچنے تک میرا کوئی تذکرہ نہ فرمایا۔ ایک دن تبوک میں بیٹھے تھے کہ فرمایا کعب بن مالک کو کیا ہوا۔ بنی سلمہ کے ایک شخص نے کہا۔ ایک روایت میں میری قوم کے ایک فرد نے کہا محمد بن عمر نے اس شخص کا نام عبداللہ بن انیس السلمی لکھا ہے، یا رسول اللہ ﷺ اسے فخر و تکبر اور اپنے کندھوں کو دیکھنے نے اس حاضری سے محروم کر دیا ہے۔ معاذ بن جبل اور ابوقتادہ نے فرمایا تو نے ان کے متعلق اچھی بات نہیں کی۔ یا رسول اللہ ﷺ میں ان کے متعلق خیر کو ہی جانتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ اس پر خاموش رہے کوئی اظہار نہ فرمایا۔ کعب فرماتے ہیں جب مجھے پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ بخیر و عافیت واپس تشریف لا رہے ہیں، میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اپنی غیر حاضری کا عذر ڈھونڈنے لگا اور ایسی بات سوچنے لگا جس سے میں آپ ﷺ کی ناراضگی سے بچ جاؤں۔ میں نے اپنے گھر کے دانشمند افراد سے بھی مشورہ کیا لیکن جب یہ بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لا چکے ہیں میرے دل میں جو جھوٹ اور باطل تھا وہ زائل ہو گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ جس بات میں جھوٹ کی آمیزش ہو اس کے ذریعے میں نہیں بچ سکتا۔ میں نے سچ بولنے کا پختہ عہد کر لیا اور یقین کر لیا کہ سچ ہی سے مجھے نجات ہو سکتی ہے۔ صبح

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5 صفحہ 74-273 (العلمیۃ)

کے وقت رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ ابن سعد نے آپ ﷺ کی آمد کا مہینہ رمضان لکھا ہے، کعب فرماتے ہیں آپ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ آپ سفر سے چاشت کے وقت تشریف لاتے اور پہلے مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرماتے، کچھ وقت مسجد میں تشریف فرما ہوتے، پھر حضرت فاطمہ الزہراء کے گھر قدم رنجہ فرما ہوتے اس کے بعد ازواج مطہرات کے پاس جاتے۔ آپ ﷺ مسجد میں آئے نفل ادا فرمائے اور لوگوں سے حال پوچھنے کے لئے بیٹھے تو پیچھے رہ جانے والے اپنے اپنے عذر پیش کرتے ہوئے حاضر ہوئے اور اپنے عذر کی صداقت کے لئے قسمیں بھی اٹھاتے تھے۔ یہ تقریباً اسی سے زائد افراد تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی ظاہری باتوں کو قبول فرما لیا اور ان کی بیعت لے لی اور ان کے لئے استغفار بھی فرمایا اور تمام لوگوں کے دل کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سپرد فرما دی۔ میں جب آیا اور سلام پیش کیا تو حضور ﷺ نے غصہ والے آدمی کی طرح تبسم فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا آ جاؤ۔ میں قریب آ کر سامنے بیٹھ گیا۔ ابن عابد نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے رخ انور پھیر لیا اور کوئی توجہ نہ فرمائی۔ کعب نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھ سے کیوں اعراض فرما لیا، قسم بخدا! میں نہ منافق ہوں نہ مجھے آپ کی نبوت اور اللہ تعالیٰ کی توحید میں شک ہے اور نہ میرے دل کی کیفیت بدلی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم کیوں پیچھے رہ گئے تھے۔ کیا تم نے سواری نہیں خریدی تھی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ قسم بخدا اگر میں آپ کے علاوہ کسی بھی شخص کے سامنے بیٹھا ہوتا تو میں یہ خیال کرتا کہ میں کسی جھوٹے عذر کے ساتھ اس کی ناراضگی سے بچ جاؤں گا اور مجھے جھگڑنے کی قوت بھی دی گئی ہے لیکن قسم بخدا میں نے یقین کر لیا ہے کہ اگر میں جھوٹی بات سے آپ کو راضی کر لوں تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے اور اگر میں آپ کو سچی سچی بات بتا دوں تو آپ مجھ سے رنجیدہ ہوں گے لیکن مجھے اللہ کے عفو و کرم کی امید ہے، قسم بخدا! مجھے کوئی عذر نہ تھا، قسم بخدا جب میں آپ ﷺ سے پیچھے رہا، اس وقت میں خوشحال اور طاقتور بھی تھا، آپ ﷺ نے یہی سچی سچی گفتگو سن کر فرمایا اس نے جو کچھ کہا سچ کہا ہے، اٹھ جاؤ تمہارا فیصلہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں نکلا تو بنی سلمہ کے کئی افراد میرے پیچھے چل پڑے۔ انہوں نے مجھے کہا ہم نے اس سے پہلے تیرا کوئی گناہ نہیں دیکھا، تو نے دوسرے پیچھے رہنے والوں کی طرح عذر پیش نہیں کیا، یہ تیرا چھوٹا سا گناہ تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ کا استغفار کافی تھا۔ قسم بخدا وہ مجھے سرزنش کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے ارادہ کیا کہ دوبارہ جا کر کوئی عذر پیش کر دوں لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ ایک تو گناہ یہ کیا کہ جہاد میں شریک نہیں ہوا اور دوسرا گناہ یہ کروں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جھوٹ بولوں، میں یہ دونوں کام جمع نہیں کرتا۔ میں نے ان لوگوں کو کہا کوئی اور بھی ایسا شخص باقی ہے جس نے ابھی بارگاہ نبوت میں حاضری دینی ہو؟ انہوں نے کہا ہاں دو آدمی باقی ہے، انہوں نے تیری مثل سچ سچ بتایا ہے، انہیں تیری طرح مشورہ دیا گیا ہے، میں نے پوچھا وہ دو کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا وہ مرارہ بن ربیع العمری اور ہلال بن امیہ الواقفی ہیں۔ (1)

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مرسل روایت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مرارہ بن ربیع کے پیچھے رہنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کا باغ پک چکا تھا، اس نے دل میں سوچا کہ میں نے اس سے پہلے کئی جنگیں لڑی ہیں اگر میں اس معرکہ میں اس سال شامل نہ ہوا تو کیا حرج ہے۔ پھر جب انہیں اپنی اس کوتاہی کا احساس ہوا تو عرض کی اے اللہ میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں نے یہ باغ تیری رضا کے لئے صدقہ کیا۔ دوسرے شخص یعنی ہلال بن امیہ کی غیر حاضری کا سبب یہ تھا کہ اس کے اہل پہلے بکھرے ہوئے تھے وہ اس وقت واپس آئے تو انہوں نے کہا تم اس سال ہمارے پاس رہ جاؤ جب ہلال کو اپنی اس کوتاہی کا احساس ہوا تو عرض کی

1۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 35-634 (وزارت تعلیم)

اے اللہ میں تیری خاطر اب اپنے اہل اور مال کے پاس نہیں جاؤں گا (1)۔ کعب فرماتے ہیں لوگوں نے جب میرے سامنے ان دو نیکوکاروں کا تذکرہ کیا گیا جنہوں نے بدر میں شرکت کی تھی، تو میرے لئے ان کی ذاتیں ایک نمونہ تھیں۔ میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صرف ہم تینوں کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرمادیا ہوا یہ کہ ارشاد نبوی سنتے ہی حالات بدل گئے۔ لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ ہم صبح کے وقت لوگوں کے پاس گئے تو کوئی ہم سے بات نہیں کرتا تھا اور ہم سے نہ کوئی سلام دیتا تھا اور نہ ہمارے سلام کا جواب دیتا تھا۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے کہ لوگ ہمارے لئے اجنبی بن گئے حتیٰ کہ جنہیں جانتے تھے وہ بھی ہمارے لئے غیر بن گئے بلکہ ہمارے لئے درو دیوار بھی اجنبی بن گئے اس سے بڑی بات جو مجھے گھائل کر رہی تھی وہ یہ تھی کہ میں موت کے منہ میں چلا جاؤں اور حضور ﷺ میری نماز جنازہ بھی نہ پڑھیں یا حضور ﷺ کا وصال ہو جائے اور میں اسی حالت میں ہوں، میرے ساتھ کوئی بات نہ کرتا اور نہ سلام کرتا حتیٰ کہ مجھے یہ علاقہ غیر مانوس معلوم ہوتا۔ ہم پچاس راتیں اسی کرب واضطراب میں رہے۔ میرے دوسرے دونوں ساتھی تو گھروں میں بیٹھ کر روتے ہی رہتے لیکن میں کچھ مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ میں باہر نکل کر نماز میں شریک ہوتا، بازاروں کا چکر لگاتا لیکن مجھ سے کوئی کلام نہ کرتا اور نہ کوئی سلام کا جواب دیتا۔ میں نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کو سلام عرض کرتا اور پھر دیکھا کرتا کہ کیا لب نعلین کو جنبش دیتے ہیں یا نہیں، پھر میں رسول اللہ ﷺ کے قریب نماز ادا کرنا شروع کر دیتا۔ جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو غمگسار آقا میری طرف نظر کرم فرماتے لیکن میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو اعراض فرماتے۔ حتیٰ کہ اس کرب واضطراب میں طویل مدت گزر گئی۔ ایک دن میں اپنے چچا زاد بھائی ابوقتادہ کے باغ میں دیوار پھلانگ کر گیا۔ یہ ابوقتادہ ان کے سگے چچا کے بیٹے نہیں تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ابوقتادہ میرے بڑے محبوب ساتھی تھے۔ میں نے ان پر سلام کیا تو قسم بخدا انہوں نے بھی جواب نہ دیا، میں نے کہا ابوقتادہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں، ابوقتادہ خاموش رہے اور کوئی بات نہ کی حتیٰ کہ میں نے تیسری یا چوتھی مرتبہ یہی جملہ دہرایا، تو فرمانے لگے اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، یہ جملہ سنتے ہی میری آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ میں پیچھے ہو گیا اور باغ کی دیوار کراس کی، شکستہ دل کے ساتھ بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک نبطی جو شام سے آیا تھا اور مدینہ میں کوئی کھانا بیچ رہا تھا اور کہہ رہا تھا مجھے کعب بن مالک کا پتہ کون بتائے گا؟ لوگوں نے اشارہ کر کے میری طرف متوجہ کیا، وہ میرے پاس آیا اور مجھے غسان کے بادشاہ کا خط دے دیا۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ شام سے میری قوم کے کسی فرد نے مجھے ریشم کے کپڑا کا خط لکھا اور اس میں یہ تھا کہ مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ تیرے صاحب نے تجھ پر بہت ظلم کیا ہے اور تیرے ساتھ بہت ناروا سلوک اپنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے ایسا تو نہیں بنایا کہ تیری توہین کی جائے اور تیری عظمت کو ضائع کیا جائے۔ اگر تو ہمارے پاس آجائے تو ہم تیری قدردانی کریں گے اور تیرا تجھے مقام دیں گے۔ میں نے جب پڑھا تو میں نے کہا یہ مصیبت ہے کہ مجھے ایک کافر لالچ دے رہا ہے، میں نے وہ خط تنور میں ڈال کر جلا دیا۔ ابن عابد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کے متواتر اعراض کی وجہ سے اب مشرک میرے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی غم واندوہ میں چالیس راتیں گزر گئیں تو پیغام رساں

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 516 (العلمیہ)

میرے پاس آیا۔ محمد بن عمر فرماتے ہیں وہ پیغام رساں خزیمہ بن ثابت تھے جو مرارہ اور ہلال کے پاس آیا تھا۔ کعب فرماتے ہیں۔ اس شخص نے مجھے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تجھے حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤ، میں نے پوچھا کیا اسے طلاق دے دوں یا کیا کروں، اس نے کہا نہیں بلکہ صرف جدا ہو جا اور اس کے قریب نہ جا۔ اسی قسم کا پیغام آپ ﷺ نے میرے دوسرے دو ساتھیوں کی طرف بھی بھیجا، میں نے اپنی بیوی سے کہا تو میکے چلی جا اور اللہ کے فیصلہ تک ان کے پاس ہی رہنا۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہلال بن امیہ کی بیوی خولہ بنت عاصم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہلال بن امیہ بوڑھا شخص ہے، اس کے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ وہ بوڑھا ہے اور اس کی نظر کمزور ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ناپسند فرماتے ہیں کہ میں ان کی خدمت کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ تم خدمت کرو لیکن وہ تیرے قریب نہ آئے۔ ہلال کی بیوی نے کہا قسم بخدا اس نے چلنا پھرنا بھی چھوڑ دیا ہے، جب سے یہ معاملہ ہوا ہے ان کو تو صرف روتے سے ہی کام ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے بعض گھر والوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں بھی رسول اللہ ﷺ سے اپنی بیوی سے خدمت لینے کی اجازت طلب کروں۔ جیسا کہ سرکار نے ہلال بن امیہ کی بیوی کو خدمت کی اجازت دے دی ہے۔ میں نے کہا قسم بخدا میں تو کبھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب نہیں کروں گا، معلوم نہیں حضور ﷺ اس اجازت پر کیا فرماتے ہیں، اگر میں اجازت طلب کروں اور میں جوان عمر آدمی ہوں (پھر کوئی غلطی نہ ہو جائے)۔ اس تنہائی میں دس راتیں مزید گزر گئیں حتیٰ کہ جب سے حضور ﷺ نے ہمارے ساتھ کلام کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اس عرصہ کو پچاس راتیں مکمل ہو چکی تھیں۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ ہماری توبہ کی قبولیت کی آیت نبی کریم ﷺ رات کے تیسرے حصہ میں نازل ہوئی۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی اے اللہ کے نبی ہم کعب بن مالک کو یہ مژدہ سنا نہ دیں؟ فرمایا لوگ جوق در جوق آنا شروع ہو جائیں گے اور ساری رات سونے نہیں دیں گے۔ پچاسویں صبح جب میں نے فجر کی نماز ادا کی اور میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور میری کیفیت بالکل وہی تھی جو قرآن نے بیان فرمائی ہے (کہ زمین فراخ و وسیع ہونے کے باوجود مجھ پر تنگ تھی) میں نے ایک چیخنے والے کی آواز سنی جو جبل سلع سے چیخ رہا تھا۔ اے کعب بن مالک تمہیں مبارک ہو۔ محمد بن عمر کی روایت میں ہے کہ یہ آواز دینے والے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے یہ آواز دی اے کعب مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے کعب کی توبہ قبول فرمائی ہے۔ عقبہ کی روایت میں ہے کہ دو آدمی کعب کو بشارت دینے کے لئے دوڑے ہوئے آئے۔ ایک سبقت لے گیا اور دوسرا جبل سلع پر چڑھ گیا اور یہ آواز دی، اے کعب مبارک ہو، اللہ نے توبہ قبول فرمائی ہے، اللہ نے تمہارے بارے میں قرآن نازل فرمایا ہے۔ بعض محدثین کا خیال ہے کہ وہ دوڑ کر آنے والے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہ مژدہ سنتے ہی بطور شکر سجدہ ریز ہو گیا اور توبہ کی قبولیت پر خوشی سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ اب غم و الم کی کالی گھٹا چھٹ گئی ہے۔ حضور نبی رحمت ﷺ نے صبح کی نماز کے وقت ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمایا۔ لوگ ہمیں مبارک باد پیش کرنے لگے۔ کچھ لوگ میرے ساتھیوں کو مبارک دینے کے لئے چلے گئے اور ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر میرے پاس آیا۔ محمد بن عمر کی روایت میں ہے کہ گھوڑے پر آنے والے شخص زبیر بن العوام تھے۔ ایک شخص بنی اسلم سے دوڑتا ہوا آیا۔ فرماتے ہیں اس کی آواز گھوڑے کی طرح تیز تھی۔ جب وہ شخص آیا جس کی میں نے آواز سنی تو وہ حمزہ اسلمی تھے جنہوں نے مجھے

بشارت دی تھی۔ میں نے اپنے کپڑے اتار دیئے اور حمزہ اسلمی کو پہنا دیئے۔ قسم بخدا اس دن میں ان دو کپڑوں کے علاوہ کوئی کپڑے نہیں رکھتا تھا۔ محمد بن عمر کی روایت میں ہے کہ میں نے ابوقتادہ سے عاریۃً کپڑے لیکر پہنے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بلال بن امیہ کو سعید بن زید نے یہ خوشخبری سنائی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ سر نہ اٹھائے گا حتیٰ کہ ان کی روح پرواز کر جائے گی۔ انہوں نے کھانا چھوڑ دیا تھا اور متواتر روزے رکھ رہے تھے اور ہر وقت روتے رہتے تھے۔ مرارہ بن ربیع کو توبہ کی قبولیت کی خوشخبری سلکان بن سلامہ نے دی جو سلامہ بن وقش کے باپ تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے چلا تو لوگ فوج درفوج راستہ میں مجھے ملے اور مجھے مبارک پیش کی۔ لوگ کہتے مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے جھرمٹ میں تھے۔ مجھے دیکھ کر طلحہ بن عبید اللہ اٹھے، دوڑتے ہوئے آئے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک دی۔ قسم بخدا طلحہ کے علاوہ مہاجرین میں سے کوئی شخص میری طرف نہ اٹھا۔ میں طلحہ کی یہ محبت کبھی نہیں بھولوں گا۔ کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں نے رسول اللہ ﷺ پر سلام پیش کیا تو آپ ﷺ نے خوشی سے چمکتے ہوئے چہرہ سے فرمایا جب سے تجھے تیری ماں نے جنا ہے یہ تیری زندگی کا بہترین دن ہے، مبارک ہو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ کرم نوازی آپ کی طرف سے ہے؟ یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے فرمایا یہ بندہ نوازی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، تم نے اللہ تعالیٰ سے سچا معاملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری سچائی پر جزاء خیر عطا فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس پر خوشی و مسرت ہوتی تو آپ کا چہرہ یوں لگتا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو، ہم اس چمک سے پہچان لیتے کہ آپ ﷺ اب بہت خوش ہیں۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھا تو عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری توبہ میں سے یہ بھی ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کچھ اپنے لئے رکھ لو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کی حضور ﷺ! نصف قبول فرمالیں۔ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کی حضور تہائی قبول فرمالیں۔ فرمایا ٹھیک ہے تیرا حصہ قبول ہے اور فرمایا میں اپنا خیبر کا حصہ اپنے پاس رکھتا ہوں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے مجھے سچ کی وجہ سے نجات عطا فرمائی اور میری توبہ کا اب یہ بھی حصہ ہے کہ میں کبھی غلط بیانی سے کام نہیں لوں گا۔ جب تک زندگی کے سانس باقی ہیں سچ ہی بولوں گا۔ قسم بخدا میں کوئی ایسا شخص نہیں جانتا جس پر اللہ نے سچی بات کرنے کی وجہ سے انعام فرمایا ہو جتنا کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے سچ بولنے کی وجہ سے مجھ پر انعام فرمایا ہے۔ جس دن سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے عہد کیا ہے آج تک میں نے جھوٹ نہیں بولا اور اللہ تعالیٰ سے کامل امید ہے کہ وہ مجھے تادم واپسیں جھوٹ سے محفوظ رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ''لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ ...... وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ'' آیات نازل فرمائیں۔ قسم بخدا اسلام کی دولت عطا کرنے کے بعد سب سے بڑا احسان مجھ پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ بولنے کی وجہ سے فرمایا ہے میں اب بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ جنہوں نے جھوٹ بولا اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت میں قرآن نازل فرمایا سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم تینوں کا معاملہ ملتوی ہو گیا تھا۔ باقی سب پیچھے رہنے والوں کے ظاہری عذروں کو آپ ﷺ نے قبول فرمالیا تھا اور ان سے بیعت بھی لے لی تھی اور ان کے لئے مغفرت بھی طلب کی تھی لیکن ہمارا معاملہ مؤخر فرما دیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا اور فرمایا عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا الخ۔ اس آیت میں جنگ

سے پیچھے رہ جانے والوں کا ذکر نہیں بلکہ جن کے عذر حضور ﷺ نے قبول فرمائے تھے ان میں سے ہمارا جو معاملہ مؤخر کیا گیا تھا اس کا ذکر ہے(1) النور میں ہے کہ پچاس راتیں حضرت کعب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو ہجر کی کالی رات میں رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ اتنی ہی مدت حضور ﷺ اس سفر میں مدینہ طیبہ سے غائب رہے تھے۔

۲۔ لوگوں کے اعراض اور اپنوں بیگانوں کی بے رخی کی وجہ سے ان پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی تھی۔ یہ ایک مثل ہے کہ ان کی حیرت و پریشانی کا یہ عالم تھا کہ انہیں قلق و اضطراب کی وجہ سے زمین کا کوئی خطہ قرار و سکون نہیں بخشتا تھا اور ان کے دل فرط وحشت اور غم کی وجہ سے انس و سرور سے بالکل محروم ہو گئے تھے۔ وہ یہ یقین کر چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے مگر یہ کہ غلطی کے بعد بھی اسی کی بارگاہ میں سرافگندگی اور معافی مانگنے سے کرم نوازی ہوگی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تا کہ وہ توبہ پر قائم رہیں کیونکہ توبہ تو پہلے وہ کر چکے تھے یا یہ معنی کرتا کہ وہ توبہ کرنے والوں میں شمار ہوں، ابوبکر وراق فرماتے ہیں توبة النصوح یہ ہے کہ جب انسان گناہ کر بیٹھے تو اتنا پریشان ہو کہ اس پر زمین اپنی پہنائیوں اور وسعتوں کے باوجود تنگ ہو جائے اور اس کے دل مضطرب کو کہیں چین نہ آئے۔ جیسے ان تین افراد کی توبہ تھی ایسی توبہ کو توبة النصوح کہتے ہیں۔

۴۔ ابوموسیٰ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کو اپنی شان کے لائق اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تا کہ دن بھر کے گناہگار توبہ کر لیں اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تا کہ رات کے مجرم معافی مانگ لیں (ساری رات یہی ہوتا رہتا ہے) حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(2)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری صحراء میں ہو اور پھر وہ گم ہو جائے جبکہ اس کے اوپر اس کا کھانا اور پانی تھا (وہ اس کی تلاش بسیار) کے بعد مایوس ہو کر ایک درخت کے سایہ میں لیٹ جاتا ہے۔ اب وہ اپنی سواری کے ملنے کی امید سے بالکل مایوس ہو چکا تھا۔ پھر اچانک دیکھتا ہے کہ اس کی سواری (سازوسامان) کے ساتھ اس کے پاس کھڑی ہے وہ اس کی مہار پکڑتا ہے اور انتہائی خوشی اور مسرت کی وجہ سے یہ کہتا ہے اے اللہ "اَنْتَ عَبْدِیْ وَاَنَا رَبُّکَ" "تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ اس سے شدت فرحت کی وجہ سے غلطی ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے(3)۔ رب کریم کی بخشش و عطا پر دلالت کرنے والی احادیث کثرت سے موجود ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾

"اے ایمان والو ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ ۱۔"

۱۔ ایمان، عہد، نیت، قول اور عمل میں سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ مفہوم و مراد یہ ہے کہ ہر چیز میں صداقت کو لازم پکڑو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی معنی بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح ابن عمر سے مروی ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کے

1۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 36-635 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 358 (قدیمی)
3۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 355 (قدیمی)

ساتھ ہو جاؤ جن کی نیتیں صاف، دل اسلام پر قائم اور اعمال احکام کے مطابق تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک کی طرف اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ نکلے تھے(1) جبکہ منافقین پیچھے رہ گئے تھے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں مطلب یہ کہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہو جاؤ۔ الضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کو حکم دیا گیا ہے کہ ابو بکر، عمر رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو جاؤ۔ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تفسیر مختلف ہے، یہ ایک جامع کلام ہے، یہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور وہ بھی مراد ہو سکتا ہے (یعنی اللہ نے فرمایا سچوں کے ساتھ ہو جاؤ تو اس کا کوئی بھی مفہوم ہو سکتا ہے)۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مہاجرین کے ساتھ ہو جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۝ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو سچا فرمایا ہے۔ اس لئے مذکورہ آیت میں صادقین سے مراد بھی یہی مہاجرین ہوں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں الصادقین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کیا۔ پھر اس پر ندامت کے آنسو بہائے اور جھوٹے عذر پیش نہیں کیے تھے۔ ابن مسعود فرماتے ہیں جھوٹ نہ سنجیدگی میں جائز ہے اور نہ مذاق میں اور نہ اس طرح صحیح ہے کہ تم کسی بچے سے کوئی وعدہ کرو اور پھر اس کا ایفا نہ کرو۔ اور اگر تم تصدیق چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو پھر خود ہی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾

''نہیں مناسب تھا مدینہ والوں کے لئے اور جو ان کے اردگرد دیہاتی لوگ ہیں کہ پیچھے بیٹھ رہتے اللہ کے رسول پاک سے اور نہ یہ کہ متوجہ ہوتے اپنے نفسوں کی طرف ان سے بے فکر ہو کر۔ یہ اس لئے کہ نہیں پہنچتی انہیں کوئی پیاس اور نہ کوئی تکلیف اور نہ بھوک راہ خدا میں اور نہ وہ چلتے ہیں کسی چلنے کی جگہ جس سے کافروں کو غصہ آئے اور نہیں حاصل کرتے وہ دشمن کچھ مگر یہ کہ لکھا جاتا ہے ان کے لئے ان (تمام تکلیفوں) کے عوض نیک عمل[1] بیشک اللہ ضائع نہیں کرتا نیکوں کا اجر[2]''

[1] ما کان ظاہراً خبر ہے لیکن نہی کے معنی میں ہے، جیسا کہ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ میں ظاہراً خبر ہے لیکن معنی نہی ہے۔ اعراب سے مراد دیہاتی ہیں، یعنی مزینہ، جہینہ، اشجع، اسلم اور غفار کے قبائل ہیں۔ یعنی جب وہ سارے جہاں کا سردار خود میدان کارزار میں ہے انہیں پیچھے رہنا کسی صورت میں زیبا نہیں اور نہ ان کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اپنے نفسوں کو چلچلاتی دھوپ، گرم لو سے بچائیں جبکہ وہ میرا رسول اپنے نفس کی پروا کئے بغیر علم اسلام بلند کئے دشمنوں کے سامنے جا رہا ہے۔ ذالک کا مشار الیہ ما کان کی نہی ہے۔ یعنی انہیں ایسے کردار سے منع فرمایا کیونکہ جو انہیں راہ الٰہی میں پیاس محسوس ہوگی، تکلیف اور بھوک برداشت کریں گے، کسی وادی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 125 (الفکر)

کوعبور کریں گے اور دشمن سے جو کچھ حاصل کریں ان سب اعمال کا اجر ہوگا۔

یہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ یہ آیت کا آخری جملہ کتب کی علت ہے اور اس بات پر تنبیہ ہے کہ جہاد کرنا احسان ہے، کفار کے حق میں اس طرح کہ اس کے ذریعے کفار کو کامل انسان بنانے اور انہیں دوزخ کی وادیوں سے بچانے کے لئے کوشش کی جاتی ہے جیسے پاگل اور بچے کو ادب سکھانے کے لئے سزا دی جاتی ہے اور مومنین کے حق میں اس طرح یہ احسان ہے کہ جب تک مسلمان جہاد کرتے رہیں گے کفار کے غلبہ اور ان کی سطوت سے محفوظ رہیں گے۔ حضرت ابی عبس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس کے قدم اللہ کے راستہ میں گرد آلود ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ پر حرام فرما دیتا ہے(1)۔ اسی حدیث کو بخاری، امام احمد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والا ہمیشہ روزہ رکھنے والے، اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرنے والے کی طرح ہوتا ہے جو روزہ اور نماز میں کبھی سستی اور کاہلی کا مظاہرہ نہیں کرتا حتیٰ کہ مجاہد اللہ کے راستہ سے لوٹ آتا ہے(2)۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے: 1۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے جب رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس جنگ میں شریک ہوں تو کسی کو بغیر عذر کے پیچھے رہنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن دوسرے خلفاء وائمہ جہاد میں خود شریک ہوں بھی تو مومنین میں سے جو جہاد میں شریک نہ ہونا چاہیں تو بھی اجازت ہے، جبکہ مسلمان فوج کو تمام لوگوں کی ضرورت نہ ہو۔ ولید بن مسلم فرماتے ہیں میں نے اوزاعی، ابن المبارک، ابن جابر، سعد بن عبدالعزیز کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ یہ آیت امت کے اولین دور کے لئے بھی تھی اور آخری دور کے لئے بھی ہے۔ ابن زید کہتے ہیں یہ حکم اس وقت تھا جبکہ مسلمانوں کی نفری کم تھی جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم منسوخ کر دیا اور پیچھے رہنا مباح کر دیا۔ ارشاد فرمایا وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً (یہ نہیں ہو سکتا کہ مومن نکل کھڑے ہوں سارے کے سارے)(3)۔ میں کہتا ہوں تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد پر مامور ہو تو جہاد فرض کفایہ ہے۔ چند لوگ جہاد کر رہے ہوں تو باقی لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ سعید بن المسیب سے مروی ہے جہاد کے متعلق عمومی الفاظ وارد ہونے کی وجہ سے جہاد فرض عین ہے۔ نیز غزوۂ تبوک میں پیچھے رہنے والوں کے متعلق سخت احکام نازل ہوئے یہ دلیل ہے کہ جہاد فرض عین ہے۔ ہم کہتے ہیں جب خلیفہ کی طرف سے اعلان عام ہو جائے تو ہر فرد پر بالا جماع جہاد فرض ہو جاتا ہے جیسا کہ غزوۂ تبوک میں اعلان عام ہوا تھا۔ عام حالات میں فرض کفایہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ... وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى، اسی طرح ارشاد ہے وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً (یہ نہیں ہو سکتا کہ مومن نکل کھڑے ہوں سارے کے سارے)۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 134 (قدیمی)
2۔ صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 124 (وزارت تعلیم)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 127 (الفکر)

"اور وہ (مجاہدین) نہیں خرچ کرتے تھوڑا اور نہ زیادہ اور نہ طے کرتے ہیں کسی وادی کو مگر یہ کہ لکھ لیا جاتا ہے ان کے لئے
تاکہ صلہ دے انہیں اللہ تعالیٰ بہترین ان کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے ؁"

؁ وہ مجاہدین جو کچھ اللہ کے راستہ میں کم یا زیادہ خرچ کریں گے جیسا کہ حضرت عثمان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم وغیرہ مانے اس تنگی کے عالم میں لشکر کی تیاری کے لئے سامان مہیا کیا تھا اور جہاد پر آتے جاتے ہوئے جو وادی طے کریں گے، جو قدم اٹھائیں گے یہ سب اللہ تعالیٰ ان کو جزاء دینے کے لئے لکھ لیتا ہے۔ لیکن یہ جزاء ان کے عمل کے مطابق نہیں بلکہ اس سے بہتر جزاء عطا فرمائے گا۔ حضرت ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں ایک شخص مہار والی اونٹنی لیکر آیا اور عرض کی حضور ﷺ یہ فی سبیل اللہ پیش کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز اس کے بدلے تمہارے لئے ستر مہار والی اونٹنیاں ہوں گی (مسلم)(1) زید بن خالد سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مجاہد کو سامان جنگ مہیا کیا وہ بھی جہاد میں شریک ہے اور جس نے کسی مجاہد کے گھر والوں کی ضروریات کو پورا کیا وہ بھی جہاد میں شریک ہے، بخاری و مسلم(2)۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بنی اسد بن خزاعہ کے قبائل کو قحط سالی کا سامنا ہوا تو وہ اپنے بچوں کو لیکر مدینہ طیبہ میں آ گئے۔ ان کی وجہ سے مدینہ طیبہ کے راستے بہت غلیظ اور گندے ہو گئے اور ہر چیز کی قیمتیں بھی بہت چڑھ گئیں(3) اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

"اور یہ تو نہیں ہو سکتا ؁ کہ مومن نکل کھڑے ہوں سارے کے سارے تو کیوں نہ نکلے ہر قبیلہ سے چند آدمی ؂ تاکہ
تفقہ حاصل کریں دین میں اور ڈرائیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ (نافرمانیوں سے) بچیں ؃"

؁ یہاں ما کان کی نفی نہی کے معنی میں ہے اور لینفروا پر لام نفی کی تاکید کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام لوگ اپنا گھر بار اور وطن چھوڑ کر طلب علم میں نہ نکل پڑیں کیونکہ اس سے معیشت و معاش کے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور سب لوگوں کا چلے جانا معاشرہ میں بگاڑ کا باعث بھی بنتا ہے۔

؂ ہر قبیلہ یا ہر شہر یا ہر دیہات سے چند آدمی علم دین کے حصول کے لئے نکلیں اور دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور اس کی طلب میں ہر قسم کی تکالیف برداشت کریں۔ سب لوگوں کے نکلنے سے اجتماعی نظام میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔

صاحب النہایہ فرماتے ہیں فقہ کا اصل معنی سمجھنا ہے اور اس کا اشتقاق شق اور فتح پر دلالت کرتا ہے۔ قاموس میں ہے الفقہ بالکسر کسی چیز کا جاننا، اس کی سمجھ حاصل کرنا اور اس کا معنی فطانت بھی ہے لیکن علم دین کی عظمت و شرافت کی وجہ سے عام طور پر علم دین کے لئے استعمال ہوتا ہے(4)۔ بعض محققین فرماتے ہیں فقہ سے مراد موجود چیز کے علم سے غائب چیز کا علم حاصل کرنا ہے، یہ علم استدلالی سے اخص ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فقہ کا مطلب نفس کے موافق اور مخالف حالات کا جاننا ہے اور دین کی فروعات کے علم میں تخصیص حاصل کرنا ہے۔ یہ ایک جدید

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 137 (قدیمی)
2۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 137 (قدیمی)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3، 129 (الفکر)
4۔ القاموس المحیط، جلد 2، 1642 (التراث العربی)

اصطلاح سے ظاہر یہ ہے کہ یہ مقلِّد کے علم کو بھی شامل ہے، مقلِّد جب مجتہد سے یا اس کی کتاب سے علم حاصل کرتا ہے تو یقیناً اس آیت کے حکم کو وہ پورا کر رہا ہوتا ہے۔

۳۔ جب علم دین سیکھ کر واپس آئیں تو ان پر فرض ہے کہ اپنی قوم، اپنے علاقہ کے لوگوں کو احکام الٰہی کی نافرمانی سے ڈرائیں تاکہ ان لوگوں پر جن چیزوں سے بچنا لازم ہے وہ ان کی تبلیغ سے بچ جائیں۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے بارے نازل ہوئی جو دیہاتوں کی طرف نکل گئے۔ پس انہوں نے ان سے نیکی کا عنصر پایا اور انہیں جو لوگ ملے انہیں ہدایت و تبلیغ کی۔ لوگوں نے انہیں یہ بھی کہا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم اپنے ساتھی رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر ہمارے پاس آگئے ہو۔ یہ کلام سن کر مبلغین نے اپنے اندر کچھ حرج محسوس کی۔ وہ سب لوگ واپس آگئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (1)۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگوں کو سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح پاؤ گے۔ جو زمانہ جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں، جبکہ وہ دین میں سمجھ پیدا کر لیں۔ اس حدیث کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2) اور اسی طرح بخاری، مسلم اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ دو قسم کے ہیں، عالم متعلم، ان دو کے علاوہ میں خیر نہیں ہے (3)۔ اس حدیث کو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ اخبار احاد حجت ہیں کیونکہ کل فرقۃ کا عموم تقاضا کرتا ہے کسی دیہات میں تین افراد ہوں تو ان میں سے ایک علم دین کے حصول کے لئے جائے تاکہ واپس آکر اپنے گروہ کو ڈرائے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور گناہوں سے بچیں۔ اگر اخبار آحاد کا اعتبار نہ ہو تو پھر یہ ایک آدمی کا واپس آکر بتانا مفید نہ ہوگا۔

دین میں تفقہ اور سمجھ دو قسموں میں منقسم ہے، 1۔ فرض عین، 2۔ فرض کفایہ۔ فرض عین عقائد صحیحہ اور ان فرد عات دین کا علم ہے جس کا ہر شخص محتاج ہوتا ہے مثلاً طہارت، نماز، روزہ اور اسی طرح ہر وہ عبادت جو شریعت کی طرف سے آدمی پر واجب ہے اس کے احکام کی معرفت بھی انسان پر واجب ہے، مثلاً اگر انسان کے پاس مال ہو تو اسے زکوٰۃ کا علم ہونا ضروری ہے، اسی طرح حج اگر واجب ہے تو حج کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح معاملات جو بھی انسان اختیار کرتا ہے ان کے احکام کی معرفت بھی واجب ہے، بیع صحیح اور فاسد کے احکام، ربا اور تجارت کے احکام اور اگر اجارہ کے معاملات کو اختیار کرتا ہے تو اجارہ کے احکام و مسائل جاننا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مسلمان پر علم کا حاصل کرنا فرض ہے (4)۔ اس حدیث کو ابن عدی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ الطبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الصغیر میں اور خطیب نے حسن بن علی سے روایت کیا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الاوسط میں اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سعید سے روایت کیا ہے۔ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ زائد الفاظ روایت کئے ہیں کہ طالب علم کے لئے ہر چیز حتیٰ کہ سمندر میں مچھلیاں بھی مغفرت کی دعا کرتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ مصیبت زدہ لوگوں کی فریاد کو پسند فرماتا ہے۔ فرض کفایہ وہ علم ہے کہ انسان ہر علم میں مہارت حاصل کرے حتیٰ کہ فتویٰ دینے کے درجہ پر فائز ہو جائے۔ اگر تمام لوگ علم حاصل کرنا چھوڑ دیں تو تمام گناہگار ہوں گے اور جب ہر شہر سے ایک آدمی بھی علم کی تلاش میں رہے تو باقی لوگوں سے یہ فرض ساقط ہوگا اور لوگوں پر لازم ہے پیش آنے والے واقعات و حادثات میں اس

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 129 (الفکر)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 129 (الفکر)
3۔ معجم کبیر، جلد 10 صفحہ 201 (العلوم والحکم)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 130 (الفکر)

عالم دین کی پیروی کریں۔علم کا حاصل کرنا ہر نفلی عبادت سے افضل ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم کا طلب کرنا اللہ کے نزدیک نماز، روزہ، حج اور جہاد فی سبیل اللہ عزوجل سے افضل ہے۔اس حدیث کو صاحب مسند الفردوس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک لحہ کے لئے علم حاصل کرنا ساری رات قیام کرنے سے افضل ہے اور ایک دن علم حاصل کرنا تین دن کے روزوں سے افضل ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسی تم میں سے ادنیٰ فرد پر میری فضیلت ہے۔اللہ تعالیٰ معلم خیر پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے، زمین وآسمان والے حتیٰ کہ بلوں میں رہنے والی چیونٹیاں، پانی میں رہنے والی مچھلیاں لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے کے لئے رحمت کی دعا کرتی ہیں(1)۔اس حدیث کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ ابی امامہ سے روایت کیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے سخت ہوتا ہے(2)۔اس حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے لیکن تین اعمال منقطع نہیں ہوتے ان کا صلہ اس کے بعد میں بھی ملتا رہتا ہے: 1۔صدقہ جاریہ،2۔وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے،3۔نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہے(3)۔علم لدنی جس کے حاملین کو صوفیاء کرام کہا جاتا ہے وہ بھی فرض عین ہے کیونکہ اس کا نتیجہ دل کو غیر کی محبت سے پاک کرنا ہے اور دوام حضوری سے متصف ہونا ہے۔نیز نفس کو تکبر، عجب، حسد، دنیا کی محبت، طاعت میں سستی، شہوت کی ترجیح، ریاکاری اور شہرت جیسی بری خصلتوں سے پاک کرنا ہے اور توبہ، راضی بالقضاء، نعمتوں پر شکر، مصیبتوں پر صبر وغیرہ جیسی اچھی صفات کے ساتھ نفس کو روشن اور منور کرنا ہے۔یہ امور مذکورہ کچھ حرام ہیں اور کچھ ہر انسان پر فرض ہیں، جو حرام ہیں وہ اعضاء ظاہری کے حرام افعال سے بہ زیادہ حرام ہیں اور جو ان میں سے فرض ہیں وہ ظاہری فرائض سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔پس نماز، روزہ اور کوئی دوسری عبادت جب تک اخلاص اور نیک نیتی سے مزین نہ ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی عمل کو قبول نہیں فرماتا مگر جو صرف اور صرف اس کی رضا کے لئے ہو(4)۔اس حدیث کو نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ابی امامہ سے روایت کیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں کی کیفیت کو دیکھتا ہے(5)۔اس حدیث کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ہر وہ عمل جس پر فرض عین کی ادائیگی مرتب ہوتی ہے وہ فرض عین ہے۔

اس آیت کے نزول کے سبب میں ایک دوسری توجیہ بھی ہے۔امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کلبی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔اسی طرح ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ اور عبداللہ بن عمیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے منافقین کے عیوب نازل فرمائے اور یہ ارشاد نازل فرمایا اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا۔ پھر نبی کریم ﷺ لشکر روانہ فرماتے تو تمام مسلمان وعید کے خوف سے جہاد پر چلے جاتے اور نبی کریم ﷺ کو اکیلا چھوڑ جاتے(6) اور عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ دیہات میں رہنے والوں میں سے کچھ لوگ جہاد میں شریک نہ ہوئے تو منافقین نے کہا دیہاتی ہلاک ہو گئے۔تو اللہ تعالیٰ نے مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ کا ارشاد نازل فرمایا۔

1۔جامع ترمذی، جلد2 صفحہ93 (وزارت تعلیم) 2۔جامع ترمذی، جلد2 صفحہ93 (وزارت تعلیم)
3۔مشکوٰۃ المصابیح، جلد1 صفحہ104 (الفکر) 4۔کنز العمال، جلد3 صفحہ25 (التراث الاسلامی)
5۔کنز العمال، جلد3 صفحہ25 (التراث الاسلامی) 6۔کنز العمال، جلد3 صفحہ25 (التراث الاسلامی)، 29-128 (الفکر)

یعنی ایسا کیوں نہ ہوا کہ کچھ لوگ جہاد پر نکلتے اور کچھ نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہتے تا کہ دینی مسائل حاصل کرتے، قرآن، سنن، فرائض اور احکام سیکھتے اور پھر جب مجاہدین واپس آتے تو انہیں بتاتے کہ تمہارے جانے کے بعد یہ احکامات نازل ہوئے ہیں۔ پھر یہ غازی حضرات بعد میں نازل ہونے والے احکامات سیکھتے اور دوسرے لوگ جہاد پر چلے جاتے تا کہ تفقہ فی الدین جو جہاد اکبر ہے اس کا سلسلہ منقطع نہ ہو کیونکہ حجت اور دلیل سے جھگڑنا اصل ہے اور بعثت نبوی کا مقصود بھی یہی ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اس توجیہ پر لِیَتَفَقَّهُوا اور لِیُنْذِرُوا کی ضمیریں مجاہدین سے پیچھے رہنے والوں کے لئے ہوں گی اور رجعوا کی ضمیر مجاہدین کے لئے ہوگی۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حکم اس صورت میں ہوگا جب حضور ﷺ نے سرایا بھیجے ہوں اور خود تشریف نہ لے گئے ہوں اور اس سے پہلے جو جہاد میں کسی ایک کے بھی شریک نہ ہونے پر وعید سنائی گئی ہے وہ اس صورت میں ہوگا جب حضور نبی کریم ﷺ بنفس نفیس جہاد پر تشریف لے گئے ہوں۔ حضرت الحسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ تفقہ اور انذار مجاہدین کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ کیونکر ایسا نہ ہوا کہ ایک گروہ جہاد پر جاتا اور مشرکین پر مسلمانوں کے غلبہ اور دین کی نصرت کا مشاہدہ کرتا اور پھر جہاد سے واپس آکر اپنی قوم کے کافر لوگوں کو بتاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ اور مومنین کو فتح عطا فرمائی ہے تاکہ یہ کافر عبرت حاصل کرتے اور اللہ کے رسول سے مقابلہ کرنے سے ڈرتے کہ جو ان کافروں پر عذاب نازل ہوا ہے اللہ کے محبوب سے مقابلہ کرنے پر ہمیں بھی ایسی حالت سے سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ حکم دلالت کرتا ہے(1) کہ جہاد فرض کفایہ ہے جب ایک جماعت جہاد میں مصروف ہو تو دوسروں سے جہاد ساقط ہو جاتا ہے مگر جب خلیفہ کی طرف اعلان عام ہو جائے تو پھر ہر شخص پر فرض ہو جاتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

"اے ایمان والو! جنگ کرو ان کافروں سے جو آس پاس ہیں تمہارے [1] اور چاہیے کہ وہ پائیں تم میں سختی [2] اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے [3]"

[1] اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سب سے پہلے ان لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا جو ان کے قریب رہتے ہیں جو نسب اور رہائش کے اعتبار سے قریبی ہیں کیونکہ جہاد کا مقصود ناصحانہ تنبیہ اور اصلاح ہے۔ اس لئے قریبی لوگ شفقت و نصیحت کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم دیا گیا وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ پھر جب آپ ﷺ مکہ کو خیرباد کہہ کر مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو قریظہ، نضیر اور خیبر کے یہود سے مقابلہ اور جہاد کا حکم ہوا۔ جب عرب کے جہاد سے فارغ ہو گئے تو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم ہوا۔ اس آیت کریمہ میں رومیوں سے جہاد کرنا مراد ہے کیونکہ رومی شام میں رہائش پذیر تھے اور شام عراق کی بنسبت مدینہ طیبہ کے زیادہ قریب تھا۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ تبوک کے سال رومیوں سے جہاد کرنے کے لئے عازم سفر ہوئے، جیسا کہ ہم نے ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے اور اسی طرح ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول روایت کیا ہے اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 129 (الفکر)

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ سے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔

اس آیت کریمہ کے مقتضیٰ کی وجہ سے فقہاء کرام فرماتے ہیں جو لوگ سرحد پر رہتے ہیں ان پر متصل کفار سے جہاد کرنا واجب ہے، اگر ان میں یہ طاقت نہ ہو یا وہ سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کریں تو ان سرحدی مسلمانوں کے قریب والے مسلمانوں پر جہاد واجب ہے، اسی طرح پھر جو ان کے قریبی ہیں ان پر واجب ہے اگر قریب والے سستی کرتے ہیں۔ اس طرح یہ جہاد شرق سے غرب تک تمام اہل اسلام پر واجب ہو جاتا ہے، میت کے کفن اور نماز جنازہ کا بھی یہی مسئلہ ہے کہ پہلے اس کے قریبی رشتہ داروں پر لازم ہو گا پھر الاقرب فالاقرب کے اصول پر سلسلہ چلتا جائے گا۔

۲ے (کافروں تمہاری طبیعتوں میں کمزوری اور کاہلی نہیں) بلکہ ہر وقت انہیں تمہارے اندر جوش و جذبہ اور ہر وقت علم اسلام کو بلند رکھنے کا ولولہ نظر آئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں غلظۃ کا معنی جہاد پر صبر کرنا ہے۔ آیت کا ظاہر یہ ہے کہ کفار کو امر دیا گیا ہے (یعنی ولیجدوا امر کا صیغہ ہے جس کا فاعل کفار ہیں) لیکن حقیقت میں مومنین کو کفار پر سختی کرنے کا حکم ہے، یعنی اسلام اور داعی اسلام کے مخالفین پر شدت اور سختی کرو۔

۳ے اللہ تعالیٰ کی تائید ہمیشہ متقین اور پرہیزگاروں کے ساتھ ہوتی ہے، وہ ان کی ہر مشکل گھڑی میں مدد فرماتا ہے اور کڑے وقت میں وہی ان کی اعانت فرما کر انہیں عزت و عظمت کا تاج زرنگار عطا فرماتا ہے۔ کفار کو کبھی اس کی تائید حاصل نہیں ہوتی، اس لئے کفار کی کثرت یا اسلحہ کی زیادتی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ان پر ٹوٹ پڑو، فتح و کامرانی تمہارے ہی قدم چومے گی۔

وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ اَیُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِیْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

"اور جب کبھی نازل ہوتی ہے کوئی سورۃ تو بعض ان میں سے وہ ہیں جو (شرارتاً) کہتے ہیں کہ کس کا تم میں سے زیادہ کر دیا ہے اس سورۃ نے ایمان تو وہ (سن لیں) ایمان والوں کے ایمان میں اس سورۃ نے اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں ۱ے"

۱ے یعنی جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو منافقین بطور مذاق اپنے جیسے بدذوق اور کور چشم ساتھیوں سے کہتے اس سورت کے نزول سے تمہارے ایمان میں کتنی بالیدگی اور بڑھوتری ہوئی ہے؟ لیکن مومنین جن کو اللہ تعالیٰ نے دولت ایمان سے سرفراز فرمایا ہے، انہیں تو اس سورت کے اعجاز و احکام سے یقیناً فائدہ ہوتا ہے، ان کا ایمان، علم اور عمل اس سورت سے مضبوط اور ترقی پاتا ہے، علم کی زیادتی، مراتب کی بلندی اور ان کے کمال کا سبب بنتی ہے، اس لئے وہ اس سورت کے نزول سے شاداں و فرحاں ہوتے ہیں۔

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

"اور جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے تو بڑھا دی اس سورۃ نے ان میں اور پلیدی ان کی (سابقہ) پلیدی پر اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے ۱ے"

۱ے ایمان ایک وہبی اور عطائی امر ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو آیات و رسل کسی کو فائدہ نہیں پہنچاتے (یعنی ایمان کی دولت

دلائل و براہین سے نہیں اللہ کریم کی کرم نوازی سے ملتی ہے)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک یا دو صحابہ کا ہاتھ پکڑتے اور فرماتے آؤ ہم اپنے ایمان میں اضافہ کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایمان دل میں ایک سفید نقطہ سے شروع ہوتا ہے۔ جب ایمان میں اضافہ ہوتا جاتا ہے تو وہ نقطہ بھی بڑھتا جاتا ہے، یہ سفیدی بھی بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ پورا دل سفید ہو جاتا ہے، اور نفاق دل میں سیاہ داغ سے شروع ہوتا ہے۔ جب نفاق بڑھتا جاتا ہے تو وہ سیاہ داغ بھی بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے، قسم بخدا اگر تم مومن کا دل چیر کر دیکھو تو تم اسے سفید پاؤ گے اور اگر منافق کا دل چیر کر دیکھو تو اسے کالا سیاہ پاؤ گے۔(1)

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾

" کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں ہر سال ایک بار یا دو بار پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت قبول کرتے ہیں ۱؎ "

۱؎ حمزہ اور یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ نے اولا ترون کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور مخاطبین مومنین ہیں، جبکہ باقی قراء نے یاء تحتانیہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں مذکور منافقین سے حکایت ہوگا۔ یعنی کیا یہ منافق دیکھتے نہیں کہ انہیں مختلف قسم کی بلیات و مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے، کبھی جسمانی امراض میں اور قلبی امراض و تکالیف سے دوچار کیے جاتے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انہیں قحط اور شدت سے آزمایا جاتا ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نہ چاہنے کے باوجود انہیں جہاد میں شریک ہونے کے ساتھ آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، وہ خود اسلام کا پھریرا بلند سے بلند اڑتا ہوا دیکھتے تھے اور ہر موڑ پر معجزات نبوی کا مشاہدہ کرتے تھے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کے قلبی نفاق کو ظاہر کر کے انہیں رسوا کیا جاتا ہے، عکرمہ فرماتے ہیں وہ منافقت کرتے ہیں پھر اسلام لاتے ہیں پھر منافقت کرتے ہیں۔ یمان فرماتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے کئے ہوئے وعدوں کو توڑتے ہیں(2) اور پھر عہد شکنی کے جرم سے، اسلام کے خلاف سازشوں کے گناہ سے توبہ نہیں کرتے اور اس نفاق سے توبہ نہیں کرتے جو ان کو ایسی مصیبتوں اور رسوائیوں سے دوچار کرتا ہے۔ یذکرون اصل میں یتذکرون تھا۔ یعنی اللہ کی نصرت، مسلمان کی کامیابی اور دشمن کی شکست کا وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا ہے اسے لحہ بہ لحہ دیکھ کر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا ۚ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿١٢٧﴾

" اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو دیکھنے لگتے ہیں ایک دوسرے کی طرف ۱؎ کیا دیکھ تو نہیں رہا تمہیں کوئی پھر چل دیتے ہیں ۲؎ پھیر دیے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ۳؎ کیونکہ یہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے ۴؎ "

۱؎ یعنی جب کوئی ایسی سورت نازل ہوتی جس میں ان بدبخت منافقین کا ذکر ہوتا اور حضور نبی کریم ﷺ اس کی تلاوت فرماتے تو بطور مذاق اور انکار آنکھوں سے ایک دوسرے کو اشارے کرتے یا اپنی رسوائی اور اپنے عیوب کے اظہار پر غصہ کرتے ہوئے ایک دوسرے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 131 (الفکر)   2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 132 (الفکر)

کواشارے کرتے ہیں اور ان اشاروں سے مقصود ان کا خاموشی سے محفل سے نکلنا ہوتا تھا۔

۲۔ من احد سے پہلے من زائدہ ہے۔یعنی وہ بڑے غور سے مجلس پر نظر گھماتے کہ کیا مومنین میں سے ہمیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی محفل کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔اگر کوئی نہ دیکھ رہا ہوتا تو آہستہ سے مسجد سے کھسک جاتے اور اگر دیکھتے کہ کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے تو بیٹھے رہتے۔(1)

۳۔ جب انہوں نے اس سورت پر ایمان لانے سے منہ موڑا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایمان سے پھیر دیا۔بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب رسوائی کے خوف سے پیارے محبوب کی محفل سے اٹھ گئے جہاں سے انہیں قرآن سنائی دیتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو قبول حق کی توفیق سے محروم کر دیا۔ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو قبول حق کی توفیق سے محروم کر دیا۔ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی محفل چھوڑنے کی سزا یہ دی کہ ہدایت کی توفیق ہی سلب کر لی اور انہیں گمراہی کے عمیق غار میں پھینک دیا(2)۔یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جملہ منافقین کے حق میں بددعا ہو کہ اللہ ان کے دل پھیر دے۔

۴۔ اس بدبختی اور شومئی قسمت کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی کم فہمی اور عدم تدبر کی وجہ سے حق کو سمجھتے ہی نہیں۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾

"بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے ۱۔ گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا ۲۔ بہت ہی خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا ۳۔ مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ۴۔ بہت رحم فرمانے والا ہے ۵۔"

۱۔ یعنی وہ رسول جو تمہارے پاس تشریف لایا ہے وہ تمہاری جنس سے ہے، تمہاری مثل اولاد اسماعیل سے ہے، تم اس کے حسب و نسب کو جانتے ہو۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں عرب کے ہر قبیلہ کا نبی کریم ﷺ سے نسبی تعلق تھا۔حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام لیکر آپ ﷺ کے زمانہ تک جہالت کی ولادت میں سے کوئی چیز آپ ﷺ کو لاحق نہیں تھی۔ یعنی آپ ﷺ شرعی نکاح کے ذریعے آباء سے امہات کی طرف منتقل ہوتے رہے، یعنی آپ ﷺ کے آباء میں سے کوئی بھی سفاح (بدکار) نہیں تھا۔امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری پیدائش اسلامی نکاح کے ساتھ ہوئی۔زمانہ جاہلیت کی بدکاری سے میری پیدائش نہیں ہوئی۔(3)

ابن عباس، زہری اور ابن محیصن رحمہم اللہ تعالیٰ نے من انفسکم کو فاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔معنی یہ ہوگا کہ تمہارے پاس رسول آیا تمہارے اشرف اور افضل لوگوں میں سے۔(4)

۲۔ تمہارا کسی مصیبت و مشقت میں مبتلا ہونا اسے بہت گراں گزرتا ہے اس معنی کے اعتبار سے بقول بعض ما زائدہ ہے، تمیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ما مصدریہ ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ما عنتم کا معنی ما ضللتم کیا ہے، یعنی تمہارا گمراہ ہونا انہیں بہت شاق ہے ضحاک اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کا معنی اثمتم کیا ہے، یعنی تمہارا گناہوں میں آلودہ ہونا آپ کو تکلیف دیتا ہے۔اس

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 33-132 (الفکر)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 133 (الفکر)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 133 (الفکر)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 133 (الفکر)

صورت میں ما موصولہ ہوگا۔(1)

؎ اس کریم آقا ﷺ کی ایک شان یہ ہے کہ وہ تمہارے ایمان اور تمہاری اصلاح احوال کا بہت خواہشمند ہے (اسے ہر وقت تمہاری بھلائی اور خیر کی فکر رہتی ہے)۔

؎ وہ تم میں سے جو نور ایمان سے مزین ہیں اور جو دوسرے ایماندار ہیں سب کے لئے انتہائی رافت و رحمت کا اظہار فرمانے والا ہے، فواصل کی رعایت کے لئے رءوف میں مبالغہ زیادہ ہونے کے باوجود اسے مقدم فرمایا ہے (حالانکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ رحیم پہلے ہو اور رءوف بعد میں ہو لیکن آیتوں کے قافیے ملانے کے لئے ترتیب بدل دی)۔ بعض علماء فرماتے ہیں اطاعت شعاروں پر رءوف ہے اور گناہگاروں کے لئے رحیم ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ۫ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝۱۲۹

"(اے حبیب!) پھر اگر منہ موڑلیں تو آپ فرمادیں کافی ہے مجھے اللہ نہیں کوئی معبود بجز اس کے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ ؎"

؎ اگر یہ تجھ پر ایمان لانے سے منہ موڑتے ہیں اور تیرے مقابلہ میں جنگ کے لئے تیار ہوتے ہیں تو آپ فرمایئے میرا رب ان کے مقابلہ میں میری کفایت فرمائے گا، اور ان کے خلاف میری مدد کرے گا۔ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں تو صرف اسی سے امید رکھتا ہوں اور میرے دل میں اس کے سوا کسی کا خوف اور ڈر نہیں ہے وہ عرش عظیم کا رب ہے۔ عرش کا خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر فرمایا کیونکہ وہ ساری مخلوق سے بڑا ہے، عبداللہ بن احمد رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا کہ قرآن حکیم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی یہ دو آیات ہیں۔ 1۔ لقد جاء کم رسول من انفسکم الایۃ، 2۔ فان تولوا فقل حسبی اللہ الایۃ. اور فرمایا از روئے زمانہ کے یہی دو آیات جدید ہیں، واللہ اعلم۔(2)

غزوۂ تبوک کے سفر میں ظاہر ہونے والے معجزات

سورۂ توبہ کا اکثر حصہ غزوۂ تبوک کے متعلق ہے، اس کے بعض واقعات ہم نے تفسیر کے ضمن میں ذکر کر دیئے ہیں، اب ہم کلام کی تکمیل کے لئے بقیہ واقعات و معجزات کا ذکر کرتے ہیں جو اس سفر میں ظاہر ہوئے تھے۔

1۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن سلام سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر جب خلیجہ سے ہوا تو صحابہ کرام نے عرض کی حضور ﷺ پڑاؤ کے لئے یہ جگہ بہتر ہے، یہاں سایہ بھی گھنا ہے، پانی بھی موجود ہے اور اس جگہ گوگل کے درخت اور پانی کے کنویں بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ زرعی زمین ہے، میری اونٹنی کو جانے دو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے، پس آپ ﷺ کی اونٹنی مسجد ذی مروہ میں جو دومہ کا درخت تھا اس کے پاس جا بیٹھی۔(3)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 134 (الفکر) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 134 (الفکر) 3۔ مجمع الزوائد، جلد 6 صفحہ 286 (الفکر)

2۔ محمد بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ وادی قری میں اترے تو بنی عریض کے یہودیوں نے ہریس (دانوں کو پیس کر گوشت میں پکایا جاتا ہے) پیش کیا، آپ ﷺ نے وہ خود بھی تناول فرمایا اور ان کو چالیس وسق کھانا کھلایا (اور فرمایا) یہ قیامت تک ان پر جاری رہے گا۔(1)

3۔ امام مالک، احمد، بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ، ابی کبشہ انماری اور ابو حمید الساعدی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مقام حجر سے گزر رہے تھے تو آپ ﷺ سواری پر سوار تھے اور چہرہ اقدس پر چادر ڈالی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ حجر کے مقام سے سواری کو دوڑا کر گزرے حتیٰ کہ ثمود کی تباہ شدہ بستی سے آگے نکل گئے۔ وہاں جب اترے تو لوگ حجر کے گھروں میں گئے اور ان کنوؤں سے پانی بھر لائے جن کنوؤں سے قوم ثمود پانی پیتی تھی اور اسی پانی سے آٹا گوندھا اور گوشت کی ہانڈیاں تیار کیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا پتہ چلا تو لوگوں میں الصلوٰۃ جامعۃ کی منادی کرائی۔ سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں کے گھروں میں داخل نہ ہو جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ ہاں روتے ہوئے وہاں سے گزرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہ عذاب آجائے جو ان پر آیا تھا اور ان کے کنوؤں سے پانی نہ پیو، نہ ان کے پانی سے وضو کرو، اپنی ہانڈیاں انڈیل دو اور آٹا جو گوندھا ہے اونٹوں کو کھلا دو۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے قافلہ سمیت وہاں سے کوچ کیا اور اس کنوئیں پر پڑاؤ کیا جہاں سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پیا کرتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا معجزات کا سوال نہ کیا کرو، صالح علیہ السلام کی قوم نے معجزہ کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پتھر سے اونٹنی پیدا فرما دی۔ وہ اس گھاٹی میں وارد ہوتی تھی اور اسی گھاٹی سے نکلتی تھی۔ ثمودیوں نے اپنے رب کریم اور اپنے نبی کی نافرمانی کی اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ وہ اونٹنی ایک دن سارا پانی پی جاتی تھی اور لوگ ایک دن اس اونٹنی کا دودھ پیتے تھے۔ پس انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو ایک چیخ نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو بجھے ہوئے کوئلے کی طرح کر دیا، صرف ایک شخص بچ گیا تھا جو عذاب کے نزول کے وقت حرم میں تھا۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون شخص تھا؟ فرمایا ابو رغال، پھر جب وہ حرم سے نکلا تو وہ بھی قوم کے عذاب میں مبتلا ہو کر تباہ ہو گیا۔ تم اس قوم پر داخل نہ ہو جس پر اللہ کا غضب ہوا۔ ایک آدمی نے آواز بلند کی اور اظہار تعجب کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اس سے بھی متعجب بات نہ بتاؤں۔ تم میں سے ایک شخص زمانہ ماضی اور زمانہ مستقبل کی تمہیں خبریں دیتا ہے، پس تم دین کے احکام پر مضبوط رہو اور درست سمت چلتے رہو۔ کیونکہ اسے تمہیں عذاب دینے کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم لائے گا جو اپنا دفاع نہ کر سکے گی۔ آج رات سخت ہوا چلے گی تم میں سے کوئی شخص کھڑا نہ ہو اور جس کے پاس اونٹ ہو وہ اس کی پاؤں کی رسی مضبوطی سے باندھے، کوئی شخص دوسرے ساتھی کے بغیر اکیلا نہ نکلے۔ تمام لوگوں نے حضور ﷺ کے ارشاد پر عمل کیا لیکن بنی ساعدہ کے دو شخص ایسا نہ کر سکے۔ ان میں سے ایک قضاء حاجت کے لئے باہر نکلا اور دوسرا اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلا تھا، جو حاجت کے لئے نکلا تھا اس کا وہاں ہی ہوا نے گلا دبوچ دیا اور جو اونٹ کی تلاش میں نکلا تھا اس کو ہوا نے اٹھایا اور جبل طی پر پھینک دیا، رسول اللہ ﷺ کو ان دونوں افراد کے متعلق بتایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ دوسرے ساتھی کے بغیر باہر نہ نکلنا، جس کا گلہ ہوا نے دبوچا تھا آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی تو وہ شفایاب ہو گیا۔ دوسرے شخص کو طے کے لوگ حضور ﷺ کے پاس لے آئے

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 446 (العلمیۃ)

جبکہ آپ ﷺ مدینہ طیبہ غزوۂ تبوک سے فارغ ہو کر پہنچ چکے تھے(1)۔ حضور ﷺ کا تمام صحابہ کو سیراب کرنے کا واقعہ تفسیر کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

4۔ محمد بن عمر اور محمد بن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی تھی۔ لوگ اس کی تلاش میں نکلے تو زید بن لصیب جو پہلے بنی قینقاع کا یہودی تھا۔ پھر اسلام قبول کیا تھا لیکن اندر سے منافق تھا۔ وہ عمارہ بن حزم کے پڑاؤ پر رہتا تھا۔ اس (زید) نے کہا محمد کہتا ہے میں نبی ہوں اور تم کو آسمان کی خبریں دیتا ہے، جبکہ اپنی اونٹنی کی خبر نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبکہ عمارہ بن حزم آپ ﷺ کے پاس موجود تھے، منافق نے اس طرح کہا ہے قسم بخدا میں تو صرف وہی جانتا ہوں جو اللہ نے مجھے سکھایا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی اونٹنی پر بھی اطلاع دی ہے۔ وہ وادی کے اندر فلاں گھاٹی میں ہے۔ لوگ وہاں گئے تو اونٹنی کو پکڑ کر لے آئے(2)۔ عمارہ زید کے پاس آئے اس کی گردن پکڑی اور فرمایا اے اللہ کے دشمن میرے پڑاؤ سے نکل جا۔ آئندہ میرے ساتھ نہ رہنا۔ ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ زید نے بعد میں توبہ کر لی تھی اور بعض فرماتے ہیں وہ منافقت پر ہی ہلاک ہوا تھا(3)۔

5۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر سے پہلے قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ (آپ ﷺ نے دیر لگا دی) سورج چڑھنے کے قریب ہو گیا۔ لوگوں کو نماز کے جانے کا خطرہ ہوا تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو مصلیٰ امامت پر آگے کیا اور انہوں نے نماز پڑھانی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، وضو فرمایا، جبہ مبارک کی آستینیں تنگ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ نے بازو جبہ کے نیچے سے نکال کر دھوئے اور خفین پر مسح فرمایا۔ آپ ﷺ نے ایک رکعت جماعت پالی اور ایک رکعت علیحدہ مکمل فرمائی، سلام پھیرا تو فرمایا تم نے بہت اچھا کیا، نماز کو ہمیشہ وقت پر ہی پڑھا کرو اور کوئی نبی اس وقت تک وصال نہیں کرتا جب تک کہ وہ اپنی امت کے کسی نیک صالح فرد کے پیچھے نماز نہیں پڑھ لیتا۔

6۔ احمد اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن بیضاء کو اپنی سواری پر پیچھے بٹھایا ہوا تھا اور بلند آواز سے یا سہیل تین مرتبہ فرمایا۔ سہیل نے کہا حضور ﷺ میں حاضر ہوں۔ لوگ سمجھ گئے کہ حضور ﷺ ہمیں بلانا چاہتے ہیں۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا جو یہ گواہی دے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں، اللہ تعالیٰ آگ پر اسے حرام کر دے گا۔(4)

7۔ محمد بن عمر اور ابو نعیم نے دلائل میں روایت کیا ہے کہ لوگوں کے سامنے راستہ پر ایک بہت بڑا سانپ آ گیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی سواری کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ سواری پر سوار تھے۔ لوگ اس سانپ کو دیکھ رہے تھے۔ وہ سیدھا کھڑا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ان آٹھ جنوں میں سے ہے جو میرے پاس قرآن سننے کے لئے آئے تھے۔ یہ تمہیں سلام کہتا ہے۔ تمام لوگوں نے کہا وعلیہ السلام ورحمة الله وبركاته۔(5)

8۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کے رجال سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان شاء اللہ کل تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے اور تم وہاں چاشت کے وقت پہنچو گے۔ جو مجھ سے پہلے پہنچ جائے وہ پانی کو بالکل نہ چھوئے، حتیٰ کہ میں پہنچ جاؤں۔ راوی فرماتے ہیں ہم چشمہ پر پہنچے تو دو آدمی ہم سے پہلے پہنچ چکے تھے اور

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 47-446 (العلمیہ)
2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 448 (العلمیہ)
3۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 449 (العلمیہ)
4۔ معجم کبیر، جلد 6 صفحہ 210 (العلوم والحکم)
5۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 450 (العلمیہ)

چشمہ تھوڑا تھوڑا بہہ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سے کہا تم نے اس کے پانی کو ہاتھ لگایا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ ﷺ ان پر ناراض ہو گئے اور جو کچھ اللہ نے چاہا وہ انہیں کہا۔ پھر لوگوں نے چشمہ سے تھوڑا تھوڑا پانی چلوؤں سے نکالا اور ایک مشک میں جمع کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس پانی سے اپنا چہرہ اقدس اور اپنے ہاتھ دھوئے، کلی فرمائی اور پھر کلی کا پانی کنوئیں میں ڈال دیا۔ برکت نبوت سے چشمہ رواں ہو گیا اور بہت سا پانی نکلنا شروع ہو گیا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اس طرح ہے کہ جونہی سرکار نے کلی ڈالی تو پانی پھوٹ پڑا حتیٰ کہ جو اس کی آواز سنتا تھا وہ اسے تیز آندھی کی آواز محسوس کرتا تھا، یہی پانی تبوک کا فوارہ ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ اگر اللہ تعالیٰ تجھے لمبی زندگی عطا فرمائے گا تو تو دیکھے گا کہ یہاں باغات ہی باغات ہوں گے(1)۔ بیہقی اور ابونعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ وہ چشمہ ابلنے لگا حتیٰ کہ وہ بھر گیا اور قیامت تک اسی طرح رہے گا۔

9۔ امام احمد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کھجور کے تنا سے ٹیک لگا کر تبوک کے سال خطاب فرمایا، فرمایا کیا میں تمہیں بتا نہ دوں کہ سب سے بہتر انسان کون ہے اور سب سے برا کون ہے، سب سے بہتر انسان وہ ہے جو گھوڑے کی پیٹھ پر یا اونٹ کی پیٹھ پر یا پیدل چل کر راہ خدا میں مرتے دم تک جہاد کرتا ہے اور برا انسان وہ ہے جو اللہ کی کتاب کو پڑھتا ہے لیکن اس کے احکام کی رعایت کرتے ہوئے گناہوں سے نہیں رکتا۔(2)

10۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کو پہلو کا گوشت پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے چھری منگوائی، بسم اللہ پڑھی اور اسے کاٹا۔

11۔ امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک لڑکا گدھے پر سوار ہو کر آپ ﷺ کے سامنے سے گزرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اَللّٰهُمَّ اقْطَعْ اَثَرَهٗ آپ ﷺ کا یہ فرمانا تھا کہ وہ فوراً اپاہج ہو گیا۔(3)

12۔ محمد بن عمر نے بنی سعد کے ایک شخص سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ ﷺ صحابہ کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے بلال ہمیں کچھ کھلاؤ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے گھی اور پنیر میں گوندھی ہوئی کھجوریں اپنے ہاتھ سے نکالیں، حضور ﷺ نے فرمایا تم بھی کھاؤ۔ ہم سب نے سیر ہو کر وہ کھائیں۔ پھر میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر میں چاہتا تو یہ اکیلا کھا جاتا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک آنت میں کھاتا ہے۔ پھر میں دوسرے دن حاضر ہوا تو دس افراد آپ ﷺ کے اردگرد بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا بلال کھانا لاؤ۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنی خورجی سے مٹھی مٹھی کھجوریں نکال رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا دل کھول کر نکالو اور صاحب عرش کی ذات سے کمی کا اندیشہ نہ کرو۔ وہ پوری خورجی لیکر آئے اور انڈیل دی۔ میں نے ان کا اندازہ دو مد لگایا۔ رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ پس سب نے کھایا۔ میں نے بھی ان کے ساتھ کھایا، حتیٰ کہ مجھے کوئی گنجائش نہ رہی، فرماتے ہیں دستر خوان پر اتنا ہی باقی تھا جتنا بلال لائے تھے۔ یوں لگتا تھا گویا ہم نے اس سے ایک کھجور بھی نہیں کھائی۔ پھر میں تیسرے دن صبح حاضر خدمت ہوا۔ آپ ﷺ کی خدمت میں دس یا ایک دو آدمی زائد بیٹھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلال کھانا لاؤ۔ بلال رضی اللہ عنہ وہی خورجی لائے جسے میں پہچان چکا تھا۔ انہوں نے وہ بکھیر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کھجوروں پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا بسم اللہ شریف پڑھ کر کھاؤ ہم نے کھانا

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 238 (صادر) 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 238 (صادر)

3۔ سنن ابی داؤد، جلد 1 صفحہ 102 (وزارت تعلیم)

شروع کیا۔ سب نے سیر ہو کر کھایا پھر اتنا ہی دوبارہ خورجی میں ڈالا جتنا کہ پہلے انڈیلا تھا۔ تین دن متواتر ایسا ہی ہوا۔

ایک دوسرا واقعہ بھی ہے جسے محمد بن عمر، ابونعیم اور ابن عساکر رحمہم اللہ تعالیٰ نے عرباض بن ساریہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں ہم تین آدمی تھے۔ میں، ہعال بن سراقہ اور عبداللہ بن مغفل المزنی، ہم تینوں بھوکے تھے۔ ہم در رسول ﷺ پر زندگی بسر کرتے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ ایک دن قبہ (خیمہ) میں تشریف لائے اور آپ کے ساتھ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ آپ ﷺ نے کوئی چیز تلاش فرمائی لیکن نہ پائی۔ آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور بلال کو آواز دے کر فرمایا ان لوگوں کے لئے شام کا کھانا ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تمام زنبیلیں ایک ایک کر کے جھاڑ دیں، ہر ایک سے ایک دو دو کھجوریں نکلیں۔ میں نے دیکھا آپ ﷺ کے ہاتھ میں کل سات کھجوریں تھیں۔ پھر آپ ﷺ نے ایک پلیٹ منگوائی، اس میں کھجوروں کو رکھا اور پھر ان کھجوروں پر اپنا دست برکت رکھا اور بسم اللہ شریف پڑھی اور ہمیں فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو، ہم نے وہ کھجوریں کھائیں۔ میں نے چون (54) کھجوریں کھائیں، ان کو شمار کر کے کھاتا رہا اور ان کی گٹھلیاں دوسرے ہاتھ میں جمع کرتا رہا، میرے دوسرے دونوں ساتھی بھی میری طرح کرتے رہے، ہم نے پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں، تقریباً ہم میں سے ہر ایک نے پچاس کھجوریں کھائیں، ہم سب نے جب کھانے سے ہاتھ اٹھا لئے تو سات کھجوریں اسی طرح دستر خوان نبوت پر موجود تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کھانا اٹھا لو۔ اب ان میں سے کوئی بھی نہیں کھا رہا ہے، ہم سب سیر ہو چکے تھے۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز ادا فرمانے کے بعد اپنے خیمہ کے سامنے تشریف فرما ہوئے۔ ہم جیسے در نبوی کے گدا دس افراد آپ ﷺ کے ارد گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تمہارے پاس صبح کا کھانا ہے؟ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کھجوریں لانے کا حکم فرمایا، آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کھجوریں پیش کیں تو آپ ﷺ نے ان کھجوروں پر ہاتھ رکھا جو ایک پلیٹ میں رکھی ہوئی تھیں۔ پھر فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہم دس آدمیوں نے خوب سیر ہو کر کھانا تناول کیا۔ پھر ہم نے کھانے سے ہاتھ اٹھائے تو کھجوریں اسی طرح موجود تھیں جس طرح پہلے تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر مجھے اپنے پروردگار کا شرم و حیا نہ ہوتا تو ہم ان کھجوروں کو مدینہ طیبہ لوٹنے تک کھاتے رہتے۔ شہر کا ایک چھوٹا سا بچہ ظاہر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ کھجوریں اسے عطا فرما دیں۔ وہ بچہ ان کھجوروں کو منہ میں چباتے ہوئے مڑ کر چلا گیا۔ (1)

محمد بن عمر روایت کرتے ہیں تبوک میں ایک سخت ہوا چلی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ایک بڑے منافق کی موت کی وجہ سے چلی ہے۔ جب واپس مدینہ آئے تو پتہ چلا کہ بڑا منافق مر چکا ہے۔ محمد بن عمر نے روایت کیا ہے کہ قبیلہ سعد کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کا در جود و سخا دیکھ کر آئے ہیں اور ہم اپنے اہل و عیال کو ایک ایسے کنویں پر چھوڑ آئے ہیں جس کا پانی بہت کم ہے اور یہ گرمی کی شدت تو آپ خود محسوس کر رہے ہیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم اگر بکھر گئے تو ہم قتل کر دیئے جائیں گے کیونکہ اسلام کا نور ابھی تک ہمارے ارد گرد تک نہیں پہنچا۔ آپ ہمارے لئے پانی میں اضافہ کی دعا فرمائیں۔ اگر ہم اس کنویں سے سیراب ہوتے رہے کوئی قوم ہم پر غالب نہیں آئے گی اور کوئی مخالف ہماری طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین کنکریاں لے آؤ۔ انہوں نے وہ کنکریاں پیش کیں تو آپ ﷺ نے کچھ دیر اپنے دست برکت و شفا میں انہیں مسلا، پھر فرمایا یہ کنکریاں لے جاؤ اور ایک ایک کر کے بسم اللہ شریف پڑھ کر کنوئیں میں ڈال دینا، قوم وہ

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 55-454 (العلمیہ)

کنکریاں لیکر واپس گئی اور حسب حکم عمل کیا۔ پس نبی کریم ﷺ کی برکت سے وہ کنواں ابلنے لگا، اس سیرابی کے بعد سعد قبیلہ نے مشرکوں کو وہاں سے بھگا دیا اور انہیں کچل دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو قبیلہ سعد نے اپنے اردگرد کے لوگوں کو جمع کیا ہوا تھا اور اسلام کے قریب آ چکے تھے۔(1)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر اور معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہم سے بیہقی اور ابن سعد رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن سورج طلوع ہوا، اس کی شعاعیں اور نور پہلے کی طرح نہ تھا۔ ایسی کیفیت میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، جبرئیل امین آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے سورج کی شعاعوں کی تبدیلی کا سبب دریافت فرمایا۔ جبرئیل نے فرمایا آج معاویہ بن معاویہ المزنی مدینہ طیبہ میں وصال فرما گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتوں کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بھیجا ہے کیا آپ بھی ان پر نماز پڑھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی اور فرشتوں نے آپ کے پیچھے دو صفیں باندھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا جبرئیل! معاویہ کو یہ مرتبہ کیسے ملا ہے، جبرئیل نے کہا وہ سورۂ قل هو اللّٰہ احد سے بہت محبت کرتا تھا، اٹھتے، بیٹھے، سوار، پیدل ہر حال میں وہ اس کی تلاوت کرتا رہتا تھا(2)۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں جو ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔ طبرانی اور ابو نعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے محمد بن حمزہ عن عمرو الاسلمی عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک کی طرف تشریف لے گئے تو میں اس سفر میں آپ ﷺ کی خدمت پر مامور تھا۔ میں نے دیکھا کہ گھی کے برتن میں گھی بہت کم رہ گیا ہے۔ میں نے آپ ﷺ کے لئے کھانا تیار کرنا تھا۔ میں نے دھوپ میں اس برتن کو رکھ دیا تا کہ گھی گرم ہو جائے۔ میں اسے دھوپ میں رکھ کر سو گیا، میں اس گھی کے ابلنے کی آواز سے بیدار ہوا، میں اٹھا تو اپنے ہاتھ سے اس برتن کو اوپر سے بند کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اگر تو اس گھی کو بہنے دیتا تو یہ وادی گھی سے بھر جاتی(3)۔ حارث بن اسامہ، بکر بن عبداللہ المزنی سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا میرا یہ خط روم کے بادشاہ کی طرف کون لے جائے گا؟ اسے اس کے بدلے جنت ملے گی۔ ایک شخص نے عرض کی حضور ﷺ اگر چہ وہ قبول نہ بھی کرے (آپ ﷺ نے فرمایا اگرچہ قبول نہ بھی کرے) وہ آدمی خط لیکر چلا گیا۔ بادشاہ روم نے خط پڑھا اور کہا اپنے نبی سے عرض کرنا کہ میں ان کا تابعدار ہوں لیکن میں اپنا ملک و بادشاہی چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اس نے پیغام رساں کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ دینار دے کر واپس بھیجا، پیغام رساں واپس آیا تو قیصر کی پوری بات عرض کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ جھوٹا ہے اور آپ ﷺ نے وہ دینار لوگوں میں تقسیم فرما دیئے۔(4)

امام احمد اور ابو یعلیٰ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حسن سند کے ساتھ سعید بن ابی ارشد عن التنوخی رسول ہرقل کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک پہنچے تو آپ ﷺ نے دحیہ کلبی کو ہرقل کی طرف بھیجا۔ جب حضور ﷺ کا دعوت نامہ اسے پہنچا تو اسے اپنے ملک کے پادریوں اور علماء کو بلایا اور دروازہ بند کر کے ان سے خطاب کیا، اس نے کہا تم جانتے ہو کہ یہ شخص (محمد ﷺ) تبوک میں آیا ہوا ہے۔ اس نے مجھے تین چیزوں میں سے ایک قبول کرنے کی دعوت دی ہے، یا تو میں ان کے دین (اسلام) کی پیروی کروں، یا ہم انہیں اپنی زمین پر ٹیکس ادا کریں اور زمین ہماری ملکیت میں رہے۔ یا ہم ان سے جنگ کریں۔ قسم بخدا تم آسمانی کتب پڑھ چکے ہو

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 56-454 (العلمیہ)
2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5 صفحہ 46-245 (العلمیہ)
3۔ دلائل النبوۃ از ابو نعیم اصبہانی، جلد 2 صفحہ 560 (عربیہ حلب)
4۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 457 (العلمیہ)

(جن میں نبی آخرالزمان کا تذکرہ ہے یہ وہی ہے) آؤ ہم مل کر اس کی پیروی کریں یا دوسری صورت ہے کہ ہم اپنی زمین پر ٹیکس ادا کریں۔ وہ یہ گفتگو سنتے ہی آگ بگولا ہو گئے اور باہر نکل پڑے اور یہ بڑبڑا رہے تھے کہ تو ہمیں نصرانیت چھوڑنے کی دعوت دے رہا ہے یا تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ ہم عربی حجازی کے غلام بن جائیں۔ جب اس نے ان کا یہ جوش اور غصہ دیکھا تو سوچا کہ یہ لوگ اگر نکل گئے تو پورے روم میں میرے خلاف ماحول خراب کر دیں گے۔ محل کے اوپر چڑھ گیا اور کہا اے بھائی میں نے تو یہ تمہاری دینی اور ملی غیرت و حمیت پرکھنے کے لئے کہا ہے۔ پھر قیصر نے تجیب عربی النسل شخص کو بلایا جو عربی نصاریٰ میں سے تھا۔ اسے قیصر نے کہا ایسا شخص بلاؤ جو عربی جانتا ہو اور اس کا حافظہ بھی تیز ہو اسے ان کے خط کا جواب دے کر بھیجو۔ راوی فرماتے ہیں وہ شخص میرے پاس آیا اور مجھے اس پیغام رسانی کے لئے منتخب کیا۔ ہرقل نے مجھے اپنا وہ جوابی خط دیا اور کہا کہ میرا یہ خط اس شخص (محمد ﷺ) کے پاس لے جاؤ اور جو کچھ ان سے سننا وہ مجھ تک یاد کر کے پہنچانا اور تین چیزوں کا خاص خیال رکھنا: 1۔ کیا وہ اپنے خط کا ذکر کرتا ہے جو اس نے ہماری طرف لکھا تھا یا نہیں، 2۔ جب وہ میرا خط پڑھتا ہے تورات کا ذکر کرتا ہے یا نہیں، 3۔ ان کی پیٹھ کی طرف دیکھنا کیا اس میں کوئی ایسی چیز ہے جو تمہیں شک میں مبتلا کرتی ہو۔ راوی فرماتے ہیں میں وہ خط لے کر تبوک پہنچا تو آپ ﷺ صحابہ کرام کے درمیان ایک کنویں کے اوپر گوٹ مار کر بیٹھے تھے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا تمہارا سردار اور قائد کہاں ہے، مجھے بتایا گیا کہ وہ تشریف فرما ہیں، میں آیا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا، میں نے وہ خط دیا تو وہ انہوں نے اپنی گود میں رکھ دیا۔ پھر مجھ سے پوچھا تو کون ہے؟ میں نے کہا حضور! میرا تعلق قبیلہ تنوخ سے ہے فرمایا اسلام کو قبول کرے گا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، میں نے کہا میں قوم کا پیغام رساں بن کر آیا ہوں، میں واپس جانے تک تو ان کے دین پر ہی رہوں گا۔ آپ ﷺ یہ جملہ سن کر مسکرائے اور یہ آیت کریمہ پڑھی: اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ۔ اے تنوخی میں نے ایران کے شہنشاہ کو خط لکھا تھا، اس نے اسے پھاڑ دیا، اللہ تعالیٰ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ میں نے بادشاہ حبشہ کو خط لکھا اس نے بھی پھاڑ دیا اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے ملک کو پارہ پارہ کر دے گا۔ میں نے تمہارے بادشاہ کو خط لکھا اس نے پھاڑا نہیں رکھ لیا، پس جب تک اس کی زندگی میں خیر اور بھلائی ہے، لوگ اس کے مطیع اور تابعدار رہیں گے۔ میں نے کہا ایک تو یہی بات تھی جس کی مجھے بادشاہ نے وصیت کی تھی، میں نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور اس کے ساتھ اپنی تلوار کے دستے پر اس بات کو لکھ لیا۔ پھر آپ ﷺ نے وہ خط ایک اپنی بائیں جانب بیٹھے ہوئے شخص کو عطا فرما دیا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا تمہارا یہ خط پڑھنے والا آدمی کون ہے؟ لوگوں نے بتایا یہ معاویہ ہے، اس خط میں یہ لکھا تھا جو قیصر روم نے بھیجا تھا۔ تمہارا ساتھی (محمد ﷺ) مجھے جنت کی طرف بلاتا ہے جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو متقین کے لئے سجائی گئی ہے۔ تو پھر دوزخ کہاں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا سبحان اللہ! جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے۔ پھر میں نے ترکش سے تیر نکال کر تلوار کے دستہ پر اس بات کو بھی لکھ لیا۔ جب خط پڑھنے سے فراغت ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا تیرا ہم پر حق ہے، تو قوم کا پیغام رساں ہے اگر ہمارے پاس کچھ انعام دینے کے لئے ہوتا تو ہم تجھے ضرور انعام دیتے ہم غریب مسافر ہیں۔ راوی فرماتے ہیں ایک شخص نے بلند آواز سے کہا میں اسے انعام دیتا ہوں، اس نے اپنے سامان سے زرد رنگ کا ایک سوٹ نکالا اور میری گود میں رکھ دیا میں نے پوچھا یہ انعام دینے والا کون ہے؟ بتایا گیا یہ عثمان ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص کی مہمان نوازی کون کرے گا۔ ایک انصاری جوان نے عرض کی حضور ﷺ! میں۔ انصاری اٹھا اور میں بھی اس کے ساتھ وہاں سے نکل پڑا۔ جب میں

مجلس سے باہر آیا تو پھر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور فرمایا اے تنوخی ادھر آؤ۔ میں آیا تو پھر حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اپنی پیٹھ سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا جس طرف کہہ رہا ہوں ادھر آؤ۔ میں پیٹھ کی طرف بیٹھ گیا، تو میں نے دیکھا کہ کندھے کے قریب مہر نبوت ہے جو موٹی سینگی کی طرح ہے (1) (سینگی وہ چھوٹا سا برتن جو جسم پر لگا کر گندا خون اور فاسد مادہ نکالا جاتا ہے)۔

محمد بن عمر لکھتے ہیں جب وہ شخص ہرقل کے پاس پہنچا تو سارا واقعہ عرض کیا۔ ہرقل نے اپنی قوم کو نبی کریم ﷺ کی تصدیق کی طرف بلایا تو انہوں نے انکار کیا، حتیٰ کہ ہرقل کو اپنے ملک و بادشاہی کا تخت ڈولتے ہوئے نظر آنے لگا۔ ہرقل حمص میں تھا تو اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ جس شخص نے نبی کریم ﷺ کی یہ اطلاع دی تھی کہ ہرقل اپنے ساتھیوں کی معیت میں شام کی وادی کے قریب پہنچ گیا ہے، یہ سب جھوٹ تھا ہرقل نے کوئی ایسا پروگرام اور ارادہ نہیں کیا تھا۔ سہیلی نے لکھا ہے کہ ہرقل نے چند تحائف حضور ﷺ کی بارگاہ میں بھیجے تھے۔ آپ ﷺ نے وہ تحائف قبول فرما لئے اور مسلمانوں میں تقسیم فرما دیئے۔ ہرقل نے ایک شخص کو یہ ندا کرنے کا حکم دیا کہ ہرقل محمد ﷺ پر ایمان لے آیا ہے اور اس کی پیروی شروع کر دی ہے۔ یہ پیغام ملتے ہی محل کے ارد گرد اسلحہ سے لیس لشکر جمع ہونا شروع ہو گئے اور محل کو گھیرے میں لے لیا۔ وہ لوگ ہرقل کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ ہرقل نے حالات کی سنگینی دیکھ کر پینترا بدلا اور پیغام بھیجا کہ یہ منادی میں نے تمہاری دینی صلابت و پختگی جانچنے کے لئے کرائی تھی، میں تمہاری یہ دینی غیرت دیکھ کر بہت خوش ہوں، پس لوگ اس کی یہ بات مان گئے۔ پھر ہرقل نے دحیہ کلبی کو خط لکھ کر دیا جس میں یہ تحریر تھی، میں مسلمان ہوں لیکن میں اپنے معاملہ میں مغلوب اور بے بس ہوں، جب آپ ﷺ نے اس کا خط پڑھا تو فرمایا اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے وہ مسلمان نہیں ہے، نصرانیت پر قائم ہے۔ (2)

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحاق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں مجھے یزید بن رومان اور عبداللہ بن بکر نے بتایا (اسی طرح بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے) کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہوئے تو آپ ﷺ نے خالد بن ولید کو چار سو بیس شہسواروں کے ساتھ 9ھ رجب کے مہینے میں اکیدر بن عبدالملک کی طرف دومۃ الجندل کو روانہ فرمایا۔ اکیدر کا تعلق کندہ سے تھا اور یہ عیسائی مذہب کا پیروکار تھا۔ خالد نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں اس پر کیسے فتح حاصل کروں گا، جبکہ وہ کلب کے شہروں کے درمیان میں ہے اور ہم جو لوگ جا رہے ہیں ہماری تعداد بھی کم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اکیدر کو جنگلی گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے تم اسے گرفتار کر لینا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں دومۃ الجندل پر فتح عطا فرمائے گا۔ اگر اکیدر کو گرفتار کرو تو اسے قتل نہ کرنا میرے پاس لے آنا، خالد بن ولید اپنے نبی غیب دان کا ارشاد سن کر چل پڑے اور چاندنی رات میں حد نظر کے فاصلہ پر قلعہ کے قریب پہنچ گئے۔ اکیدر اپنی بیوی رباب کے ساتھ اونچی جگہ پر تھا پھر اکیدر گرمی کی وجہ سے اچھی گانے والی لونڈی کے ساتھ محل کی چھت پر چڑھ گیا، اس نے شراب منگوائی اور پی لی۔ ایک جنگلی گائے آئی اور اپنے سینگوں کے ساتھ قلعہ کا دروازہ رگڑنے لگی، اکیدر چھت سے نیچے اترا اور گھوڑے پر سوار ہوا اس کے ساتھ اس کا بھائی حسان اور دو غلام بھی سوار ہو کر نکلے۔ جب وہ گائے کے پیچھے قلعے سے دور نکل گئے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے گھوڑ سواروں نے اکیدر کو گرفتار کر لیا۔ حسان نے گرفتاری دینے سے انکار کیا اور لڑتے لڑتے مارا گیا، دونوں غلام اور جو دوسرے لوگ تھے سب بھاگ کر قلعہ میں داخل ہو

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 441 (صادر)
2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 459 (العلمیۃ)

گئے۔ حسان نے ریشمی قبا پہنی ہوئی تھی جس پر سونے کا کام ہوا تھا۔ وہ اتار لی گئی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اکیدر کو کہا میں تجھے قتل سے امان دیتا ہوں حتیٰ کہ تم رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو اور دومہ کی فتح میں میرے ساتھ تعاون کرو، اکیدر نے کہا ٹھیک ہے مجھے دونوں شرائط قبول ہیں۔ خالد اسے لیکر قلعہ کے قریب پہنچے، اکیدر نے اپنے گھر والوں کو آواز دی کہ قلعہ کا دروازہ کھول دو۔ انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھولنے کا ارادہ کیا تو اکیدر کا بھائی مصاد اکڑ گیا۔ اکیدر نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے کہا قسم بخدا! مجھے تیری قید میں دیکھ کر یہ کبھی میرے لئے دروازہ نہیں کھولیں گے، آپ مجھ آزاد کر دیں، میں تجھے اللہ اور امانت کا عہد دیتا ہوں کہ میں تمہارے لئے قلعہ کھول دوں گا بشرطیکہ تم مجھ سے میرے اہل پر صلح کرو۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تجھ سے صلح کرتا ہوں۔ اکیدر نے کہا مال صلح کا فیصلہ جو چاہیں آپ خود فرما دیں اور اگر کہیں تو بدل صلح کا فیصلہ میں خود کر دیتا ہوں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو تو دے گا ہم قبول کر لیں گے۔ پس دو ہزار اونٹ، آٹھ سو خود اور چار سو زرہیں اور چار سو نیزوں پر صلح ہوئی اور ساتھ یہ شرط بھی پوری کریں گے کہ اکیدر اور اس کا بھائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے، جو چاہیں گے حضور ﷺ ہی فیصلہ فرمائیں گے۔ جب یہ سب شرائط طے ہو گئیں تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسے آزاد کر دیا۔ اکیدر نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ قلعہ میں داخل ہوئے اور اکیدر اور اس کے بھائی مصاد کو گرفتار کر لیا۔ اونٹ، غلام اور ہتھیار جو کچھ بدل صلح طے ہوا تھا سب لے لیا۔ جب خالد بن ولید کو اکیدر اور اس کے بھائی پر مکمل فتح نصیب ہو گئی تو عمر بن امیہ الضمیری کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کامیابی کی بشارت دینے کے لئے بھیجا اور حسان کی وہ ریشمی قبا بھی دے کر بھیجی۔ حضرت انس اور جابر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہم نے اکیدر کے بھائی حسان کی یہ قبا دیکھی تھی۔ جب ضمیری حضور ﷺ کے پاس لیکر آئے تھے تو لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے چھوتے تھے اور ان کی نرمی اور خوبصورتی پر تعجب کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس قبا کی خوبصورتی اور ملائمت پر تعجب کر رہے ہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، سعد بن معاذ کے رومال جنت میں اس سے (ہزار درجہ) ملائم اور خوبصورت ہیں۔ پھر جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بدل صلح پر قبضہ کر لیا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کے لئے کچھ سامان علیحدہ کر لیا۔ اس کے بعد مال غنیمت سے خمس نکالا، اور بقیہ حصہ غازیوں میں تقسیم فرما دیا۔ ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے اس مال غنیمت سے ایک زرع، ایک خود اور دس اونٹ ملے تھے۔ واثلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے اس سے سات نصاب ملے۔ عبداللہ بن عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم بنی حزینہ کے چالیس افراد تھے ہر شخص کو ہتھیار، زرع اور نیزوں کے علاوہ پانچ نصاب ملے۔ میں کہتا ہوں حصوں کا تفاوت قیمت کے تفاوت کی وجہ سے ہے، پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کی طرف اکیدر اور مصاد کو لیکر چلے۔ محمد بن عمر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اکیدر کو گرفتار کر کے لائے تو اس نے سونے کی صلیب اور ریشمی لباس پہنا ہوا تھا، جب اس نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو وہ آپ کو سجدہ کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے ہاتھ سے دو مرتبہ ایسا نہ کرنے کا اشارہ فرمایا۔ اکیدر نے رسول اللہ ﷺ کو تحائف بھیجے تھے جن میں لباس بھی تھا۔

ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان تحائف میں ایک خچر بھی تھا اور اس نے تین سو دینار جزیہ پر صلح کی تھی۔ آپ ﷺ نے اکیدر اور اس کے بھائی کا خون معاف کر دیا تھا اور انہیں آزاد کر دیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے ایک خط لکھا تھا جس میں ان کی قوم کی امان تحریر تھی (1)۔ جب رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو اکیدر کی گرفتاری کے لئے بھیجا تھا تو ایلہ کے بادشاہ یحنہ بن رؤبہ کو اندیشہ ہوا کہ

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 6 صفحہ 22-220 (العلمیہ)

رسول اللہ ﷺ ہم پر بھی کوئی لشکر نہ بھیج دیں جس طرح اکیدر پر بھیجا ہے تو وہ خود ہی چل کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں آ گیا اور اس کے ساتھ اہل جرباء اور اذرح بھی تھے۔ ابوحمید الساعدی کہتے ہیں ایلہ کا بادشاہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو سفید خچر بطور تحفہ پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک چادر عطا فرمائی اور اسے ایک خط لکھ کر دیا(1) اس حدیث کو ابن ابی شیبہ اور بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ محمد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں میں نے یحنہ بن رؤبہ کو خود دیکھا تھا جس دن وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوا تھا۔ اس نے سونے کی صلیب لٹکائی ہوئی تھی اور پیشانی کے بال باندھے ہوئے تھے۔ اس نے سر سے جھکنے کا اشارہ کیا تو حضور ﷺ نے اس کو سر اٹھانے کا اشارہ فرمایا۔ اسی دن حضور ﷺ نے اس سے صلح فرمائی تھی اور اسے یمنی چادر بھی عطا فرمائی تھی۔ حضرت ابوالعباس عبداللہ بن محمد رضی اللہ عنہ نے بعد میں وہ چادر تین سو دینار میں خریدی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرنے کا حکم فرمایا۔

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اہل جرباء جو کہ تین سو افراد تھے ان پر سالانہ تین سو دینار ٹیکس مقرر کیا گیا اور انہیں آپ نے ایک تحریر بھی لکھ کر دے دی۔ آپ ﷺ نے اہل اَذْرُح کو بھی ایک تحریر دی تھی اور اہل مقنا سے آپ ﷺ نے پھل اور کھیتوں کے چوتھائی پر صلح کی تھی۔ ابن ابی شیبہ، احمد اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں ایلہ کا بادشاہ ابن العلماء رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک تحریر لایا اور آپ ﷺ کو ایک سفید خچر پیش کیا۔ آپ ﷺ نے بھی اسے تحریر لکھ دی اور ایک چادر اسے عنایت فرمائی(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اور ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے یحییٰ بن کثیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے بیس راتیں تبوک میں قیام فرمایا اور نماز قصر فرمائی۔ محمد بن عمر، ابن سعد اور ابن حزم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم نے بھی یہی لکھا ہے، ابن عقبہ اور ابن اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آپ دس راتوں سے کچھ زائد ٹھہرے(3)۔ محمد بن عمر نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تبوک سے شام کی طرف جانے کا صحابہ کرام سے مشورہ لیا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر تو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے تو ضرور جائیے، ورنہ وہاں رومی کثرت سے جمع ہیں اور اہل اسلام میں سے وہاں کوئی بھی نہیں ہے، ہم ان کے قریب پہنچ چکے ہیں اور آپ ﷺ کے اتنے قریب تشریف لانے نے انہیں خوفزدہ کر دیا ہے، اگر ہم اس سال واپس چلے جائیں اور حالات کا جائزہ لیں یا اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی دوسرا حکم دے دے۔(4)

امام احمد، طبرانی اور طحاوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر فرمایا تھا کہ جب طاعون کسی زمین میں پیدا ہو جائے تو وہاں سے نہ نکلو اور اگر تم کسی دوسری جگہ ہو تو طاعون والی زمین کی طرف مت آؤ۔ حافظ نے بذل الماعون میں لکھا ہے کہ شاید حضور ﷺ کو یہ خبر پہنچی ہو کہ جس طرف آپ ارادہ فرما رہے ہیں وہاں طاعون کا مرض پھیلا ہوا ہے، بغیر قتال کے واپس لوٹنے کا ایک یہ سبب بھی ہو(5)۔ ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے دلائل النبوۃ میں ضعیف سند کے ساتھ شہر بن حوشب کے حوالہ سے عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ یہود حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں آئے اور کہنے لگے اگر آپ نبی ہیں تو شام کو جائیے کیونکہ شام محشر کی زمین ہے اور انبیاء کی زمین ہے۔ آپ ﷺ نے ان کی

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 61-460 (العلمیہ)
2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 61-460 (العلمیہ)
3۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 64-463 (العلمیہ)
4۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 62-461 (العلمیہ)
5۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 462 (العلمیہ)

بات کی تصدیق کر لی، آپ غزوہ کی طرف روانہ ہوئے اور تبوک پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل کی آیات نازل فرمائیں: وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ (1) اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ مدینہ طیبہ واپس لوٹ جائیں۔ اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابو یعلی، ابو نعیم اور ابن عساکر رحہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اور محمد بن عمر نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ اجازت فرمائیں تو ہم اپنے اونٹ ذبح کر کے کھالیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو اونٹ ذبح کرنے سے روک دیا اور بارگاہ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے انہیں اپنے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دی تو یہ سب اونٹ کھا جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا انہوں نے سخت بھوک کی مجھ سے شکایت کی تھی۔ اس لئے میں نے ایک جماعت کو ایک، دو اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دی ہے۔ جو اونٹ بچ جائیں ان پر باری باری سوار ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ نے اجازت دے دی تو سواریاں بہت کم رہ جائیں گی۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ بچے ہوئے کھانے پر دعا فرمادیں تاکہ اللہ کریم اس میں برکت ڈال دے (اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت نہ دیں) آپ ﷺ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ سے کھانے میں برکت کی دعا کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ایک دسترخوان منگوایا جسے بچھا دیا گیا۔ ایک شخص کو آپ ﷺ نے منادی کرنے کا حکم دیا کہ جس کے پاس کچھ کھانے کو بچا ہوا ہے وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرے، لوگ آنے لگے، کوئی مکئی کی مٹھی لے آیا، کوئی کسی چیز کا ٹکڑا لے آیا، کوئی آٹے کا مدلے آیا، کوئی کھجور اٹھا لایا، کوئی ستو لے آیا۔ جب یہ سارا کھانا جمع ہوا تو ستائیس صاع بنا (یعنی تقریباً 108 کلو)۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ پھر اس کھانے میں برکت کی دعا فرمائی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگوں نے اپنے برتن اس کھانے سے بھرنے شروع کیے۔ لشکریوں کے پاس جو برتن، بوری، خورجی، زنبیل جو کچھ تھا سب کو بھر لیا اور سیر ہو کر کھایا بھی پھر بھی کھانا بچا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب سب نے اپنی طاقت کے مطابق کھا بھی لیا اور لے بھی لیا تو وہ کھانا اتنا ہی باقی تھا جتنا پہلے دسترخوان پر جمع کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں، جو یہ کلمہ بغیر کسی شک وارتیاب کے کہے گا وہ جنت سے محروم نہیں ہوگا۔(2)

محمد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابو نعیم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تبوک سے واپسی پر راستہ میں رات کو ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، ہم سب سو گئے اور بیدار اس وقت ہوئے جبکہ سورج چڑھ چکا تھا۔ ہم نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا افسوس ہماری صبح کی نماز فوت ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس طرح شیطان نے ہم پر غلبہ پانے کی کوشش کی ہے ہم اس پر غلبہ پائیں گے اور اس کا مقابلہ کریں گے۔ آپ ﷺ نے اس لوٹے سے وضو فرمایا جو میرے پاس تھا اور اس میں کچھ پانی بچ بھی گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو قتادہ لوٹے میں جو پانی بچا ہوا ہے اس کو محفوظ رکھنا۔ آپ ﷺ نے سورج کے طلوع ہونے کے بعد ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، اس میں آپ ﷺ نے سورۂ مائدہ کی تلاوت فرمائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اگر لوگ حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہم کی اطاعت کرتے تو اتنی تکلیف نہ اٹھاتے۔ حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہم نے لشکر کو آگے پانی پر اتارنے کا مشورہ دیا تھا لیکن دوسرے لوگوں نے صحراء میں جہاں پانی نہیں تھا وہاں اترنے پر اصرار کیا۔ رسول اللہ

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5 صفحہ 254 (العلمیہ)

2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 463 (العلمیہ)

ﷺ سوار ہوئے اور زوال کے وقت لشکر سے جا ملے اور بھی آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ تھے۔ پیاس کی وجہ سے مردوں، گھوڑوں اور اونٹوں کی گردنیں ٹوٹ رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے ایک پیالہ منگوایا اور راوے سے اس میں پانی ڈالا (جو آپ ﷺ کے وضو سے بچا تھا اور آپ ﷺ نے اپنے صحابی کو محفوظ کرنے کا حکم فرمایا تھا) پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں مبارک اس پیالہ میں رکھ دیں، پس آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی نکلنا شروع ہو گیا۔ لوگوں نے پینا شروع کیا تو پانی متواتر نکلتا رہا۔ آدمی بھی سیر ہوئے جانور بھی سیراب ہوئے اور اس وقت لشکر میں بارہ ہزار اونٹ تیس ہزار افراد اور بارہ ہزار گھوڑے تھے۔(1)

ابن اسحاق اور محمد بن عمر رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ وادی الناقہ میں پہنچے جہاں پانی بہت کم تھا وادی کے نیچے بالکل تھوڑا سا پانی نکل رہا تھا جو دو یا تین سواروں کے لئے کافی ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ہم سے پہلے اس تھوڑے سے پانی پر پہنچ جائے تو ہمارے پہنچنے سے پہلے اسے نہ پیے۔ چار منافق معتب بن قشیر، حارث بن یزید، ودیعہ بن ثابت اور زید بن لصیب پہلے پہنچ گئے۔ جب آپ ﷺ اس پانی پر پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ پانی نہیں نکل رہا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا ہم سے پہلے کون اس پانی پر آیا ہے؟ آپ ﷺ کو منافقین کے نام بتائے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان پر کو برا بھلا کہا اور ان کے لئے بددعا کی۔ پھر آپ ﷺ نیچے اترے اور آپ نے ہاتھ مبارک اس تھوڑے سے پانی کے نیچے رکھا۔ پھر اپنی انگلیوں کے ساتھ اس پانی کو مس کیا۔ آپ ﷺ کی ہتھیلی میں وہ تھوڑا سا پانی جمع ہو گیا، پھر آپ ﷺ نے اس پانی کو انڈیل دیا۔ پھر ہاتھ سے مس کیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی فوراً پانی پھوٹ پڑا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے پانی کے چلنے کی آواز میں نے اس طرح سنی جیسے کڑک کی آواز ہوتی ہے۔ تمام لوگوں نے حسب طلب پانی پیا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا اگر تمہاری زندگی ہوئی تو تم اس وادی کے متعلق سنو گے کہ وہ ساری کی ساری سرسبز و شاداب ہے۔(2)

محمد بن عمر اور ابو نعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے سیرت نگاروں سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ٹیلے سے اتر رہے تھے، سخت گرمی کا موسم تھا۔ لشکر پیاس سے بلک رہا تھا وہاں پانی بالکل نہ تھا۔ لوگوں نے بارگاہ نبوی ﷺ میں پیاس کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے اسید بن حضیر کو بھیجا اور فرمایا ہو سکتا ہے تمہیں ہمارے لئے کچھ پانی مل جائے، حضرت اسید رضی اللہ عنہ کو ایک عورت کے مشکیزہ سے پانی مل گیا۔ اسید رضی اللہ عنہ نے پانی پیش کیا تو رسول اللہ ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا آؤ پیو۔ پینے کے بعد ہر ایک نے اپنا برتن بھر لیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اونٹوں کو لے آؤ، ان کو بھی پانی پلایا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسید رضی اللہ عنہ جو پانی لائے تھے اسے آپ ﷺ نے ایک بڑے پیالہ میں انڈیلنے کا حکم دیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس پانی میں اپنا ہاتھ مبارک داخل فرمایا اور اپنے چہرہ، ہاتھوں اور پاؤں کو دھویا۔ پھر آپ ﷺ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے اوپر ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی، جب دعا ختم ہوئی تو پیالہ سے پانی چشمہ کی طرح پھوٹ رہا تھا۔ حضور ﷺ نے لوگوں کو فرمایا پیو، پھر پانی پھیل گیا۔ لوگوں نے سو، سو، دو دو سو کی صفیں بنا لیں اور خوب سیر ہو کر پیا اور پیالہ سے متواتر پانی پھوٹ رہا تھا۔(3)

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 464 (العلمیہ) 2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 65-464 (العلمیہ)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے عبید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک کی مہم پر تھے تو بڑی مشکل کا سامنا ہوا جانور بالکل تھک گئے۔ لوگوں نے حضور ﷺ سے عرض کی حضور ﷺ اونٹ چلنے سے عاجز آ گئے ہیں، آپ ﷺ نے خود بھی مشاہدہ فرمایا کہ لوگ اونٹوں کو مار رہے ہیں۔ آپ ﷺ ایک تنگ جگہ میں تھے اور لوگ وہاں سے گزر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اونٹوں پر پھونک ماری اور یہ دعا کی اے اللہ ان پر تیرے راستہ میں جہاد کرنے والوں کا سامان لادا گیا ہے، بیشک تو طاقتور اور کمزور، تر اور خشک، بر اور بحر پر سوار کرتا ہے۔ وہ اونٹ چلتے رہے جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو نبی کریم ﷺ کے دم فرمانے سے وہ اتنے طاقتور ہو چکے کہ ہم سے وہ اپنی مہاریں کھینچتے تھے(1)۔ جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو فرمایا یہ طابہ ہے(2) اس حدیث کو بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما نے حضرت جابر، ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ جب آپ ﷺ نے احد پہاڑ کو دیکھا تو فرمایا هٰذا جَبَلُ اُحُدٍ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ یہ احد پہاڑ ہے، یہ ہم سے محبت کرتا ہے، ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو عورتوں اور بچوں نے یہ شعر پڑھ کر استقبال کیا:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ　　　وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَادَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا　　　ہم پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے جب بھی دعا کرنے والا دعا کرے(3)

ابن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تبوک سے واپسی پر لوگوں نے اپنا اسلحہ فروخت کرنا شروع کر دیا اور یہ کہنے لگے کہ اب جہاد ختم ہو گیا ہے۔ جب یہ بات حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے اسلحہ بیچنے سے منع فرمایا اور فرمایا دجال کے نکلنے تک میری امت کا ایک گروہ جہاد کرتا رہے گا۔ آپ ﷺ رمضان المبارک میں مدینہ طیبہ پہنچے، جبکہ مدینہ سے تبوک کی طرف 9ھ رجب کے مہینہ میں روانہ ہوئے تھے۔ مدینہ طیبہ اور تبوک کے درمیان چودہ منزلوں کا فاصلہ ہے۔ النور میں ہے کہ لوگ کہتے ہیں ہم نے حاجیوں کے ساتھ بارہ مرحلوں میں یہ سفر طے کیا۔ مدینہ طیبہ اور دمشق کے درمیان گیارہ مرحلوں کا سفر ہے۔

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق اور حضور نبی رحمت ﷺ کی نظر عنایت سے سورۂ توبہ کا ترجمہ بوقت اذان عصر بروز جمعرات 25 ربیع الاول بمطابق 29 رجون 2000ء کو اختتام کو پہنچا۔ وللّٰہ الحمد۔

اے ذروں کو مہر کرنے والے، بیکسوں کے چارہ گر، اے فریادیوں کی فریاد سننے والے، میرے لئے اس سورت کے ترجمہ کو باعث نجات بنا دے اور قیامت کی رسوائیوں سے بچا لے اور اسی کے طفیل میری ہر غلطی پر قلم عفو پھیر دے، اور اپنے محبوب مکرم ﷺ کی محبت سے نواز دے، یا کریم، یا رب العالمین یا ارحم الراحمین۔ صلی اللّٰہ علی حبیبہ الکریم الرءوف الرحیم۔ آمین یا رب العالمین۔

1۔ معجم کبیر، جلد 18 صفحہ 300 (العلوم والحکم)
2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5 صفحہ 469 (العلمیہ)
3۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 233 (الفکر)